حضرت عثمان اور حضرت علی

طہ حسین المصری

[illegible]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مصنف کا نقطۂ نظر

بس بھر میری کوشش ہوگی کہ یہ بحث حق اور صرف حق کی خاطر ہو، میرے پیش نظر صلیت رہے اور انصاف، میں حضرت عثمانؓ کے قضیے میں حصہ لینے والے اسلامی فرقوں میں سے کسی ایک کی ہوا خواہی نہیں چاہتا، میں عثمانی حمایت اور علوی شیعیت دونوں سے علیحدہ ہوں۔ میرے فکر و نظر کا گوشہ اس معاملے میں وہ نہیں جو خود حضرت عثمانؓ کے معاصرین کا تھا جنھوں نے اس کشمکش کے مصائب برداشت کئے اور ان کے ساتھ یا ان کی وفات کے بعد اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا شکار بنے رہے۔

میں جانتا ہوں کہ لوگ آج بھی اس مسئلے میں اسی طرح مختلف خیالات رکھتے ہیں، جس طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں رکھتے تھے، ایک طرف عثمانی ہیں جو صحابہؓ میں شیخینؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا درجہ سب سے اونچا جانتے ہیں، دوسری طرف شیعی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ ہی کا درجہ مانتے ہیں، ان کے خیال میں شیخینؓ کے لئے بھی قدر و منزلت کی کوئی گنجائش نہیں، کچھ لوگ بیچ میں ہیں، معتدل عثمانیت اور معتدل تشیع، یہ لوگ تمام صحابہ کی عظمت و احترام کے قائل ہیں، اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا درجہ بھی پہچانتے ہیں، پھر صحابہؓ میں باہمی تفضیل ان کے نزدیک ضروری نہیں، ان کا خیال ہے کہ تمام صحابہؓ نے پوری سرگرمی کے ساتھ کوششیں کیں۔ اللہ کے، اللہ کے رسولؐ کے، اسلام کے، اور مسلمانوں کے مخلص رہے، بعضوں سے کچھ کوتاہیاں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ سب کے سب اجر عظیم کے مستحق ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد نیک تھا۔ ان کی نیت قصور اور کوتاہی کی نہ تھی، اسلام کے مفا

ہیں جن پر وہ پوری شدت کے ساتھ جمے ہوتے ہیں، اور جن کی مدافعت اور حفاظت میں مر مٹنے کو تیار ہیں، اس لئے کہ ان خیالات کا مرکز دین اور ایمان ہے! اور ایک بندۂ مومن کے اعمال و معتقدات کی تمنا اپنے دین کی حفاظت، اپنے یقین کی مضبوطی اور خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں۔

میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گذرتی ہو، جو مذہب کی تاثیر اور عقیدے کے اثر سے خالی ہو، یہ نگاہ ایک مورخ ہی کی ہو سکتی ہے۔ جو اپنے آپ کو رجحانات، جذبات اور خواہشات سے بالکل الگ کر لیتا ہے، جن کے مظاہر خواہ کتنے ہی مختلف ہوں،

مسلمانوں کی ایک جماعت اور کہنا چاہئیے بہترین مسلمانوں کی جماعت اس فساد آخری حادثے سے قبل ہی اللہ کی رحمت کو پہونچ چکی تھی، اس کا دنیا سے اٹھ جانا اس کے ایمان اور اس کی قدر و منزلت میں کسی کمی کا باعث نہ ہو سکا بلکہ ان کی موت نے ان کو لغزش کے مواقع اور مشتبہ پوزیشن سے بچا لیا۔ اور وہ دنیا سے کامیاب اور شر و فساد سے محفوظ رخصت ہوتے، لیکن صحابہؓ کی ایک پوری جماعت قضیۂ عثمانی کے وقت موجود تھی، جب مسلمان اپنی تاریخ میں شدید ترین بے رحمی کے ساتھ اس قضیے میں حصہ لے رہے تھے، بعض صحابہؓ نے اس میں حصہ نہیں لیا، نہ کم نہ زیادہ، وہ حصہ لینے والوں سے کنارہ کش رہے۔ انھیں میں کے ایک خدا کی ان پر رحمت ہو، سعد بن وقاصؓ ہیں جنھوں نے فرمایا

لا اقاتل حتی تاتونی بسیف یعقل ویبصر وینطق فیقول اصاب ھذا واخطا ذاک۔

میں اس وقت لڑوں گا جب تم مجھے ایسی تلوار لا کر دو گے جو فکر و نظر رکھتی ہو اور جو یہ بولتی ہو کہ اس نے غلطی کی ہے اور یہ حق بجانب ہے۔

میں تو اسی ... میں حضرت سعدؓ اور اُن کے ساتھیوں کی راہ چلنا چاہتا ہوں رضی اللہ عنہم۔ طرفین میں سے مجھے ... سے پرخاش ہے نہ دوسرے سے بحث و تکرار، میں تو صرف ... اور لوگوں کی اطلاع ...

ماحول تک پہنچوں، جس نے طرفین کو فتنے میں مبتلا کیا، اور باہمی خصومت کا جال بچھا کر بڑی بے دردی کے ساتھ ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا، اور اب تک کرتا جا رہا ہے، اور غالباً قیامت تک کرتا جائے گا۔

اس کتاب کو پڑھنے والے آگے چل کر پڑھیں گے کہ حالات کی نزاکت اور معاملات کی خطرناکی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور اُن کے موافقین و مخالفین سب کے بس سے باہر تھی، وہ واقعات میں پڑھیں گے کہ جن حالات میں حضرت عثمانؓ مسندنشینِ خلافت ہوتے، اگر اُس وقت دوسرے کو بھی تختِ خلافت پر بٹھا دیا جاتا تو وہ بھی ان ہی کی طرح فتنہ و فساد کے مصائب میں مبتلا ہوتا اور لوگ اس سے بھی جدال و قتال کرتے۔

سیاسی تجربہ

میں تو اس خیال کا ہوتا جا رہا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تخیل میں جو اسلامی خلافت تھی وہ ایک دلیرانہ تجربہ اور فدا کارانہ اقدام تھا جس کی تکمیل نہ ہو سکی، اور شاید اس کی تکمیل کے موانع ممکن نہ تھے، اس لئے کہ یہ تجربہ وقت سے بہت پہلے شروع کر دیا گیا۔

اب تک انسانیت نے تجربہ اور آزمائش کی کتنی ہی منزلیں طے کر لی ہیں، حکومت اور تشکیلِ حکومت کے سلسلے میں اس کی ترقی اور تجربہ کی پرواز اونچی سے اونچی چوٹی تک پہنچ چکی ہے، لیکن کیا خیال فرماتے ہیں آپ؟ کیا انسانیت ان ترقیوں اور تجربوں کے بعد بھی ایک ایسے نظامِ حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہو سکی، جس میں سیاسی۔ اور سماجی انصاف کے تقاضے ٹھیک اسی طرح پورے ہوتے ہوں جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے عہد میں پورا کرنا چاہتے تھے؟

انسانیت نے طرح طرح کی حکومتیں بنائیں، ایک حکومت تو وہ بنائی جس میں بادشاہ اپنے آپ کو خدا تصور کرتے تھے، دوسری حکومت ایسی بنائی جس میں بادشاہ خدا تو نہیں لیکن دیوتاؤں کا سایہ تسلیم کیا گیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ بادشاہ کی ذات کسی ایک

خدا کا پرتو ہے، یہ سارے بادشاہ غلط یا سچ خیال کرتے تھے کہ ان کا اقتدار عوام کا عطیہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو ان کے آباؤ اجداد سے اُن کو ملا ہے جو خود خدا تھے یا ان دیوتاؤں کا عطیہ ہے جن کا روپ انھوں نے لیا ہے۔

اب اس قسم کے بادشاہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جو احکام بھی صادر فرماتے اس میں صرف ان کی خواہش اور خوشی کارفرما ہوتی، عوام خوش ہوں گے یا ناراض؟ اس کی ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اور ہوتی بھی کیسے، عوام تو پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ اطاعت کریں، حکم بجا لائیں، انھیں ناراض یا خوش ہونے کا کوئی حق نہیں، ان کی مرضی یا ناپسندیدگی بادشاہوں کی طبیعت میں کسی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتی تھی، بالکل اسی طرح جیسے آپ آفتاب کے نکلنے سے خوش اور اس کے ڈوب جانے پر ناراض ہوتے ہوں لیکن وہ نہ آپ کی خوشی پر طلوع ہوگا اور نہ آپ کا غصہ اس کو غروب ہونے سے روک سکتا ہے

انسانیت کو اس قسم کے بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کے تجربے سے برائے نام راحت ملی، زیادہ تر تو عذاب ہی عذاب رہا۔ تب اس نے اس میں انقلاب لانے کی کوشش کی، اسکی یہ کوشش کہیں کہیں کامیاب بھی ہوتی۔ چنانچہ مٹھی بھر اشراف اور امراء کی حکومت ظہور میں آئی جو اپنے درمیان تو مساوات کے قائل تھے لیکن عوام کے لئے وہ بھی اسں کے روادار نہ تھے، اسی طرح مطلق العنان ظالموں اور سفاکوں کا دور حکومت آیا۔ یہ مظلوم عوام کی دست گیری کے نام سے میدان میں آتے اور اعلان کیا کہ وہ امراء اور سرداروں کے مظالم سے عوام کو نجات دلائیں گے لوگوں میں عدل و مساوات پھیلائیں گے، قوی اور کمزور، غریب اور امیر کا فرق مٹا دیں گے، مضبوط اور معذور دونوں اُن کی نگاہوں میں ایک ہوں گے۔ لیکن یہ سب تو وہ نہ کرسکے، الٹے لوگوں پر مظالم کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع کر دیا۔ اور عوام کے ساتھ اشراف کو بھی ذلیل کر کے انسانیت کو اسی ذلت اور بدبختی کے گڑھے میں پہنچا دیا جہاں سے وہ نکلنا چاہتی تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ گہرے غار میں،

اس کے بعد انسانیت نے ایک ایسے نظامِ حکومت کا منہ دیکھا جس کے متعلق اسکا

خیال ہے کہ وہ بہترین اور معقول ترین دستور حکومت ہے، عوام اس کے ذریعے سیاسی انصاف اور سماجی مساوات کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ نظامِ حکومت یہی جو عوام کو اپنے معاملات کا خود مختار بناتا ہے، اور ان کو حق دیتا ہے کہ اپنے لئے جیسا نظم چاہیں بنائیں۔ انسانیت نے اس نظام کا تجربہ کیا، بلا شبہ اس کے ذریعہ اس کو انصاف کی ایک قسط مل گئی۔ لیکن پوری پوری وہ بھی وصول نہ ہو سکی، اور جو ہوئی وہ بالکل سطحی، اور سرسری، چنانچہ آج بھی لوگ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے اور ایک جہتی اور اشتراک سے محروم ہیں۔ عوام کی لگام بظاہر بلاشبہ عوام کے ہاتھ میں ہے، لیکن حقیقت کچھ بھی نہیں۔ پوچھا یہ جاتا ہے کہ عوام کیا چاہتے ہیں؟ اب اگر جواب میں اختلاف ہوا۔ اور اختلاف کا ہونا یقینی ہے تو فیصلہ اکثریت کے حق میں ہو جاتا ہے اور اقلیت کی پرواہ نہیں کی جاتی، اس طرح اکثریت کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اقلیت کو پامال کرے اس کی مرضی کے خلاف اس پر حکمراں ہو، اگر اکثریت کو یہ موقع دیا جاتا کہ وہ براہ راست اپنے اوپر اور اقلیت پر حکمرانی کرتی تو شاید یہ نظام انصاف سے قریب تر اور مظالم سے بڑی حد تک خالی ہوتا۔ لیکن اکثریت کی براہ راست حکومت کی کوئی شکل نہیں، اس لئے ہوتا یہ ہے کہ اکثریت حکومت کرنے کے لئے اپنے نمائندے چنتی ہے یہ چناؤ تشدد، دھمکی، مکر، رشوت، اور لالچ کے بل بوتے پر ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ بھی ہو، لیکن اس سے تو مجالِ انکار نہیں کہ یہ نمائندے جنہیں اکثریت پسند کرتی ہے اور حکومت کی لگام ان کے ہاتھ میں دیتی ہے انسانوں ہی میں سے کچھ انسان ہوتے ہیں، جن میں پختگی بھی ہوتی ہے اور خامی بھی۔ سختی بھی ہوتی ہے اور نرمی بھی قناعت بھی ہوتی ہے اور حرص بھی، ایثار بھی ہوتا ہے اور خود غرضی بھی، پس یہ ہر وقت راہ سے ہٹ جانے کی زد میں ہیں، اور ان سے خطرہ ہے کہ اعتدال کی حد سے بڑھ جائیں اور اپنے ساتھ عوام کو بھی غلط راہ پر لے جائیں اور بالآخر بے انصافی کی وہی فضا پیدا کر دیں جو مستبد بادشاہوں، خود غرض اشراف اور خونخوار سفاکوں کے عہد حکومت میں تھی۔

اتنی ساری مشکلات اور ابھی ہم سیاسی انصاف کی منزل میں ہیں، پھر آپ اندازہ کیجئے کہ سماجی مساوات کی اُمید کس طرح کی جا سکتی ہے، جس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ سب لوگ حکومت کی نگاہ میں برابری کا درجہ رکھتے ہوں، بلکہ زندگی کے وسائل اور اور ذرائع سے بھی تمام لوگ یکساں مستفید ہو سکیں، اب تک انسانیت نے مختلف زمانوں مختلف خاندانوں اور مختلف حالات میں جتنے بھی نظامِ حکومت دیکھے ان میں سے ایک بھی اس سماجی مساوات کا حامل نہیں ہو سکا جو عوام میں وہ اطمینان وہ خوشگواری اور وہ امن پیدا کر دے جو بے چینی، بےزاری، اور خوف سے خالی ہو، پھر عہدِ حاضر کی انسانیت کو جو کچھ حاصل ہے وہ کسی طویل بحث کا محتاج نہیں، ڈیماکریسی نے قانون کی نگاہ میں عوام کو ضرور کسی حد تک آزاد اور مساوی بنا دیا ہے، لیکن وہ ان کے لئے سماجی مساوات کی ضامن نہیں، اشتراکیت نے ضرور کم و بیش سماجی مساوات اور انصاف کے تقاضے پورے کئے، چنانچہ اس نے طبقاتی فرق کو دُور کیا، مزدوروں کو اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ محتاجوں اور معذوروں کے لئے باعزت زندگی گذارنے کی سبیل نکالی، لیکن یہ سب کچھ دے کر ان سے ان کی آزادی چھین لی، اور ڈکٹیٹر شپ نے تو سبھی کچھ غصب کر لیا۔ نہ آزادی باقی رہی نہ مساوات! عوام کو بری طرح شرمناک حد تک غلام اور حکومت کا آلۂ کار بنایا۔ اور اس غلامی کے بدلے میں بھی اس نے ان کو کچھ نہیں دیا

ایک صالح حکومت کی تلاش میں انسانیت نے یہ سارے راستے طے کئے۔ اور نظامِ حکومت کے خوب خوب تجربے کرتی رہی، لیکن ہنوز دلی دور است، اب تک وہ ظلم و ستم کی شاکی ہے اور غلامی کی ذلتوں سے تنگ آچکی ہے، وہ متلاشی ہے ایک ایسے صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت کی جو انسانوں کو آزادی اور انصاف کی نعمت عطا کرے، یہ صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت وہی ہے جس کے قیام کی کوشش اسلامی خلافت نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں کی تھی۔ لیکن ابھی اس تجربے کی ابتدا بھی نہ ہو سکی تھی کہ صدیق اکبرؓ اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گئے، ابھی اس تجربے کی راہ میں چند بڑے بڑے قدم ہی اٹھائے تھے کہ فاروق اعظمؓ شہید کر دیئے

گئے، مزید برآں حضرت عمرؓ ان اقدامات سے پوری طرح مطمئن بھی نہیں ہو سکے، اپنی خلافت کے آخری دنوں میں آپ فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا۔

لو استقبلت من امری ما	تو دولت مندوں سے ان کی
استدبرت لاخذت من الا	پڑی ہوتی بے کار دولت لے لیتا
غنیاء فضول اموالہم	اور محتاجوں تک پہونچا دیتا
فرددتہا علی الفقراء	

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ سماجی مساوات کا تقاضا اچھی طرح پورا نہیں کر سکے۔ پھر کسی امیر یا حاکم کا کیا ذکر؟ مسلم اور غیر مسلم سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرح قیامِ عدل کا نہ کسی امیر نے ارادہ کیا اور نہ پورا کر دکھایا، پھر یہ کہ لوگ بھی حضرت عمرؓ کے تجربات سے خوش نہ تھے، عوام آپ سے خائف اور مرعوب تھے، اور ڈر کر آپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، آپ کا بڑے سے بڑا چاہنے والا ہو یا زیادہ سے زیادہ محبوب، کسی کو بھی اس بات کی کامیاب سفارش کا حوصلہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ خود اپنی ذات کے متعلق یا دوسروں کے بارے میں کچھ نرمی اور چشم پوشی سے کام لیں۔ کیونکہ آپ عدل کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، اور مفتوحین کو بھی یہ تجربات آخر کار خوش نہ رکھ سکے، وہ خیال کرتے تھے کہ اُن کی مرضی کے خلاف اور اُن کی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا ہے، انھیں یہ بھی خیال تھا کہ تمدن اور تہذیب میں ان کا درجہ پہلے ہے۔ عرب تو نو تہذیب ہیں اور ابھی ابھی تمدن آشنا ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بات ان کی مرضی کے بالکل خلاف تھی کہ متمدن اور مہذب لوگوں پر وحشی دیہاتیوں کو مسلط کر دیا جاتے۔ حضرت عمرؓ اسی قسم کی ناراضگی کے نتیجے میں شہید کر دیئے گئے، انہی مفتوحین میں سے ایک نے جب اپنے آقا مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی، اور حضرت عمرؓ نے تحقیق کے بعد کچھ عتاب نہیں کیا تو اس نے آپ کے خنجر بھونک دیا جب کہ آپ نماز کے لئے بڑھ رہے تھے۔

لیکن یہ بڑی زیادتی ہوگی کہ ہم اس دلیرانہ تجربے پر اس قدر غیر معمولی عجلت کے ساتھ رائے قائم کرلیں، ہمارا فرض ہے کہ پوری توجہ اور بصیرت کے ساتھ غور کریں کہ کیا یہ کوئی پائدار چیز تھی۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ یہ تجربہ کامیاب ہوجاتا اور اس سے جو مقصد تھا وہ پورا ہوجاتا۔ ہم غور و فکر کے بعد ہی اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو انصاف کی خاطر ہم نے اپنے سر لی ہے اور پھر یہ غور و فکر بہت سی ان مشکلات کے سمجھنے میں ہماری مدد کرے گا۔ جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد کا باعث بنیں یا بنائی گئیں اس لئے نہیں کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے بلکہ اس لئے کہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فتنہ ہو اور بعض لوگ فساد کریں

اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد مساوات پر ہے

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نظامِ حکومت کی بنیاد یہ تھی کہ وہ اپنے بس بھر مسلمانوں کے معاملات میں نبیؐ کے نقشِ قدم پر چلیں، یہ نقشِ قدم مسلمانوں پر پوری طرح واضح ہوچکا تھا۔ اس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ تمام انسانوں کو سچا اور بے لاگ انصاف مل سکے۔ اس کے لئے ہمیں کسی بحث اور دلیل کی ضرورت نہیں، بھول جانے والوں کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے دو باتیں پیش کیں، توحید اور انسانی مساوات۔ ارشاد خداوندی ہے،

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ	ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا
جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ	کیا اور تمھیں پہچاننے کے لئے قبائل اور
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	شعوب میں تقسیم کردیا۔ تم میں سب سے زیادہ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ	برگزیدہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ	زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔

قریش کو سب سے زیادہ غصہ آپ کی اسی دعوت پر تھا، کہ آپ لوگوں کو اس عدل اور مساوات کی طرف بلاتے تھے، آپ کی نگاہ میں حاکم اور محکوم کا، آزاد اور غلام کا، قوی

اور کمزور کا، امیر اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا اور سبھی کنگھی کے دانتوں کی طرح ایک سے تھے، آپ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ آپس میں نیچ اُونچ کا برتاؤ نہ کرو، شاید کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ آپ نے غلامی کا تو خاتمہ نہیں کیا اور نہ اس کی ممانعت کی کہ کوئی کسی کا مالک نہ رہے۔ لیکن جو لوگ اسلام کو جانتے ہیں اور اس کی حقیقت سے آشنا ہیں، ان کے نزدیک خدا کے دربار میں آقا اور غلام کا درجہ ایک کر دینا ہی اسلام کا وہ اقدام ہے جو انسانیت کی تاریخ میں ایک عظیم الشان واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر پیش آنے والے واقعات فتنہ وفساد بن کر مسلمانوں کی راہ میں حائل نہ ہو گئے ہوتے تو یہ واقعہ اپنی عظمت بعد میں بھی باقی رکھتا، اس لئے کہ خدا نے آقا و غلام دونوں پر نماز فرض کی، دونوں کو روزے کا حکم دیا اور دونوں کو تاکید کی کہ دلوں کو پاک اور نیتوں کو خالص کریں، اس نے دونوں کے لئے ایک ہی دین کا اعلان کیا۔ دونوں کا خون حرام کیا۔ ایسا نہیں کیا کہ غلاموں کا دین الگ ہے اور مالکوں کا الگ؛ اگر مسلمانوں کے معاملات اپنے رُخ پر چلتے تو یہ باتیں غلامی کو ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کر دیتیں، مزید برآں خدا نے غلاموں کے آزاد کر دینے کو ان نیکیوں میں شمار کیا ہے جن کے لئے مسلمان پیش قدمی کر کے اجر عظیم کے مستحق بنیں۔ اس نے دین میں بہت سے ایسے مواقع پیش کئے جہاں تک پہنچنے کے بعد غلام آزاد بن جاتا ہے۔ چنانچہ غلاموں کی آزادی عمل صالح بنائی گئی۔ بعض گناہوں کا کفارہ قرار دی گئی۔ اس طرح ہر وہ دروازہ کھولا گیا جس میں داخل ہو کر مسلمان ذوق اور شوق کے ساتھ اس فرض کو پورا کریں۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کو سنکر قریش آگ بگولا ہو جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غصے میں دانت پیستے تھے، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپؐ قریش کو صرف توحید کی دعوت دیتے اور ان کے سماجی اور اقتصادی نظام کو نہ چھیڑتے، قوی، کمزور، امیر، غریب، آقا۔ اور غلام کا فرق بدستور باقی رہنے دیتے، سود خواری کو حرام قرار نہ دیتے، دولت مندوں سے مال لینے اور فقیروں پر تقسیم کر دینے کا کام نہ کرتے تو قریش کی اکثریت

بڑی آسانی کے ساتھ آپ پر ایمان لے آتی اس لئے کہ قریش کے لوگ اخلاص کے ساتھ بتوں سے نہ عقیدت رکھتے تھے اور نہ سچا جذبہ ان کی کیفیت تو تذبذب کی سی تھی، اور وہ بھی شوخی اور تمسخر کے انداز میں، یہ سارے بت ان کی نگاہ میں اصل مقصود نہ تھے، بلکہ عام عربوں کو قابو میں رکھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ تھے۔ پھر اگر قریش کی بڑی اکثریت ایمان نہ لاتی تو جو بھی ایمان لاتے، لاتے، جو نہ لاتے وہ رکے رہتے، لیکن آپ کے لئے کسی آویزش یا عناد کا باعث نہ بنتے، الغرض قریش کا غیظ و غضب جس قدر بتوں کی مذمت سے تھا، اس سے کہیں زیادہ اس بات پر تھا کہ آپ ان کے سماجی نظام پر تنقید فرماتے تھے۔ اور آپ ایک ایسے انصاف کی دعوت دیتے تھے جو ان کی سیادت اور قیادت کے مفاد کے خلاف تھا۔

سب جانتے ہیں کہ آپ نے محض اسلام کی طرف رغبت دلانے کی خاطر بعض سرداران قریش کی طرف توجہ کی، جس میں غریبوں سے کچھ بے التفاتی کا رنگ پیدا ہوگیا۔ تو اللہ نے شدید لہجے میں عتاب نازل کیا، آج تک لوگ وہ آیتیں تلاوت کرتے ہیں جو اُم مکتوم کے واقعے سے متعلق وارد ہیں،

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ	تیوری چڑھائی اور روگردانی کی اس بات پر کہ آگیا اُن کے پاس نابینا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید سنور جاتے یا نصیحت حاصل کرے، پس فائدہ پہنچاتی اس کو نصیحت، وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو اس سے تغافل کرتا ہے یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے لکھا ہے[۲]

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے واقعہ سے متعلق

پس انسانوں کی مساوات کی دعوت "توحید و عدل کی ان دو بنیادوں میں سے ایک کا مظہر تھی جس پر اسلامی عمارت کا قیام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اور پھر مدینہ طیبہ میں جو زندگی رہی خود اس کا قوام اور مزاج تمام اہم معاملات میں عدل کا تقاضا پورا کرنا تھا۔ اور وہ اس اہتمام اور توجہ کے ساتھ کہ عام مسلمان اس بات کا یقین کرنے لگیں کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں عدل بھی ایک رکن ہے، جس سے سرتابی اسلام سے سرتابی اور جس میں کوتاہی دین میں کوتاہی ہوگی، یہی جذبہ تھا جس نے اس وقت جب کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم فرما رہے تھے اور دل جوئی کی خاطر بعض عربوں کو اُن کے حق سے زیادہ کچھ دے دیا تو ایک حقیقت سے بے خبر مسلمان اس پر معترض ہوا اور بول اُٹھا۔

اعدل یا محمد فانک — یعنی انصاف فرمائیے انصاف یہ

لم تعدل — انصاف نہیں ہے ،

پہلے تو آپ نے توجہ نہیں کی لیکن جب اس نے دوبارہ کہا تو آپ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمایاں ہوگئے، اور آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا؟

یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے چاہا کہ معترض کی خبر لیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس سے باز رکھا اس لئے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لئے مشورے کی آزادی اور تنقید و اعتراض کا حق تسلیم فرماتے تھے اور پھر آپ نے یہ دل جوئی کا عمل بھی اللہ کی وحی اور قرآن کی اجازت سے کیا تھا سورۂ برأت میں صدقات سے بعض لوگوں کی دل جوئی کی اجازت ہے اور مصارف صدقات میں تالیف قلوب بھی ایک مصرف بتایا گیا ہے ۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اگر مال غنیمت میں سے بعض عربوں کو کچھ زیادہ دیدیا تو یہ انصاف کے خلاف کوئی بات نہ تھی، آپ نے تو عدل کا تقاضا پورا کرنے میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ حد یہ ہے کہ خود اپنی ذات تک بدلے میں پیش کر دی؟ آپ کے خلفاء نے بھی چاہا تھا کہ ایسا ہی کریں لیکن وہ نہ کرسکے، حضرت عمرؓ نے اپنے

عہد خلافت میں اعلان کر رکھا تھا کہ جس افسر سے بھی کسی کو بلا وجہ تکلیف پہنچے گی وہ اس کا بدلہ چکانے کے لئے تیار رہے' کہا جاتا ہے کہ حج کے موقع پر حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ ان کے گورنر نے بلا وجہ اس کو مارا پیٹا ہے' تحقیق کے بعد آپ نے فیصلہ کر دیا کہ فریادی اپنا بدلہ لے لے' اب افسروں میں اس فیصلے سے بڑی بے چینی پھیلی اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ گورنر کو معاف کر دیں' اس لئے کہ بدلہ چکانے کا فیصلہ حکومت کا وقار کم کر دے گا اور پھر عوام کا حوصلہ افسروں کے خلاف بڑھ جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے باوجود انتہائی اصرار کے اس دلیل کو ماننے سے انکار کر دیا' لیکن آخرکار اس بات پر راضی ہو گئے کہ اگر فریادی رضا مند ہو گیا تو میں معاف کر دوں گا' چنانچہ گورنر نے فریادی کو رضا مند کر لیا۔ اور قصاص سے بچ گیا حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا کہ امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ دیا ہے پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلفاء اور حکمران بدلہ چکانے کی جگہ شاکی کو رضا مند کر لیا کریں۔ یا بدلہ پیش کرنے میں جبر و اکراہ کا اظہار کریں' حضرت عثمانؓ سے جھگڑا کرنے والے اپنی دلیل میں پیش کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بدلہ چکایا ہے اور حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف سے رعایا کو بدلا دلانے کی کوشش کی ہے' لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی بات نہیں مانی' جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظر رکھتے ہیں اور جو آپ کے سنن سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپؐ کسی بات میں بھی اپنے ساتھیوں پر اپنی برتری تصور نہیں فرماتے تھے' بجز ایک بات کے اور وہ وحی الٰہی کا آپ پر نازل ہونا۔ چنانچہ آپؐ اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرتے تھے' ان کا مشورہ قبول فرماتے تھے' وہ اگر جنگ کرتے تو آپ بھی لڑتے' وہ صلح کرتے تو آپؐ بھی صلح کی باتیں کرتے' ان ہی کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر کرتے۔ خندق کھودتے' زمین کھودنے اور عمارت بنانے کی مشقت میں تخفیف کے خیال سے صحابہؓ کے ساتھ آپؐ بھی نغمات گنگناتے' انہیں کے ساتھ پتھر اٹھاتے' مٹی ڈھوتے' غرض اپنے آپ کو انھیں میں سے ایک تصور فرماتے' ہاں امتیاز تھا تو صرف یہ کہ اللہ نے آپ کو نبوت عطا کی تھی چنانچہ آپ اس سے زیادہ کسی امتیاز کے روادار نہ تھے۔ سنن اور سیرت کی روایات بتاتی ہیں کہ مرض الموت

ہیں آپ نے سونے کی وہ تھوڑی مقدار جو مسلمانوں کے مال میں سے آپ کے پاس بچ رہی تھی منگوائی اور لوگوں کے حوالے کر دی۔ اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ نہ سونے کے مالک تھے نہ چاندی کے، اس معاملے میں آپؐ نے اپنے نفس پر انتہائی سختی کی، خدا نے بھی یہ شدت روا رکھی' اور چونکہ آپؐ کے ارشادات ذاتی خواہشوں کی بناء پر نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کے تقاضے سے ہیں، اس لئے نہ صرف یہ کہ صحابہؓ میں آپؐ نے اپنے لئے کوئی امتیاز کو گوارا نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنی طرح پابند رکھا اور فرمایا۔

نحن معاشر الانبیاء لا	ہم انبیاء لوگ کسی کو وارث نہیں بناتے
نورث ما ترکناہ صدقۃ	ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس باغِ فدک باپ کی وراثت میں مانگنے آئیں تو آپؓ نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور مذکورہ بالا حدیث ان کو پڑھ کر سنائی۔

پس سیرت نبویؐ نے لوگوں کے باہمی تعلقات میں' اپنے اور لوگوں کے تعلقات میں' نیز اپنے اہل بیت اور عام مسلمانوں کے تعلقات میں انصاف کو بنیاد قرار دیا تھا آپؐ کے خلفاء نے پوری کوشش کی کہ اپنے بس بھر آپ ہی کا راستہ چلیں، بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنی طاقت سے باہر کام کرنے کا ارادہ فرمالیا اور چاہا کہ بیک وقت مسلمانوں کے امام بھی رہیں اور اپنے گھر کے کاروباری بھی' خلافت کے کاموں کے لئے بھی اپنا وقت اور قوت رکھیں اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کمانے کی مشقت بھی اٹھائیں، مسلمانوں نے ایک دن دیکھا کہ آپؓ معمول کے مطابق کچھ سامان اٹھائے بازار کی طرف لپکے جا رہے ہیں تاکہ اسے فروخت کر کے کچھ چیزیں خریدیں، تب مسلمانوں نے توجہ کی یا باختلافِ روایت خود حضرت ابو بکرؓ نے محسوس فرمایا کہ وہ بیک وقت خلافت اور فکر معاش دونوں ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتے' اس لئے مسلمانوں نے ان کے لئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیا۔ اور اس میں بھی فراخی یا فیاضی کی شان نہ تھی۔ اتنی ہی مقدار مقرر کی جس سے گذر بسر ہو سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اتباع میں حضرت ابو بکرؓ نے حرج تصور فرمایا کہ دنیا

سے ایسی حالت میں جاتیں کہ ان کے پاس مسلمانوں کا کچھ مال رہ جاتے۔ چنانچہ آپ نے گھر والوں کو حکم دیا کہ اُن کے پاس جو ہنات رکھے ہیں وہ عمرؓ کو دے دیئے جائیں حضرت عمرؓ انھیں دیکھ کر رونے لگے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مناسب نہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ انھیں لے لیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جس بات کو اپنے لئے حرج تصور فرمایا، اسے اپنے ساتھی کے لئے بھی منظور نہیں کیا، اور یہ نہ ہونے دیا کہ ابوبکرؓ اپنے رب سے ایسی حالت میں ملیں کہ وہ ان سے سوال کرے کہ کیا تم نے ہنات عمرؓ کو واپس کر دیئے تھے، پھر ابوبکرؓ جواب دیں کہ میرے گھر والوں نے تو پیش کر دیا تھا لیکن عمرؓ نے لینے سے انکار کر دیا۔

انصاف قائم کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی آرزو اور حرص میں شدت کا یہ عالم تھا کہ پاکبازی اور نیک نیتی کی نگاہ میں جو بات حرج کی نہ تھی اس سے بھی احتیاط فرماتے تھے، بلاشبہ اگر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ کچھ طویل ہوتا تو ہم حیرت انگیز واقعات پڑھتے، جب کہ دس ہی سال کے فرق نے حضرت عمرؓ کے دور میں وہ کچھ کر دکھایا جس کی تصدیق لوگوں کے لئے مشکل ہے چنانچہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے متعلق راویوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے، اور ان کی شدت اور احتیاط کے بیان میں مبالغے سے کام کیا ہے، لیکن جو لوگ سنن اور طبقات میں نیز تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی سیرت پڑھتے ہیں وہ نہایت آسانی سے واقعات و حوادث میں یہ پتہ چلا سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مزاج اور اُن کی افتادِ طبع کیا ہے؟ اور راویوں کا اضافہ کتنا؟

واقعہ یہ ہے کہ خدا کی ذات سے متعلق معاملات میں حضرت عمرؓ لوگوں کے لئے بڑے سخت گیر تھے، لیکن اپنی ذات کے لئے اُن کی شدت لوگوں سے کہیں زیادہ تھی انسانیت کی پوری تاریخ میں مَیں نے بجز اولوالعزم کے کوئی فرد عمرؓ جیسا زندہ دل، حساس اور محتاط نہیں پایا۔ جو نہ ڈرنے والی باتوں سے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہو

[1] معمولی ساتھی

جو اپنی ذات میں ان باتوں کو عیب اور قصور تصور کرتا ہو جو نہ عیب ہیں نہ قصور! جو اپنے اوپر ایسی سختی اور پابندی عاید کرتا ہے جیسی کوئی نہیں کرتا۔ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عام الرّماد میں جب حضرت عمرؓ نے عوام کی تنگدستی اور فقر کو دیکھا تو خود انتہائی تنگدستی اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی۔

جب آپ کو پتہ چلا کہ لوگوں کو گھی نہیں مل رہا ہے تو آپ نے اس کا استعمال چھوڑ دیا۔ سوکھی روٹی اور تیل پر صبر کرتے رہے، پھر یہ تیل بھی آپ پر گراں گزرنے لگا۔ آپ کو خیال آیا کہ شاید پکنے کے بعد تیل اپنی تیزی کھو دے اور ہاضم اور لذیذ ہو جائے، چنانچہ اپنے غلام کو تیل پکانے کا حکم دیا۔ لیکن جب آپ نے کھایا تو سخت تکلیف ہوئی۔ اس کی وجہ سے آپ کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑا۔ حتیٰ کہ آپ کا رنگ تک خراب ہو گیا۔ لیکن مسلمان آپ کو اس سے نہ روک سکے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی خوش خوراکی سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دیا جب تک کہ عام مسلمان خوشحال نہ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں گزرا کہ وہ اتنی بڑی عظیم الشان طویل اور عریض سلطنت چلا رہے ہیں، جو اپنے اندر غیر معمولی وسعت اور فتوحات رکھتی ہے، وہ تو اس کو ایک حیرت کی بات خیال کرتے تھے اور تنہائی میں اپنے نفس کو یاد دلاتے تھے کہ اے خطّاب کے لڑکے! آج تو امیر المومنین بن گیا ہے کل تک اسلام سے قبل تو ایک چرواہا تھا اور اپنے باپ خطّاب کی بکریاں چراتا تھا لوگ ابھی یہ بھولے نہیں، ان کو تو وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں تو جانور چراتا تھا۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ خطّاب تجھ سے کتنی سخت محنت اور کڑی خدمت لیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے کسی کام میں خواہ وہ کتنا ہی سخت اور شاق ہو پہلوتہی نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک دن وہ صدقات کے اونٹوں کے باڑے میں چلے گئے اور ان کی کیفیت اور گنتی کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر کے حضرت علیؓ کو بتاتے اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے رجسٹر میں درج کرواتے حضرت علیؓ فاروق اعظمؓ کی اس کارروائی سے بہت محظوظ ہوئے اور

قرآن مجید کی وہ آیت تلاوت کی جو حضرت شعیبؑ کی لڑکی کی زبانی ہے ۔

یا ابت استأجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین

اس کے بعد فرمایا یہ ہیں "قوی امین" لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ چرواہوں اور معمولی آدمیوں کی طرح اونٹ کے پھٹن کے مقام پر قطرانؔ لگا رہے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی تکلف اور حرج تصوّر نہیں فرماتے، اپنی ذات پر اتنی سختی برداشت کرنے کے بعد گھر والوں کو بھی مجبور کرتے تھے، جب کبھی عوام میں کسی بات کی ممانعت کا اعلان فرماتے اور متنبہ کرتے کہ خلاف ورزی پر سزا دی جائے گی تو گھر والوں کو اکٹھا کرتے اور ان سے فرماتے کہ میں نے مسلمانوں کو فلاں کام سے منع کیا ہے اور خلاف ورزی پر سزا دینے کا اعلان کیا ہے لوگ میرے تعلق کی وجہ سے تم پر نظر رکھیں گے۔ اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کسی نے خلاف ورزی کی ہے تو اسے دوہری سزا دوں گا۔

عام الرماد کے زمانۂ قحط میں حضرت عمرؓ اپنے گھر کے کھانے پر بڑی کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ اگر کوئی اچھا کھانا یا زیادہ کھاتا تو بڑی سختی کے ساتھ اس کو روکتے پھر جب خود سختی اٹھاتے گھر والوں کو برداشت پر مجبور کرتے تو اس میں کچھ مضائقہ نہ دیکھتے کہ لوگوں کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کیا جائے جس میں سختی ہو لیکن جبر نہ ہو۔ نرمی ہو لیکن کمزوری کا پہلو نہ رکھتی ہو۔

سلا روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں میں کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے آپؓ کے گرد وپیش لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہو گیا۔ اتنے میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی آگئے۔ اور ہجوم کو چیرتے پھاڑتے حضرت عمرؓ تک پہونچ گئے، سعد ابن ابی وقاص کا دربار نبویؐ میں جو درجہ ہے وہ سب جانتے ہیں پھر فارس کی فتح کے سلسلے میں ان کی قربانیاں مسلم ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے دُرّے سے اُن کی خبر لی اور فرمایا۔

ان لم ترھب سلطان اللہ فی	زمین پر اللہ کی قوت سے تجھے خوف
الارض فاردت ان اعلمک	نہیں تو میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ

لہ بعض درختوں سے نکلنے والے روغنی مادے

ان سلطان اللہ لا یہابک — کی قوت بھی تجھ سے نہیں ڈرتی۔

اس طرح حضرت عمرؓ انتہائی آرزو رکھتے تھے کہ لوگ آپس میں برابری کا سلوک کریں اور وہ خود اور ان کے گھر کے لوگ بھی عام مسلمانوں کے بالکل برابر ہوں،

یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کی خاص زندگی کے روزانہ معمولات سے متعلق ہیں اور ان میں خواہ کتنی ہی شدت اور مشقت کا پہلو ہو لیکن پھر بھی وہ آسان ہیں البتہ آپ کا وہ طرزِ عمل جسے آپ نے اپنے اور خلافت کے لئے ایک دستور العمل کی حیثیت دیدی تھی ایک مشکل مہم تھی، جس کا ایک گوشہ آپ کا وہ طریقۂ کار جو جلیل القدر صحابہؓ اور اکابر انصار و مہاجرین سے تعلقات میں آپ نے برتا، یہ لوگ دربارِ نبوتؐ کے مقربانِ خاص اور اسلام کے سابقین اولین میں تھے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات کی گتھی یہی سلجھاتے تھے حضرت عمرؓ عوامی معاملات میں اپنے تمام اقدامات کی منظوری ان ہی حضرات سے لے لیتے تھے، اور تمام اہم امور میں مشورہ فرماتے تھے آپ خیال کرتے تھے کہ گو میں ان کا والی ہو گیا ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صحابہؓ مجھ سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو اب مجھے کیا روش اختیار کرنی چاہیئے اور ان کے لئے میرے طرزِ عمل کی نوعیت کیا ہو؟ آپ نے سبھوں کے ساتھ نرمی اور دُور اندیشی کا معاملہ کیا، اور سب کو اپنا ساتھی، مخلص، یارِ غار اور مشیر بنا لیا پھر بھی آپ ہر وقت چوکنا تھے کہ کہیں ان حضرات پر کوئی مصیبت نہ آپڑے یا یہ خود کسی مصیبت کا سبب نہ بن جائیں، چنانچہ آپ نے ان سبھوں کو مدینہ منورہ ہی میں روک رکھا اور بغیر اجازت کہیں باہر جانے نہیں دیا مفتوحہ ممالک میں بھی اجازت کے بغیر انھیں جانے کا حکم نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ کو اوّل تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ ان کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔ پھر یہ کہ کہیں یہ لوگ عام مسلمانوں کی عقیدت کے فریب میں نہ آجائیں اور یہ کہ کہیں ان تمام چیزوں کا خمیازہ حکومت کو نہ بھگتنا پڑے، اور یہ واقعہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ اور خصوصاً مہاجرین پر یہ قید و بند بڑی شاق تھی اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی یہ بندش اٹھا دی اور ان کو باہر جانے کی اجازت دے دی اور وہ مختلف مقامات پر جا بسے اور حضرت عثمانؓ کی

اس پالیسی سے بہت خوش ہوئے لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اُن ہی لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی جان ضیق میں ڈال دی اور وہی مصیبت پیش آئی جس سے حضرت عمرؓ ڈرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صحابیؓ کو اس کے مرتبے، اسلام سے اس کی اسبقیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی قربت کے اعتبار سے روزینہ مقرر کر دیا تھا اور اُن کی رائے یہ تھی کہ یہ روزینہ مزید کاروبار سے ان کی بے نیازی کا باعث ہونا چاہیے لیکن انھوں نے اس وظیفے کے باوجود تجارت کی اور دولت کمائی اور تجارت سے تموّل میں غیر معمولی اضافہ کر لیا۔ اِدھر وظیفہ کی مقدار بھی ترقی پذیر رہی، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے لیکن وہ اُن کو روک نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ لوگ عہد نبویؐ میں بھی کاروبار اور تجارت کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو نہ کسی کاروبار سے روکا اور نہ تجارت سے، حضرت عمرؓ صحابہؓ اور غیر صحابہ کی اس قسم کی دولت وثروت کو اس فضلِ خداوندی کا ثمرہ تصوّر فرماتے تھے جو مالِ غنیمت اور سالانہ عطیات کی شکل میں ان پر تقسیم ہو رہا تھا پس جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس سے وہ خوش نہ تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے۔

لو استقبلت من امری ما	جو کام میں نے بعد میں کیا اگر پہلے
استدبرت لاخذت من	کرتا تو دولت مندوں سے ان کی
الاغنیاء فضول اموالھم	بڑھی ہوئی دولت لے کر غریبوں
فرددتھا علی الفقراء	میں تقسیم کر دیتا۔

اور اگر حضرت عمرؓ کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو تاریخ اسلامی ہمیں حیرت انگیز واقعات سُناتی۔

فتوحات کی بدولت عہد فاروقی میں مسلمانوں میں مال و دولت کی ایسی بہتات ہوئی کہ حضرت عمرؓ دنگ رہ گئے اور صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ کی رائے گذشتہ روایت کی حمایت میں تھی، جس میں زندگی اور اس کے تغیر اور ترقی کی رعایت نہ تھی فرمایا کہ آیا ہوا سب مال تقسیم کر دیا جائے اور سال کے آخر میں ایک درہم و دینار بھی بیت المال

میں ایسا نہ رہ جائے جو اس کے مستحق کے پاس نہ پہونچ گیا ہو، حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ دولت کی موجودہ کثرت سے خدشہ ہے کہ اس کا نظم قائم نہیں کیا گیا تو معاملات کا شیرازہ بکھر جائے گا پھر حضرت عمرؓ نے رجسٹر تیار کرائے لوگوں کے لئے روزینے مقرر کیے اور جو کچھ بچ رہا اسے مسلمانوں کے عام مصالح اور مفاد کے لئے بیت المال میں محفوظ رکھا۔

ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ واقعات نے حضرت عثمانؓ کی رائے کو صحیح ثابت کردیا جو ایک متمدن یا متمدن بننے والی حکومت کو پیش آنے والے معاملات کے موافق تھی، جب عام الرمادہ میں قحط کے دن آئے تو حضرت عمرؓ بیت المال کے اندوختہ سے عوام کو اس وقت تک مدد پہنچاتے رہے جب تک کہ دوسرے صوبوں سے امداد نہیں پہونچ گئی، فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے، ہم بیت المال سے مسلمانوں کو کھلاتے رہیں گے اور جب دیکھیں گے کہ بیت المال خالی ہو چکا ہے تو محتاجوں کو حسب حیثیت دولت مندوں کے گھروں میں داخل کردیں گے، اس طرح کسی مسلمان کو ہم بھوکا نہیں رہنے دیں گے،

ہر چند کہ حضرت عمرؓ کی مالی سیاست کا یہ ایک مختصر گوشہ تھا اور اس میں بھی آپ کو عوام سے ہمدردی اور ان میں بے لاگ انصاف کی روح پھونکنے کا موقع ملا، لیکن مالیات میں آپ کی نگاہیں ایک اور راستہ بھی دیکھ رہی تھیں، جس پر بہت دور تک آپ چل چکے تھے، میں خیال کرتا ہوں کہ متمدن قومیں آج اس راستے تک پہونچنے کی کوشش کر رہی ہیں، لیکن شاید وہ بڑی مشکل سے وہاں تک پہونچ سکیں۔

حضرت عمرؓ اپنی اس رائے کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو خراج، جزیہ اور محاصل سے رقمیں آتی ہیں یہ سب کی سب مسلمانوں کی ملکیت ہیں، یہ کسی ایک فرد یا ایک جماعت کو نہیں دی جا سکتیں، آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ اس مال کی حفاظت اور مستحق تک اس کو پہونچا دینے کی ذمہ داری انھیں کے سر ہے، چنانچہ فرماتے تھے کہ اگر صدقات کے اونٹوں میں سے کوئی اونٹ زمین کے دور دراز حصہ میں کہیں بھاگ جائے یا اسے کہیں

کوئی تکلیف پہنچ جاتے تو میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے اس کے متعلق باز پرس کرے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو وہ دن آئے گا جب جبل صنعا کے ایک چرواہے تک اس مال سے اس کا حصّہ پہنچے گا۔

آپ نے بیت المال سے ہر ایک کا روزینہ مقرر کر دیا تھا، مردوں کے لئے، عورتوں کے لئے، بچّوں کے لئے، خستہ حال بوڑھوں کے لئے، معذوروں کے لئے، سب کے لئے الگ الگ اور مطمئن تھے گویا جس انصاف کی آرزو رکھتے تھے وہ پورا ہوگیا۔ لیکن ایک رات جب آپ راہ سے گذر رہے تھے ایک بچّے کو روتے ہوئے سُنا اور چلے گئے۔ جب دوسری بار گذرے تو پھر رونے کی آواز سُنی آپ نے اس کی ماں سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے یونہی کچھ کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن جب آپ تیسری بار ادھر سے گذرے اور پھر بچّے کو روتا پایا تو اصرار کے ساتھ وجہ دریافت کی ماں نے کہا ابھی میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں اس لئے کہ عمرؓ بچّوں کا روزینہ اسی وقت مقرر کرتے ہیں جب وہ دودھ چھوڑ چکا ہو، یہ جواب سُن کر بیتاب ہو گئے اور صبح ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ بچّوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کی جائے۔ ہم بچّوں کے لئے پیدائش کے بعد ہی سے روزینہ مقرر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ صدقات کی وصولی میں احکام خداوندی نافذ فرماتے تھے لیکن وصولی اور تقسیم میں حد درجہ احتیاط ملحوظ تھی، لوگ جانتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کسی دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ یہ مال آپ ہمارے دولت مندوں سے وصول کریں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ہاں۔

اس کے پیش نظر حضرت عمرؓ وصول کرنے والوں کو سخت تاکید فرماتے تھے کہ وہ جس قبیلے سے بھی صدقات اکٹھا کریں وصولی میں عدل و انصاف کی پوری شدت کے ساتھ پابندی کریں۔ اور ہر قبیلے کے فقراء کو اس کے صدقات واپس کئے جائیں تاکہ وہ سوال کرنے کی ذلت سے بچ سکیں پھر جو رقم بچ جائے اسے واپس کر دیں اس قسم کی بچی ہوئی رقم جب واپس آتی تو آپ اس کو ان مصارف کے لئے محفوظ کرا لیتے جن کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا۔ چنانچہ اس سے فقیر، مسکین، مسافر اور مقروضوں کی امداد فرماتے۔

مجھے نہ تو اشتراکیت سے بحث ہے اور نہ شیوعیت سے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نہ سوشلسٹ
تحریک کے علمبردار تھے نہ کمیونسٹ تحریک کے لیڈر انھوں نے تو ملکیت کو تسلیم کیا ہے جس
طرح نبیؐ اور قرآن نے اس کو تسلیم کیا ہے انھوں نے سرمایہ داری اور دولت مندی کی
اجازت دی جس طرح قرآن اور نبیؐ نے اجازت دی ہے، مجھے تو یہ عرض کرنا ہے، کہ
سماجی انصاف، ملکیت کو باطل اور سرمایہ داری کو حرام کئے بغیر بھی قائم کیا جا سکتا ہے
جس کے لئے آج بعض جمہوریتیں کوشاں ہیں۔ اور چاہتی ہیں کہ مالکوں کی ملکیت اور
دولت مندوں کی سرمایہ داری کے باوجود سماجی انصاف عملی طور پر پیش کردیں۔

میرے سامنے بیورج کا نظریہ ہے، جس نے کوشش کی کہ حکومت عوام کو
بلا آلۂ کار بنائے ان کی معاش اور ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہو، وہ بے کاری اور ذلت
سے دور رکھ کر ان کے لئے باعزت زندگی کا سامان کرے۔

میرے سامنے موجودہ جمہوریت کے دعوے اور حوصلے ہیں اور ان کی درماندگی
اور ناکامی، پھر میری نگاہ حضرت عمرؓ کے ارادوں اور ان کی تکمیل کی طرف جاتی ہے تو
بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ شاعر نے آپ کے لئے بالکل سچ کہا۔

جزی اللہ خیرا من امام وبارکت	حضرت عمرؓ کو اللہ تعالے جزائے خیر
ید اللہ فی ذاک الادیم الممزق	اور برکت عطا فرمائے نعامہ پر سوار
فمن یجرا ویرکب جناحی نعامۃ	ہو کر بھی اگر کوئی چاہتا کہ جو کچھ آپ
لیدرک ما ادرکت بالامس یسبق	نے حاصل کیا ہے وہ پالے تو وہ پیچھے ہی رہ
قضیت امورا ثم غادرت بعدھا	جاتا آپ نے بہت سے کام انجام تک پہنچائے
بوائق فی اکمامھا لم تفتق	لیکن بعض باتیں کھل کر سامنے نہ آسکیں۔

اور پھر حضرت عمرؓ اپنے عاملوں اور والیوں کے ساتھ نرمی اور چشم پوشی کا برتاؤ روا نہیں رکھتے
تھے، بلکہ ان پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے، عامل بناتے وقت اس کے تمام مال و جائداد کی ایک
فہرست تیار کرواتے اور سبکدوشی کے موقع پر سخت جانچ فرماتے اگر فرق پاتے تو اس کے دو حصے
کرکے ایک حصہ بیت المال میں داخل کر دیتے علاوہ ازیں بڑی باریک بینی سے دیکھتے کر ان

عاملوں کا رعایا کے ساتھ کیا سلوک ہے اور ان کو خفیہ اور کھلم کھلا سخت تاکید فرماتے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں نہ جسمانی اور نہ مالی اس سلسلے میں آپ نے اپنے بعض عاملوں کو سرزنش کی اور فرمایا۔

مُنذُ کم تعبدتم الناس وقد	تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے
ولدتھم امھاتھم احرارا	ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا ہے۔

روزانہ جب کوئی اہم اور مشکل امر پیش آجاتا۔ تو آپ مدینہ میں رہنے والے صحابہؓ کو مشورہ کے لئے طلب فرمالیتے۔ حج کے موقعہ پر اپنے عاملوں سے ملاقات اور بات کے لئے جگہ اور وقت مقرر فرما دیتے پھر رعایا کی باتیں عاملوں سے کرتے اور عاملوں کے بارے میں رعایا سے حالات سنتے اور تمام معاملات کا ٹھیک انتظام فرماتے' میں یقین کے ساتھ کہہ سکوں گا کہ اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کچھ اور وفا کرتی تو بلاشبہ آپ مسلمانوں کے شوریٰ کا ایک ایسا نظم تیار کر جاتے جو باقی رہتا اور مسلمانوں کو فساد و اختلاف سے اور حاکموں کو ظلم و تکبر سے بچاتا۔

میں نے ان مصائب اور مشکلات کا تذکرہ نہیں کیا جو حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے معاملات کے ٹھیک کرنے میں پیش آئیں اور جس کے بعد انھوں نے ملک پر ملک فتح کئے اور بڑے بڑے شہر بساتے اور ایک عظیم الشان عربی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالدی۔ اس لئے کہ میرے پیش نظر حضرت عمرؓ کی تاریخ لکھنا نہیں ہے اور نہ ان کی سوانح کا تذکرہ میرا مقصود ہے ان سطروں میں تو مجھے صرف یہ دکھانا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زندگی پیش فرمائی اور جس کی اتباع میں آپ کے دونوں ساتھیوں نے کوشش کی اس زندگی کی جوہری شے وہ بے لاگ اور سچا انصاف تھا جو حق کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کا اثر قبول نہیں کرتا اور جس کی موجودگی میں دن ہو یا رات۔ ظاہر ہو یا پوشیدہ، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خدا دیکھ رہا ہے اور نگرانی کر رہا ہے اور وہ بازپرس کرے گا۔ اور پھر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ بھی تاک میں لگے ہیں اور ان کو حکم ہے کہ ہر وقت جانچ کرتے رہیں اور خلیفہ کی اطاعت ان پر اسی وقت تک ہے جب تک وہ سیدھی راہ پر چلے اگر وہ غلطی کر رہا ہو تو اسے راہ راست پر لائیں، اگر اس کے کردار کے بارے میں شکوک و شبہات ہوں تو اس سے سوالات

کریں۔ اور یہ سب اس لئے کہ خلیفہ کی فرماں برداری علم و آگہی کے ساتھ ہو۔ بصیرت کی روشنی روشنی میں اس کو مشورہ دیا جاسکے، پختہ ارادے اور معقول اسباب کی بنا پر اس کی مخالفت کی جاسکے،

پس کیا یہ سیرت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی اور جس کی روشنی میں چلنے کی آپ کے صاحبین نے اپنے بس بھر کوشش کی، فوری نفع کے حریص اور فطری طور پر خود غرضی اور طمع کے دلدادہ انسان کے مناسب حال تھی، اور کیا اس سیرت میں ایسی قدرت تھی کہ وہ برقرار رہے تاآنکہ انسانوں کی طبیعتیں بدل دے،

اسلامی نظام حکومت الٰہی نہ تھا

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ بات صاف کر لینی چاہیئے کہ اس حاکمانہ نظام کی حقیقت کیا ہے جو ہجرت کے وقت سے لے کر حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی خلافت تک قائم ہو چکا تھا بعض وہ لوگ جنہیں معاملات کی ظاہری سطح مبتلائے فریب بنا سکتی ہے، خیال کرتے ہیں کہ یہ حکومت یا زیادہ جامع تعبیر میں اس مختصر سے عہد کا نظام حکومت الٰہی تھا جس کی بنیاد سر سے پاؤں تک دین پر تھی اب دین کا مفہوم اس اس خاص ماحول میں چونکہ آسمان سے نازل شدہ ایک حقیقت ہے اس لئے اس خیال کے حامی اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عہد میں جس حکومت نے مسلمانوں کا نظم سنبھالا اس کی قوت اور سلطانی کا مدار خدا اور اس کی امداد غیبی تھی۔ لوگوں کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ نہ اس میں شرکت کر سکتے تھے، نہ اس پر معترض ہو سکتے تھے" اور نہ وہ اس سے انکار کے مجاز تھے۔ اس خیال کے لوگ محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کے حق میں ایک صاف اور سچی دلیل یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کے حکم سے اس حکومت کی بنیاد رکھی۔ اسی نے آپ کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور مکہ کے مسلمانوں کو آپ کا ساتھ دینے کی ہدایت کی پھر خدا ہی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کے مجمل اور مفصل احکام وحی کئے سورۂ نجم

ہیں اسی کا ارشاد ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ،

تمہارا ساتھی راہ سے بھٹکا نہیں وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ جو کچھ پیش کرتا ہے وحی الٰہی ہے۔

اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں اس نے کھلے طور پر اعلان کر دیا کہ مسلمان ایمان دار اسی وقت ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے اختلافی معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنائیں، ان کے لئے اس دلیل میں اس سے بھی قوت پہنچ سکتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اور حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے، پس مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو حضرتؐ نے حکم دیا اور خود حضرتؐ نے اللہ سے حکم پایا، ان وجوہ کی بنا پر اس عہد کا نظامِ حکومت بالکل الٰہی نظام تھا، بلاشبہ اس خیال سے زیادہ کوئی خیال غلط نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسلام کی حیثیت بہرحال ایک دین کی ہے جس نے اپنے ان احکام اور حدود میں جن کا تعلق سب سے پہلے خدا کی توحید اور پھر نبوت کی تصدیق اور اس کے بعد نیک اور صالح زندگی سے ہے عام انسانوں کو ان کی دنیاوی اور اُخروی فلاح کی طرف متوجہ کیا لیکن اس نے ان کی آزادی نہیں چھینی، ان کا پورا پورا مالک ومختار نہیں بنا۔ اور نہ ان کے ارادوں کو معطل کیا، اس نے تو مقررہ حدیں انھیں مختار بنایا۔ کل مستحبات اور تمام مکروہات گنائے البتہ عقل اور دل کی قوت ساتھ کر دی، کہ غور وفکر کریں، اور اس بات کی اجازت دی کہ بھلائی اور سچائی، رفاہِ عام اور مصالح خاص میں اپنے بس بھر حصہ لیں،

خدا نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ وہ معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کریں اگر حکم کا تعلق آسمان ہی سے ہوتا تو نبیؐ خدا کے حکم کے مطابق ہر بات کی تکمیل بلا کسی کے مشورہ کے کر لیتا حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ

اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو

عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر	ان کو معاف کرو اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں۔

اور پھر اُحد کے ابتلا کے بعد اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں اپنے صحابہؓ کا مشورہ قبول کیا تھا جب آپؐ ان کو ایک مقام پر ٹھہرانا چاہتے تھے اور بعضوں نے دریافت کیا کہ اس مقام کا انتخاب تدبیر اور مصلحت کے ماتحت ہے یا اس کے لئے خدا کا حکم ہے تو آپؐ نے جواب دیا کہ یہ خدا کا حکم نہیں تو پھر آپ کو مشورہ دیا گیا کہ یہ مقام جنگی مصالح کے مناسب نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو یہاں سے ہٹا کر پانی سے قریب کسی جگہ جمنے کا حکم دیا جائے۔ پھر واقعہ بدر کے بعد قیدیوں کے سلسلے میں آپ نے صحابہؓ کا مشورہ قبول کیا۔ جس کے متعلق عتاب آمیز آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی	نبیؐ کو نہیں چاہیئے کہ اپنے ہاں قیدیوں
حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ	کو رکھے جب تک خوب خوں ریزی
عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ	نہ کرلے تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا
الْاٰخِرَۃَ	اور اللہ کے ہاں چاہیئے آخرت،

اُحد کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے خیال کیا کہ مدینے ہی میں قیام کریں اور باہر نکل کر ان سے مقابلہ نہ کریں ہاں اگر وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں تو پھر مدافعت کریں لیکن صحابہؓ اور خصوصاً انصار نے آپ پر زور ڈالا کہ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کی بات مان لی اور مقابلے کی تیاری فرمانے لگے مسلمانوں نے اس عرصہ میں ندامت سی محسوس کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کیا، چنانچہ انھوںؓ نے آپؐ کو مسلح آتے دیکھ کر معذرت کی اور اس بات کی اجازت چاہی کہ حضرت ہی کی رائے پر عمل کیا جائے۔ لیکن آپ نے اس سے انکار کیا اور جو مشورہ منظور کر لیا تھا اسی پر اڑے رہے اگر الٰہی نظام ہوتا اور ہر کام کے لئے آسمان سے حکم کا نزول ضروری ہوتا تو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور نہیں کر سکتے تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مشورہ قبول نہیں فرماتے، خواہ

حالات کی نزاکت کا تقاضا کچھ ہی ہوتا، غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ نے صحابہؓ کے مشورے اور ان کی رائے پر اعتماد کر کے خندق کھودنے کا آغاز خود کیا۔

یہ اور اسی طرح بہت سے دوسرے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے پوری رضامندی کے ساتھ قبول فرمائی، حدیبیہ کا موقع تھا قریش چاہتے تھے کہ اس سال زیارت بیت الحرام کے بغیر آپ واپس ہو جائیں، قریش کی اس خواہش سے صحابہ کسی طرح متفق نہ تھے، آپ نے اس سلسلہ میں جب ان سے مشورہ چاہا تو سبھوں نے مخالفت کی، بعضوں نے حد درجہ اصرار کیا، حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہدیا۔

لم نعطی الدنیۃ فی دیننا — اپنے مذہب کے معاملہ میں ہم اتنے نیچے کیوں اتریں

اب تو چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا میں اللہ کا رسولؐ اور اس کا بندہ ہوں، مسلمانوں نے محسوس کیا کہ معاملہ مشورہ اور گفت وشنید کا نہیں، شاید آسمان سے وحی نازل ہو چکی ہے، چنانچہ سبھوں نے خدا سے توبہ اور نبیؐ سے معذرت کی اور اللہ نے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا کی آیت نازل کی۔

اگر ہم ان تمام مواقع کی تفصیل پر متوجہ ہوں تو بات ضرورت سے بہت زیادہ لمبی ہو جائے گی، پھر جو تھوڑے سے واقعات پیش کئے گئے وہ اس ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ عہد نبویؐ میں احکام کا نزول پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ وحی خداوندی آتی تھی اور رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کو عام اور خاص مصالح کی طرف متوجہ کر دیتی تھی بلا اس کے کہ ان کی اس آزادی کی راہ میں حائل ہو جو انھیں حق دیتی ہے کہ سچائی بھلائی اور انصاف کے حدود میں اپنے معاملات کے لئے اپنی مرضی کے مطابق تدبیریں کریں اور شاید ہمارے اس خیال کی سب سے زیادہ قطعی اور صحیح دلیل یہ ہو گی کہ قرآن کریم نے سیاسی امور کی مجمل یا مفصل کوئی تنظیم نہیں پیش کی اس نے صرف "عدل" "احسان" اور رشتہ داروں کی خبرگیری کا حکم دیا "فحشاء" "منکر" اور "بغی" سے بچنے کی تاکید کی اور اس کے لئے عام حدود مقرر کر دیئے اور پھر مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ ان حدود کے اندر رہ کر

اپنی مرضی کے مطابق انتظامات کریں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے حکومت یا سیاست کے لئے کسی مقررہ نظم کا نقشہ نہیں بنا گئے۔ بیماری شدید ہو جانے پر بھی آپ نے مسلمانوں کے لئے اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنا خلیفہ کسی تحریری حکم کے ذریعہ مقرر نہیں فرمایا ہاں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، پھر مسلمانوں نے خیال کیا کہ صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا مضائقہ ہے اگر ہم انھیں اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیں؟ اگر مسلمانوں کے لئے کوئی سیاسی آسمانی نظام ہوتا تو یقیناً قرآن میں اس کی شکل بتائی جاتی اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حدود اور اصول بیان فرماتے اور بلا کسی بحث وحجت کے مسلمانوں کے لئے اس پر ایمان لانا فرض کیا جاتا۔

ایک اور بات جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا نظام عہد نبویؐ میں اور آپ کے دونوں خلفاء کے زمانے میں آسمانی نہ تھا بیعت کا سلسلہ ہے جس کا اجراء خود نبی کریمؐ نے اپنے عہد سے کیا سب لوگ جانتے ہیں کہ بدر کے موقع پر صحابہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم نہیں دیا تھا ہاں آپ نے تحریک کی تھی اور رغبت دلائی تھی اور اللہ کی طرف سے دو میں سے ایک نیکی کا وعدہ کیا تھا، اور انصار سے اس بات پر معاملہ طے ہوا تھا کہ آپؐ ان کو جہاد پہ نہیں لے جائیں گے البتہ اگر آپؐ پر کوئی افتاد آپڑے تو وہ مدافعت میں حصہ لیں گے ان حالات میں غزوۂ بدر کا موقع آیا تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ اور منتظر رہے کہ صحابہؓ اپنے خیالات پیش کریں گے بہرحال میدان جنگ میں آپ ان لوگوں کو لے کر اس وقت تک نہیں گئے جب تک انصاری سرداروں نے یہ نہیں کہہ دیا کہ اگر آپ ہمیں اس دریا میں بھی لے چلتے تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ ہوتے، اس طرح آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ جہاد کے لئے راضی تھے، لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ فریب کیا ہے تو آپ نے قریش سے لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ کچھ توجہ دلائی تھی جس پر لوگوں نے جان تک کی بازی لگا دینے کی بیعت کی۔ اس وقت اگر کوئی بیعت نہیں کرتا تو اس کے

لئے گنجائش تھی لیکن بلا استثناء سبھوں نے بیعت کی، کیونکہ وہ رسول پر اور رسول بھیجنے والے خدا پر ایمان رکھتے اور اس کی پکار کا جواب دینے کے لئے تیار تھے اسی بیعت کے متعلق سورۂ فتح میں خدا نے آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا	کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت
یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ	کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے
اَیْدِیْھِمْ ج	بیعت کر رہے ہیں انکے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے

اور پھر قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کو جہاد کے لئے دعوت اور رغبت دلائی گئی ہے ان میں اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جو اس فرض کی ادائیگی میں پیچھے رہ گئے اور خدا اور اس کے رسولؐ نے انہیں معذور سمجھا اور اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کا عذر نہیں سُنا گیا۔ لیکن اُن میں سے کسی کو نبیؐ نے خود کوئی سزا نہیں دی بلکہ معاملہ خدا پر چھوڑ دیا، چاہے معاف کرے چاہے سزا دے،

پھر یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ خلافت کی بنیاد بیعت پر قائم ہے یعنی عوام کی مرضی پر اس کے معنی یہ ہیں کہ خلافت حاکم اور محکوم کے درمیان ایک معاہدہ ہے جو ایک طرف خلفاء کو اس بات کا ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر حق اور انصاف کی حکومت کریں گے ان کے مصالح کی رعایت کریں گے اور ان کے معاملات میں بس بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کریں گے' اور دوسری طرف مسلمانوں کو ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کریں گے اور اس کے لئے خیر خواہی اور نصرت کا باعث ہوں گے۔

بلاشبہہ کسی خلیفہ کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی سلطانی اور حکمرانی مسلمانوں پر اپنی طرف سے فرض کر دے، تاآنکہ مسلمانوں سے قول و قرار نہ کرے اور ان سے بھی عہد نہ لے' اور اس طرح ایک مشترک معاہدے کی روشنی میں حکومت ہو' یہی وجہ ہے کہ اقتدار اور سلطانی نبی کریمؐ کی وراثت میں نہ تبدیل نہ ہو سکی، اور آپ نے اہل بیت کو اس کا وارث نہیں بنایا، اور خود ابوبکرؓ کو بھی یہ منصب جماعت کی بیعت اور اعتماد کے بغیر نہیں ملا' پھر ابوبکرؓ نے اپنی اولاد کو اور عمرؓ بن خطاب نے اپنے بیٹوں کو وارث نہیں

بنایا، حضرت عمرؓ کی خلافت عام مسلمانوں کے مشورے کی بنیاد پر ہے، اس لئے کہ جبتک صدیق اکبرؓ کی رائے کو ایک قابل قبول مشورہ جان کر عوام نے اپنی رضا مندی اور بیعت کا اعلان نہیں کر دیا حضرت عمرؓ خلیفہ نہیں بن سکے، چنانچہ حضرت عثمانؓ صدیق اکبرؓ کی رحلت سے پہلے ان کا مُہر کردہ لفافہ لے کر مسلمانوں تک پہنچے اور اُن سے دریافت کیا کہ کیا وہ اس لفافے میں لکھے ہوئے شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، لوگوں نے جواب دیا ہاں! کیونکہ ان کو حضرت ابوبکرؓ پر اعتماد تھا اور آپ کو اپنا سچا خیرخواہ اور مخلص دردمند یقین کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا کوئی لڑکا خلافت کا وارث نہیں ہو سکا۔ آپ نے ہرگز گوارا نہیں کیا کہ آپ کے بعد آپ کا کوئی لڑکا خلیفہ ہو، ہاں آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو مجلس شوریٰ میں شرکت کی اجازت ضرور دی لیکن اس شرط پر کہ وہ بحث میں کوئی حصّہ نہ لیں، اور یہی وجہ تھی کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں جب حکومت میں وراثت کا پیوند لگ گیا تو عام مسلمانوں نے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور کہنے والوں نے کہہ دیا۔ کہ "معاویہ خلافت کو ہرقل اور کسریٰ کی چیز بنا رہے ہیں" پس ان تمام باتوں سے اگر کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہی کہ عہد نبوی میں جو نظامِ حکومت تھا وہ کوئی الٰہی نظام نہ تھا جس میں لوگوں کی رائے اور مشورے کو کچھ دخل نہ ہو۔ پھر جب عہد نبویؐ میں یہ بات نہ تھی جب کہ وحی کا سلسلہ جاری تھا تو پھر اس سلسلے کے ٹوٹ جانے کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے دور میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا،

جو لوگ اس نظام کو الٰہی نظام تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان الفاظ اور کلمات سے دھوکا کھاتے ہیں جو وہ خلفا کے خطبات میں پڑھتے ہیں — نیز ان روایات سے جو خلفا کے بارے میں عام طور سے مشہور ہیں، اور جن میں اللہ کا ذکر اللہ کا حکم، اور اس کی سلطانی اور اطاعت کا تذکرہ ہے، یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ الفاظ اور یہ روایات اس امر کا ثبوت ہیں کہ نظامِ حکومت آسمانی تھا حالانکہ ان میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو بالکل عام لیکن ساتھ ہی بڑی اہم ہے، اور وہ یہ ہے کہ خلافت خلفاء اور عام مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ ہے اور اللہ نے مسلمانوں

کو حکم دیا ہے کہ جب وہ معاہدہ کرلیں تو اس کو پورا کرلیں خواہ اس معاہدے کا تعلق حکومت کے معاملات سے ہو یا خارجی تعلقات سے یا چند اشخاص کے درمیان کسی معاملے سے، بہر حال اللہ قول و قرار کی پاسداری کا حکم دیتا ہے اور وہ انسانوں کے دلوں کا شاہد ہے کہ وہ وفاداری کرتے ہیں یا غداری، وہ وفاداری پر ثواب اور غداری پر شدید عذاب دے گا۔

پس اس نقطۂ نظر سے اسلام اور مسیحیت میں کوئی فرق نہیں، اسلام بھلائی پھیلانا اور برائی روکنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ عوام کی زندگی عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہو، اور ہر قسم کی زیادتی سے خالی ہو، اسلام ان حدود کے قیام کے بعد عوام کو آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے معاملات کی تنظیم اپنی مرضی کے مطابق کریں مسیحیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی۔ حضرت مسیحؑ نے کسی موقع پر بنی اسرائیل کے بعض معترضین سے کہا "قیصر کا حق قیصر کو اور اللہ کا حق اللہ کو دو" میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا منشا اس سے ہرگز یہ نہیں تھا کہ قیصر کا حق انصاف اور صداقت کو پامال کرکے دیا جائے، یا یہ کہ قیصر اور عوام کے تعلقات کی بنیاد ظلم اور خوف پر رکھی جائے

اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ آپ پڑھیں گے کہ عہد عثمانی میں کچھ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے بعض گورنروں سے اس بات پر اتفاق نہیں کیا کہ خراج اور ٹیکسوں کی یہ رقم جو جمع کی جاتی ہے اللہ کا مال ہے، وہ کہتے تھے یہ مسلمانوں کا مال ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے کچھ مصیبتیں بھی اٹھائیں، اگر مسلمان اس زمانہ کے نظام کو نظامِ الٰہی تسلیم کرتے تو ان کو مال اللہ کہنے سے ہرگز انکار نہ ہوتا، حضرت امیر معاویہؓ نے جب ان کے سامنے یہ تعبیر پیش کی گئی تو اس طرح بات بنا دی کہ "لوگ اور ان کے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اس لئے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں پس ان کا مال اللہ کا مال ہے،

(خلاصۂ کلام یہ کہ عہدِ نبویؐ کا نظام الٰہی نظام نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت انسانی معاملات کی سی تھی، جس میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان تھا جس میں لوگوں کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو جانچیں دیکھیں پھر اپنی رضامندی یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں)

اسلام کا نظامِ حکومت جمہوری نہ تھا

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کا دور، جمہوریت کا دور تھا۔ لیکن یہ الفاظ کو اُن کے مقررہ حدود سے آگے بڑھا دینا ہے اور اس کے لئے ہم کو جمہوری یا غیر جمہوری ہونے کا حکم لگانے سے پہلے پوری باریکی کے ساتھ خود جمہوریت کا مفہوم مقرر کرنا ہوگا۔ جمہوریت یعنی وہ حکومت جو عوام نے عوام کے لئے بنائی ہو، جس کے حاکم کا انتخاب عوام نے اپنے آزاد اختیار سے کیا ہو اور جس میں حاکم کے آزاد احتساب اور نگرانی کا حق عوام کو حاصل ہو، تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ ان کا حاکم جمہور کی مصلحتوں کے لئے کام کر رہا ہے یا ذاتی مصلحت کا پابند ہے پھر یہ کہ وہ اگر مطمئن نہ ہوں تو اسے معزول کر سکیں،

یونانی عہدِ قدیم میں جمہوریت کا یہی مطلب سمجھتے تھے، اور آج عہدِ جدید میں بھی جن قوموں نے اپنا نظام جمہوری بنایا ہے اس کا مطلب یہی بتاتے ہیں ہاں لفظ عوام کے مفہوم میں اختلاف رہا ہے، اس لفظ کے مفہوم کا دائرہ یونانیوں کے عہد میں تنگ تھا اس سے وہ ہم وطنوں کی ایک مختصر جماعت مراد لیتے تھے جس کے افراد تمام حقوق کے مالک ہونے اور قانون کی نگاہ میں باہم مساوی، لیکن عام انسانوں کا نہ مساوات میں کچھ حصہ تھا اور نہ حکومت میں، فرانس کی بغاوت کے بعد اس لفظ کے مفہوم میں کچھ اور وسعت پیدا ہوئی اور اب اس کے دائرے میں اہلِ وطن کی ایک بہت بڑی تعداد داخل ہوگئی جسے سیاسی حقوق سے استفادے کا حق دیا گیا۔ لیکن یہ وسعت بھی تمام اہلِ وطن کو اپنے اندر شامل نہ کر سکی اس لئے کہ عوام کے مفہوم میں اب تک اس قید کی تنگی تھی کہ وہ یا تو ایک مقررہ معیار کے دولت مند ہوں یا ٹیکس کی ایک مقررہ مقدار ادا کرتے ہوں یا تعلیم و تہذیب میں کوئی خاص درجہ رکھتے ہوں، گزشتہ صدی کے اواخر میں اس وسعت کا دامن کچھ اور پھیلا۔ اور وطن کے تمام بالغ مرد عوام میں شامل کر لئے گئے پھر اس موجودہ صدی میں بات یہاں تک بڑھی کہ تمام بالغ عورتیں بھی جمہور کا جزو تسلیم کر لی گئیں۔ بہر حال

جمہوریت خواہ تنگ ہو یا کشادہ اپنا ایک مقررہ نظام رکھتی ہے، وہ نظام، جمہور کو حقوق کا مالک بناتا ہے اور اس کو اختیار دیتا ہے کہ اپنے حکام پر جانچ اور احتساب کی نظر رکھے (اگر ہم جمہوریت کے اسی مفہوم کو پوری باریکی کے ساتھ سامنے رکھیں تو یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں حکومت کا نظام جمہوری نہ تھا، اس لئے کہ حکام کا انتخاب اس باریکی سے جمہور نے نہیں کیا تھا، نبیؐ کو عوام نے اللہ کے احکام کی تبلیغ کرنے اور حق و انصاف قائم کرنے کے لئے پسند نہیں کیا، بلکہ خود اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا پھر جس کا جی چاہا ایمان لایا جس کا جی چاہا مخالفت کرتا رہا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے صحابہؓ نے آپ کو اپنا حاکم پسند کیا تو کہا جائے گا کہ یہ پسندیدگی جمہوریت کے نظام کے مطابق نہ تھی اور نہ یہ پسند کرنے والے اپنے حاکم پر احتساب اور نگرانی رکھتے تھے، وہاں تو حالت یہ تھی کہ خود نبیؐ جب ان سے مشورہ چاہتے تھے تو اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور یہ مشورہ بھی بہت مختصر اور کبھی کبھی پھر وہ بھی قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی حکومت کو بھی پورے معنی میں جمہوری نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے ان کو خلافت کے لئے منتخب نہیں کیا تھا انصار اور مہاجرین کے ارباب حل و عقد کی ایک جماعت نے اپنے ابتدائی اختلاف کے باوجود ان دونوں حضرات کو پسند کیا۔ پھر ان عربوں سے تو مشورہ ہی نہیں لیا گیا جو مکہ، طائف اور قرب و جوار کے دیہاتوں میں آباد تھے، اور حضورؐ کی وفات کے وقت مسلمان، مدینہ والوں نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو پسند کیا باقی تمام مسلمانوں نے یہ بات سُنی اور تسلیم کر لیا) ایسی حالت میں مرتدین میں سے بعض کا یہ کہنا محل تعجب نہیں

اطعنا رسول الله ما كان بيننا　　فيا لعباد الله ما لابی بکر

رسول اللہ جب تک ہم میں تھے ہم نے ان کی اطاعت کی، اللہ کے بندہ و رسول کے بعد یہ ابو بکرؓ کون ہوتے ہیں؟

پھر عوام بلکہ انصار و مہاجرین کی یہ جماعت کوئی ایسا مقررہ نظام نہیں رکھتی تھی جس

خلفاء کی کارروائیوں پر احتساب کیا جا سکے، اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر باز پرس ہو سکے صورت حال یہ تھی کہ خلفاء اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے اور یہ ساتھی کبھی انفرادی حیثیت میں، کبھی اجتماعی طور پر اپنے خیالات پیش کر دیتے، اور خلفاء اسے منظور یا مسترد کر دیتے، پس اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے صدر اوّل کا نظامِ حکومت ان حدود کے اندر جو جمہوری دستور نے مقرر کی ہیں جمہوری نہ تھا نہ قدیم نقطۂ نظر سے اور نہ موجودہ تخیل کے ماتحت۔

اب اگر جمہوریت کا مطلب وہ عام مفہوم لیا جائے جس میں یہ بات شامل ہے کہ حاکم کو عوام کا پسندیدہ اور معتمد ہونا ضروری ہے نیز یہ کہ وہ عدل و مساوات کے اعتبار سے ایسے کردار کا مالک اور ایسی سیرت کا حامل ہو جس میں اونچ نیچ اور ظلم و زیادتی کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو بلا شک کہا جا سکتا ہے کہ اس عام معنی میں جو حد بندیوں اور معیاریوں سے خالی ہے اسلام کا دور اوّل جمہوریت کا دور تھا جس کے بعد آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے لئے عہدِ عثمانی میں کیسے کیسے فتنے آئے۔؟

اسلام کا نظامِ حکومت شخصی بادشاہی نہ تھا

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کا نظامِ حکومت ایک انفرادی شاہی عادلانہ نظام تھا۔ جس میں صحابہؓ نبیؐ کے یا شیخینؓ کے شریک حکومت نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت مشیروں کی تھی اور یہ مشیر بھی لازمی اور ضروری نہ تھے۔ نبیؐ اور ان کے دونوں خلفاءؓ عدل کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اس کے سوا کوئی بات ان کی نگاہ میں اہم نہ تھی، اس قسم کا تخیل مسلمانوں کے نظام کو اس طرزِ حکومت سے قریب کر دیتا ہے جو رومیوں میں شاہی اور قیصری دور میں رائج تھا، روم کے بادشاہ بھی بطور وارث، حکومت کے قطعی حقدار نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا انتخاب ہوتا تھا اور جب کوئی ایک مرتبہ منتخب ہو جاتا تو پھر عمر بھر وہ حکومت کرتا۔ البتہ شدید بغاوت اور

عام نافرمانی کی حالت میں اسے معزول ہونا پڑتا، عہد نبویؐ اور عہدِ شیخین کے اسلامی نظام میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ یہ کہ مسلمانوں کی حکومت کا قوام عدل و انصاف تھا اور رومی بادشاہوں اور قیصروں کا دربار اس سے یکسر و بیشتر خالی تھا لیکن یہ خیال بھی پہلی دو رایوں کی طرح کچھ بڑی گہرائی اور دقت نظر پر مبنی نہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ رومیوں کے یہاں بادشاہوں کے انتخابات میں مذہب ایک زبردست طاقت تھی جو خود ان بادشاہوں کی سیرتوں پر بھی اثر انداز تھی پس رومی اور اسلامی نظاموں میں مذہب، مذہب کا فرق ہے، جس طرح قومیت اور ماحول کا فرق ہے وہ مذہب جو رومی بادشاہوں پر غالب تھا اپنے اندر رفعت اور پاکیزگی کی کوئی ایسی شان نہیں رکھتا تھا جو اس کو آسمانی مذاہب سے کم وبیش مشابہ بنا دے۔ اس کی بنیاد تو بدشگونی اور نیک فالی پر تھی آج جب ہم پڑھتے ہیں کہ اس مذہب کی روشنی میں کس طرح غیب کی باتیں معلوم کرنے کی ترکیبیں کی جاتی تھیں تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔

وہ ارتقا جس نے رومی عوام کو ان کی ابتدائی اور سادہ زندگی سے نکال کر ایک پر تکلف اور پیچیدہ حیات سے آشنا کیا اس ارتقاء سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جس نے عربوں کو ان کے دورِ جاہلیت سے کھینچکر اسلام تک پہنچایا۔ رومی انقلاب ایک مادی انقلاب تھا۔ اگر یہ تعبیر درست سمجھی جائے جو تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ تدریجی طور پر ظہور پذیر ہوا۔ اور عربی انقلاب ایک معنوی انقلاب تھا جس کی تبدیلی طبیعتوں کی تبدیلی تھی جو عربوں میں اسلام کی تاثیر سے ہوئی پس کہنا چاہیے کہ عربی انقلاب اندر سے باہر آیا، طبیعتیں بدلیں اور عربوں نے اپنی زندگی کا مادی نقشہ بدلا ہوا پایا۔ اور رومی انقلاب باہر سے اندر آیا۔ خارجی حالات نے پلٹا کھایا اور رومیوں کے دل اور طبیعتیں بدل گئیں،

پھر رومی اور عربی ماحول جدا جدا ہیں، اتنے جدا، جتنا اٹلی سے حجاز، تو کیا تعجب کہ اسلام کے صدر اوّل کا نظامِ حکومت رومیوں کے شاہی دور کے نظامِ حکومت سے بالکل جدا ہو

میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ رومیوں کا وہ نظامِ حکومت جو ان کے جمہوری دور سے ہے وفات نبوی کے بعد والے نظامِ حکومت سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتا ہے، اس دور میں رومی اپنے قنصل کا انتخاب تقریباً اسی طرح کرتے تھے جیسے مسلمان اپنے خلفاء کا اور مہاجرین سے انصار کا یہ کہنا۔

منا امیر ومنکم امیر ایک امیر تمہارا اور ایک امیر ہمارا

اسی طرزِ فکر کی ایک آواز ہے۔

رومی قنصل منتخب ہو جانے کے بعد اسلامی خلفاء کی طرح موثر اور شاندار حیثیت کے مالک ہو جاتے تھے لیکن ان میں اور خلفاء میں یہ فرق ہے کہ قنصل صرف ایک سال کے لئے منتخب ہوتا تھا۔ اور خلیفہ زندگی بھر کے لئے، قنصل کا اقتدار ان احکام وقوانین کا پابند تھا جو مجلس شیوخ اور مجلس عوام کی طرف سے صادر کئے جاتے، اور خلیفہ کی حکمرانی پابند تھی دین کے مقررہ حدود کی، یا جلیل القدر صحابہؓ میں سے کسی ایک کے مسلک کی یا عامۃ المسلمین کے مصالح کی، لیکن عرب اور اٹلی میں مشابہت کی یہ باتیں بناوٹی معلوم ہوتی ہیں، اور اگر ہم ان باتوں میں قنصل کی حکومت کے تکلفات اور تزک واحتشام کی داستانیں بھی جوڑ دیں جس کا خلیفہ کے ماحول میں کہیں بھی پتہ نہیں یا بعض ان اقدامات کا تذکرہ کریں جو رومی جمہوریت نے عوام کی حمایت میں، قنصل کے اقتدار پر کنٹرول کرنے کے لئے حالات سے مجبور ہو کر کئے تو مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے اور نظر آنے لگتا ہے کہ عربی نظامِ حکومت کے اس مختصر عہد کا رومی نظام سے دور و نزدیک کا کوئی رشتہ نہیں، چاہے شاہی دور کا نظام ہو چاہے جمہوری دور کا۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیاسی امور میں، انتظامی معاملات میں اور جنگی فنون میں قیصری وکسروی نظاموں سے بہت کچھ اقتباس کیا، لیکن جس زمانے سے متعلق ہم یہ بحث کر رہے ہیں، یہ اقتباس اس کے بہت بعد کا ہے، اس لئے ہمیں یہ مشابہت والی بات یہیں ختم کر دینی چاہیئے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اسلام کا نظامِ حکومت خالص عربی نظام تھا

پس اس وقت کا اسلامی نظامِ حکومت نہ استبدادی تھا نہ یونانیوں کا بنا ہوا جمہوری اور نہ رومیوں کا سا شاہی، جمہوری یا مشروط اور مقید قیصری، بلکہ وہ تو ایک خالص عربی نظام تھا جس کے خانے اسلام نے بنائے اور مسلمانوں نے ان کو پُر کرنے کی کوشش کی،

میں نے اپنی بعض تحریروں میں عربی نثر کی ابتدا سے بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ قرآن نہ شعر ہے نہ نثر، حقائق کی تعبیر ہیں، مسائل کی تصویر ہیں اور احکام کے بیان میں اس کے خاص خاص اسلوب ہیں اور مختصر طرزادا، اس میں موسیقی کی بعض خصوصیتیں پاکر سادہ طبیعتوں نے خیال کر لیا کہ قرآن شعر ہے، قوافی کی پابندی دیکھ کر خیال کیا گیا وہ کلام مقفیٰ ہے۔ بعض دوسرے سادگی پسندوں نے اس کی سلاست اور روانی اور قیود و شرائط کی عدم پابندی دیکھ کر نثر کا حکم لگا دیا، قریش کے مشرکین کو یہی دھوکا ہوا اور انھوں نے قرآن کو شعر کہہ دیا۔ جس کی تردید کی گئی، اسی طرح بعض اُن محققین نے دھوکا کھایا جو عربی نثر کی تاریخ تلاش کر رہے تھے اور کہہ دیا کہ قرآن سب سے پہلی عربی نثر ہے، واقعات اس قول کی شدید ترین تکذیب کرتے ہیں اگر عربی کے نثر نگار قرآن جیسی عبارت لکھنے کی کوشش کرتے (اور بعضوں نے کی بھی) تو یہ عمل مذاق اور مضحکہ کی حد سے آگے نہ بڑھتا۔

یہ بات میں نے قرآن کے بارے میں کہی تھی اس وقت اس قسم کی ایک اور بات ابتدائی عربی اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ملوکی نظام نہ تھا نبیؐ اور نبیؐ کے دونوں خلفاء کے لئے اس سے زیادہ تکلیف پہنچانے والی کوئی اور بات نہ تھی کہ ان کو بادشاہ کہا جائے، اور نہ جمہوری نظام تھا اس لئے کہ جمہوری نظاموں میں ایسا کوئی پہلو نہیں ہے جو منتخب صدر کو زندگی بھر صدر بنائے رکھے اور نہ رومی نقطۂ نظر کا قیصری نظام تھا اس لئے کہ خلیفہ کا انتخاب فوجی حلقے نہیں کرتے

سمجھے، پس وہ خالص عربی نظام تھا جس کی نظیر عربوں کے پاس نہ تھی پھر وہ اس کی تقلید بھی نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود ہمارے لئے گنجائش ہے کہ ہم اس کی تحلیل کریں اس کی باریکیوں کی چھان بین کر کے اس کا پتہ چلائیں کہ کیا اس نظام میں برقرار رہنے کی طاقت تھی یا وہ اپنی تخلیق اور ترقی سے محیط حالات کے بدلتے ہی اپنی جگہ سے ہٹ جانے والا تھا

اسلامی نظامِ حکومت کے عناصر

پہلا عنصر دین

اس نظام کے اجزا میں وہ جزء جس کی طرف ہماری نظر سب سے پہلے جاتی ہے مذہبی عنصر ہے، اس لئے کہ آسمانی نہ ہونے کے باوجود یہ نظام آسمان یعنی سے بہت زیادہ متاثر ہے، اور خلیفہ کے احکام ہر چند کہ وحی والہام نہ تھے لیکن وہ بہر حال حدود اللہ کے تابع تھے، یعنی حق و انصاف کا قیام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

وحی الٰہی کا یہ سلسلہ جو پورے تئیس سال جاری رہا، اور صبح و شام کبھی آیات قرآنی کی شکل میں، کبھی نبیؐ کی زبان سے حدیث بن کر، اور کبھی سیرتِ نبویؐ میں عملی زندگی ہو کر مسلمانوں سے متصل رہا۔ اس نے خاصانِ نبیؐ کی طبیعتوں کو جگا دیا ان کے سینوں میں ایک زندہ قوی اور دین آشنا دل روشن کر دیا، پھر غیر ممکن ہو گیا کہ مسلمان اپنے قول، اپنے عمل، اپنے فکر بلکہ اپنے سونے اور جاگنے میں بھی دلِ زندہ کی زد سے بچ سکے۔

چنانچہ وہ جس حال میں بھی رہا، حاکم رہا تو رعایا کے ساتھ تعلقات میں، رعیت رہا تو حاکم سے ربط و ضبط میں، نیز ساتھیوں سے میل جول اور روزمرہ کی زندگی میں، اپنے زندہ اور ایمان دار دل کی روشنی سے الگ نہیں رہا۔ یہی نقشہ دیکھ کر اکثر لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اس عہد کا نظام ایک الٰہی نظام ہے جو آسمان سے اترا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، اصل بات خلیفہ اور اس کی رعایا کے دلوں کا متاثر ہونا ہے

اسلامی نظامِ حکومت کا دوسرا عنصر

دینی سیادت

اس نظام کا دوسرا جزء وہ نسبتی شرف اور بزرگی ہے، جس کی بنیاد نہ نسل پر ہے نہ دولت پر اور نہ سماج کے کسی بڑے درجے اور منصب پر بلکہ اس کی بنیاد ان تمام باتوں سے زیادہ اہم ایک حقیقت پر ہے اور وہ ہے نبیؐ کی مقدس زندگی میں اس کا نبیؐ سے تعلق، ارشادات نبویؐ پر اس کا درجہ یقین، اور بحالات امن وجنگ اللہ کی راہ میں مصائب اور مشقتوں کا برداشت کرنا۔

ان اوصاف نے اسلام کے آغاز ہی میں ممتاز افراد کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا تھا، جو اپنے امتیازی درجے کی وجہ سے کسی دنیاوی حق کا خواہاں نہ تھا اپنی ذات کے لئے کوئی فوری یا متوقع منفعت نہیں چاہتا تھا۔ خود رسولؐ نے ان کو اپنی محبت سے نوازا اور عوام کو مطلع کیا کہ خدا بھی اسی طبقہ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے اسلام لانے میں سبقت دکھائی، جو اللہ کی راہ میں مصیبتیں اور عذاب برداشت کرتے رہے جو اپنا دین ساتھ لئے حبش اور پھر مدینہ ہجرت کر گئے، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دھن دولت اور جانیں نثار کر دیں پروانے کی طرح شمع نبوتؐ کا ماحول نہیں چھوڑا۔ جو کچھ کہا جاتا سنتے جو کچھ بیان ہوتا قلمبند کرتے یہی لوگ ہیں جن سے اس طبقہ کی تشکیل ہوئی۔ اس طبقہ کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے کو دوسروں سے ممتاز اور برتر خیال نہیں کرتا تھا۔ اپنا درجہ عام انسانوں کے درجے کے برابر جانتا تھا۔ یہی انکسار اور فروتنی اللہ کے نزدیک اس کے درجات کی بلندی کا باعث تھی، عوام کی نگاہوں میں بھی اس تواضع سے اس کی عظمت اور منزلت بڑھتی جاتی تھی، یہ طبقہ بڑے بڑے نامی گرامی خاندان والوں کا نہ تھا۔ اس کے افراد غیر معمولی دولت مند اور لکھ پتی نہ تھے

ادھر اُدھر کے معمولی لوگ، جن میں وہ غلام بھی تھا جو دین کی سزا میں عذاب دیا جا رہا تھا جس کو بعض مسلمانوں نے خرید کر آزاد کر دیا، ان ہی میں وہ کمزور اور بے سروسامان بھی تھا جو پناہ کی تلاش میں مکہ آیا اور زندگی کے دن قریش کے کسی قبیلے یا کسی سردار کی حمایت میں بسر کرنا چاہتا تھا، ان ہی میں بعض وہ بھی تھے جو کہیں سے مکہ آئے اور امن و امان اور کاروبار دیکھ کر وہیں رہ پڑے اور وہ بھی جو خاندان اور نسب کے اونچے لیکن زر ندارد، مفلوک الحال چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کٹ جائیں۔

یہ تھے اس طبقہ کے افراد اور اسلام نے ان سب کو ایک ہی درجہ دیا تھا، اگر کوئی امتیاز کی بات تھی تو وہ اسلام کی راہ میں آزمائشوں کا حصہ، مصائب اور آلام کے نزول کے وقت صبر و ثبات کی کیفیت، ضرورت کے وقت نبیؐ کی جان و مال سے امداد، اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس طبقے کے افراد کا امتیاز عوام میں قدرتی طور پر بڑھا، جن حقوق اور درجات کا عوام ان کو حق دار خیال کرتے تھے، وہ اپنی ذات کو اس کا مستحق تصور نہیں کرتے تھے اسی طبقہ کے افراد عام مسلمانوں کو دین سکھاتے اور جو کچھ انہیں معلوم نہ ہوتا اس سے باخبر کرتے تھے، لہٰذا اوقات جب قبائل کے لوگ نبیؐ سے درخواست کرتے کہ ان کے پاس دین سکھانے والے بھیجے جائیں تو حضرتؐ اسی طبقہ کے افراد کو معلم، فقیہ اور امام بنا کر بھیجتے تھے، پھر ابھی ہجرت پر چند ہی ماہ گذرے تھے کہ معرکۂ بدر نے پوری سرزمین عرب میں اسلام کی عزت دوبالا کر دی اور اس کا رعب تمام عربوں پر چھا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس معرکہ میں شریک ہونے والے بدری کہلائے اور مسلمانوں میں ایک خاص امتیاز کے مالک بنے۔ اب اگر نبیؐ کے ساتھ کسی اور غزوہ میں کسی کو شرکت کا موقع ملا تو وہ مزید امتیاز کا مستحق ہوا اور اگر اُحد کے موقع پر اقلیت کی فضا میں ثابت قدم رہنا کسی کے نصیب میں تھا تو وہ اور بھی ممتاز ہوا، کسی صحابیؓ کے لئے امتیاز کا آخری درجہ یہ تھا کہ نبی اس کی تعریف کریں اسے دوسروں کے لئے امام اور رہنما کا درجہ دیں، اسے جنت کی بشارت سنائیں اور اعلان کر دیں کہ وہ اس سے راضی اور خوش ہیں، ان تمام باتوں میں کوئی حیرت اور تعجب والی

چیز نہیں اس لئے کہ یہ حالات کے تقاضے ہیں اس سلسلے میں توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ صحابہؓ کا یہ ممتاز گروہ جو باہم مختلف امتیازات اور فضائل کا حامل تھا، نبیؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے تمام معاملات کا متولی ہوا۔

اسی گروہ سے اس فرد کو پسند کیا جائے گا جو امت میں نبیؐ کا جانشین ہوگا، اسی گروہ پر خلیفہ کو اعتماد کرنا ہوگا تاکہ لوگ اس کو مانیں اور اس کی اطاعت کریں اور یہی گروہ ہے، جس کے مشورے کا ضرورت کے مواقع پر خلیفہ محتاج ہے،

لیکن صورتِ حال یہ ہوئی کہ نبیؐ کی وفات پر چند دن نہیں چند گھنٹے ہی گذرے تھے کہ اسلام نے سیادت کی ایک نئی شکل دیکھی جو بذاتِ خود حکومت سے شدید اتصال رکھتی ہے، چنانچہ جب خلافت پر بحث شروع ہوئی، انصار نے قریش سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے، حضرت ابوبکرؓ نے نبیؐ کی حدیث سنائی "خلفاء قریش میں سے ہوں" اور اس کے بعد انصارؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہم امیر ہوں اور تم وزیر، انصاریوں نے یہ بات قبول کر لی اور بجز سعد بن عبادہ کے کوئی اعتراض نہیں کیا، رحمۃ اللہ علیہ

قریشی سیادت

اسی وقت سے اسلام میں ایسی سیادت کی بنیاد پڑی جس کا قوام یعنی جوہری جزو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور آپ کی صحبت تھی، چنانچہ قریش کے لئے حکومت اور انصار کے لئے مشورہ طے پایا اور مشورہ دینا ہر مسلمان کا تمام حق بھی ہے، پس قریش حکومت کریں اور مشورہ لیں اور عرب، انصار اور غیر انصار ان کے مشیر ہوں ان کے لئے حکومت کرنے کا موقع نہیں، لیکن اس سیادت کی حقیقت سمجھنے میں ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے، اور غور کرنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کا مطلب کیا تھا، اور قریش والوں نے بعد میں کیا مطلب نکالا؟ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ ابن جراح کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ "خلفا قریش

میں سے ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ عام قریشی خلافت کے حق دار ہیں، اندازہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے مہاجرینؓ پر نظر ڈالی جو سب سے پہلے اسلام لائے اور اشاعتِ دین کے لئے مکہ کی انتہائی تنگی اور سختی کی زندگی میں اپنے مال و متاع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی انھیں معلوم ہوا کہ ان مہاجرینؓ کی اکثریت قریشی ہے نیز قرآن و حدیث میں اور عوام کی زبان پر مہاجرینؓ کا ذکر پہلے اور انصارؓ کا بعد میں ہے میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کا مطلب قریش کے اسی ممتاز طبقے سے ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے مکہ کی پُر آشوب اور پر خطر زندگی میں نبیؐ کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور جس کے ساتھ مدینہ کی باشوکت زندگی میں انصار نے مل کر کام کیا۔

اگر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ نے ایک قبیلہ کی حیثیت سے قریش کا نصور کیا ہوتا جس کا تعلق نسبی اور قرابتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو اس تخیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خلافت کے لئے اس شخص کو پسند کرتے جو قریشیوں میں قرابت کے اعتبار سے رسول اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا وہ آپؐ کے چچا عباسؓ یا حضرت علیؓ کو امیدوار بناتے جو نہ صرف آپ کے داماد تھے، بلکہ پرورش کردہ بھی، پس حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا مقصود قریش سے یہی مخصوص اور ممتاز مہاجرین تھے، اور یہ تو سب سے بڑی حماقت ہوگی اگر کوئی سمجھے کہ صدیق اکبرؓ اور ان کے ساتھیوں نے نبیؐ سے قریش کی قرابت ہی کو خلافت کا سبب اور سرچشمہ قرار دیا، اگر اس قسم کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ کے نزدیک بہت سے سربرآوردہ اور اماں یافتہ قریشی ان بہادروں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہوتے جنھوں نے مہاجر مجاہدوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، اور انصاری بزرگوں میں سے ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام ان ممتاز انصاریوں سے امامت کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے جنھوں نے پہلے سے اپنی جگہ اور ایمان پختہ کر لیا تھا بہر حال قریش نے حضرت ابوبکرؓ کی کی بات کا وہ مطلب نکالا جو ان کا اور اُن کے ساتھیوں کا مقصد نہ تھا اور یہ یقین کر بیٹھے کہ امامت قریش کا حق ہے، جو کسی اور طرف منتقل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کی بنیاد

نبیؐ سے قرابت پر ہے، بلاشبہ قریش کا یہ مطلب نکالنا زبردستی کی کھینچ تان اور کھلی ہوئی غلطی تھی قریش کی رائے اگر معقول ہوتی تو بنی ہاشم دلیل میں غالب آجاتے اور وہ جب تک بھی سنبھال سکتے خلافت کا بار اٹھانے کے زیادہ مستحق تھے لیکن اسلام نسب اور کسی منصب کی بنا پر کسی کو کسی پر فضیلت کا قائل نہیں وہ تو فضیلت کی بنیاد، تقویٰ، قابلیت اور آزمائش میں ثابت قدمی پر رکھتا ہے۔

ہمارے خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں تو آپ نے فرمایا اگر ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا، اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ زندہ ہوتے تو انہیں یہ امانت سپرد کرتا اور یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ قریشی نہیں تھے، بلکہ وہ نسباً عرب بھی نہ تھے وہ بچپن ہی میں اصطخر سے لائے گئے تھے، ایک انصاری عورت نے جو ان کی مالکہ تھی ان کو آزاد کیا۔ پھر ابوحذیفہ قریشی ولاء[1] میں آئے، نبیؐ کی زندگی ہی میں لوگ انہیں دینی معاملات میں پیش پیش رکھتے تھے، وہ اس زمانے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کا انتظار کیا جا رہا تھا، مہاجرین کو نماز پڑھایا کرتے تھے، جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، عہد صدیقی میں وہ یمامہ میں مرتدوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

یہ سن کر کہ سالم ولاء کی بناء پر قریشی تھے کوئی صاحب یہ منطق نہ پیش کر دیں کہ اگر وہ زندہ ہوتے اور حضرت عمرؓ ان کو خلیفہ بنا دیتے تو بہرحال امامت قریش ہی میں رہتی، اس لئے کہ یہ ایک فضول سی بات ہے ہم جانتے ہیں کہ ولاء کی بنا پر جو تعلقات قائم ہوتے ہیں وہ متعلقہ افراد کو آزادوں کے مساوی نہیں بنا دیتے۔ عرب سالم کے نسب سے واقف نہیں تھے اور چونکہ خدا نے حکم دیا تھا کہ "مولیٰ" کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے اور اسی لئے زیدؓ کو ان کے والد حارثہ کے ساتھ ملا کر زید بن حارثہ کہا جانے لگا، سالمؓ کو عرب " مِنَ الصَّالِحِينَ " کہا کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کے والد کے نام سے واقف نہ تھے ہاں تو حضرت عمرؓ کو کوئی حرج نہیں

---

[1] میراث

سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اس کو بنا دیں جو قریشی نہ تھا بلکہ عرب بھی نہ تھا حضرت عمرؓ اپنے اس خیال میں بالکل صحیح راہ پر تھے اور اصول اسلامی کے ماتحت نسب اور نسل کی بنیاد پر فضیلت دینا نہیں چاہتے تھے وہ تقویٰ، قابلیت اور آزمائش کے قائل تھے اور سالم میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔

بہرحال قریشی سیادت کی یہ بات جو یک بیک سامنے آئی اور اس طرح آئی کہ عوام کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ غلط طور پر سمجھی گئی، حضرت ابوبکرؓ نے چاہا تھا کہ خلافت مہاجرین میں اس وقت تک رہے جب تک ان میں اس کا بار اٹھانے کی قدرت اور قابلیت ہے۔ مگر قریش نے اس خواہش کا رُخ اپنی منفعت اور خاندان کی طرف پھیر دیا۔ اور اسلام کی ایک اہم بنیاد "مسلمانوں میں مساوات" کی پروا نہ کی، اس راہ پر آجانے کے بعد قریش نے ایک قدم اور بڑھایا جس کے اثرات مسلمانوں کی زندگی پر بہت دور تک پہنچے، انھوں نے عرب کو ان تمام مسلمانوں پر فضیلت دی جن کا تعلق عرب خاندان سے نہ تھا، چنانچہ سب جانتے ہیں کہ خلافت کو قریش سے مخصوص کر دینے کی بنا پر مسلمان کیسے کیسے فتنوں میں مبتلا ہو گئے، اور اسی برتری اور فضیلت کے تصوّر نے بنی امیہ سے حکومت چھین کر بنی عباس کے حوالے کر دی۔

نظامِ حکومت کے عناصر میں انقلاب

پس معلوم ہوا کہ صدر اوّل میں اسلام کا نظامِ حکومت دو ممتاز عنصر رکھتا تھا، ایک معنوی جو حاکم اور محکوم دونوں کو یکساں طور پر نیکی اور انصاف کا حکم دیتا تھا دوسرا عنصر ان خواص و اشراف کا وجود جو قابلیت، تقویٰ، آزمائش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور صحبت کا غیر معمولی درجہ رکھتے تھے، اس دوسرے عنصر سے قریش نے کنارہ کشی کر لی، اب یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ دونوں عناصر مسلسل انقلابات اور حوادث کی موجودگی میں زمانہ کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتے تھے؛ دین آشنا زندہ اور مضبوط دل

کچھ لوگوں کو مل سکتا ہے لیکن اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ بیٹوں اور پوتوں کو بھی وراثت میں وہی دل ملے گا، بلاشبہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل رہا۔ جو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے تعلیم و تربیت کی روشنی حاصل کرتے رہے وہ اپنے اعمال، اقوال اور اذکار میں وہ کیفیت پیدا کر سکتے ہیں جو سیرت نبویؐ کی نمائندگی کرتی ہو، لیکن ان کی آنے والی نسل میں ایسی اولاد بھی ہو سکتی ہے جو ان کا نمونہ نہ ہو ان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جنھیں نبیؐ کی صحبت کا موقع بہت کم یا مطلق نہ ملا ہو، ایسی حالت میں اگر ان کے دلوں میں وہ مذہبیت نہ قوت اور وہ زندگی نہ ہو جو خاصان رسولؐ کا حصہ تھی تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

نظام حکومت کی راہ میں پہلی مشکل

پھر ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ حکومت کے معاملات اسی وقت ٹھیک ہوتے ہیں جب حاکم اور محکوم دونوں میں نظام حکومت سے متعلق تعاون اور اشتراک ہو، چنانچہ سیاسی مشکلات اور آویزشوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ حاکم نیک دل ہے انصاف اور نیکی کے پھیلانے میں مؤثر اور اللہ کی رضامندی کا حریص ہے، بلکہ اس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ رعایا کے دل بھی زندہ ہوں ان میں انصاف اور نیکی کے لئے تڑپ ہو اور وہ بھی خدا کی خوشنودی کے لئے بیتاب ہوں،

یہی وہ سب سے پہلی رکاوٹ تھی جو اس نئے نظام کی راہ میں حائل ہوئی، عرب سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہ تھے ان کی اکثریت آپ کی صحبت نہ پا سکی اور صحابہؓ کی تعداد کچھ بہت زیادہ بھی نہ تھی، پھر عام عربوں کے ایمان کو صحابہؓ کے ایمان سے کوئی نسبت نہ تھی، بعضوں کا حال ٹھیک تھا اور بعض تو مسلمان تھے لیکن ایمان دار نہ تھے، خود قرآن مجید کا ارشاد ہے،

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ ‏ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا
اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ
الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ
تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ
شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں
کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان
تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل
ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم خدا اور اس
کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے
تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم
نہیں کرے گا، بے شک خدا بخشنے
والا مہربان ہے،

اور بعض تو ایسے تھے کہ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے لیکن دل میں پوری "جاہلیت" بسا رکھی تھی خدا نے ان ہی کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا
وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا
يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ

دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق
ہیں جو احکام شریعت خدا نے اپنے
رسول پر نازل فرمائے ہیں ان
سے واقفیت کے نا اہل،

پس حاکم اور محکوم میں کوئی توازن نہیں تھا اور نہ خلیفہ اور اس کی زبردست عرب اکثریت رعایا میں کوئی صحیح اشتراک اور سچا اتحاد تھا، ہاں ممتاز صحابہؓ کا یہ طبقہ بلاشبہ خلیفہ کا معاون اور سچا مخلص تھا اور دونوں میں صحیح اشتراک اور سچا اتحاد تھا اور اسی اخلاص و اتحاد کی بدولت حضرت ابوبکرؓ نہ صرف فتنہ ارتداد کو فرو کرنے میں کامیاب رہے، بلکہ آپ نے عربوں کا رُخ فتوحات کی طرف پھیر دیا

دوسری مشکل

پھر ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہیے خواہ انسان کے بارے میں حسن ظن رکھنے والے کتنا ہی پیچ وتاب کھائیں کہ یہ دین آشنا بیدار اور زندہ دل اکثر ابتلا اور آزمائش کی آماجگاہ ہوتا ہے، اور بڑے بڑے حوادث اور مصائب سے گزرتا ہے۔ انسان بہت کوشش کرتا ہے کہ اس کا قلب حق اور انصاف کا گھر بنا رہے لیکن فتنہ وفساد کی لپیٹ اتنی سخت اور اس قدر پیہم ہوتی ہے کہ بعض معاملات میں مجبور ہو کر شروع شروع میں تاویل کی زمین پر پاؤں ٹیک ہی دیتا ہے، پھر تاویل اور تعلیل کی مختلف منزلوں سے گزرتا گزرتا بالکل نئی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص دیرینہ اور اس کے درمیان ایک بڑی لمبی مسافت حائل ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے، نبیؐ نے اور خلفائےؓ صالحین نے لوگوں کو دنیا اور فریب دنیا سے ڈرایا ہے، اور ان تمام سرگرمیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے جو ان کو فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیں جو ان کے سامنے ایسی برائیاں لائیں جو نیکیوں کو بہا لے جائیں، اور ایسے برے ارادے اور برے کام سے دوچار کریں جو نیکیوں اور بھلائیوں کو لکڑی کی طرح جلا کر خاک کر دیں ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہیے اگر بہت سے بزرگ حتیٰ کہ بعض صحابہؓ بھی فتنہ اور فریب کی لپیٹ میں آ گئے ہوں، اور ان پر ایسے مصائب اور حوادث گذرے ہوں جنھوں نے ان کو اس فضا سے دور کر دیا ہو جس میں وہ دن رات نبیؐ کی صحبت میں رہتے تھے اور جن کا یہ حال تھا کہ

إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ	کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو
قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ	ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب
عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ	انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی

إِيمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ	جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا
يَتَوَكَّلُونَ ؕ	ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہے

آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ فریب اور فتنے کے اسباب بکثرت تھے اور ان میں اتنی قوت اور دل کشی تھی کہ اس کی تاب صرف اولوالعزم لا سکتے تھے جن کی تعداد ہر زمانہ میں بہت کم رہی ہے،

میری طرف سے اس میں نہ رنگ آمیزی ہے نہ تکلف، نہ دل آزاری، نہ کینہ پروری لیکن میں اصحابِ رسولؐ میں ایک ایسی جماعت پاتا ہوں جس نے اسلام کی راہ میں آزمائش کی وہ منزل پائی جہاں پہنچکر خود نبیؐ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرما کر اس کے لئے جنت کی ضمانت دی، پھر ایک زمانہ گذرنے کے بعد ایسے حالات نے ان کا استقبال کیا، جن میں قوت و اقتدار کی شوکت کے ساتھ ساتھ مال و دولت کی فراوانی تھی، وہ اس امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکے، اُن کے معاملات میں خرابی آئی، ایک "دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوگیا، بعض نے بعض کو قتل تک کر دیا" باہم دگر اتنے بدخواہ اور بدگمان ہو گئے جتنا کوئی انسان دوسرے سے ہو سکتا ہے "آپ اندازہ کیجئے ان کے متعلق ہمارا نقطۂ نگاہ کیا ہو؟ ہم ان سب کے کارناموں سے اپنی رضامندی اور اتفاق کا اظہار نہیں کر سکتے کہ اس میں نہ صرف اپنی عقلوں کو معطل اور فکروں کو تاریک کر لینا ہے بلکہ دین کی عمارت کو بھی ڈھا دینا ہے جو حق و انصاف کی بنیاد پر اچھائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے پر قائم ہے اور نہ ہم ان میں سے ان لوگوں کو خطا کار کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے خطا کی ہے اس لئے کہ اول تو نبیؐ کے دربار میں ان کا درجہ ہے، دوسرے نبیؐ نے خدا کی خوشنودی اور جنت کی بشارت سے ان کو نوازا ہے، پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کا حُسنِ ظن اور اس کے وعدوں پر ان کا پختہ یقین ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتا پھر ہماری طبیعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کے معاصرین کا مسلک اختیار کریں اور کسی کو حق پر اور کسی کو غلطی پر بتا دیں اس لئے کہ

ان کے معاصرین نے اپنی شرکت کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کو حق پر سمجھا اور ان کی حمایت کی اور مخالفین کو غلط کار جانا اور مخالفت کی لیکن ہم تو ان حوادث میں شرکار کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور نہ ان کے مابین اختلافی امور سے ہمارا تعلق، پس یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے جذبات کو ان کے معاملات میں بے لگام کر دیں ہمارے لئے صحیح راستہ تو یہی ہے کہ ہم صرف اُن کی اُن باتوں اور کاموں پر نظر ڈالیں جن کا تعلق عوام کی زندگی اور تاریخ کے واقعات سے ہے اور صرف اسی نقطۂ نظر سے ان کو صائب یا خطا کار تصور کریں، ان کے دین کے متعلق ہم کوئی فیصلہ نہ کریں اس لئے کہ دین اللہ کے لئے ہے۔ ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم ان کے معاصرین کی طرح یہ کہیں کہ یہ کافر ہیں، اور یہ مومن، اور یہ بین بین، یا یہ کہ یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی، ہمیں یہ بحث نہیں کرنی چاہیئے۔ اور نہ اس پر بحث ہمارا حق ہے۔ یہ بات صرف خدا سے متعلق ہے، ہمیں تو ان کے اعمال، اقوال اور سیرتوں میں صرف یہ پتہ چلانا چاہیئے کہ کون سی بات حق اور انصاف سے قریب ہے اور کون نہیں اور یہ بھی بقدر ضرورت،

آپ نے دیکھا کہ صدر اوّل کے اسلامی نظام حکومت کی دو خصوصیتوں میں سے ایک یعنی دین آشنا دل کس طرح خطاؤں اور فریبوں کی منزل بنتا ہے اگر نبیؐ کے تمام صحابہؓ بے خطا ہوتے اور فتنہ و فساد سے بچ جاتے تب بھی ان کی اولاد مختلف فتنوں اور مشکلات سے دوچار ہو کر رہتی،

پس اس بات کی سخت ضرورت تھی، کہ مسلمان اس زمانے میں اپنے معاملات کے لئے صرف دل پر بھروسہ نہ کرتے اور یہ بھی نہ کرتے کہ بات خدا اور خلیفہ کے درمیان رہے بلکہ ایک ایسا نظام مرتب کر لیتے جو تحریری شکل میں حکومت کے مجمل اور مفصل حدود پر مشتمل ہوتا۔ اس میں خلفاء کے فرائض بتائے جاتے کہ وہ یہ یہ کریں، یہ نہ کریں، ان ان معاملات میں ان کے لئے رخصت ہے اسی طرح اس میں عوام کے حقوق و فرائض بھی تفصیل سے لکھے جاتے، اس میں ان وسائل اور ذرائع کا بھی تذکرہ ہوتا ہے جن کے ماتحت عوام خلیفہ کا انتخاب کرتے اور انتخاب کے بعد خلیفہ کا احتساب اور اس پر اپنی نگرانی قائم کرتے

اور اگر اسے راہِ حق سے منحرف پاتے تو ماخوذ کرتے اور سزا دیتے مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ایک دستور وضع کرتے جس کے صاف اور صریح حدود ان کو اختلافات اور فرقہ بندیوں سے بچاتے اور اگر وہ ایسا کر سکتے تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو کچھ پیش آیا اس سے اپنے آپ کو بچا لیتے' ذرا ایک مثال ملاحظہ فرمایئے، جو عوام کے لئے سخت حیرت انگیز ہے موافقین کے لئے خوش کن اور مخالفین کے لئے غصہ دلانے والی، حضرت عثمان سے ان کے بعض عطیات کے بارے میں بحث کی گئی' جو انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو دیا تھا۔ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا "عمرؓ خدا سے ڈر کر اپنے رشتہ داروں کو محروم رکھتے، اور میں خدا سے ڈر کر صلہ رحمی کرتا ہوں اور ہم میں آج عمرؓ جیسا کون ہے؟ یعنی حضرت عمرؓ مسلمانوں کے مال سے اپنے عزیزوں کو محروم رکھ کر نیک اور مخلص تھے اور حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو مسلمانوں کا مال دے کر نیک اور مخلص ہیں اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ صلہ رحمی کیا کرو۔

حضرت عثمانؓ کا یہ جواب فقہی تاویل کرنے والوں کے نزدیک ممکن ہے درست ہو لیکن مصلحتِ عامہ کسی طرح اس کی تائید نہیں کر سکتی، یہ مال یا تو عوام کا ہے اور ایسی حالت میں بغیر عوام کی اجازت کے خلیفہ اس میں تصرف کا مجاز نہیں، یا پھر خلیفہ کا ہے اور اس صورت میں عوام کا اس کے تصرف پر اعتراض کرنا غلط ہے لیکن یہ کہ بعض خلفاء، اس مال کو تمام مسلمانوں کے لئے مخصوص اور محفوظ کر کے خدا سے قربت حاصل کریں اور بعض صلہ رحمی میں اس کو خرچ کر کے خدا کے عبادت گذار بنیں، یہ صحیح نہیں کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہم حضرت عمرؓ کا مسلک پسند کریں گے، کیونکہ وہی حق و انصاف کے قریب اور خلفاء کی پاکبازی اور بے نفسی کے مناسب حال ہے پھر عوام کے کاموں کے احساس کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ آج بھی ہم سمجھ سکتے ہیں۔

ایک دوسری مثال جس کی روایت مورخین کرتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس پر خوش ہوؤں یا حیران؟ حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین کے شدید محاصرے میں ان سے کہا "اگر خدا کی کتاب میں میرے پاؤں میں بیڑی ڈالنے کا حکم تم پاتے ہو تو ڈال دو"!

کیا یہ بات حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین پر عتاب کرتے ہوئے خدا کا حکم تسلیم کرنے کے لئے کہا تھا اگر ایسا ہے تو کتاب اللہ میں کہاں یہ حکم ہے جو مسلمانوں کو اجازت دیتا ہو کہ اپنے امام کے دونوں پاؤں میں بیڑی ڈال دیں یا آپ نے بطور چیلنج فرمایا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں اور اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو غلطی کرنے یا راہ سے ہٹنے پر خلیفہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدینے کا حکم مسلمانوں کو دیتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ ان کے مخالفین کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں لا سکتے اور یہ کہ انھوں نے جو کچھ کیا اسے کرنے کا وہ حق رکھتے تھے اور اپنے اس عمل میں نہ وہ مجرم ہیں نہ غلطی کی لپیٹ میں،

اگر مسلمانوں کے پاس یہ لکھا ہوا نظام اور دستور ہوتا تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ بلا اختلاف و بلا تفریق با خبر ہوتے کہ انھیں دستور کے ماتحت کیا کرنا چاہیے

مسلمانوں کے لئے اس قسم کے نظام کی ضرورت پر غالباً ایک روشن مثال کی طرح وہ روایت پیش کی جا سکتی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کتاب و سنت اور شیخین کی سیرت کی پابندی کریں گے۔ اور خلاف ورزی نہ ہونے دیں گے تو حضرت علیؓ نے اس شرط کو منظور نہیں فرمایا اور کہا

اللّٰھم لا ولکن اجتھد	ایسا نہیں ہو سکتا میں اپنے خیال
فی ذالک رأئی ما استطعت	سے بھی جو کچھ کر سکوں گا کروں گا۔

حضرت علیؓ بتانا چاہتے تھے کہ وہ ایک ایسی بات کی پابندی نہیں کر سکتے جس کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی، اس لئے کہ قرآن اگرچہ لکھا ہوا ہے اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن وہ حکومت کی سیاسیات اور اس کے روزمرہ کے واقعات سے تفصیلی بحث نہیں کرتا اور نبیؐ کی سنت بہرحال شائع ہے لیکن اس میں بعض حدیثیں ایسی ہیں جو غیر حاضر کو تو حفظ ہیں لیکن حاضر اس سے بے خبر ہیں پھر بہت سی حدیثیں فتنۂ ارتداد اور

فتوحات کی لڑائیوں میں شہید صحابہؓ کے ساتھ دنیا سے چلی گئیں، اب رہی شیخینؓ کی سیرت تو وہ بھی سنتِ نبویؐ کی طرح سب کی سب معلوم اور محفوظ نہیں اور پھر حضرت علیؓ کو پورا پورا حق تھا کہ وقت اور حالات کے بدلنے پر شیخینؓ کی سیرت سے اختلاف میں عوام کا مفاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی نظر آئے تو وہ ضرور اختلاف کریں، جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہی شرطیں حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیں تو انھوں نے اللّٰھُمَّ نعم کہہ کر منظور کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ کتاب وسنّت اور سیرتِ شیخین نافذ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر [illegible] اخلاص کے ساتھ اس کی کوشش کرتے تو ان کے لئے کتاب وسنّت اور سیرت شیخین کی شدید پابندی ضروری تھی بلاشبہ حضرت علیؓ کا جواب ٹھیک تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کی منزل بھی حق سے کچھ دور نہ تھی، لیکن آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں کیا ہوا، حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مال کے بارے میں وہ مسلک اختیار کیا جو حضرت عمرؓ اور ان کی سیرت کے ٹھیک خلاف تھا، اب جن لوگوں نے اس خیال سے بیعت کی تھی کہ حضرت عثمانؓ سیرتِ شیخین کی پابندی کریں گے انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد کی پوری پابندی نہیں کی لیکن خود حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ انھوں نے سیرتِ عمرؓ کی ذرا بھی خلاف ورزی نہیں کی اور کسی حالت میں بھی اپنے عہد کو نہیں توڑا۔ ان کی نظر میں حضرت عمرؓ کی سیرت کا جوہر خدا سے قرب حاصل کرنا تھا جو صلہ رحمی کے ذریعے انھوں نے حاصل کیا۔ پس انھوں نے وہی کیا جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے، اللہ سے قرب حاصل کرنے کے ذرائع میں اختلاف کی ذمہ داری تو حضرت عثمانؓ پر نہیں ڈالی جا سکتی اب اگر اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی لکھا ہوا نظام ہوتا جس میں حدود اور نکات نمایاں اور واضح ہوتے تو حضرت علیؓ اس نظام پر بیعت سے ہرگز انکار نہ کرتے اور نہ حضرت عثمانؓ کو اس کی ضرورت پیش آتی کہ تاویل سے کام لیں اور نہ عوام دو جماعتوں میں منقسم ہوتے۔

لیکن ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ہجرت کے ۲۳ سال بعد ہوئی، یعنی حکومت کے قیام اور ہجرت پر پورے ۲۵ سال بھی نہیں گذرے تھے، پھر یہ مختصر مدت بھی اس طرح نہیں گذری کہ زندگی مطمئن اور معاملات درست ہو گئے ہوں دلوں

کو سکون اور دماغوں کو راحت مل گئی ہو، اس میں دس سال تو عربوں کو اسلام کی دعوت دینے میں صرف ہوئے ایک سال سے کچھ زیادہ دن فتنۂ ارتداد کے فرد کرنے میں لگے بقیہ دن دنیا کے گوشوں میں اسلام پہنچانے کے لئے عربوں کو آمادہ کرنے میں صرف ہوئے اس کے بعد ایران میں انقلاب آیا۔ مصر و شام سے رومی رخصت ہوئے فوج کی ترتیب و تنظیم عمل میں آئی۔ بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ امن و جنگ کے سلسلے میں ابتدائی قواعد نے پھر ان محکموں کی داغ بیل پڑی جن کا تعلق بلاد عربیہ کے داخلی معاملات اور بیرونی ممالک کے خارجی امور سے تھا۔ پس یہ انصاف نہ ہوگا کہ صدر اول کے مسلمانوں پر کوئی معترض ہو کہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی، اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے نہ کر سکے،

پھر اگر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ حکومت کے معاملات میں تنظیم کے جو اقدامات شیخینؓ فرماتے تھے وہ اس بدوی ماحول اور عربی سماج کے لئے جو سیاست، تمدن اور تنظیم سے یکسر ناآشنا تھے ایک ایجاد و اختراع کا مرتبہ رکھتے تھے اور نہ صرف ایجاد و اختراع کی پیش کش، بلکہ انہوں نے اس قوم کو منظم کر دیا جو کسی تنظیم کی عادی نہ تھی، اس کو مہذب اور متمدن بنا دیا جس میں پہلے سے تہذیب و تمدن کے آثار نہ تھے، تب تو سچائی اور حق سے بڑی دوری ہوگی کہ یہ کہہ دیا جائے کہ شیخینؓ نے مسلمانوں کے لئے جیسی تنظیم چاہیے تھی نہیں کی، حضرت عمرؓ خدا ان پر اپنی رحمت برسائے اس سلسلے میں اپنی انتہائی امکانی کوشش صرف فرمایا کرتے تھے چنانچہ جیسے ہی کسی متمدن قوم کے کسی طریق کار کا پتہ چلتا اس کو معلوم کرتے اور نہایت گہری چھان بین کر کے اس میں سے وہ جزء جو عربی مزاج، اسلامی فکر اور اس نوخیز حکومت کے مناسب حال ہوتا نکال لیتے۔

تیسری مشکل

اس سیاسی نظام کی دوسری خصوصیت یعنی صحابہؓ کے ممتاز افراد کا طبقہ تو وہ بھی طبعی طور پر ایک مدت گذر جانے کے بعد بہرحال زوال کی زد میں آتا اور ایک ایسی

جدید نسل پیدا ہوتی جس کو اس امتیاز سے کوئی نسبت نہ ہوتی پس ضروری تھا کہ اس آنے والی نسل کے سامنے ایک مقررہ مرتبہ نظام ہوتا۔ جو اس کو بتاتا کہ خلیفہ کا انتخاب کس طرح ہو اور انتخاب کے بعد اس پر کس طرح احتساب قائم کیا جائے۔ اور اگر وہ خطا کا مرتکب ہو تو کس طرح سزا دی جائے، یہ نظام اگر وضع کر دیا جاتا تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ اس طرح منتشر نہ ہوتا جس طرح "تاریخ بتاتی ہے مسلمانوں میں خوارج کی وہ جماعت نہ ہوتی جو سنت نبیؐ اور شیخینؓ کی اندھی اتباع پر مصر تھی۔ نہ وہ جماعت ہوتی جو بضد تھی کہ امامت اہل بیت ہی کا حصہ ہے ......، نہ وہ جماعت ہوتی جو خلافت کو قیصریت اور کسرویت کا جامہ پہنانا چاہتی تھی اور نہ وہ جماعت ہوتی جو چاہتی تھی کہ مسلمانوں کے معاملات شوریٰ کے ذریعے طے ہوں، لیکن اس کا کوئی نظام یا خاکہ اس کے پاس موجود نہ تھا۔

لیکن جو کچھ ہم نے پہلی خصوصیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا وہی اس خصوصیت سے متعلق بھی دہرانا چاہتے ہیں کہ شیخین اور ان کے ساتھیوں کو تہذیب و ترقی کے مسلسل مشاغل نے وہ سکون اور فرصت نہیں دی جو ان کو اس قسم کا نظام مرتب کرنے کا موقع دیتی یہ کام ان لوگوں کا تھا جو بعد میں آئے اور فرصت و فراغت کے علاوہ کافی مال و دولت کا انبار اپنے ساتھ لائے، لیکن انھوں نے نہ حکومتوں کے بدلنے کیلئے کوئی نظام بنایا اور نہ ایسا کوئی دستور مرتب کیا جس میں سیاسی اور سماجی انصاف کی رعایت پیش نظر ہو۔ انھوں نے انتہائی غفلت برتی، اور صرف اس بات کو اچھا سمجھا کہ وہ خود کس طرح حاکم، غالب اور اونچے بنے رہیں

مگر ان لوگوں پر بھی کیا ملامت کی جائے، اگر ہم غور کریں کہ دنیا کو دستور سازی کا علم کب سے ہوا تو معلوم ہوگا کہ یہ ابھی پچھلے دنوں کی پیداوار ہے یہ کوئی بہت قدیم چیز نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ قدیم یونانی شہروں میں لکھے ہوئے سیاسی دستور تھے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روم کا ایک مقررہ سیاسی نظام تھا، لیکن اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مشرق و مغرب دونوں جگہ "شاہی"

نے ان نظاموں اور دستوروں کو معطل کر دیا۔ عوام سے اس کو اس قدر دور رکھا کہ انسانیت اس کو تقریباً بھلا چکی، اور آج یہ نئی دنیا اسی فراموش کردہ حقیقت کا تدریجی طور پر انکشاف کر رہی ہے۔

نگرانی کا جدید اقدام

علاوہ ازیں ایک اور بات قابلِ غور ہے جس کی طرف میں نے سلسلۂ کلام میں اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ ہر سال موسمِ حج کے موقع پر اسلامی قلمرو کے مختلف گورنروں اور ان کے باشندوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ گورنروں سے رعایا کے بارے میں اور رعایا سے گورنروں کے متعلق ان کے افکار وخیالات سنتے تھے اور تفصیلی باتیں کرتے تھے، یہ طریقہ آپ نے مقرر کر لیا تھا اور بجز اپنی خلافت کے پہلے سال کے زندگی بھر اس پر عمل کرتے رہے، اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کے اسباب کچھ بڑھ جاتے تو بہت ممکن تھا کہ گورنروں اور رعایا کا یہ اجتماع آپ کی فراست بصیرت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ایک مستقل نظام کی شکل میں تبدیل ہو جاتا۔ جو اگر وہ پارلیمنٹری نظام نہ ہوتا جو قدما جانتے تھے اور جسے عصر جدید نے تلاش کیا ہے تو اس کے قریب تر ضرور ہو جاتا حضرت عمرؓ اس موسمی اجتماع پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ جس قدر مزید چھان بین بھی آپ سے ممکن تھی کرتے تھے، مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں تو خود ہی تحقیق وتلاش کر لیتے۔ اور اور دور دراز کے مقامات کے لئے اپنے عمال اور اپنے سیکرٹری وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے علاوہ ازیں وہ رپورٹیں بھی آپ کے پیشِ نظر ہوتیں جو لوگوں کے معاملات سے متعلق کبھی گورنروں کے ذریعے اور کبھی رعایا کے ذریعے آپ تک پہنچتی رہتیں۔ اس پر بھی زندگی کے آخری دنوں میں آپ سوچ رہے تھے کہ تمام صوبوں کا احتسابی معائنہ کرنے کے لئے ایک دورہ کریں، چنانچہ گفتگو میں اظہار فرماتے تھے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ہر شہر

میں دو ماہ رہ کر دیکھوں گا کہ گورنر کس طرح کام کرتے ہیں اور ان کے کاموں سے رعایا کی رضامندی کا کیا حال ہے، لیکن موت نے موقع نہ دیا اور آپ کے قبر میں اترتے ہی مسلمانوں کی سیاست دوسرے رخ پر چل پڑی

اقتدار کے خلاف حضرت عمرؓ کی جنگ

شاید اس بحث کا حق ادا نہ ہوگا اگر ہم حضرت عمر کے اس طرز عمل پر روشنی نہ ڈالیں جو ممتاز صحابہ کے ساتھ آپ نے ضروری قرار دیا تھا۔ اس سے پہلے ہم نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہیں دی تاکہ نہ ان پر کوئی مصیبت آئے اور نہ ان کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے، حضرت عمرؓ کی یہ سیاست نہایت کامیاب سیاست تھی، اور کیوں نہ ہم آج کی زبان میں حقیقت کا اظہار کریں، اور چیزوں کی تعبیر ان کے اصلی ناموں سے کریں اور کہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ میں اس لئے روک رکھا کہ کہیں ان کے اثرات عوام میں نہ بڑھ جائیں عوام میں ان کے اثر و رسوخ کا بڑھنا خود ان کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے کسی طرح مفید نہ تھا، چنانچہ جب تک حضرت عمرؓ نے اُن کو مدینہ منورہ میں روکے رکھا اور ان کی نقل و حرکت کا دائرہ محدود رہا، مسلمانوں کے معاملات اور خود اس ممتاز طبقے کے حالات ٹھیک رہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور ان کے لئے نقل و حرکت کا راستہ صاف ہوا تو فتنہ و فساد نے پوری فضا گرد آلود کر دی اس لئے نہیں کہ صحابہؓ کے اس طبقے نے قصداً کوئی خرابی پیدا کی بلکہ اس لئے کہ ایک طرف تو ان کے پاس دولت کی فراوانی ہوئی جس نے حامیوں کی زبردست جماعت پیدا کر دی اور دوسری طرف عوام فرطِ عقیدت سے ان کی طرف جھک پڑے چنانچہ ان میں سے ہر ایک کے پاس حامیوں اور ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی، حضرت عمرؓ نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ مسلمانوں کے مال میں سے بطور صلہ یا اپنی عنایت یا دل جوئی کی بناء پر لوگوں کو عطیات

دیں۔ ان کا طریقِ کار یہ تھا کہ [redacted] عام مسلمانوں اور صحابہؓ دونوں کے لئے یکساں طور پر ایک منفرد رقم عطیہ کرتے تھے، اور کاروبار کی اجازت دیتے تھے، جس طرح خدا نے دی ہے، لیکن جب حضرتِ عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے صحابہؓ کو نہ صرف مختلف مقامات پر سفر کرنے اور قیام کی اجازت دیدی بلکہ ان کو بیت المال سے گراں قدر صلات و انعامات بھی دیئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن حضرت زبیرؓ کو چھ لاکھ اور حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ کا عطیہ دیا۔ کسی جماعت کو بھی اگر اس طرح دولت ملنے لگے اور پھر اس کے لئے موقع ہو کہ وہ ملک کے مختلف حصّوں میں زمینیں خریدے، شہروں میں مکانات بنوائے، حجاز میں بڑے بڑے محل تعمیر کرے، ہر جگہ اپنے خادموں، حامیوں اور ہواخواہوں کی تعداد بڑھائے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس پر فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیئے گئے اب ان دروازوں میں داخل ہونے سے رکے رہنا دشوار اور دشوار تر ہوگا۔ ہاں رکنے والے رکے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کنارہ کشی اختیار کر لی، جن دنوں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ گوشہ نشین رہے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف رکے رہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب پر اُن کو ندامت رہی اور یہ کہ وہ بقیہ ایام دارالہجرۃ ہی میں اپنے تجارتی کاروبار میں معروف رہے اور اپنی بچت کا کافی حصّہ اسی طرح خیرات کرتے رہے جس طرح رسول اللہؐ اور شیخینؓ کے عہد میں کیا کرتے تھے، حضرت علیؓ رکے رہے چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ نے کوئی تجارت کی یا کہیں کوئی زمین خریدی یا مکان لیا۔ آپ مدینہ میں اسی جگہ مقیم رہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو رکھا تھا ہاں ینبع میں آپ کی کچھ جائیداد تھی جہاں کبھی کبھی آپ جایا کرتے تھے، لیکن حضرت علیؓ سے متعلق ایک اور بات ہے جو کہی جاتی ہے، کیا

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس ممتاز طبقے کو اور عام مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچایا جو اثر و اقتدار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ان سبھوں کو ان کے دین پر قائم رکھا اور خود اُن کے اور فتنہ و فساد کے درمیان دیوار بنے رہے اور خاصانِ رسولؐ میں سے ایک مجلس مرتب کی جسے آپ کی مجلسِ شوریٰ کہا جا سکتا ہے اور اگر

کچھ دنوں آپؓ اور زندہ رہتے تو انہیں مجبور کرتے کہ وہ اپنے اسی درجے پر قناعت کریں اور خلفاء کے لئے مشیروں کی طرح ارباب حل وعقد بنے تفصیلی احکام میں مداخلت سے بلند و بالا رہیں،

نظامِ شوریٰ

ایک دوسری بات یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو محسوس ہو گیا کہ وہ دنیا سے سفر کرنے والے ہیں تو انہوں نے رسولؐ کی اتباع میں کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنایا اور صدیق اکبرؓ کی اتباع میں مسلمانوں کو بلا مشورہ اور نصیحت بھی نہیں چھوڑا، چنانچہ آپ نے ۶ صحابہ شوریٰ کو پسند کیا، جن کا نبیؐ کے دربار میں مقررہ درجہ ہے، جن کو مہاجرین اور قریش کی سرداری حاصل تھی جن کو عام مسلمانوں کی رضامندی اور اعتماد حاصل تھا، پھر عام مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ ان میں سے جن کو چاہیں اپنے لئے خلیفہ پسند کرلیں

آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے جو نظامِ شوریٰ وضع کیا وہ کافی نہ تھا اور نہ اس پر قناعت کی جاسکتی تھی لیکن توجہ اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ انھوں نے خلفاء کے انتخاب اور اختیار میں شوریٰ کو اصل قرار دیا اور یہ کوئی معمولی اقدام نہ تھا پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ کام حضرت عمر اس وقت کر رہے تھے جب آپ کا جسم قاتل کے خنجر سے زخمی تھا آپ دنیا چھوڑ کر سفر آخرت کی تیاری کر رہے تھے۔ اس وقت آپ پر وہ سب کچھ گزر رہا تھا جو موت سے قریب مجروح انسان پر گزرتا ہے، پھر آپ کا دل خدا کے خوف اور اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی حساب دہی کی ہیبت سے بیدار اور باخبر تھا اس وقت آپ فکر میں تھے کہ اپنا کچھ انتظام کریں اور گھر والوں کا بھی بندوبست ہو، گھر والوں کا بندوبست یہ کہ ان کو ان ذمہ داریوں سے دور رکھیں جو خود اپنے سر لے رکھی تھیں اور اپنا انتظام یہ کہ خدا سے اس حالت میں ملیں کہ مسلمانوں کے مال میں سے ایک پائی کی ذمہ داری بھی ان کے سر نہ ہو اور ان سب افکار سے بڑھ کر آپ کو اپنی قبر کا خیال تھا آپ کی آرزو

تھی کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہوں اور اس کے لئے حضرت عائشہؓ کی اجازت ضروری تھی چنانچہ بے تابی تھی کہ مرنے سے پہلے حضرت عائشہؓ کی اجازت حاصل ہو جائے اور مطمئن ہو جائیں کہ عبداللہؓ (ابن عمرؓ) وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کے گھر میں دفن کر سکیں گے ان تمام افکار کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے شوریٰ کا ایک نظام سوچا اور اس میں اپنے بس بھر احتیاط اور دور اندیشی ملحوظ رکھی،

حضرت عمرؓ کی وفات اور ایک خلیفہ کے منتخب ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اس نظامِ شوریٰ پر غور کرتے اور ایک مستحکم بنیاد پر اس کا قیام اس طرح عمل میں لاتے کہ مسلمانوں میں نہ تو تفریق ہوتی اور نہ ان کا غلبہ تیزی کے ساتھ حوادث اور آویزش کا شکار ہوتا لیکن حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں نے یہ کچھ نہ کیا اور حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی عطیات میں اضافہ کر دیا جو پابندیاں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ پر لگا رکھی تھیں انہیں اٹھا دیا اور اجازت دیدی کہ جس کا جہاں جی چاہے جا کر آباد ہو اور اس کا بھی موقع دیدیا کہ لوگ اپنی دولت اور گروہ بڑھائیں،

اوپر کی سطروں میں جو کچھ میں نے عرض کیا ناظرین اسے ایک طویل داستان کہیں گے لیکن میرے خیال میں یہ بہت مختصر ہے بہر حال طویل ہو یا مختصر، وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عہد کے فتنوں پر گفتگو کی تمہید ہے، اور اس میں کھلی ہوئی شہادت اس بات کی ہے کہ جو حوادث پیش آئے اور وہ جن نتائج تک پہنچے وہ ان اشخاص اور افراد کے بس سے باہر تھے جنھوں نے دور نزدیک سے اس میں کم وبیش حصہ لیا۔ اور اس لئے انھیں ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ملامت کی جا سکتی ہے البتہ ماحول اور حالات پر، اگر عقل اجازت دے تو الزام لگایا جا سکتا ہے

حضرت عثمانؓ خلافت سے پہلے

حضرت عثمانؓ کی زندگی کے ابتدائی حالات بعض دوسرے صحابہؓ کی طرح عہد جاہلیت کی تاریکی میں ہیں اور تاریخ کی گرفت سے باہر، اسلام نے نہ صرف ان حضرات کی زندگیوں کو دلوں کو اور ان کی عقلوں کو ایک نئی مخلوق بنادیا تھا بلکہ اس نے ان کی تاریخ کو بھی از سر نو جنم دیا تھا چنانچہ حضرتِ عثمانؓ کی اسلام سے پہلے کی زندگی اس طرح ختم ہے جیسے وہ اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ واقعۂ فیل کے سات سال بعد پیدا ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت طائف میں ہوئی، شاید آپ کی ابتدائی تاریخ سے متعلق یہ غیر مستند روایات ہیں ان اختلافات کے صحیح ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں لوگ متفق نہ تھے کوئی ۷۵ بتاتا تھا کوئی ۸۸ اور ۹۰ کہتا تھا کسی کے خیال میں اس وقت آپؓ کی عمر ۸۲ ــ ۸۳ ــ ۸۶ برس کی تھی اگر آپ کی پیدائش کی ٹھیک تاریخ لوگوں کو معلوم ہوتی تو اتنا اختلاف ہرگز نہ ہوتا اور یہ موقع تو ہرگز نہ ملتا کہ کوئی صاحب آپؓ کو ۶۳ ہی برس کا بنا دیتے محض اس خیال سے کہ اس طرح حضرت عثمانؓ کا شمار بھی ۶۳ سال کی عمر میں خدا کی رحمت کو پہنچنے والوں میں ہو جائے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور باختلاف خفیف حضرت عمرؓ کا ہم عمر بنا دیا جائے،

حضرت عثمانؓ کی دورِ جاہلیت کی زندگی میں سے راویوں کے پاس صرف آپ کا نسب نامہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ آپ ابن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی ہیں، یعنی آپ کا نسب باپ کی طرف سے عبد مناف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے لیکن ماں کی طرف سے یہ تعلق اور بھی قریب ہو جاتا ہے اس لئے کہ آپ کی والدہ اروی بنت کریز ہیں جن کی والدہ عبد المطلب کی بیٹی بیضا اُمِ حکیم ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ اروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی کی لڑکی ہیں،

ان ہی رشتوں کی بنا پر اموی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف تھے، اور

حضرت علیؓ کو مطعون کرتے تھے کہ اپنے طرز عمل سے انھوں نے اپنے چچا اور چچی کے لڑکے کو ذلیل کیا، حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ کی چچی کا لڑکا ہونا تو آپ کو معلوم ہو چکا، اب رہا چچا کا لڑکا ہونا تو وہ اس طرح کہ حضرت عثمانؓ عبدالمطلب کے لڑکوں کے ساتھ عبد مناف سے مل جاتے ہیں جو ہاشمیوں کے جد امجد ہاشم اور امویوں کے جد اعلیٰ عبد شمس کے باپ ہیں، یہ عفان اور ان کے باپ اور بنوامیہ کا خاندان بلکہ عبد شمس کا سارا کنبہ اور قریش کی اکثریت تجارت پیشہ تھی ان سب کا تجارتی تعلق شام سے تھا عفان ایک تجارتی سفر کے دوران میں انتقال کر گئے اور اپنے لڑکے کے لئے بہت کچھ مال و دولت ترکے میں چھوڑ گئے، حضرت عثمانؓ باپ اور قبیلے کے نقشِ قدم پر چل کر کامیاب کاروباری ہوتے، اور کافی دولت پیدا کی،

ایک دن جب وہ شام کے سفر سے واپس آچکے تھے اُس نئی تحریک کا کچھ حال سُنا جس کی طرف اللہ کے رسولؐ نے دعوت دینا شروع کر دی تھی، گھر والوں سے آپ نے اس سلسلے میں جو کچھ سُنا اصحاب سیر اور محدثین اس کو ایک طویل روایت میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ کی خالہ سعدی نے نبی کریمؐ کے متعلق آپ سے کچھ باتیں کیں اور آپ کو غیرت بھی دلائی، یہ کاہنہ تھیں، اور غیب کی باتیں بتاتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر سے جب آپ طلحہ بن عبیداللہؓ کے ساتھ واپس آرہے تھے تو راستے ہی میں آپ اللہ کے رسولؐ سے باخبر کر دیئے گئے تھے، آپ خواب اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھے، کہ ایک منادی کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا کہ مکہ میں احمدؐ کا ظہور ہوا۔ پھر جب آپ مکہ پہنچے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ کے دل پر اس کا خاص اثر ہوا اور جس بات پر تمام راویوں کا اتفاق ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ سے ملے، دونوں کی باہم گفتگو ہوئی صدیق اکبرؓ نے اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت عثمانؓ کچھ مائل سے ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اللہ کے رسولؐ نے نصیحت فرمائی اور اسلام پیش کیا، حضرت عثمانؓ نے قبول کر لیا، اور اس مجلس سے مسلمان ہو کر اُٹھے کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہؓ بھی اسی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں حضرات زبیر ابن العوامؓ کے بعد اسلام لائے بہر حال حضرت عثمانؓ اسلام کے سابقین

میں ہیں، اُن چودہ صحابہؓ میں سے ایک ہیں جنھوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور آپ کا اسلام دار الارقم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے قبل کا اسلام ہے

پھر نبیؐ کی صاحبزادی رقیہؓ سے آپ کا عقد ہوا، اور آپ دربار نبوتؐ میں زیادہ سے زیادہ مقرب ہوئے، اس کے بعد آپ پر بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آزمائش اور ابتلا کا دور آیا، کہتے ہیں کہ آپ کے چچا حکم بن العاص کو جب آپ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو انھوں نے آپ پر بڑی سختی کی۔ حدیہ کہ آپ کو رسی سے باندھ دیا اور قسم کھالی کہ جب تک عثمانؓ اپنے باپ دادا کے دین پر نہیں آجائے گا میں اسے نہیں کھولوں گا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا استقلال اور اسلام پر اُن کی ثابت قدمی دیکھ کر معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ جب آپ کی والدہ کو آپ کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہوئی تو سخت ناراض ہوئیں اور اپنی انتہائی بیزاری اور ناگواری کا اظہار کیا، لیکن جب ان ناگواریوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو وہ بھی باز آگئیں، اس کے بعد جب آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہؓ سمیت ہجرت کر گئے پھر واپس آتے لیکن دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کو دار السلام بنالیا تو حضرت عثمانؓ مدینہ ہجرت کر گئے پھر جب اللہ کے رسولؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ غزوۂ بدر کے لئے نکلے تو حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ رقیہؓ کی وجہ سے آپ کا ساتھ نہ دے سکے اور ان کی تیمارداری میں مصروف رہے جب اللہ نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح دی تو آنحضرتؐ نے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا حصہ لگایا۔ اور اُن کو شریک ہونے والوں میں شمار کیا، بعد ازاں رقیہؓ کا انتقال ہوگیا جس کا حضرت عثمانؓ کو انتہائی ملال رہا۔ اس لئے کہ اس کے بعد دامادی کا رشتہ ٹوٹ گیا، لیکن آنحضرتؐ نے رقیہؓ کی بہن اُمّ کلثومؓ سے آپ کا نکاح کر دیا ہر چند کہ وہ بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں اور انتقال کر گئیں

سیرت نگار، روایتوں میں بتاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ سے اس کا عقد کر دیتے، حضرت رقیہؓ سے حضرت عثمانؓ کے صرف ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ لیکن وہ ابھی اپنی عمر کی ساتویں منزل تک ہی پہنچا تھا، کہ اللہ کی

رحمت نے اسے دُنیا سے اُٹھالیا۔ اگر آپ کے صاحبزادے عبداللہ زندہ رہتے تو ان کی اور اُن کے باپ کی بات ہی اور ہوتی پھر تو ان کا معاملہ حضرت فاطمہؓ کے دونوں لڑکوں حسنؓ اور حسینؓ کے معاملے سے کچھ الگ نہ ہوتا، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت عثمانؓ احد کی لڑائی میں آنحضرتؐ کے ساتھ ضرور تھے لیکن وہ اس اقلیت کا ساتھ نہ دے سکے جو آنحضرتؐ کے ساتھ آخر تک جمی رہی بلکہ اس اکثریت کے ساتھ جو میدان چھوڑ کر چلی آئی تھی واپس آگئے لیکن اللہ نے اس اکثریت کو معاف کردیا اور کہا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ

جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جب کہ مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں جنگ سے بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر خدا نے ان کا قصور معاف کر دیا، بیشک خدا بخشنے والا بردبار ہے

اس کے بعد والے تمام غزوات میں حضرت عثمانؓ اسی طرح شریک رہے جیسے بڑے بڑے صحابہؓ لیکن حضرت عثمان کا یہ امتیاز ہے کہ وہ فیاض اور دریادل تھے اللہ کی راہ میں انھوں نے اپنی دولت جس طرح خرچ کی اس کی مثال دوسرے دولت مند مسلمانوں میں نہیں، جو کچھ انھوں نے کیا اس وقت کے بڑے سے بڑے متمول مسلمان نہ کرسکے، انھوں نے ہزاروں کے خرچ سے بیرِ رومہ خریدا اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے عام کر دیا، آنحضرتؐ نے جنت میں ان کو اس سے بہتر عطیہ دینے کا وعدہ کیا پھر جب تبوک کی لڑائی پیش آئی، اور فقر و فاقہ کا زمانہ تھا، خدا کے رسولؐ نے اللہ کی راہ میں امداد کی اپیل کی تو حضرت عثمانؓ نے فوج کی تیاری کا خرچ اپنے ذمّہ لیا، چنانچہ روایات ہی میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار کی تھیلی اپنے ساتھ لائے اور آنحضرتؐ کی گود میں رکھ دی جس کو آپؐ نے فوج کی تیاری پر صرف کیا اور حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

حضرت عثمانؓ انسانوں کے لئے نہایت نیک اور مسلمانوں کے لئے انتہائی ہمدرد تھے، عزیزوں اور رشتہ داروں کے غیر معمولی غم خوار تھے، وہ بیحد سخی منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے، محدثین اور سیرت نگاروں کی روایات کے مطابق آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی جس فضیلت کو امتیازی درجہ دیا ہے وہ سچی شرم اور سنجیدگی ہے اللہ کے رسولؐ فرمایا کرتے تھے کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ شرم کرتے ہیں آنحضرتؐ اپنے صحابہؓ سے بلا تکلف ملا کرتے تھے، لیکن جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عثمانؓ آ رہے ہیں تو بڑا اہتمام فرماتے تھے اور ارشاد کرتے کہ ہم ایک ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ شرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اس اہتمام کا سبب بھی بیان فرماتے تھے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو حضرت عثمانؓ تھوڑی دیر بھی وہاں نہ ٹھہر سکیں گے اور پھر نہ اپنی ضرورت پیش کر سکیں گے اور نہ کوئی گفتگو، حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر اسی خیال کے پیش نظر بھیجا کہ بنی امیہ اور قریش کی نگاہوں میں آپ محترم اور معزز تھے علاوہ ازیں آپ میں نرمی، وسعت ظرف اور حسنِ اخلاق تھا جس کی ضرورت تھی، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ دغا کی تو آپ نے جہاد اور نصرت کے لئے بیعت لی۔ قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی،

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنۡكُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰهَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۔

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد کو توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو عنقریب اجرِ عظیم دے گا۔

آنحضرتؐ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی اصحاب سیر اور محدثین نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، جن میں صحیح بھی ہیں اور ان کی صحت محتاج بیان نہیں

اور بعض موضوع بھی ہیں اور ان کا موضوع ہونا بالکل ظاہر ہے ہاں بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں کم و بیش شک کی گنجائش ہے لیکن یہ تمام حدیثیں متفقہ بتاتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کے نزدیک بڑے چہیتے تھے اور آپ کے مقربین میں خاص درجہ رکھتے تھے، آنحضرتؐ نے آپ کو بار بار جنت کی بشارت دی ہے، اور بار بار آپ کو بتایا کہ خدا آپ سے خوش ہے پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ خدا کی اُن پر رحمت ہو فرماتے ہیں کہ عہدِ نبویؐ میں مسلمان حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ کو مقدم جانتے تھے، ان کے علاوہ صحابہؓ میں سے کسی کو امتیازی درجہ نہیں دیتے تھے، اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خود عہدِ نبویؐ میں یہ تینوں صحابیؓ بقیہ صحابہؓ کے مقتدیٰ تھے، بہرحال سلف نے اُن افراد کے لئے عشرہ کا عرف مقرر کیا جن کے جنتی ہونے کے آنحضرتؐ ضامن ہیں اور وہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ ابن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت سعیدؓ بن زید ابن نفیل ہیں،

پس حضرت عثمانؓ ان میں سے ایک تھے، اور یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ اسلام کے سابقین اوّلین میں سے ہیں، دو مرتبہ آپ کو رسولؐ کی دامادی کا شرف ملا، اور خدا کی راہ میں جان و مال کی ہر آزمائش میں آپ ثابت قدم رہے، احمد میں لکھا ہوا ہے

وفات نبویؐ کے بعد جب صدیق اکبرؓ کے لئے بیعت لی جارہی تھی حضرت عثمانؓ فوراً بڑھے اور اخلاص و محبت کی باتیں دیر تک کرتے رہے، پھر وہ تحریر جس میں حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے لئے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا تھا حضرت عثمانؓ ہی نے لکھی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے املا کرایا اور حضرت عثمانؓ نے لکھا، کہا جاتا ہے کہ املا کرانے کے درمیان حضرت ابوبکرؓ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، اور حضرت عثمانؓ ابھی اسی قدر لکھ سکے تھے "میری خواہش ہے کہ میں تمہارا خلیفہ ———— تو حضرت عثمانؓ نے اس کے بعد کے الفاظ "عمرؓ کو بناؤں" اپنی طرف سے لکھ دیا، پھر جب افاقہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے املا کی ہوئی تحریر کو پڑھنے کے لئے کہا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پوری عبارت عمرؓ تک پڑھ دی، صدیق اکبرؓ نے بلند آواز سے حضرت عمرؓ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر کی دعا کی، اور حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ نہیں

اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ شاید میں ہوش میں نہ آسکوں اس لئے جو کچھ میرے دل میں تھا وہ تم نے پہلے ہی لکھ دیا اور تمہیں اس کا حق بھی ہے پھر جب حضرت عمرؓ کے لئے بیعت شروع ہوئی تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خلیفۃ المسلمین کے ساتھ مشورے اخلاص اور خیر خواہی کی باتیں کیں، اس کے بعد جب فاروق اعظمؓ خنجر سے زخمی ہوئے اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر لوگوں نے آپ سے خواہش کی کہ آپ اپنی طرف سے کسی کو نامزد فرمادیں تو آپ نے اس سے انکار کیا لیکن مسلمانوں کو بلا مشورہ رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا چنانچہ اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ کی تجویز پیش کی اور یہ مجلس ان چھ افراد میں محدود کر دی جن سے آنحضرتؐ خوش تھے اور دنیا سے رحلت فرمانے تک خوش تھے آپ نے اس مجلس میں اپنے چچا کے لڑکے سعید بن زید ابن نفیلؓ کو نہیں رکھا حالانکہ وہ ان دس صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کے لئے جنت کی ضمانت خود اللہ کے رسول ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے یہ مناسب نہیں جانا کہ خلافت خاندان عدی میں دو مرتبہ آئے، حضرت عمرؓ نے تو ان کو مجلس میں حاضری کی بھی اجازت نہیں دی، مبادا مجلس شوریٰ کے کسی رکن پر سعیدؓ سے آنحضرتؐ کی خوشنودی کا اثر پڑے، یا عمرؓ کا رشتہ کسی کو متاثر کر دے، ہاں اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو مجلس میں حاضری کی اجازت دی لیکن شرکت اجلاس کے سوا انہیں کسی بات کا حق نہ تھا اس لئے کہ اول تو آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ خطاب کی اولاد میں سے دو خلیفہ ہوں دوسرے یہ کہ آپ اپنے لڑکے کو بار خلافت کے لئے کمزور پاتے تھے،

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کچھ دنوں اور زندہ رہتے اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ کو یہ موقع ملتا کہ فتوحات کا سلسلہ جاری رہے، حکومت میں ترقی ہے، حکومت کے معاملات اور اس کی مصلحتوں میں الجھاؤ بڑھتا جا رہا ہے، اور مسلمان روزانہ نئے نئے حالات اور نئے نئے انقلابات سے دوچار ہو رہے ہیں، خطرناک اور اہم مسائل اور مشکلات کا ایک سلسلہ جاری ہے جو کہیں سیاست کہیں انتظام اور کہیں دین کے حقائق کی حفاظت کی شکل میں سامنے آرہا ہے، بلاشبہ اگر حضرت ابوبکرؓ زندہ ہوتے اور جو کچھ حضرت عمرؓ کی آنکھوں نے دیکھا اس کو دیکھتے تو آپ کا نقطۂ نظر اور طرز عمل وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کا تھا، آپ بھی فاروق اعظمؓ کی طرح کسی کو نامزد کرنے اور نہ کرنے میں تردد فرماتے اور آپ بھی کم و بیش اسی کے مشابہ کوئی نظم تجویز کرتے جو حضرت عمرؓ نے پیش کیا۔

آپ تو دنیا سے اس وقت گئے جب مسلمان تقریباً عہد نبویؐ کی سی حالت میں تھے۔ آپؓ نے ارتداد کا شکار ہو جانے والے عربوں کو اسلام کا حلقہ بگوش کر کے بیرونی ممالک میں بھیج دیا۔ فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا لیکن بات ابھی بہت آگے نہیں بڑھی تھی مگر فاروق اعظمؓ کے دور میں مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں ایک جذبہ ماحول پا رہے تھے، فتوحات کی طرف رخ کیا تو بڑھتے ہی چلے گئے، اتنے بڑھے کہ مصر، شام اور جزیرے سے رومیوں کو نکال باہر کیا، ایران کی سرزمین میں پہنچے تو فارسی اقتدار کی بنیاد ڈھا دی، اور ان ممالک کے اکثر و بیشتر حصوں پر قابض ہو گئے۔ پھر فتوحات کی مصلحت نے مزید پیش قدمی پر مجبور کیا اور مسلمانوں نے بحر ابیض کے مشرقی ساحل سے رومیوں کو نکال دیا تاکہ اُن کے اور اپنے درمیان ایک اطمینان بخش حد فاصل بنالیں بلکہ قسطنطنیہ تک پہنچ کر روم کے بادشاہ کا خاتمہ کر دیں جس طرح فارس میں کیا اور پھر ایران میں فتوحات کی تکمیل کر کے اپنی حکومت کے حدود مشرق میں اس آخری حد تک پھیلا دیں جہاں تک فوج کے پہنچنے کا امکان ہو اس مقصد کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کی ایک مستقل حربی سیاست ہو جس میں تنظیم کے ساتھ ایسی صلاحیت ہو کہ وہ دنیا میں پھیلے اور فتوحات کا سلسلہ زمین کے گوشوں تک پہنچا دے اس قسم کی مسلسل اور پیہم فتح کے لئے اس کے مستقل اسباب کی فراہمی ضروری تھی، یعنی ایسی فوج جو صرف مقررہ مقاصد کے لئے پیش قدمی کرے پھر اس فوج کی ترتیب اسی بدوی مزاج عناصر سے ہوئی تھی جو لعبد کے باقاعدہ اور منظم جنگ کے طریقوں سے نا آشنا تھے، کسی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ ان کے بس کی بات نہ تھی، اور وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جس کا انہیں کچھ پتہ نہ تھا نہ تجربہ، وہ تو غارت گری سے واقف تھے اور لوٹ مار کرنا خوب جانتے تھے،

اسلامی فتوحات کی تاریخ ہم پڑھتے ہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے اور ہم عربوں کی قوت ان کی تیزی اور ان کے عزم پر دنگ ہو جاتے ہیں، پھر بحث و تمحیص، تجزیہ و تحلیل کے ذریعے دلوں میں شکوک پیدا کرتے ہیں، چنانچہ ان تمام فتوحات اور انقلابات کو اس وعدہ کا ایفا خیال کرتے ہیں جو مسلمانوں سے خدا نے قرآن مجید میں کیا ہے اس ایمان کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دل معمور تھے اور جس نے مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو اس طرح آمادہ کر دیا تھا کہ ان کے دل خدا پر اعتماد سے لبریز تھے اور کلی اطمینان تھا کہ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور انہیں ہر محاذ پر فتح و نصرت نصیب ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں بالکل سچ اور حق ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمان فتوحات کے میدان میں وہ قوی ایمان لیکر نکلے جو راہ کی دشواریوں اور مشکلات پر غالب آگیا۔ لیکن ہر بات کے کچھ اسباب اور وسائل ہوتے ہیں اور یہ اسباب و وسائل بنتے ہیں کوششوں سے، بہت سی تدبیروں اور تخمینوں سے نیز غور و فکر پر عملی اقدامات سے جن سے یہ منتشر اور متفرق دل پہلے تو ایک ہو سکیں پھر اپنے ملک سے دور پار کے معرکوں میں کود پڑیں اور ایک دوسری منظم قوت سے ٹکرا جائیں پس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جو منظم اور جرار لشکر تیار کیا اور جسکو دنیائے قدیم کے حصّوں میں بھی بھیجا یہ کوئی معمولی مشکل اور آسان بات نہ تھی کہ اس لشکر کو معرکوں اور فتوحات کے بعد اس کے پڑاؤ پر مسلسل برسوں روکا جا سکے جب کہ ہم جانتے ہیں کہ پرانی لڑائیوں اور حملوں میں عربوں کی عادت کیا رہی ہے وہ تو لڑتے ہی اس لئے تھے کہ غالب آجائیں اور مال غنیمت لے کر فوراً اپنے گھروں کو واپس ہوں تاکہ اس لوٹی ہوئی دولت سے کچھ دن امن چین سے گذاریں، لیکن ایسی لڑائی جس کے آغاز کا پتہ ہو لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کب ختم ہوگی۔ اور کہاں ختم ہوگی؟ پھر یہ کہ وہ عہد جاہلیت کی لڑائیوں بلکہ غزواتِ نبویؐ کی طرح کی بھی نہ ہو نہ ارتداد کے زمانہ کی لڑائیوں سے میل کھاتی ہو۔ ایسی لڑائی بلا شبہ جد وجہد کا وہ کارنامہ ہے جس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے حضرت عمرؓ ان کے رفقاء اور سپہ سالاروں نے شکوک اور تذبذب سے بلند ہو کر دانش مندی کے ساتھ اقدام کئے اور انہیں کامیابی کی توفیق ملی، آپ اندازہ کیجئے بڑے بڑے شہر آباد کرنا، ان میں فوجیں ٹھہرانا، پھر باری باری سے فوجیوں کی واپسی کی تنظیم برقرار رکھنا مزید براں یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ یہ فوجیں ان ہی بدوی عربوں سے مرتب کی گئی تھیں جو نہ تہذیب سے مانوس تھے نہ تمدن کے خوگر، ان باتوں کا صحیح اندازہ لگانے پر آپ ان اہم جنگی مشکلات کا احساس کر سکیں گے جن سے اپنا دامن بچا کر حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی آگے نکل گئے۔

اسی طرح ہم اسلامی تاریخ میں دفاتر کے قیام کی کارروائی پڑھتے ہیں تو تعجب اور خوشی کی لہروں میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس مقام پر رک جائیں اور اس حقیقت کا پتہ چلائیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ "دیوان" یعنی دفتر جس دقتِ نظر کے ساتھ میدان جنگ کے مجاہدوں اور فداکاروں سے متعلق اعداد و شمار بتاتا ہے ان کے قبیلوں کی ان کے مقاماتِ سکونت کی تفصیل کرتا ہے اسی اہمیت اور باریکی کے ساتھ ان کے خاندان اور قبیلے کے ان لوگوں کے اعداد و شمار اور تفصیلات

بھی پیش کرتا ہے جو ان کی معاشی کفالت میں تھے یا ان کی طرف سے حکومت ان کی ذمہ دار تھی۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ عربوں کی بدوی زندگی میں حساب کتاب اور اعداد وشمار ایک ایسی اہم جدت ہے کہ جس کی مثال ان کی پہلی زندگی میں نہیں ملتی اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ ہم سرسری طور پر اس سے گذر جائیں جب ہم اس لشکر کو میدان جنگ میں دیکھتے ہیں یا روم وفارس کی بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد اس کو شہروں میں مقیم پاتے ہیں اور اس دل کش نظام پر غور کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنے مشاورین کی رائے اور مشورہ سے تیار کیا تھا جس کی رو سے کوئی فوجی چھ ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے دور لڑائی پر نہیں رہ سکتا تھا تو ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ اور اس کے معاونین کو جنگی سیاسی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی زبردست معنوی اور مادی کوششوں کی ضرورت تھی۔

اور پھر یہ سیاسی مشکلات ہی تنہا خلیفہ اور اس کے مشاورین کی مشغولیت کا باعث نہ تھیں انتظامی معاملات کی پیچیدگیاں بھی ان کے لئے کچھ کم اور معمولی نہ تھیں اس لئے کہ یہ ممالک جو مسلمانوں نے فتح کئے پہلے ہی سے اپنا ایک تمدن اور تہذیب رکھتے تھے ان کا اپنا ایک مانوس نظم وآئین تھا، جدا جدا ملک تھے، اس لئے ان کے نظام بھی ایک دوسرے سے الگ تھے ان تمام ممالک میں آئین کا اجراء ضروری تھا جس طرح فتح ہونے سے پہلے وہ زیر انتظام تھے اسلامی فتح تخریب وتباہی کی نہیں تعمیر وترقی کی فتح تھی، اور یہ ممکن نہ تھا کہ عرب یک بیک پختہ کار منتظم اور مشاق سیاست داں بن جائیں اور اتنے قوی بھی کہ مفتوحین کی شرارتوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اپنی جان مال اور اسباب کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر مفتوحین کی جان ومال اور مصالح کی بھی حفاظت کر سکیں اور ان سے اس قدر وصول بھی کر سکیں کہ ایک طرف قیام امن پر قادر ہوں اور دوسری طرف جنگ بھی جاری رکھیں اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ان دفاتر اور انتظامات کو باقی رکھتے جو فتح کے وقت ان کو ملے تھے اور ان کی نہایت شدت کے ساتھ مسلسل نگرانی کرتے، ایسی نگرانی جو ان کو مخالفانہ حملے کا شکار ہو جانے یا مبتلائے فریب ہو جانے سے بچاتی اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی معمولی نہیں۔

پھر عربی ممالک کے بجائے خود چند در چند مشکلات کا گہوارہ تھے۔ خلیفہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر حکومت کے لئے جو اتباع واطاعت کی عادی نہ سہی نہایت حکیمانہ مسلک

اختیار کرے، قوم کے نوجوانوں اور طاقت رکھنے والے افراد کو زیر کر کے ان کو دور دراز مقامات پر بھیج دے جہاں سے وہ واپس آئیں اور شاید نہ بھی آسکیں، ہم عام فوجی تیاری اور بھرتی کے حالات سرسری طور پر پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں لیکن ہماری نظر اس تیاری اور بھرتی کی گہرائیوں اور اس کی مشکلات تک نہیں پہنچتی، ہم اس کا بھی اندازہ نہیں لگاتے کہ جدید قوموں کے پاس اس سلسلے میں مقررہ اور مرتبہ دستور العمل ہیں جو کسی فوری تقاضے کی پیداوار نہیں، بلکہ پوری قابلیت اور کمال مہارت سے بناتے گئے ہیں، وقیق تجربہ اور طویل مشق پر اس کی بنیاد ہے، پھر کہاں وہ بدوی قوم جس کا بڑی بڑی لڑائیوں میں نہ کوئی مقررہ طریقہ نہ جس کا باقاعدہ فوجی بھرتی اور تیاری سے کبھی کا واسطہ یہ تو اس کا پہلا اقدام ہے جس کے پیچھے نہ کوئی تجربہ ہے نہ سابقہ آزمائش

یہ ان مشکلات کے چند پہلو ہیں جو حضرت عمرؓ کو پیش آتے اور اگر صدیق اکبرؓ کی زندگی نے وفا کیا ہوتا توان کو بھی پیش آتے اور حضرت عمرؓ کے بعد آنے والے خلفاء تو لازمی طور پر ان مشکلات سے دوچار ہونے ہی والے تھے، پھر اس میں حیرت کی کیا بات ہے اگر حضرت عمرؓ اپنی خلافت کی وجہ سے سخت پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں؟ اور اس میں تعجب کا کیا مقام ہے اگر وہ معاملات میں سخت، اپنے ارادوں میں اٹل، اور عظیم الشان تیاریوں میں منہمک ہوں نہ خود آرام کریں اور نہ دوسروں کو آرام کرنے دیں، اور کیوں یہ ان ہونی سمجھی جائے اگر حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں میں ایسی شخصیت کی تلاش رکھتے ہوں جو ان مشکلات بلکہ اس سے بھی زیادہ الجھی ہوئی مشکل کا مقابلہ کر سکے اور وہ اپنی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں؟

ان سیاسی، جنگی اور انتظامی مشکلات پر ایک اور مشکل مذہبی ورثہ کی ہے، جس کی حمایت خلیفہ کا فرض ہے اور جس کے قیام میں وہی راہ اختیار کرنی ضروری ہے جو نبیؐ نے خدا کے حکم سے اختیار کی تھی، اگر معاملہ صرف فتوحات کا، انتظام اور سیاست کا ہوتا تو ان قوموں کی طرح جو کمزور سے قوی، وحشی سے متمدن اور غلام سے حاکم بن گئیں، عرب بھی اپنا کام چلا لیتے۔ لیکن اسلام نے فتح کی جو حدیں مقرر کی ہیں اس میں مرکزی نقطہ مفتوحین کے ساتھ وہ کامل انصاف ہے جو ان کو فاتحین کی صف میں بٹھا دے اور فاتح اور مفتوح کا درجہ ایک کر دے، پس وہ فتح جس کی تصویر ہمارے سامنے اسلام نے اور اس کے رسولؐ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے پیش کی ہے وہ تسلط اور خراج وصول کرنے کی نہیں بلکہ اصلاح اور

ہدایت کی نفع ہے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے سیاسی، جنگی اور انتظامی مہارت کے علاوہ ایک اور زبردست مہارت کی ضرورت ہے جو بہت زیادہ محنت اور مشقت کی طالب ہے جس کے ذریعے دین کی حمایت اور حفاظت کی جا سکے، اور دین کو فاتحین کا آلہ کار یا مفتوحین کی چالبازیوں کا شکار نہ ہونے دیا جائے، نیز جس کی موجودگی میں ان افراد کی نگرانی ہو سکے جن کے ذمے دین کا قیام ہے جن کو دین کے معاملے میں کسی ملامت کی پرواہ کبھی نہیں کرنی چاہیے، مبادا ان سے کوئی قصور اور بے اعتنائی ہو رہی ہو،

پھر ان تمام مشکلات پر بالا مشکل وہ عربی سیادت تھی جو عربوں میں ممتاز صحابہؓ اور فاتح سپہ سالاروں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس سیادت کا دین کا اور عوام کے مصالح کا جوڑ ملا دیں، یہ سیادت تین قوتوں سے مرکب تھی، دین سے متعلقہ افراد کی قوت، دنیا سے وابستہ حضرات کی قوت، دین و دنیا کے جامع اصحاب کی قوت، پس وہ صحابیؓ جس نے اسلام کی طرف سبقت کی، دونوں ہجرتوں میں شریک رہا، تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور اس کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گیا وہ دین سے متعلق گروپ کا ایک فرد ہے، وہ قریشی یا عربی جو بعد میں اسلام لایا لیکن فتوحات کے دور میں مشکلات اور مصائب برداشت کرتا رہا اور فاتحین میں ممتاز رہا۔ وہ دنیا سے وابستہ گروپ کا ایک فرد ہے اور وہ صحابیؓ جس نے اسلام کی طرف سبقت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہجرت کی، غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا پھر فتوحات میں بھی ممتاز درجے پر رہا۔ وہ دین و دنیا کے جامع گروپ کا فرد ہے، اب اگر خلیفہ چاہے کہ کسی کو جانشین مقرر کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان مختلف مصلحتوں کا لحاظ رکھے اور ان پیچیدہ مشکلات میں سے ایک ایسا حل نکالے جو دین، دنیا اور عوام سب کی مصلحتوں کے لئے قابل قبول ہو، ایسی حالت میں اگر حضرت عمرؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا یا بنانے میں متردد رہے تو اس میں تعجب نہیں کرنا چاہیے البتہ تعجب اس وقت ہوتا جب کسی کو نامزد کر دیتے پھر بھی حضرت عمرؓ نے کوشش کی اور اپنے نازک اور خطرناک دنوں میں چاہا، لیکن موت نے مہلت نہیں دی کہ جلیل القدر صحابہؓ اور ارباب فکر و نظر سے مزید مشورہ اور تبادلۂ خیالات کر لیتے،

نظامِ شوریٰ پر تنقید

اس میں شک نہیں کہ شوریٰ کے لئے جو نظام ترتیب دیا گیا تھا اس میں خامی تھی اور بڑی خامی تھی، سب سے پہلی بات جو ہم کو متوجہ کرتی ہے وہ مجلس شوریٰ کے دائرے کی تنگی ہے، چنانچہ یہ صرف سات افراد پر مشتمل ہے اور ان میں بھی ایک فرد ایسا ہے جو شرکتِ مشورہ کے علاوہ کسی بات کا حق دار نہیں، یعنی عبداللہ ابن عمرؓ پوری مجلس میں وہی ایک ایسے مشیر تھے جن کے لئے غرض کا خانہ خالی تھا ابھی یہ ارباب مشورہ جمع ہی ہوئے تھے کہ انھیں اندازہ ہوگیا کہ وہ —— ایک ایسی خطرناک پیچیدگی کی زد میں ہیں، جو ان کی مجلس کا رُخ غلط راہ کی طرف پھیر دے گی، چند مشیر اور سب کے سب خلافت کے عہدہ کے امیدوار، اب اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس بات کے لئے آمادہ کریں جس پر آمادگی طبیعتوں کی عادت نہیں، اور یہ بھی اقتدار اور جاہ پسندی کی خاطر نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے۔ بس ان میں ہر امیدوار اخلاصانہ طور پر خیال کرتا ہے کہ وہ ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی طاقت اور حق و انصاف کا لحاظ رکھنے کی اہلیت زیادہ سے زیادہ رکھتا ہے مجلس شوریٰ کے نگرانِ کار حضرت طلحہؓ کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ خود مشیروں میں یک جہتی نہیں ہے اور مخالفانہ مقابلے کی صورت درپیش ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

لقد کنت من ان تدافعوها	مجھے بڑا خوف تھا کہ مقابلے کے بجائے
اخوف منی من ان تنافسوها	کہیں مخالفت کی نہ ٹھن جائے۔

ابوطلحہؓ پر خدا کی رحمت ہو اپنی طبیعت کی سادگی اور دل کی پاکیزگی سے حضرت عمرؓ کی طرح ایسا خیال کرتے تھے کہ خلافت ایک بارگراں ہے جس کے حصول کی طمع نہ کرنی چاہیئے بلکہ اپنا دین اور دنیا سنبھالنے کی خاطر اس سے دور ہی رہنا مناسب ہے۔ لیکن شوریٰ والے اس خیال کے نہ تھے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خلافت ایک خدمت ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے مقابلے کی سرگرمی ضروری ہے خواہ وہ کتنی ہی گراں بار ہو اس لئے کہ اس کے ذریعہ ایک طرف خدا تک رسائی حاصل کی جا سکتی اگر حسنِ ظن شریک حال ہو، دوسری طرف اس کے ذریعے انسانوں کی ہمدردی کی جا سکتی ہے اگر سچائی

کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے، اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور ان سے متعلق اظہار رائے میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں،

ارکان شوریٰ میں سب سے پہلا فرد جس کو اصل مشکل اور اس کے حل کرنے کا تیزی کے ساتھ احساس پیدا ہوا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے انھوں نے اپنے رفقاء کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ہم میں سے کوئی ایک امیدواری سے دست بردار ہو جائے اور انتخاب کا معاملہ ہم اسی کے حوالے کر دیں، اس تجویز پر سب خاموش ہو گئے یا یوں کہئے کہ ان میں سے چار آدمی خاموش رہے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ نہ خاموش تھے نہ گویا یعنی وہ اس مجلس میں شریک نہ تھے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب دیکھا کہ سب خاموش ہیں اور کسی ایک کو بھی دست برداری گوارا نہیں تو اس کے لئے وہ خود تیار ہو گئے، اور چاہا کہ باقی پانچ افراد میں سے کسی ایک کو مسلمانوں کا خیر خواہ تجویز کر دیں، لیکن خود امیدواروں کے خدشات کے پیش نظر یہ بات آسان نہ تھی کہ وہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی مختاری پر رضامند ہو جاتے حضرت علیؓ کو خطرہ تھا کہ کہیں دامادی کے خیال سے عبدالرحمٰنؓ حضرت عثمان کی طرف نہ جھک جائیں، حضرت علیؓ کے علاوہ امیدواروں کو ڈر تھا کہ عبدالرحمٰنؓ سے سعدؓ کی رشتہ داری کہیں ان کی راہ میں حائل نہ ہو، چنانچہ باہم قول و قرار ہوا اور طے پایا کہ عبدالرحمٰنؓ اپنی کسی رشتہ داری اور ذاتی خواہش سے متاثر نہ ہوں گے اور جس کو وہ منتخب کر دیں قوم اسے تسلیم کر لے گی،

اگر حضرت عمرؓ نے اس مجلس میں توسیع کر دی ہوتی اور عبداللہ بن عمرؓ جیسے افراد کی تعداد بڑھا دیتے جو مجلس شوریٰ میں حاضر ہوتے اور مسائل و معاملات میں بحث و گفتگو کے سوا کسی اور بات کا حق نہ رکھتے تو غالباً مجلس شوریٰ شکوک و اختلاف سے بچی رہتی، اور میں تو خیال کرتا ہوں بہتر ہوتا کہ مجلس شوریٰ سے متعلق عمرؓ کا تصور امیدواروں کی ایک مجلس کا نہ ہوتا کہ جو بھی منتخب ہو جائے وہ خلیفہ ہو، بلکہ مشاورین کی ایک ایسی جماعت کا ہوتا جس کے سامنے یہ چھ نام پیش کئے جاتے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اس کو خلیفہ بنا دیتی، حضرت عمرؓ متوجہ نہ ہو سکے اور نہ بعد میں مسلمانوں کو اس بات کا خیال آیا کہ انصار شوریٰ میں شریک کئے جانے کے مستحق ہیں، خلافت کے امیدواروں کی پسندیدگی، اور انتخاب میں رائے دینے کا انہیں بھی حق ہے ہم

جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان متفق ہیں امامت قریش کے لئے ہے لیکن اس اصول کا یہ مطلب ہم نہیں جانتے کہ امام کے انتخاب کا حق صرف قریش کو ہے امام قریشیوں کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا امام ہوتا ہے پس تمام مسلمان اس کے انتخاب کے مالک ہیں ہاں ان پر یہ پابندی ضرور ہے کہ جو امام بھی وہ پسند کریں وہ قریشی ہو اس عہد کے اور بعد کے مسلمان یقین رکھتے تھے کہ امام کا انتخاب ارباب حل وعقد کا حق ہے اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ارباب حل وعقد کا دائرہ صرف قریش تک محدود نہ تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

نحن الامراء وانتم الوزراء — ہم امیر ہیں اور تم وزیر

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے انصار کو ارباب حل وعقد میں شمار کیا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے وزیر ہی توڑ جوڑ کیا کرتے ہیں پس لازم تھا مجلس شوریٰ میں انصار شریک ہوں اور خلیفہ کے انتخاب میں حصہ لیں مزید برآں مجلس شوریٰ میں قریش اور انصار کے علاوہ عرب سرداروں میدان جہاد کے سپہ سالاروں اور اسلامی حکومت کے عمال اور حاکموں کی شرکت بھی ضروری تھی اس شکل میں اگر مجلس شوریٰ ترتیب پاتی تو مسلمان بہت سے مصائب اور مشکلات سے محفوظ رہتے،

شوریٰ کی اس طرح پر تنظیم میں ایک دوسری پیچیدگی جو ہمیں نظر آرہی ہے وہ یہ کہ مشیروں کے اختیار کو موقت اور ہنگامی بنا دیا گیا حضرت عمرؓ نے تین دن کی مدت مقرر کی اور مسلمانوں نے اس تحدید کو منظور کر لیا اب اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے ہی میں سے ایک کو منتخب کرتے اور اس کو خلیفہ بناتے۔ جو لوگ حاضر تھے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے پھر دوسرے شہروں میں اس کی بیعت کے لئے خطوط لکھے جاتے یا زیادہ جامع الفاظ میں یوں کہیئے کہ خود خلیفہ اپنی بیعت کے لئے باہر کے لوگوں کو لکھتا۔ اور مدینہ کے حاضرین کی بیعت سے حاصل ہونے والی خلافت کے نام سے باہر کے لوگوں پر حکومت کرتا، مطلب یہ ہے کہ اس نظام شوریٰ کے ماتحت تنہا مدینہ کے لوگوں کو یہ درجہ حاصل تھا کہ اگر وہ بیعت کر لیں تو دنیا کے تمام حصوں میں اس کی اتباع ضروری ہو جائے اس لئے کہ مدینہ مہاجر اور انصار صحابہؓ کا مستقر تھا تمام ارباب حل وعقد وہیں رہتے تھے اور اس لئے بھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں تاخیر سے مختلف قسم کے اضطراب و ہیجان کا امکان تھا تاہم یہ بات اپنی جگہ شک سے خالی ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض اصحاب فکر و نظر اس وقت حضرت عمرؓ کے حکم یا اجازت سے مختلف شہروں یا محاذ جنگ پر

سمجھے اور وہ اس کے اہل تھے کہ ان سے مشورہ لیا جاتا۔

لیکن تین دن کی مختصر مدت درحقیقت اصل خطرے کا دروازہ نہیں یہ تو مصلحت کا ایک تقاضا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عمرؓ نے یقیناً اس مصلحت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا خطرے کی بات تو اس میں تھی کہ یہ مجلس وقتی اور ہنگامی تھی، خلیفہ کا انتخاب ہوا اور یہ ٹوٹ گئی، اگر اس مجلس کو کچھ اور وسعت دی جاتی اور پھر اسے ایک مستقل نظام کی حیثیت سے باقی بھی رکھا جاتا جو ایک طرف خلیفہ کے کاموں کی نگرانی کرتی اور دوسری طرف ضرورت کے مواقع پر خلفاء کے انتخاب کی کارروائی عمل میں لاتی تو یقیناً مسلمان پارلیمنٹری نظام کی طرف پہل کرنے والوں میں ہوتے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے مستحق بھی تھے، ناظرین نے حضرت عمرؓ کی سیرت میں اس بات کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ کس طرح اس نظام کے لئے تیزی اور سرگرمی کے ساتھ کوشاں تھے لیکن میں پھر اس بات کو دہراؤں گا کہ موت نے جلدی کی اور حضرت عمرؓ کو اس نظام پر غائر نگاہ ڈالنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیا۔ اگر آپ کی زندگی ہوتی تو امکان تھا کہ آپ اس کام کے لئے فرصت پاتے اور جو خاکہ ہم نے کھینچا ہے اس کے مشابہ کسی نظام کی تکمیل فرما دیتے پھر نہ کوئی کشمکش درمیان ہوتی اور نہ باہمی آویزش کے وہ واقعات پیش آتے جو حضرت عثمانؓ کا مقابلہ کرنے والوں کے درمیان واقع ہوئے جس کا مرکزی نقطہ درحقیقت یہ سوال ہے کہ اگر مسلمان خلیفہ کی پالیسی کو غلط تصور کرتے ہوں تو کیا ان کو اجازت ہے کہ وہ اس کو معزول کر دیں یا یوں کہیئے کہ رعایا اگر تنگ آ چکی ہو تو خود خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ نہیں، کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائے

حضرت عثمانؓ کا خلیفہ ہونا

بہر حال اہل مشورہ نے معاملہ عبدالرحمٰنؓ کے سپرد کر دیا اور خود اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے حضرت صہیبؓ فاروق اعظمؓ کی تعمیل ارشاد میں نماز پڑھاتے، ابوطلحہؓ اور ان کے ساتھی عبدالرحمٰنؓ کے دروازے پر جمے رہے کہ تین دن گزاریں اور وہ مسلمانوں کے لئے ایک امام پسند کریں، کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ نے اپنے اندازے اور استخارے پر قناعت نہیں کی انھوں نے اوروں سے بھی مشورہ لیا کچھ لوگوں کے پاس خود گئے بعضوں کو اپنے ہاں بلایا مردوں کے علاوہ ممتاز خواتین کو بھی

شریک مشورہ کیا امہات المومنینؓ اس سلسلے میں پیش پیش رہیں، پھر جب تین دن کی یہ مقررہ مدت ختم ہونے کے قریب تھی تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو بلوایا اور ہر ایک سے تنہائی میں گفتگو کی، چنانچہ حضرت علیؓ سے تخلیہ میں کہا، اگر میں آپ کو خلیفہ منتخب نہ کر سکوں تو آپ کس کے حق میں اپنی رائے دیں گے، حضرت علیؓ نے جواب دیا حضرت عثمانؓ کے حق میں، پھر یہی سوال آپ نے حضرت عثمان سے تنہائی میں کیا۔ انھوں نے جواب میں حضرت علیؓ کا نام لیا۔ ہر چند کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہے اس لئے کہ ایسا کوئی شاہد نہیں ہے جو بتائے کہ عبدالرحمنؓ کی ان دونوں حضرات کے ساتھ کیا گفتگو ہوئی، بہرحال عبدالرحمنؓ بن عوف نے ان سے تنہائی میں گفتگو کی اور اس کے بعد مسجد میں اجتماع کا اعلانِ عام ہوگیا، حاضرین سے مسجد بھر گئی عبدالرحمنؓ منبر نبویؐ پر چڑھ کر اس جگہ بیٹھے جہاں حضور بیٹھا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی نشست ایک زینہ نیچے کر لی تھی، حضرت عمرؓ صدیق اکبرؓ کی نشست سے بھی ایک زینہ نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ سلسلہ تو بہت طویل ہو جائے گا اور پھر نبوی نشست پر ہی بیٹھ گئے

بہرحال منبر نبویؐ پر چڑھے اور رسول اللہؐ کے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے سر پر وہ عمامہ تھا جو کسی سفر میں نبی کریمؐ نے باندھ دیا تھا منبر پر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ پھر دعا کی جس کی آواز لوگوں تک نہ پہنچی، اس کے بعد حضرت علیؓ کو اپنے پاس بلایا اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کیا آپ اللہ کی کتاب رسولؐ کی سنت اور شیخینؓ کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا نہیں، میں اپنی ہمت اور حوصلے کے مطابق کوشش کروں گا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کیا آپ اللہ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شیخینؓ کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا ہاں، عبدالرحمنؓ نے کہا خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے۔ اس کے بعد لوگ بڑھے اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی،

حضرت علیؓ نے بھی بلا پس و پیش بیعت کی، کہا جاتا ہے کہ ان کو تردد تھا اور جب عبدالرحمنؓ بن عوف نے ان سے کہا کہ علیؓ مواخذہ اپنے سر نہ لو، قرآنی ارشاد ہے جس نے عہد توڑ دیا۔ ذمہ داری اس کے سر ہے اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا خدا اسے اجرِ عظیم دے گا تب حضرت علیؓ آئے اور بیعت کی لیکن میرا یقین ہے کہ حضرت علیؓ کو تردد نہ تھا اور وہ ہرگز اس کے محتاج نہ تھے کہ کوئی

انھیں عہدِ وفا کی یاد دلاتا آپ کی پوری زندگی ہم کو بتاتی ہے کہ آپ کی ذات اس قسم کی یاددہانی یا تنبیہ سے بالاتر تھی۔

مورخین کی صحیح روایت کی بنا پر اس دن کا سورج غروب نہیں ہوا تھا اور وہ ذی حجہ ۲۳ھ کا آخری دن تھا۔ اور حضرت عثمانؓ ۲۴ھ کی پہلی صبح کا مسلمانوں کے خلیفہ بنکر استقبال کر رہے تھے۔

خلافت کے بعد سب سے پہلی آزمائش

خلافت کے پہلے ہی دن سب سے پہلا مسئلہ جو حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا وہ عبیداللہ ابن عمرؓ کا مقدمہ تھا جنھوں نے پہلے ہرمزان، پھر جفینہ اور اس کے بعد ابولولو کی لڑکی کو قتل کر دیا تھا یہ خونی مقدمہ درحقیقت مسلمانوں کی بڑی سخت آزمائش تھی۔ ابولولو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے اس نے فاروق اعظمؓ کو جب کہ وہ نماز کے لئے آگے بڑھ رہے تھے دو نوک والے ایک خنجر سے زخمی کر دیا لوگ قاتل پر ٹوٹ پڑے لیکن اس نے سوال وجواب سے پہلے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر دیا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ابولولو، ہرمزان (مسلمان) اور جفینہ (عیسائی) تینوں کو ایک جگہ بیٹھے کانا پھوسی کرتے دیکھا تھا۔ ان کے ہاتھ میں یہی خنجر تھا جسے وہ الٹ پلٹ کر رہے تھے اور جب وہ ان کے پاس پہنچے تو سب کے سب کھڑے ہوگئے اور خنجر ان کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوگیا تو عبیداللہ بن عمرؓ ننگی تلوار لئے نکلے اور ہرمزان تک پہنچ کر اس کو قتل کر دیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ تلوار کی کاٹ اپنا کام کر چکی تو کہا لاالٰہ الااللہ، اور اس کے بعد وہ جفینہ کے پاس پہنچے اور اس کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ جفینہ مرچکا ہے۔ تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان تلوار سے صلیب کی شکل بنادی، پھر ابولولو کے گھر پہونچے اور اس کی لڑکی کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت صہیبؓ نے جو اس وقت نماز پڑھانے کی خدمت پر مامور تھے خبر پاکر لوگوں کو بھیجا کہ وہ عبیداللہ بن عمرؓ کو مسلمانوں کے قتل سے روکیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ پہنچے اور انھیں قابو میں کر لیا۔ پھر جب تک ان کے ہاتھ سے تلوار نہیں لے لی ساتھ ہی رہے اس کے بعد وہ مقید کر لئے گئے تاکہ خلیفہ

ان کے بارے میں فیصلہ کرے،

بیعت کے معاملے سے فرصت پاتے ہی حضرت عثمانؓ نے ان مسلمانوں سے جو عبیداللہ ابن عمرؓ کے سلسلے میں آپ کے پاس آئے تھے، مشورہ کیا، عبیداللہ نے خود ہی انتقام لیا اور وہ بھی بلا دلیل۔ انھوں نے ناحق ایک مسلمان اور دو ذمیوں کو قتل کر دیا۔ فقہا اور اہل بصیرت نے جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل ہیں، عبیداللہ سے قصاص لینے کا خیال ظاہر کیا۔ اس لئے کہ انھوں نے کھلے طور پر اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز کیا، لیکن بہت سے مسلمانوں نے یہ کہہ کر کہ "کل عمرؓ کو شہید کیا گیا اور آج ان کا بیٹا مارا جائے"؟ مخالفت میں اپنی رائے دی کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمان سے کہا کہ میاں اللہ نے آپ کو اس قضیہ سے بچا لیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا آپ اس میں مداخلت نہ کیجئے،

اس مقدمہ میں حضرت عثمانؓ نے کیا فیصلہ کیا؟ اس میں راویوں کا اتفاق نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ انھوں نے قصاص کا فیصلہ کیا اور عبیداللہ کو ہرمزان کے لڑکے کے حوالے کر دیا کہ وہ ان سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے لے۔ لیکن مورخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میں ہرمزان اور دوسرے مقتولین کا ولی ہوں میں قاتل کو معاف کرتا ہوں اور بیت المال میں رکھے ہوئے اپنے مال سے خوں بہا ادا کرتا ہوں" حضرت عثمانؓ کی افتاد طبع کے پیش نظر یہی خیال ان کی سیرت سے میل کھاتا ہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی خلافت کا آغاز ایک نوجوان قریشی یعنی فاروق اعظمؓ کے ایک بیٹے کے خون سے ہو، لیکن وہ ایک مسلمان اور دو ذمیوں کے خون سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے، اسی لئے انہوں نے ایک طرف عبیداللہ ابن عمرؓ کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ اور دوسری طرف اپنے مال سے مقتولین کو معاوضہ دے دیا۔ یہ فیصلہ اگر لوگ معاملے کو سیاسی عینک سے دیکھنا چاہیں ایک مدبرانہ سیاست تھی، اس میں ان حضرات کا بھی خیال رکھا گیا ہے جو عام طور پر کہا کرتے تھے کہ کل تو حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے۔ اگر حضرت عثمانؓ یہ منظور فرما لیتے کہ عبیداللہ کو قصاص میں قتل کر دیا جائے تو عام طور سے۔ بنی عدی کے لوگوں اور خاص طور پر خطاب کے خاندان والوں کے دل آپ کی طرف سے پھر جاتے یہی نہیں بلکہ سارے قریش اور غیر قریش کے لوگ بھی آپ برداشتہ خاطر ہو جاتے

اور اگر وہ عبیداللہ کو معاف کر دیتے اور مقتولین کی دیت ادا نہ کی جاتی تو اس سے بدنظمی اور اور بے عنوانی کا ایک ایسا دروازہ کھلتا جس کو بند نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن یہ حادثہ محض سیاسی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ایک مذہبی حیثیت بھی تھی، جو سیاست پر مقدم تھی، خلیفہ کو معاف کر دینے اور درگذر کرنے کے حقوق حاصل ہیں لیکن اس میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کی معافی اور درگذر دین کے حدود میں سے کسی حد کو معطل کر دینے کا باعث نہ ہو،

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے متشدد مسلمان حضرت عثمانؓ کے فیصلے سے خوش نہیں تھے، چنانچہ انصار میں ایسے لوگ تھے جو عبیداللہ کو ہرمزان کے قتل کی یاد دلاتے رہتے تھے اور دھمکی دیا کرتے تھے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور لیں گے زیاد بن لبید بیاضی جب کبھی عبیداللہ کو راستے میں مل جاتا۔ کہتا۔

الا یا عبید اللہ مالک مهرب | عبیداللہ تم بچ نہیں سکتے حضرت
ولا ملجا من ابن اروی ولا خفر | عثمانؓ کی پناہ بھی کام نہ آئے گی،
اصبت دما واللہ فی غیر حله | ہرمزان کا خون ضرور رنگ
حراما وقتل الهرمزان له خطر | لائے گا۔

زیاد کی طرف سے جب یہ زیادتی حد سے بڑھ گئی تو عبیداللہ نے حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے اس کی شکایت پر زیاد کو بلایا اور سختی سے منع کیا لیکن اس نے ایک نہ سنی بلکہ خود حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل اشعار کہے

ابا عمرو عبید اللہ رهن | اے ابوعمرو! عبید اللہ ہرمزان کے
فلا تشکک بقتل الهرمزان | قتل میں ماخوذ ہے، اس میں شک و
فانک ان غفرت الجرم عنه | شبہہ کی گنجائش نہیں اگر تم اس کا
واسباب الخطا فرسا رهان | یہ جرم معاف کر دوگے ایسی حالت
لتعفوا ذعفوت بغیر حق | میں کہ جرم کے اسباب بازی کے
فمالک بالذی تحکی یدان | گھوڑوں کی طرح یکساں ہیں بلا دلیل معاف

[margin:] کر دوگے تو جس چیز کی تم حکایت کرتے ہو اس کی تم میں طاقت نہیں

پھر تو حضرت عثمانؓ کو غصہ آگیا اور آپ نے سخت سرزنش کی اور پھر زیاد اپنی حرکت سے باز آگیا۔ بہر حال مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے سے خوش نہ تھی اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا تعلق اسی جماعت سے تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر عبید اللہ کو حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں پا جاتے تو ان پر قصاص کی حد یقیناً جاری کرتے لیکن وہ تو صفین کے معرکے میں کام آچکے تھے، ناراض مسلمانوں کو غصہ اس بات کا تھا کہ حضرت عثمانؓ کا فیصلہ کھلی ہوئی نص قرآنی کی رعایت سے خالی ہے پھر یہ سخت حرج کی بات ہے کہ عبید اللہ کو خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا جائے اور اس لئے کہ انہوں نے تو ایک عجمی مسلمان اور دو ذمیوں کا خون کیا ہے اس معافی سے تو امتیاز اور تفریق کی بو آرہی ہے اس میں عبید اللہ عربی اور ہرمزان عجمی میں فرق کیا جا رہا ہے خدا نے تو مسلمانوں کی عزت و آبرو ان کے مال و دولت اور ان کے خون کی حرمت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا خواہ وہ کسی نسل اور کسی قوم کے ہوں اور پھر یہ معافی شبہ پیدا کرتی ہے کہ دین میں ذمیوں کے لئے حرمت اور حقوق کے احکام کے باوجود ان کے خون سے بے اعتنائی برتی جا سکتی ہے اب اگر ایسا ہی ہونے لگے اور خلفاء اور ان کے ہم مرتبہ بزرگوں کے صاحبزادوں کو بڑے بڑے انصار مہاجر کے فرزندوں کو موقع دیدیا جائے کہ من مانا انتقام لے لیا کریں دربار خلافت میں اپنے معاملات پیش نہ کریں دلائل سے بھی اپنے کو بے نیاز تصور کریں تو پھر خرابیاں عام ہوں گی انصاف لاپتہ ہوگا بدنظمی کا دور دورہ ہوگا۔ اور دین کے آثار ناپید ہوں گے۔

ہاں تو عرض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے معاملات کے والی تھے، والی ہونے کی حیثیت سے ان کو اس کا حق تھا کہ وہ معاف کر دیتے اور ہم تو ایک قدم آگے بڑھا کر کہنا چاہتے کہ انھوں نے عبید اللہ کو معاف کر کے نہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو معطل کیا اور نہ ہرمزان اور اس کے دونوں ساتھیوں کے خون سے بے اعتنائی برتی اس لئے کہ اپنے مال سے انھوں نے دیت ادا کر دی لیکن اس قسم کی معافی دین کے معاملات میں شدت برتنے والوں کو مشتبہ کر دیتی ہے واقعہ یہ ہے کہ عبید اللہ کو اس کے جرم کی کوئی سزا نہیں ملی! اپنے مال سے معاوضہ ادا کر کے حضرت عثمانؓ نے وہ سزا خود بھگتی! جو عبید اللہ کو برداشت کرنا چاہیے، اگر وہ معاوضے کی رقم عبید اللہ اور ان کے گھر والوں پر عائد کر دیتے اور اس طرح ان کو بچاتے اور معاف کرتے تو بلاشبہ صحیح طور پر حد

جاری ہوتی اور پھر کسی کو ان کے فیصلے پر مجال گفتگو نہ ہوتی اور اگر خطاب کے گھرانے کے ساتھ نرمی اور سلوک کے تقاضے سے دیت کی رقم اپنے مال سے ادا کر دی تھی تو عبید اللہ کو سزا کے طور پر قید خانہ میں رکھنا تھا، کہ وہ اپنے گناہ سے خدا کی جناب میں توبہ کرتے، ناحق خون کرنے پر نادم ہوتے نیز عہد جاہلی کے معاندانہ جذبات کے ماتحت جس طرح انھوں نے دربار خلافت کی توہین کی اس پر شرمندہ ہوتے اگر حضرت عثمانؓ یہ کرتے تو اس خار زار سے اپنا دامن بچا سکتے، اور عبید اللہ جیسے قریشی نوجوان کو بتا سکتے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کا خون اللہ کے نزدیک اتنی حرمت رکھتا ہے کہ اسے بغیر حق کے بہایا نہیں جا سکتا۔ اس کی عظمت اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ قاتل بلا خوف وخطر زندگی کے دن چین و آرام سے گذارنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جائے

بہر حال حضرت عثمان نے خلافت کا استقبال جس سیاسی مسلک سے کیا اس سے آپ کی تصویر ایک ایسے شخص کی تصویر نظر آتی ہے جو رحم دل اور نرم طبیعت کا ہے، صلح پسند ہے، دلوں میں بیٹھے ہوئے دشمنی کے جذبات سے بچنا چاہتا ہے، خصوصاً رنجش کے وہ جذبات جو ممتاز مہاجرین اور ان کی اولاد کے دلوں میں پنہاں تھے، اس سیاست کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ کچھ لوگ خوش اور کچھ ناراض ہوں، یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز ایک ایسے ماحول میں ہوا جو شکوک اور اختلافات سے گھرا ہوا تھا اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ حضرت عمرؓ ہوتے اور ان کے سامنے کسی نوجوان قریشی کا مقدمہ پیش ہوتا پھر وہ کیسے ہی خاندان کا فرد اور کیسے ہی باپ کا بیٹا کیوں نہ ہوتا وہ ایک پختہ کار کی طرح اپنا فرض انجام دیتے، ان کو خدا کے حدود جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہیں کر سکتی تھی پس اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے نے ان کی خلافت کو حضرت عمرؓ کی خلافت سے جدا کر دیا۔ اس جدائی کے دامن پر ہم کو نرمی، نرم دلی کے نقوش ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں،

لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے متعلق رائے قائم کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا اور پھر عجلت کا کیا موقع؟ فاروق اعظمؓ کا جو نقشہ دلوں میں تھا۔ اس کے پیش نظر لوگ عبید اللہ ابن عمرؓ کے قضیئے سے متعلق خود ہی دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے، نبی کا فرمان ہے کہ شبہات سے حدود کی مدافعت کرو، یعنی شک کا فائدہ مجرم کو ملنا چاہیئے۔ شاید حضرت عثمانؓ نے

عبیداللہ ابن عمرؓ کی سزا کا دفاع اس شبہ میں پایا ہو۔ کہ وہ والد کے غم میں مغلوب الغضب ہو چکے تھے، اور خدا نے مسلمانوں کو عفو و درگذر کے لئے غیر معمولی رغبت دی ہے جب کہ وہ قدرت رکھتے ہوں۔

حضرت عثمانؓ کے فرمان

موزخین روایت کرتے ہیں کہ عنانِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت عثمانؓ نے اپنے عاملوں اور سپہ سالاروں کے نام فرمان لکھے۔ بعض فرمانوں میں عوام کو بھی خطاب کیا ان سے وہ پالیسی واضح ہو جاتی ہے جس پر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کو چلانا چاہتے تھے، اور جس پر اپنی خلافت کی ابتدا میں وہ بقول موزخین، عمل پیرا رہے، یہ فرمان اس قابل ہیں کہ ان کو پیش کیا جائے اور ان پر غور و فکر کے چند لمحات صرف کئے جائیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معلوم کیا جا سکے کہ جو خاکہ آپ نے اپنے لئے تیار کیا تھا اس کی کہاں تک تکمیل ہو سکی

۲۴ھ کے واقعات میں طبری نے ان فرامین کو نقل کیا ہے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے عاملوں کے نام لکھے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

"حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ اللہ نے خلفاء کو حکم دیا ہے کہ وہ محافظ رہیں محصّل نہیں اس امّت کے صدر نشین حفاظت کرنے والے رہے وصول کرنے والے نہیں بنے تمہارے امام نگرانی اور محافظت سے دور اور تحصیل داری سے قریب ہوتے جا رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو حیا، امانت اور وفاداری کا خاتمہ ہو جائے گا، یاد رکھو سب سے زیادہ منصفانہ روش یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور ان کے فرائض پر گہری نظر ڈالو، ان کے حقوق دو اور جو کچھ ان پر واجب ہے لو، ذمّہ داریوں کو دو حصّوں میں بانٹ دو، ان کا جو کچھ حق ہے انھیں دو، ان پر جو کچھ ہے ان سے لو، اور پھر دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو لیکن وفا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے"

یہ مختصر فرمان جو تکلّف سے خالی، تصنّع سے دُور اور زیادتی کے تصوّر سے بالکل پاک ہے

عاملوں کو چار خصلتوں کا حکم دیتا ہے پہلی خصلت یہ ہے کہ عامل چرواہوں کی طرح محافظ اور نگہبان ہوں ٹیکس وصول کرنے والے افسر نہیں، مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنے سے ان کا مقصد رعایا کے ساتھ ہمدردی اور اور نرمی کا سلوک ہونا چاہئے نہ کہ حکومت کا خزانہ بھرنا یا حاکموں کی حاجت کا رُخ دولت و ثروت کی طرف پھیر دینا حضرت عثمانؓ اس خصلت کے پیدا کرنے پر پوری شدت کے ساتھ زور دیتے ہیں "رعاۃ" اور "جباۃ" کے الفاظ کی بار بار تکرار بتاتی ہے کہ آپ کی نگاہ میں اس کی کس قدر اہمیت ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ آپ اس بنیادی مقصد کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو عربوں کی فتوحات کی طرف متوجہ ہو جانے پر اسلام کے پیش نظر تھا، یعنی اصلاح اور صرف اصلاح اس لئے کہ اسلامی فتح جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بتایا ہے غلبہ اور قبضہ کی فتح نہیں ہے بلکہ اخوت، ہمدردی اور اصلاح کی فتح ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ اعلان کرتے ہیں کہ اس امت کے امام ابتدا میں محافظ تھے محصّل نہ تھے اور یہ امام اللہ کے نبیؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے، حضرت عثمانؓ ڈر رہے ہیں کہ ان کے بعد کے امام محافظ نہ رہ سکیں گے محصّل بن جائیں گے اس وقت حیا جاتی رہے گی، حیا کی جگہ بے حیائی کا دور ہو گا جس کے نتیجے میں حق پامال ہو گا۔ باطل پر اصرار کیا جائے گا۔ بے غیرتی کی رسوائیاں گناہوں سے ہم آغوش ہوں گی اس وقت امانت نہ ہو گی، امانت کی جگہ فریب اور مکاری لے گی جو خلفاء اور رعایا دونوں کے حقوق برباد کرے گی۔ وہ وقت شکوک اور شبہات کا وقت ہو گا۔ لوگ ایک دوسرے سے بدگمان ہوں گے معاملات کی بنیاد صفائی اور اخلاص کی جگہ فریب کاری اور مکاری پر رکھی جائے گی اس وقت وفا کا سلسلہ ختم ہو کر بدعہدی کا آغاز ہو گا۔ اور لوگ ایک نہ ختم ہونے والی خرابی میں مبتلا ہو جائیں گے شرمناک خود غرضی لوگوں میں پھیل جائے گی نہ کوئی کسی کی عزت کرے گا نہ کسی کے لئے کوئی وقار اور احترام چاہے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب ہدایتیں وہی ہیں جس کی تلقین نبی کریمؐ، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ فرماتے تھے،

— دوسری خصلت درحقیقت اس اجمال کی تفصیل ہے جو حضرت عثمانؓ نے عمال کے فرمان میں کیا ہے یعنی عام مسلمانوں اور خلفاء اور امراء کے تعلقات میں انصاف کی رعایت رکھی جائے پس ہرگز ہرگز حکومت کو خوش کرنے کیلئے مسلمانوں پر کوئی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے اسی طرح عام مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے حکومت پر کوئی زیادتی نہ ہونی چاہیئے جو کچھ مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان سے لیں اور ان کے جو حقوق ہیں ان کو دیئے جائیں حکومت ظلم نہ کرے اور صدقات کی وصولی

اور خراج کی تحصیل میں حد سے متجاوز نہ ہو، لوگوں کے کسی معاملے میں بھی جبر اور زبردستی روا نہ رکھی جائے، ایک ایسا انصاف ہو جو نہ حاکم کے لئے مضر اور نہ رعایا کے لئے تکلیف۔

تیسری خصلت درحقیقت دوسری ہی خصلت ہے البتہ اس میں اُن ذمیوں کا ذکر ہے جن سے معاہدہ ہو چکا ہے، ایسے ذمی انصاف کا استحقاق رکھنے میں بالکل مسلمانوں کی طرح ہیں جو حق ایک مسلمان کا ہے وہی بلا کم و کاست ایک ذمی کا ہے، ہاں یہ شرط ہے کہ وہ خیر خواہ، مخلص ہو اور وفاداری کے ساتھ معاہدے کا پابند ہو، پس مقررہ مقدار سے زیادہ وصول کر کے نہ ذمیوں پر دست درازی کی جائے اور نہ کوتاہی کر کے مسلمانوں کو زیر بار کیا جائے۔

چوتھی خصلت دشمن سے متعلق ہے جو مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، اس سلسلے میں خلفاء کی ہدایات حیرت انگیز ہیں لیکن اس میں ایک بات بھی حضرت عثمانؓ کی طبع زاد یا ایجاد نہیں اور نہ ہی وہ اپنی طرف سے جدت پسند فرماتے تھے جیسا کہ ناظرین آگے چل کر معلوم کرلیں گے، حضرت عثمانؓ نے سورہ برأت اور دوسری صورتوں میں نازل شدہ آیات کی اتباع کرتے ہوئے اپنے عمال کو ہدایت کی کہ وہ دشمنوں پر فتح اور غلبہ ضرور حاصل کریں لیکن پاس وفا کے ساتھ دشمنوں سے بھی غداری کسی طرح جائز نہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت ان پر پیش کریں اگر انھوں نے منظور کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ مصالحت کی تجویز پیش کریں اگر قبول نہ کریں تو مقابلہ ہو۔

یہ سیاست جس کا نقشہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عمال کے سامنے پیش کیا ہے بعینہٖ قرآن مجید کا پیش کردہ نقشہ ہے جو حضرت عثمانؓ کے قبل کے خلفاء اور مسلمانوں کا دستور العمل رہا ہے۔

خراج کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ اپنے عاملوں کو فرمان لکھتے ہیں،

"حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ نے تمام مخلوقات کو برحق پیدا کیا اور وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے پس حق دو اور حق لو، بڑی بات امانت ہے امانت، تم اپنے اندر امانت کے جوہر پیدا کرو، خلاف امانت کارروائی میں پہل نہ کرو، کہ بعد والوں کی کارروائیوں میں شریک گنے جاؤ گے، اور ہاں وفا کا خیال رکھو وفا کا، یتیموں اور ذمیوں پر زیادتی نہ کرو اگر یہ مظلوم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ خود مقابل ہوگا"

یہ مختصر سا فرمان ہے جس میں نہایت دل کش اجمال کے ساتھ ان ہی باتوں کی تاکید کی گئی اور ان کی

طرف رغبت دلائی گئی جن کا ذکر پہلے فرمان میں آچکا ہے البتہ اس میں ایک قسم کی شدت اور تیزی ہے جس سے پہلا فرمان خالی ہے، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو برحق پیدا کیا اور وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے اس لئے خلفاء اور عاملوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے ایسے ہی اعمال کریں جسے وہ قبول کرتا اور پسند کرتا ہے، پس وہ لوگوں سے حق کی مقررہ مقدار ہی حاصل کریں اس میں کمی بیشی ہرگز منظور نہ کریں، اور لوگوں کو واقعی حق دیں اس سے انحراف یا اس میں اضافہ نہ کریں اگر اس طرح حق کی پابندی ہو تو ان کا سب سے بڑا فرض ہوگا کہ وہ رعایا کی رقموں کی وصولی میں اپنے مصالح پر خرچ کرنے میں نیز اس رقم میں جو وہ مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لئے خلیفہ کو سپرد کرتے ہیں سب میں امانت اور صداقت کو پیشِ نظر رکھیں، حضرت عثمانؓ خراج وصول کرنے والے افسروں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ امانت کی راہ چھوڑ دینے میں پیش قدمی نہ کریں ورنہ وہ بعد کے خیانت کرنے والوں کے شریکِ جرم ہوں گے، امانت کے بعد حضرت عثمانؓ وفاداری اور پاسِ عہد کا حکم فرماتے ہیں، اور اس میں بھی اتنی ہی شدت فرماتے ہیں جتنی امانت کیلئے فرمائی تھی پھر ذمیوں اور یتیموں پر زیادتی سے منع فرماتے ہیں اور خدا کے عذاب سے ڈراتے ہیں، جو ایسے ظالموں کے بالمقابل ہوگا۔

یہ سیاست بھی قرآن مجید ہی کی سیاست ہے جس پر اللہ کے نبیؐ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا عمل رہا ہے، حضرت عثمانؓ اپنے پہلے فرمان کی طرح اس میں بھی کوئی بات اپنی طرف سے پیش نہیں کرتے، اور اپنے اس عہد کا پوری طرح خیال رکھتے ہیں جو اپنی بیعت کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف سے کیا تھا کہ قرآن وسنت اور اتباعِ شیخینؓ سے سرِمو تجاوز نہیں کروں گا۔

حضرت عثمانؓ نے سرحد کے محافظوں اور سپہ سالاروں کو فرمان بھیجا جس میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حمد وصلوٰۃ کے بعد آپ لوگ مسلمانوں کے حامی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے ہیں، حضرت عمرؓ نے آپ کے لئے جو نظم مرتب کیا وہ ہم پر مخفی نہیں، اس کی ترتیب ہماری ایک جماعت کی موجودگی میں ہوئی ہے ہرگز ہرگز یہ اطلاع نہ آنے پائے کہ تم نے اس نظم میں کوئی تبدیلی کردی ہے، یاد رکھو کہ خدا تم کو بدل دے گا۔ اور تمہاری جگہ کسی کو دے دے گا۔ پس سوچو کہ تمہارا طرزِ عمل کیا ہو؟ میں ان تمام معاملات پر نظر رکھوں گا جس کی نگرانی خدا نے میرے ذمے کی ہے"

غور کیجئے کہ اس فرمان میں کس قدر تدبر اور پھر کس قدر شدت سے کام لیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں جنگی افسروں اور دفاع کے ذمہ داروں کے لئے کس قدر موزوں اور ضروری ہیں اور خاص طور پر توجہ کیجئے کہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ نظام کی پابندی کو کتنے زور کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں' اس لئے کہ فاروق اعظمؓ نے اس نظام کا خاکہ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت کی موجودگی میں بنایا تھا خود حضرت عثمانؓ اس نظام کی تیاری میں شریک اور مشیر تھے' وہ سپہ سالاروں کو تاکید کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مرتبہ نظام میں کوئی تبدیلی نہ کریں اور اگر انھوں نے کچھ ردوبدل کیا تو دھمکی دیتے ہیں کہ وہ معزول کر دیئے جائیں گے یا سزا کے مستحق ہوں گے' پس حضرت عثمانؓ نظامت میں' مالیات میں اور جنگ میں غرض تینوں شعبوں میں اسی مسلک کے محافظ ہیں جو حضرت عمرؓ کا تھا' پھر جس طرح حضرت عمرؓ مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے تھے' سنن کی طرف راغب اور بدعات سے دور رہنے کی تاکید کرتے تھے' حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال تھا' مختلف شہروں اور صوبوں کے عوام کے نام آپ نے جو فرمان بھیجے ہیں ان کا ترجمہ پڑھیئے۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد اتباع اور فرمانبرداری کی بدولت آج جو تم اس درجے پر پہونچے ہو خبردار کہیں دنیا تم کو تمھارے اصل کام سے غافل نہ کر دے اس لئے کہ یہ امت بدعات کی طرف جھک جائے گی۔

(۱) خوش حالی اور فارغ البالی کی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

(۲) قیدی لونڈیوں سے پیدا ہونے والی اس کی اولاد جوان ہو چکی ہوگی۔

(۳) دیہاتی عرب اور عجمی قرآن پڑھ چکیں گے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کفر عجمیوں میں ہے جب کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی وہ تکلف اور جدت سے کام لیں گے"

اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سنت کی حفاظت کرنے میں اور تکلفات اور بدعات کو روکنے میں کسی طرح بھی حضرت عمرؓ سے کم کوشاں نہ تھے انھوں نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ فتوحات اور اقتدار کے جس درجہ پر آج وہ ہیں یہ اتباع اور اطاعت ہی کی برکت ہے آپ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کہیں ان کی توجہ اصل کام سے ہٹا نہ دے پھر ان کو خطرات کے تین مواقع سے ڈراتے ہیں۔

(۱) عیش و عشرت کی یہ پر لطف اور لذت بھری زندگی جو روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے ان کو برباد کر دے گی۔

(۲) قیدیوں لونڈیوں سے پیدا ہو کر جوان ہونے والی اولاد ان کے لئے خرابیوں کا باعث ہوگی یہ نئی نسل جس کا خون خالص عربی خون نہیں ہوگا بلکہ اس میں غیر ملکی ماؤں کے خون کی آمیزش ہوگی اتباع اور اطاعت کی جگہ اپنی طرف سے اضافہ اور جدت پسند کرے گی۔

(۳) دین میں وہ باتیں داخل کی جائیں گی جو دین نہیں، سادہ اور آسان علم کو جہل اور تکلف میں الجھا دیا جائے گا جب کہ دیہاتی عرب اور عجمی اسلام میں داخل ہوں گے اور قرآن پڑھ لیں گے آیات کا صاف اور سادہ مطلب نہ سمجھ کر اسمیں اپنی طرف سے اضافے اور بناوٹ کی باتیں داخل کریں گے، فتوحات کے بعد مسلمان جن آفات میں مبتلا ہوئے حضرت عثمانؓ نے اپنے اس فرمان میں اس کی جو تصویر کھینچی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کا نمونہ کسی اور نے پیش کیا ہے، مال اور دولت کی کسقدر بہتات ہوئی اور معیشت میں کیسی فراوانی آئی۔ اور مسلمانوں کے لئے کس طرح تعیش اور ہوسناکی کا باعث بنی، پھر ایک نئی نسل پیدا ہوئی جس نے حد سے بڑھی ہوئی جرائتیں دکھائیں بیجا تکلفات اور دور از کار جدتوں سے کام لیا قرآن مجید کو اس کے طریقوں سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی، کہیں بالکل ڈھیل چھوڑ دی اور کہیں حد سے زیادہ سختی برتی، چنانچہ حق ان کی سخت گیریوں اور حد سے زیادہ سہل انگاریوں کے درمیان گم یا تقریباً گم ہوگیا۔

V. Imp

عہد فاروقی کے گورنر جنکو حضرت عثمانؓ نے باقی رکھا

جن عاملوں کے نام حضرت عثمانؓ نے یہ فرمان لکھے تھے وہ سب کے سب حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ تھے حضرت عثمانؓ نے ان کو ان کے عہدوں پر سال بھر باقی رکھا جس کی خود حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے پیش نظر اس سے صحیح کوتی اور وصیت ہو بھی نہیں سکتی تھی حضرت عمرؓ کو خطرہ ہوا کہ اقتدار سے فائدہ اٹھانے میں خلیفہ کہیں عجلت سے کام نہ لے اور کچھ نئے لوگوں کا تقرر اور بعض پرانے حاکموں کو برطرف نہ کر دے، ایسی حالت میں عمال نے جن کاموں کا آغاز

کر رکھا ہے اس میں رکاوٹ یا تعطل پیدا ہو جائے گا اور اس سے سرحدوں اور شہروں میں مسلمانوں کے معاملات میں یک گونہ بدنظمی اور انتشار پھیلے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر پوری شدت کے ساتھ عمل کیا اور عاملین کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ عثمانی عہد میں یا اس کے پہلے سال تک اسی سیاست پر عمل درآمد کرتے رہیں جو حضرت عمرؓ چلاتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے پورے سال بھر عزل و نصب کی کوئی کارروائی نہیں کی اور جو کچھ عمّال کی طرف سے ہوتا رہا اسے منظور فرمایا۔

مکہ کے گورنر نافع بن عبدالحارث خزاعی تھے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہ قریشی نہیں ہیں، اور طائف کے گورنر سفیان بن عبداللہ ثقفی تھے وہ بھی قریشی نہیں ہیں، طائف بنی ثقیف کا شہر ہے، صنعاء کی گورنری پر یعلی بن منبہ تھے اور وہ بھی قریشی نہیں ہیں، بلکہ بنی نوفل بن عبد مناف کے حلیف ہیں، جند کے گورنر عبداللہ بن ابو ربیعہ تھے جو بنی مخزوم سے ہیں اور قریشی ہیں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ تھے، جو ثقفی ہیں، بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے جو نہ قریشی ہیں نہ مضری اور نہ عدنانی بلکہ یمنی ہیں، مصر کے گورنر عمرو بن عاص تھے جو بنی سہم سے ہیں اور قریشی ہیں، حمص کے گورنر عمیر بن سعد تھے جو انصاری ہیں اور دمشق کے گورنر معاویہ بن ابی سفیان تھے وہ بنی امیہ سے ہیں اور قریشی ہیں، فلسطین کے گورنر عبدالرحمٰن بن علقمہ تھے اور وہ کنانی ہیں بحرین اور اس کے مضافات کے گورنر عثمان بن ابی عاص ثقفی تھے۔

ان گورنروں کی اکثریت جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں قریشی نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے خاندان عدی کا تو ایک آدمی بھی نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے گورنر بنانے کا معیار مضریت اور عدنانیت نہ تھی آپ نے تو ان ہی عربوں کو پسند کیا جن کے اسلام اور قابلیت میں عمدگی پائی اور پھر جیسا کہ معلوم ہے دینی اور دنیاوی حیثیتوں سے آپ اپنے گورنروں کی سخت نگرانی کرتے تھے بہر حال گورنروں کے عزل و نصب میں حضرت عمرؓ کے پیش نظر کوئی خاندانی عصبیت نہ تھی،

وظیفوں میں اضافہ

حضرت عثمانؓ نے وصیت کے مطابق ان گورنروں میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اپنی خلافت کے پورے ایک سال تک نہ کوئی جدید تقرر کیا اور نہ کسی کو معزول، لیکن اس کے سوا معاملات میں انہوں نے اقدامات کئے، چنانچہ عبیداللہ بن عمرؓ کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے، گورنروں، افسروں اور عوام کے نام فرامین لکھنے کے بعد سب سے پہلا کام

جو آپ نے انجام دیا۔ وہ لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کر دیتا تھا۔ آپ نے مقررہ رقم دینے میں سواس کا اضافہ کر دیا، حالانکہ آپ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کے وصال پر ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے اور اس وقفے میں کوئی ایسی تبدیلی بھی نہیں ہوئی تھی جسے اس غیر معمولی اضافے کا باعث بتایا جا سکے تب اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز لوگوں کی خوشحالی اور فارغ البالی سے کرنا چاہتے تھے، لیکن معلوم نہیں خلیفہ اس قسم کی عام خوشحالی کے لئے بیت المال سے اخراجات کرنے کا کہاں تک مجاز ہے؟ جب کہ نہ تو لوگوں کی ضروریات کا تقاضا ہو اور نہ بیت المال کی آمدنی غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہو۔

بہر حال یہ تو ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ اضافہ، حضرت عمرؓ کے مالی مسلک سے کچھ تھوڑا سا انحراف ضرور ہے جس میں بیت المال کی بچت اور بقدر ضرورت خرچ، دونوں باتیں پیش نظر تھیں، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرؓ کی مالی سیاست میں ایک قسم کی سختی محسوس ہوتی تھی اور وہ دل ہی دل میں اس شدت کو ناپسند فرماتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ فاروق اعظمؓ جو کچھ لوگوں کو دیتے ہیں بیت المال میں اس سے زیادہ گنجائش ہے، لیکن یہ بالواسطہ حضرت عمرؓ کی اس زندگی پر تنقید ہے جس کا تعلق بیت المال کی سیاست سے ہے؟

اور کیوں نہ ہم اشارات اور کنایات کا پردہ ہٹا کر کھلے طور پر عرض کریں کہ حضرت عثمانؓ نے خود عوام کے خرچ پر عوام تک پہونچنے کی کوشش کی کہ بیت المال خلیفہ کا نہیں عام مسلمانوں کا تھا، اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب تھے اس لئے کہ اگر وہ مسلمانوں کی طرف سے اس کے مجاز تھے کہ ان کے روزینے مقرر کریں، تو وہ اس کے بھی حقدار تھے کہ بیت المال کے حالات کے ماتحت وظیفوں کی مقدار بڑھا دیں یا گھٹا دیں لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس اضافے نے وہ دروازہ کھول دیا جس کے بند کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے کہ اضافے کی تو حد ہی نہیں ہے پھر خلیفہ اگر آج عوام کے وظیفے بڑھا سکتا ہے تو کل اپنے خواص کے لئے بھی گنجائش نکال سکتا ہے اور پھر اس کے بعد عوام میں دولت کے لئے حرص و طمع کی راہیں کھل جاتی ہیں، حضرت عثمانؓ ایک فیاض اور دریا دل سخی تھے اللہ کی راہ میں اپنی دولت بے حساب خرچ فرماتے تھے، اپنے دوستوں اور عزیزوں پر بھی بے شمار صرف کرتے تھے، ان کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ قابل اعتراض نہیں بلکہ خدا کے لئے جزائے خیر کا مستحق بھی ہے لیکن

حضرت عثمانؓ کی دولت بہرحال عوام کی گنجائش کے لئے تنگ تھی اور وہ اس میں سے عوام کے وظیفوں کی مقدار نہیں بڑھا سکتے تھے، اس لئے انھوں نے خود عوام ہی کی دولت سے ان کے روزینوں میں اضافہ کر دیا، اور ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس میں داخل ہوتا تو لوگ جانتے تھے لیکن اس سے نکلنا انھیں معلوم نہ تھا۔

پس یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں بڑی احتیاط کے ساتھ حضرت عمرؓ کے طریقِ کار کے پابند رہے، محض منصب خلافت کے حاصل ہونے پر یکایک وظیفوں میں اضافہ فاروق اعظمؓ کا طریقِ کار نہ تھا، حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کی روزی بڑھادی ظاہر ہے کہ یہ بات عوام کی نگاہ میں قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ اپنی خوشحالی میں اضافہ سے کوئی رنجیدہ نہیں ہوتا بلکہ فطری بات تو یہ ہے کہ لوگوں نے اس بات پر ٹھنڈی سانس لی ہوگی کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی ان کی آمدنی بڑھادی، اُن کو فاروقی شدت سے رہائی دلائی اور ان کی معتدل فراغت میں جو حضرت عمرؓ کی مالی سیاست کا نتیجہ تھی غیر معمولی وسعت پیدا کر دی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے زندگی بھر اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش نظر رکھی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً	اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن
اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا	کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا	کھول دینا۔ پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا
مَحْسُوْرًا ،	ہارا ہوا ،

وظیفوں میں اضافہ اور وفود کی طلبی

پھر حضرت عثمانؓ نے وظیفوں میں اضافے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بقول مورخین شہروں سے وفود طلب کئے تاکہ لوگ وظیفے اور مراعات پا سکیں، اخراجات میں اضافے کی یہ وہ مد تھی جس کا حضرت عمرؓ خیال بھی نہیں فرما سکتے تھے، حضرت عمرؓ نے مدینہ والوں کے لئے رمضان کے دنوں میں جو خصوصی اضافہ منظور فرمایا تھا وہ ہر ایک کے لئے روزانہ ایک ایک درہم اور ازواجِ مطہراتؓ کے لئے دو دو درہم تھا یہ اضافہ ان کی فارغ البالی کے لئے کافی تھا اور وہ بال بچوں سمیت اس سے خوش تھے حضرت عمرؓ نے لنگر خانوں میں بھی اضافہ فرمایا جب آپ نے محسوس کیا کہ اس طرح لوگوں کی خودداری بھی باقی رہتی ہے

اور ان افراد کے لئے بھی سہولت ہوتی ہے جو دوسروں کے کفیل ہیں لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں رمضان کے دن آئے تو انہوں نے فاروقی اضافے کے علاوہ لنگر خانوں کو تمام ضرورتمندوں اور بروقت آنے والوں کے لئے عام کر دیا۔

بلاشبہ حضرت عثمان کا یہ عمل نیکی اور سلوک میں ڈوبا ہوا عمل تھا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے عوام کے مال میں لوگوں کے لئے حرص وطمع کی ایک راہ نکلتی تھی اور زیادہ سے زیادہ اپنا بھلا کرنے کا جذبہ رغبت پا رہا تھا، ہر آدمی اپنی خواہش پر اتنا قابو یافتہ کہاں کہ انتہائی مجبوری ہی پر لنگر خانوں میں داخل ہو، بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ اپنے عام مقررہ روزینے میں روزے کا اضافہ شامل کر لینے کے بعد بھی لنگر خانے چلے آئیں اور ضرورتمندوں اور تازہ واردوں کی طرح شکم سیر ہوں،

یہ سب کچھ حضرت عثمانؓ کی فیاضی اور دریا دلی ہے اور یقیناً اس میں اچھائی اور بھلائی کے مواقع ہیں لیکن بعض ان خطرات سے خالی نہیں جو سیاسی اور اخلاقی پہلو رکھتے ہیں پھر اس میں بدگمانی اور فضول گوئی کے لئے بھی گنجائش ہے اور ایک نقاد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ خود خیال کرے یا لوگوں تک اپنا یہ خیال پہنچائے کہ یہ دریا دلی درحقیقت ایک پبلسٹی تھی جو ایک خلیفہ نے اپنے حق میں سخاوت اور فیاضی کے نام پر کی

صحابہ کبارؓ کو عطیات

پھر حضرت عثمانؓ کی سخاوت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جیسے جیسے دن گذرتے گئے اور آپؓ کی خلافت آگے بڑھتی گئی آپؓ نے ممتاز صحابہؓ کو ان کے مقررہ وظیفے پر مستزاد عطیات دیئے، ابن سعد کی روایت کے مطابق آپؓ نے زبیر بن عوام کو ۶ لاکھ طلحہؓ کو دو لاکھ عطیہ دیا اور ان پر آپ کا جو کچھ قرض تھا وہ بھی معاف کر دیا، ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیرؓ کو جب یہ عطیہ ملا تو وہ لوگوں سے پوچھتے پھرتے کہ کوئی بہتر سے بہتر کاروبار بتاؤ، جس میں اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کر سکوں چنانچہ انہیں بتایا گیا کہ شہروں اور صوبوں میں مکانات تعمیر کرا لیجئے۔

عام معاملات میں فاروق اعظم کی سیرت سے ہٹنے میں حضرت عثمان یہیں آکر نہیں رک گئے بلکہ انہوں نے اس سے بھی زیادہ خطرناک مخالف قدم اٹھایا اور جلیل القدر صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ وہ حجاز سے باہر نکلیں اور مختلف مقامات پر جا کر بسیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ ہی میں روک رکھا تھا اور اپنی خاص اجازت کے بغیر کسی کو باہر نہیں جانے دیا۔

فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ "میں قریش اور فتنہ وفساد کے درمیان ایک دیوار ہوں"، حضرت عثمانؓ نے یہ دیوار گرا دی، (عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل)

جب حضرت عثمان نے لوگوں کے گذارے میں اضافہ کر دیا، اور انعام واکرام کے طور پر بڑی بڑی رقمیں عنایت کر دیں پھر ان انعام واکرام پانے والوں کو اس بات کی اجازت بھی دیدی کہ وہ ممالک محروسہ میں جہاں جی چاہے جا کر فاتح فوجیوں اور محکوم رعایا سے اپنے تعلقات بڑھائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ایک طرف ان کی ثروت اور دولت میں غیر معمولی ترقی ہو' دوسری طرف ان کے متبعین اور ماننے والوں کی تعداد بڑھے' اور پھر اُن میں سے ہر ایک اپنی پارٹی کا لیڈر بنے اور اپنے کو مسلمانوں کے معاملات کا والی بننے کا زیادہ حقدار خیال کرنے لگے اور اس کے لئے فرصت اور مواقع کی تلاش میں بھی رہنے لگے۔

ابھی ابھی ہم نے وہ فرامین نقل کئے ہیں جن میں حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کے طرز عمل کی اتباع اپنے لئے ضروری قرار دی ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے کیوں ایک دوسری راہ اختیار کی؟ اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ دین کے بارے میں انہوں نے کوئی لیپا پوتی نہیں کی' یہ بھی یقینی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی انھوں نے اپنے مسلک کو شیخینؓ کے طرز عمل کا مخالف نہیں سمجھا آپ نے جو کچھ کیا اس کا مقصد جان بوجھ کر کوئی زیادتی یا ہوس نہ تھی' لوگوں کا مال تھا لوگوں تک پہنچا دیا۔ بیت المال میں دولت جمع دیکھی، اس کے باقی رکھنے کی زیادہ فکر نہیں کی' لوگوں کو دیدینا زیادہ مناسب جانا' اور اس میں کیا حرج ہے کہ وہ اس مال میں سے کم یا زیادہ نبیؐ کے اُن اصحاب کو بطور صلہ دیدیں جو اسلام کے امام اور حکومت کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے نبیؐ کی زندگی میں بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور شدید ترین آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے۔ اللہ نے دولت کی فراوانی کر کے اپنا وعدہ پورا کیا۔ پھر ان مہاجرین کے علاوہ کون لوگ ہیں جنھیں اس دولت سے مستفید ہونے کا حق ہے؟

بلاشبہہ حضرت عثمانؓ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ موروثہ سنت کی کوئی خلاف ورزی کر رہے ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی کریمانہ افتاد طبع تھی اور مسلمانوں کو خوش حال بنانے کا جذبہ۔ نیز اصحاب رسولؐ پر نظر عنایت

اور ان میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں جسے گناہ کہا جا سکے یہ تو آپ کی خوبی تھی بھلائی تھی اور نیکی ہے،

لوگوں کو بھی اس میں کوئی حرج کی بات نظر نہ آئی، انھیں دولت ملی انھوں نے ناپسند نہیں کیا، اور نہ واپس کیا، اُن میں سے کسی کو اس میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آیا کہ نبیؐ کے ممتاز اصحاب اور مہاجرین میں سے سابقین اولین انعام واکرام کے مستحق نہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ عوام کی خوشحالی اور جلیل القدر صحابہؓ کی قدر دانی پر ہی اکتفا فرماتے تو لوگ ان سے ناراض نہ ہوتے اور شاید اسی مفہوم کی تعبیر مؤرخین کا یہ متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ابتدائی دور سکون اور خوش دلی کا دور تھا، نرمی سہولت اور چشم پوشی نے مسلمانوں میں عثمانی خلافت کو حضرت عمرؓ کے مسلک سے کہیں زیادہ مقبول بنایا جس کی بنیاد شدت اور تدبر پر تھی، شدت اور تدبر کا تقاضا ہے کہ لوگ صبر کریں، غیر معمولی ثابت قدمی اور ناقابل برداشت مصائب برداشت کریں

مناسب ہوگا کہ ہم حضرت عثمانؓ کو ان کی خلافت کے پہلے برس یا ابتدائی برسوں میں نرم اور فیاض پالیسی پر گامزن رہنے دیں اور ایک نظر اس جماعت پر ڈالیں جو اس عثمانی مسلک کی پیدا کردہ تھی تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ حضرت عثمان کی سیاست کامیابی سے ہم کنار ہو بھی سکتی تھی یا نہیں ؟

حضرت عثمانؓ کی رعایا

طبری سری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف سے اور وہ عمارہ بن قعقاع سے اور وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ نے ممتاز قریشی صحابہؓ پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر باہر نہ جایا کریں اور اگر جانا ہو تو مقررہ مدت کے لئے اور وہ بھی خاص اجازت لے کر اور جب ان لوگوں نے اس کی شکایت کی اور یہ شکایت حضرت عمرؓ تک پہونچی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ سُن لو میں نے اونٹ کی طرح اسلام کی منزلیں مقرر کی

ہیں، ابتدا میں اونٹ نوخیز ہوتا ہے، پھر اس کے آگے کے دانت ٹوٹتے ہیں پھر اس کے بازوکے، اس کے بعد وہ سدیس ہوتا ہے یعنی عمر کا پختہ اس کے بعد بازل یعنی بوڑھا بوڑھے سے ترقی کی اُمید نہیں کی جا سکتی، ہاں سُن لو کہ یہ اسلام کے لیئے انحطاط کا دور ہے، قریش والے چاہتے ہیں کہ اللہ کا مال اس کے بندوں کے سوا دوسری ضرورتوں میں رکھ لیں لیکن یاد رکھو جب تک عمر کی جان میں جان ہے ایسا نہیں ہو سکتا، میں مکہ کے پہاڑ حرہ کی گھاٹی پر قریش کی گردن اور کمر پکڑے کھڑا رہوں گا، اور ان کو آگ میں کودپڑنے سے روکے رکھوں گا"

طبری ہی نے ہتری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف سے اور وہ محمدؐ اور طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ

"جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اُن ممتاز صحابہؓ پر وہ نظر نہیں رکھی جو حضرت عمرؓ رکھتے تھے چنانچہ وہ شہروں میں جا بسے جہاں جاکر انہوں نے دنیا دیکھی اور دنیا نے ان کو دیکھا پھر کیا تھا عوام کا وہ طبقہ جس کا کسی ایثار اور قربانی میں حصّہ نہ تھا اور جو کسی اسلامی خصوصیت کا مالک نہ تھا جماعتیں بن بن کر ان حضرات کے گرد جمع ہونے لگا ان کو ہر قسم کی امیدیں دلائیں اور حوصلے بڑھائے تاکہ ان کے مقتدر ہونے کے بعد اس کو مقرب اور ساتھی بننے کا موقع ملے یہ سب سے پہلا رخنہ تھا جو اسلام میں پڑا اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا جس کے عوام شکار بنے"

پھر طبری ہی ہتری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف بن عمر اور شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ قریش ان سے تنگ آچکے تھے جن کو انھوں نے مدینہ ہی میں بند کر رکھا تھا اور اُن کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ مجھے قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرہ شہروں میں تمہارے پھیل جانے سے ہے، ان میں سے اگر کوئی جہاد میں جانے کی اجازت بھی چاہتا تو آپ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کر کے تم نے اپنے لئے بہت کچھ کر لیا ہے اب تو تمہارے لئے جہاد سے بھی اچھا یہ ہے کہ نہ تم دنیا دیکھو اور نہ دنیا تم کو دیکھے، پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کے

لئے راستہ صاف کر دیا اور وہ شہروں میں پھیل گئے۔ اور لوگ ان کی طرف جھک پڑے چنانچہ اس نقطۂ نظر سے حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے زیادہ مقبول تھے۔[1]

قریش رعایا

اب ہم حضرت عثمانؓ کی قریش رعایا سے بحث کی ابتدا کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اس رعایا کے متعلق حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر کیا تھا؟ فاروق اعظمؓ کو قریش سے جس قدر خطرہ تھا اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ ساتھ ہی وہ اس سے بھی انتہائی خائف تھے کہ کہیں خود قریش فتنوں کا شکار نہ ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اس قبیلے کی رگ رگ سے واقف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ اس میں بڑی سے بڑی خوبی کیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کہاں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ قریش جس میں خود حضرت عمرؓ نے پرورش پائی تھی اسلام کی حلقہ بگوشی سے پہلے قوت اور کمزوری یا خوبی اور خرابی دونوں میں ممتاز حیثیت کا مالک قبیلہ تھا، اس کی قوت کا سرچشمہ اس کا وہ پوزیشن تھا جو کعبۃ اللہ کی وجہ سے اس کو حاصل تھا، حج کے مناسک تمام تر اسی کے ساتھ وابستہ تھے یہی قبیلہ تمام عربوں کو حج کراتا تھا اور ان پر ایک رہنمایانہ فوقیت اور غلبہ رکھتا تھا، اور یہ اس کا وہ امتیاز تھا جس میں کوئی اس کا شریک یا حصہ دار نہ تھا اور اس لئے وہ خیال کرتا تھا کہ تمام دوسرے عربی قبائل پر اس کو ایک سیادت اور سرداری حاصل ہے، اور خود عربوں کو اس کی برتری اور سرداری کا اعتراف تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی غیر معمولی جنگ جو اور بہادر قبیلہ ہے یا اس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ قریشی تو عربوں کی نگاہ میں لڑاکو اور نبرد آزما تھے ہی نہیں، بلکہ اس لئے کہ دین کے تمام معاملات کا اسی قبیلے سے تعلق تھا اور دین کی ہر چھوٹی بڑی بات اسی کے ذریعے انجام پاتی تھی، اس کی قوت اور اقتدار کا دوسرا سرچشمہ اس کی وہ زبردست اور غیر معمولی تجارت تھی جو پورے عرب کے کاروبار پر غالب اور حاوی تھی، ان قوتوں کی بنا پر قریش نے اپنے قدم جمار کھے تھے اور حرم اور اس کے گرد و پیش کے مقامات کو امن اور سلامتی کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ قوت کے ان ہی دو چشموں نے ان میں ہمت، حوصلہ، تدبر، اور چالاکی کے وہ اوصاف پیدا کر دیئے تھے جن سے بنی ثقیف کے علاوہ تمام عربی قبیلے محروم تھے، بیوپار اور تجارت کی سرگرمیوں نے ان کو اس درمیانی کڑی کا درجہ دے دیا تھا جو مشرق قریب کو مغرب بعید سے ملا دیتی ہے اور اس اتصال کی وجہ سے

[1] تاریخ طبری ۳۵ھ کے حالات

مشرق اور مغرب کے یا یوں کہیئے کہ روم اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کا سبب یہی قریش تھے قریشیوں نے اپنے اس پوزیشن کی بدولت غیر معمولی دولت پیدا کی اور دولت سے بھی کہیں بڑھ کر تجربات حاصل کئے اور معاملات میں پختگی پیدا کی، پھر مال و دولت کی کثرت نے ان کو حرص کا سبق بھی دیا، حفاظت کرنا اور انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے نفع اندوزی کے لئے سرمایہ لگانا بھی سکھایا پھر مسلسل تجربات، مختلف قوموں سے معاملات اور میل جول، نیز دور دراز مقامات کے لمبے لمبے سفروں نے ان کو مشکلات کا مقابلہ کرنا، مصائب سے گذر جانا اور دشواریوں پر قابو پالینا سکھایا، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش عربی قبائل میں سب سے زیادہ پختہ کار ماہر اور چالاک قبیلہ بن گیا،

یہ وہ اسباب تھے جس کے نتیجے میں قریشیوں کے حوصلے بڑھے، اُن کی خواہشوں کی کوئی حد نہ رہی ۔ ان کی طاقت برداشت نے مصائب کو آسان کر لیا، مشکلات کی ہنسی اڑائی اور ان کو حل کیا، وہ اس سے بھی آگے بڑھے اور اس سے بھی خطرناک منزل میں قدم رکھا، انھوں نے سماج کی مقررہ قدروں کو پامال کیا، عوام کے مراسم اور دینی معتقدات کا مضحکہ اڑایا، اور اپنے نزدیک یا دور کے مفاد کی راہ میں سب کچھ مباح کر دیا، وہ دین کی امانت کا پردہ اپنی تدبیروں کے لئے استعمال کرتے رہے، حالانکہ دین سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اس لئے کہ قریش کے سردار دین کو زیادہ سے زیادہ وسیلہ تصوّر کرتے تھے مقصد نہیں، اُن کی نگاہ میں بتوں کے مجسمے رزق اور اقتدار کا ذریعہ تھے، اور کچھ نہیں، قریش کا ایک مطلبی، چالاک اور دبنگ سردار جب مشکلات میں گھر جاتا تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بھنور سے کس طرح صحیح سلامت نکل سکے گا۔

حضرت عمرؓ قریش کا یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے، اس لئے ان کے فریب میں نہ آسکے اور اپنی رائے اُن کے متعلق اس وقت بھی نہ بدل سکے جب قریشی اسلام کی طاقت کا یقین کر کے اس کے حلقہ بگوش ہو چکے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے پوری احتیاط برتی اور اپنے مسلک میں ان کے لئے کسی نرمی اور چشم پوشی کی گنجائش نہیں رکھی، اور کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کو ہوس پورا کرنے، بڑے بڑے مقاصد پالینے کا، اپنی شان بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے کا موقع ملے، بلاشبہہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے مہاجرین کی فضیلت اور امتیاز کا وہ درجہ اوجھل نہیں تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا

چنانچہ انھوں نے ان کو ہر طرح مکرم اور معزز رکھا اور اپنی بہت سی عنایتوں اور الطاف سے نوازتے رہے لیکن اعزاز و اکرام کی یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کو اس بات پر مطمئن اور رضامند نہ کرسکیں کہ اپنی خلافت کے دور میں مہاجرین کو من مانے مقاصد کے لئے آزاد چھوڑ دیں، قریش کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر آپؓ کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں حرا کی گھاٹی پر کھڑا قریش کو آگ میں کودنے سے روکے رکھوں گا، اسی طرح جہاد میں شرکت کی اجازت مانگنے والے مہاجر صحابہؓ سے آپؓ کا یہ ارشاد کہ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہادوں میں شرکت کرکے اپنے لئے بہت کچھ کرلیا ہے اب آپ کے لئے جہاد سے بھی افضل یہ ہے کہ دنیا کا منہ نہ دیکھیں اور نہ دنیا آپ کا منہ دیکھے' آپؓ کے نقطۂ نظر کو اور واضح کر دیتا ہے اور غالباً حضرت خالد بن ولیدؓ کے معاملے میں شدت اور ان کی معزولی اور ان پر سخت احتساب، بحث کے وہ پہلو ہیں جو حضرت عمرؓ کے نقطۂ نظر کو سب سے زیادہ اجاگر کرتے ہیں، حالانکہ خالد بن ولیدؓ خدا کی ان پر رحمت ہو عہد نبوی میں، پھر دور صدیقیؓ میں، عربی رومی جنگ کے سلسلے میں تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہ چکے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کا سبب یہی تھا کہ وہ قریش کو اچھی طرح جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قوت مل جانے کے بعد وہ کس طرح غلط استعمال کرنے لگتے ہیں اور اپنی کمزوریوں پر غالب آجاتے ہیں، اوپر کی سطروں میں قریش کی جس قوت کی ہم نے تصویر کھینچی ہے یہی درحقیقت اس کمزوری یا خرابی کا سرچشمہ ہے، اس لئے کہ یہی قوت انہیں حد سے بڑھ جانے پر آمادہ کرتی اور وہ نخوت اور تکبر کے بھنور میں پھنس جاتے یہی قوت ان میں مال کی محبت اور پھر مال کی حرص پیدا کرتی جس کے نتیجے میں وہ استحصال اور ناحق وصولی کی زد میں آجاتے، یہی قوت ان کو اپنا بھلا چاہنے پر راغب کرتی اور وہ تیار ہو جاتے کہ فوری اور سہولت سے حاصل ہونے والے منافع سے لطف اندوز ہوں اور اس قسم کے منافع بسا اوقات گناہ سے خالی نہیں ہوتے، یہی قوت ان کو حرص و طمع کی دعوت دیتی جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے، چنانچہ حرص و طمع کے ہاتھوں وہ حدود سے بڑھ جاتے، جن باتوں کی خواہش مناسب نہیں، ان کے حوصلے کرتے، اسی طرح جبر اور زیادتی کے مواقع بھی آجاتے، فاروق اعظمؓ کو جب ان مہاجرین سے بھی یہ سارے خطرات تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت حاصل تھی جو تمام مواقع پر آزمائشوں میں ثابت قدم رہے تو پھر وہ قریشی جو بہت بعد میں مسلمان ہوئے ان سے تو حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط اور پرحذر رہنا ضروری تھا،

یہ بعد میں اسلام لانے والے قریشی جن میں بہت سے جوان اور بوڑھے شامل ہیں ہنسی خوشی مسلمان نہیں ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے تو فتح کے نقارچی بن کر جب دیکھا کہ اسلام کا پلہ بھاری نظر آتا ہے تو اس طرف جھک پڑے اور کچھ لوگ مجبور ہوئے کہ سارا مکہ امڈ آیا ہے اب ان کے لئے اسلام کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، بہر حال اسلام کے متعلق ان ایمان لانے والوں کا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ایک دین ہے جس کا تعلق دلوں کی دنیا سے ہے جو اللہ کے شعائر اور حقوق سے وابستہ ہے بلکہ وہ تو اس کو ایک غیر معمولی "چانس" تصور کرتے تھے جس طرح کہ وہ اور بہت سے مواقع سے کبھی اپنے ملک میں اور کبھی بیرونی ممالک میں فائدہ اٹھاتے رہے اسلام قبول کرتے وقت ان کے پیش نظر تھا کہ نبی ؐ نے قریش سے اسلامی دعوت کے سلسلہ میں وعدہ کیا ہے کہ وہ دنیا کی عزت اور عقبیٰ کا ثواب دونوں دیں گے، چنانچہ بہت سے تو دنیا کی عزت اور خوشحالی کے خیال سے اور کچھ لوگ آخرت کے ثواب کا خیال کر کے مسلمان ہوئے، پھر اسی خیال سے انہوں نے جہاد اور فتوحات کی راہ میں مصائب برداشت کئے اور قربانیاں کیں اور یہ مصائب اور قربانیاں بعض مواقع پر اوروں سے بڑھ چڑھ کر رہیں،

پھر بہتوں نے ان میں سے خلوص یا خود غرضی سے یہ چاہا کہ نبی ؐ کے ساتھ غزوات میں شرکت نہ کرنے اور مصیبتیں برداشت نہ کرنے کی تلافی، اس وقت کی فتوحات میں شریک ہو کر اور اس کی راہ میں مصیبتیں اٹھا کر دیں، چنانچہ جب عربوں نے اس طرف رخ کیا تو اس قسم کے لوگ دوڑ پڑے، ان میں بہتوں کا مقصد تو دنیا تھی، اور کچھ تھوڑے سے آخرت کے چاہنے والے بھی تھے، ان کے لیڈر اور سردار خوب سمجھ رہے تھے کہ وہ فتح مکہ کی امان یافتہ پیداوار ہیں، اور ان کا درجہ اسلام کے سابقین اولین سے کم ہے یہ احساس ان کے لئے سخت کوفت کا باعث تھا اور ان میں احساس کمتری کے جذبات پیدا کر رہا تھا، پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کیا ہے؟ اور اسی وجہ سے وہ فاروق اعظمؓ سے برہم تھے اور چاہتے تھے کہ جہاد میں شرکت کر کے اور شدائد و مصائب کا مقابلہ کر کے ثابت کر دیں کہ ان کے متعلق خلیفہ ثانی کی رائے حقیقت سے کس قدر دور ہے اور یہی مطلب ہے اس جملے کا جو خالد بن ولیدؓ کی زبان سے اس وقت نکلا جب وہ شام کی کسی لڑائی میں گر پڑے اس وقت عکرمہ ابن ابو جہل کی ران پر اپنا سر رکھے ہوئے انہوں نے کہا "حنتمہ کا لڑکا سمجھتا ہے کہ ہم لوگ اللہ کی راہ میں جان دینا نہیں جانتے"۔
حنتمہ حضرت عمر کی والدہ کا نام ہے۔

پس قریش کے لئے حضرت عمرؓ کے مسلک میں جو شدت تھی اس کی بنیاد یہ تھی کہ وہ ان کے اندرونی حالات سے اچھی طرح باخبر تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کی طبیعت کیسی ہے، اپنا پوزیشن باقی رکھنے اور متوقعہ درجات تک پہنچنے کے وہ کتنے حریص اور کتنے ہیں چاہے اس سلسلہ میں خود خلیفہ مشکلات اور مصیبتوں کا شکار ہوجائے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دیدی تھی، ایک دن عبدالرحمٰنؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اُن کے ساتھ اُن کا نوجوان لڑکا بھی تھا، جس کے جسم پر ریشمی قمیص تھی، حضرت عمر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا یہ کیا؟ اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نیچے تک قمیص چاک کردی، عبدالرحمٰنؓ نے کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے رکھی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں تمھاری ایک مجبوری پر تم کو اجازت دی گئی، لیکن تمھارے لڑکے کو تو اس کی اجازت نہیں۔

اس طرح حضرت عمرؓ کو خطرہ لگا رہتا کہ مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی دی ہوئی رخصت کو بڑھا کر زیادہ کر دیں گے، حضرت عمرؓ دریا کے خطرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے امیر معاویہؓ کو بحری جہاد سے روکتے رہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اس احتیاط میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ بحری جہاد میں جس پر امیر معاویہؓ کو بڑا اصرار تھا مواقع سے فائدہ اٹھانے کے امکانات رہا کرتے ہیں، جس کے لئے قریش ہر وقت پابرکاب رہا کرتے، حضرت عمرؓ یہ اپنی ذمہ داری تصور فرماتے تھے کہ وہ عام مسلمانوں کو قریشی نوجوانوں کی اُن معرکہ آرائیوں سے دور رکھیں جن میں مواقع سے فائدہ اٹھا لینے کے وہ جذبات کام کر رہے ہوں، یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے قریشیوں کو ایک جدید امتیاز کا مالک بنا دیا تھا، حضرت عمرؓ اسی امتیاز میں خطرہ دیکھ رہے تھے کہ اس کی حدبندی کردی جائے اور اس کو بے لگام نہ ہونے دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ جس رعایا کے خلیفہ بنے اس کے ایک طبقے کا یہ حال تھا اور اس کے پیش نظر ذی النورین کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو وہ فاروق اعظمؓ کی طرح شدت سے کام لیتے اور ممتاز مہاجر صحابہؓ کو مدینہ میں روکے رہتے، قریشیوں سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے رہتے اور ایک

مقررہ حد سے ان کو آگے نہ بڑھنے دیتے، حکومت کے معاملات اور حکمرانی کے عہدوں پر عام عربوں، بلکہ عام مسلمانوں میں سے اُن ہی افراد کو مقرر فرماتے جو ذمہ داری سنبھالنے کے پورے اہل ہوتے' یا پھر نرمی کی راہ اختیار فرماتے اور قریش کے لئے راستہ صاف کر دیتے جس پر چل کر وہ ذاتی مفاد کی نہ ختم ہونے والی منزل پر پہنچتے، آگے کی سطروں میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی مرضی سے کہیئے یا مجبور ہو کر بھی دوسرا راستہ اختیار کیا۔

انصار رعایا

حضرت عثمانؓ کی رعایا میں دوسرا طبقہ انصار کا تھا اسلام میں انصار کا درجہ بیان سے بے نیاز ہے، قرآن مجید میں ان کی تعریف محفوظ ہے نیز نبیؐ نے ان کے لئے رعایت کے جو احکام دیئے ہیں وہ بھی برحق و برقرار ہیں، تم یہ جانتے ہو کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس روایت کے بعد کہ "امامت قریش میں ہے" خلافت میں انصار کا حصہ نہیں رہا، تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا تھا "ہم امیر اور تم وزیر" چنانچہ حضرت ابوبکرؓ انصارؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے، یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے بھی انصار سے مشورہ لینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی لیکن یہ تینوں خلفاء اُن انصار سے مشورہ لیا کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تھے لیکن انصار کی وہ نئی نسل جو صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قابل ذکر نہ تھی، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ کچھ سمجھنے بوجھنے لگی اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں تو اُس کے احساس میں کافی شدت پیدا ہو چکی تھی اس نئی نسل اور اس کے نوجوانوں کو عام عربوں میں کوئی امتیازی شان حاصل نہ تھی، حضرت عمرؓ حکمرانی کے عہدوں کے سلسلے میں صرف قریش تک اپنی تلاش محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کی نگاہِ انتخاب پورے عرب کی طرف اٹھتی تھی اور اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو وہ انصار کے نوجوانوں کو مطمئن کر دیتے کہ حکومت دوسروں کی طرح ان کے حقوق کا بھی خیال رکھتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی طرف سے کوئی بے نیازی یا کوتاہی نہیں ہو سکتی" اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے طرزِ عمل سے ممتاز انصاری صحابی پورے اخلاص کے ساتھ خوش تھے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عام انصاری اور خاص طور پر نوجوان طبقہ قریش کی امتیازی سیادت اور چودھری پنے سے سخت تنگ اور نالاں تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ بدر کے موقع پر انصار ہی نے تو قریشیوں کو نیچا دکھایا تھا مہاجرین کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے والے اور ہر طرف سے آئے ہوتے انصار ہی تو تھے، ان

حالات میں انصار کی تسلی اور ان کے سکون کا یہ بہت بڑا سامان تھا کہ حضرت عمرؓ قریشیوں کے لئے بڑے سخت تھے ۔ اور ان کو عام مسلمانوں پر کوئی فوقیت اور امتیاز نہیں دینا چاہتے تھے، پس حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہو جانے کے بعد انصار کے نقطۂ نظر کا دارو مدار خلیفہ کے طرز عمل پر تھا، اگر خلیفہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پہ چلا تو ان کو بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح دنیاوی امور میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع ہوگا، اور اگر اس نے قریش کو ترجیح دی اور ان کی طرفداری کی تو انصار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ ایک مطلق العنان اور مطلبی سیادت ہے، اور ان کا درجہ قریش کے بالمقابل متبعین کا درجہ ہے، اور وہ امامت کے علاوہ معاملات میں بھی ان کی برابری کے نہیں ہو سکتے، آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے جبراً قہراً یا خوشی خوشی قریش کو ترجیح دی اور اس ترجیح کا انصار کے دلوں پہ بہت برا اثر پڑا جس کے نقوش بعد میں ہونے انقلابات اور فتنوں میں نمایاں طور پہ دیکھے جا سکتے ہیں،

حضرت عثمانؓ کی رعایا میں تیسرا گروپ

مذکورہ بالا دو طبقوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی رعایا میں ایک تیسرا گروپ ان عام عربوں کا تھا جو دل سے یا با دل ناخواستہ مسلمان ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو جہاد اور فتوحات کے لئے روانہ کر دیا تھا، یہ لوگ فتوحات کے بعد اپنے شہروں اور سرحدوں میں مقیم ہو گئے تھے، یہی لوگ ایک طرف مسلمانوں کی حفاظت کے لئے دیوار کا مرتبہ رکھتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی فوجی طاقت تھے جس سے مزید فتوحات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا، اسلام نے ان سب سے وعدہ کیا تھا کہ سب لوگ مساوی ہیں، برابری کا درجہ رکھتے ہیں، ہاں فضیلت کی چیز تقویٰ، اہلیت اور آزمائش ہے، پس یہی عام عرب درحقیقت اسلام کا سرمایہ اور اس کی دولت تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ان ہی لوگوں نے ممالک فتح کئے دشمن کو زیر کیا اللہ کا دین دنیا کے گوشوں تک پہنچایا، اس لئے یہی حقدار ہیں ان کے سوا کسی کو ترجیح نہ دی جائے،

لیکن ان تمام خصوصیات کے بعد چونکہ یہ نئے نئے مسلمان ہیں، عہد جاہلیت سے قریب ہیں، ابھی وہ بھولے نہیں کہ ان میں سخت دشمنی کے، عصبیت اور تفاخر کے جذبات ہیں، تکبر اور غرور کے جو اوصاف وہ رکھتے تھے اب ان میں بعض جدید امتیازات کا اضافہ ہو چکا ہے۔ جو پہلے سے زیادہ شاندار ہے اسلئے ان لوگوں کے لئے مدبرانہ سیاست یہی تھی کہ اول ان کے دلوں سے وہ پرانی عصبیت اور گھمنڈ

مٹایا جائے، پھر خالص اسلامی تربیت کے اثرات ان میں پیدا کئے جائیں ا عدل و مساوات کی وہ عملی مثال ان کے سامنے پیش کی جائے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے، حضرت عمرؓ نے اسی سیاست کو عملی جامہ پہنانا چاہا تھا، چنانچہ انہوں نے حتیٰ الامکان دلوں کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی عصبیت اور دماغوں میں بیٹھی ہوئی کدورت کو دور کیا، ان شاعروں تک کو تنبیہ کیا جو اشعار و قصائد میں عہد جاہلیت کے مفاخر نظم کرتے تھے بڑے بڑے شہروں میں صحابہؓ کو مقرر فرمایا کہ وہ شہر والوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور احادیث نبوی کا درس دیں، اور دین کی تعلیمات انہیں سکھائیں، اور اس طرح ایک خالص اسلامی سماج پیدا کریں، حضرت عمرؓ نے ایک فریق کو دوسرے پر فوقیت اور امتیاز کا موقع نہیں دیا اور نہ حکومت کے معاملات میں کسی ایک قبیلے اور محلے کو ترجیح دی بلکہ عام لوگوں کو بالکل مساویانہ مواقع پیش کئے چنانچہ گورنری کے لئے مضر ربیعہ اور یمن سے افراد کا انتخاب کیا پھر ان سب پر سخت نگرانی رکھی، حضرت عثمانؓ کے فرمانوں میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ یعنی حضرت عثمانؓ اور اُن کے گورنر فاروق اعظمؓ کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں گے لیکن آگے چل کر تم دیکھو گے کہ حضرت عثمانؓ نے گورنروں کو ایک سال تک باقی رکھنے کی وصیت کے پورا ہوتے ہی اپنی پالیسی مجبور ہو کر یا خوشی سے بہرحال بدل دی، اور قریش عربوں پر ممتاز اور مسلط ہو گئے، چنانچہ بڑے شہروں اور اونچے عہدوں پر قریش ہی مقرر کئے گئے دوسروں کو یہ موقع نہیں دیا گیا،

حضرت عثمانؓ کی رعایا کا چوتھا عنصر

مفتوحہ ممالک کے شہری حضرت عثمانؓ کی رعایا میں چوتھا عنصر تھے ان کے بارے میں اسلام کا مسلک بالکل صاف ہے کہ جو کچھ ان پر واجب ہو ان سے وصول کیا جائے اگر وہ اپنا حق ادا کر دیں تو پھر ان کے لئے وہی تمام حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں حضرت عثمانؓ اس مسلک سے بخوبی واقف تھے اور جیسا کہ ان کے فرمانوں میں بتایا گیا ہے، وہ اور ان کے گورنر اس مسلک کے پابند بھی تھے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے دور میں ذمیوں کی کوئی آواز کہیں سے کانوں میں نہیں پڑتی، اس لئے نہیں کہ اُن کے ساتھ اسلامی مسلک کے مطابق سلوک کیا گیا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مغلوب اور بے بس تھے، اور سیاست میں قابل ذکر حصہ لینے کا ان کو موقع نہ تھا۔ ورنہ کوئی بتاتے کہ اس گفتگو کا کیا مطلب ہے

جو ایک دن حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے درمیان ہوئی، حضرت عثمانؓ عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

قد درّت تلك اللقاح — اے عمرو تمھارے بعد اس اونٹنی

بعدك یا عمرو! — نے تو خوب دودھ دیا۔

عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ

نعم وهلكت فصالها — ہاں مگر بچے تو سب مر گئے،

حضرت عثمانؓ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ بیت المال میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ گورنری میں جو رقم آیا کرتی تھی وہ عثمانی عہد کے گورنر ابن ابی سرح کی رقم سے کم تھی، حضرت عمرو بن العاصؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کا یہ اضافہ ذمیوں پر زیادتی کی بنا پر تھا، پھر اس واقعے سے دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں، یا تو عمرو بن العاصؓ خراج کی آمدنی کا کچھ حصہ اپنی ذات کے لئے بچا لیتے ہوں گے اور بیت المال میں داخل نہ کرتے ہوں گے، یا پھر یہ کہ ابن ابی سرح ذمیوں سے اور اہل معاہدہ سے مقررہ رقم سے زیادہ وصول کرتے ہوں گے اور یہ دونوں باتیں بری ہیں،

اور پھر معاملہ رعایا کے ساتھ ناہموار پالیسی تک محدود نہیں رہا، حضرت عمرؓ تو قریش کے لئے نہایت سخت تھے وہ قریش کی سطح عام عربوں کی سطح کے برابر تصور فرماتے تھے وہ کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہیں دیتے تھے حضرت عثمانؓ یہ مساوات بھی قائم نہ رکھ سکے، چنانچہ انھوں نے قریش کو تمام عربوں پر قصداً یا سہواً فوقیت دی بلکہ وہ تو ایک قبیلہ قریش میں بھی مساوات باقی نہ رکھ سکے اور اس کی ایک پارٹی کو دوسری پارٹی پر ممتاز کر دیا، اور دانستہ یا نادانستہ ایک کو بڑھایا یا دوسرے کو گھٹایا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو کچھ خطرہ سا تھا کہ مساوات پورے طور پر باقی نہ رہ سکے گی اور انصاف نہ چل سکے گا اسی لئے حضرت عثمانؓ سے انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ اگر خلیفہ ہو جانا تو عوام پر بنی امیہ اور ابو معیط کا خاندان مسلط نہ کر دینا اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ سے بھی چاہا تھا کہ اگر خلافت کی مسند مل جائے تو عبد المطلب اور بنی ہاشم کے ہاتھ میں عوام کی لگام نہ دے دینا، حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی بات نہیں مانی اور لوگوں کی گردنوں پر بنی امیہ اور ابو معیط کو سوار کر دیا کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی فاروق اعظمؓ کا کہنا نہیں مانا اور جب وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے چچا کی اولاد میں سے تین کو بصرہ، مکہ اور یمن پر حاکم بنا دیا اور مالک اشتر کو کہنا پڑا "جب یہی کرنا تھا تو بوڑھے کی جان کیوں لی گئی"

لیکن اس کے باوجود میرے نزدیک حضرت عثمان کے عمل اور حضرت علی کے اقدام میں بہت بڑا فرق ہے خود حضرت علیؓ نے گورنروں کے بارے میں جب حضرت عثمان پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ نے بھی توکوفہ پر مغیرہ بن شعبہؓ کو مقرر کیا تھا حالانکہ ان میں کوئی بات نہ تھی، اور پھر انہوں نے معاویہؓ کو حاکم بنایا اُس جواب پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں پر رعب اور شدید نگرانی رکھتے تھے، اور تمھارے گورنر تو من مانے حاکم ہیں، ان کو تمھاری کچھ پرواہ نہیں، اپنی طرف سے احکام جاری کرتے ہیں اور نام خلیفہ کا لگاتے ہیں، اور آپ ان کے احکام میں کچھ ردوبدل بھی نہیں کرسکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ کا طرزِ عمل اپنے عزیز گورنروں کے ساتھ حضرت عمرؓ کا سا تھا، وہ انکی کڑی نگرانی کرتے تھے، خلاف ورزی یا کوتاہی کی صورت میں کوئی طاقت معزولی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی حالانکہ حضرت عثمان اس درجہ بے بس تھے کہ بنی امیہ اور آلِ معیط میں سے کسی بھی گورنر کو اس وقت تک معزول نہ کرسکے جب تک رعایا نے مجبور نہ کر دیا۔

بہرحال حضرت عثمانؓ کی رعایا وہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی اور اس میں خفیف سی تبدیلی اس وقت ہوئی جب عثمانی دور کا ایک حصہ گذر چکا اور حضرت عمرؓ کا مسلک وہ واحد راہ تھی جس پر چل کر یہ رعیت کامیاب اور بامراد ہوتی لیکن ہر مدعی کے لئے دار و رسن کہاں، سب لوگ فاروق کی سیرت نہیں پاسکتے ہر ایک میں حضرت عمرؓ کی وہ شدت جو حق کی راہ میں نرمی نہیں جانتی، جو انصاف اور مساوات قائم کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی، کہاں سے آئے خود حضرت عثمانؓ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے چنانچہ ایک مرتبہ اپنے مخاطبین سے جب کہ دسترخوان پر نرم غذا حاضر تھی فرمایا "ہر آدمی عمرؓ کی سی طبیعت کہاں سے لائے" اور ایک مرتبہ بیت المال سے داد و دہش پر ملامت کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم میں عمرؓ جیسا کون ہے؟" اور ایک مرتبہ نبیؐ کے منبر سے کھڑے ہو کر فرمایا،

"ابن الخطاب نے تمھیں زد و کوب کیا، منہ توڑ جواب دیا، تم اُن سے ڈرتے رہے اور اُن سے ان باتوں پر خوش رہے جن پر مجھ سے ناراض ہو اور یہ اس لئے کہ میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا، تمھارے خلاف زبان نہیں کھولی"

پس دونوں میں بڑا فرق ہے، طبیعت میں فرق ہے، مزاج میں فرق ہے اور عمر میں بھی فرق ہے لیکن یہ فرق فتنے کی جڑ نہیں ہیں، فتنے کے اسباب کچھ اور بھی ہیں، جن کا دفع کرنا حضرت عثمانؓ کے بس سے باہر تھا، آئندہ فصل میں ہم بعض ان اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔

اپنے اختیار سے گورنروں کا تقرّر

خلافت کا پہلا سال ختم ہوا، اور حضرت عمرؓ کی یہ وصیّت کہ "گورنروں کو ایک سال تک ان کے عہدوں پر باقی رکھنا" پوری ہوئی، اب حضرت عثمانؓ کو آزادی ملی اور وہ حاکموں کے تقرر اور معزولی میں اپنی طبیعت اور اقتدار سے کام لینے لگے، اس براہِ راست اقدام میں کچھ جلد بازی ضرور تھی، لیکن پھر بھی کافی غور و فکر کے بعد اقدام کیا گیا تھا، آپؓ نے ایسے صوبوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جن کی سیاسی اعتبار سے کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ انتظامی اور جنگی نقطہ نظر سے وہ قابل ذکر تھے، چنانچہ ان میں آپؓ نے حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ گورنروں کو ہی برقرار رکھا، ہاں ضرورت پڑنے پر کوئی معمولی سی تبدیلی بلا کسی خاص توجہ اور اہتمام کے کر دی، اس زمانے میں صوبوں کی حیثیتیں مختلف تھیں، بعض صوبے سیاسی، انتظامی اور جنگی نقطۂ نظر سے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، خصوصاً وہ تمام علاقے جو مسلمانوں نے فتح کیے تھے، اور بعض وہ جو رومی مملکت سے کٹ چکے تھے، اور جن پر فارسی عنصر غالب تھا۔ ایسے اہم صوبے چار تھے، شام، مصر، کوفہ، بصرہ، ان میں سے ہر صوبہ ایسا تھا جس کی سرحدیں حفاظت اور مدافعت کی محتاج تھیں، ہر ایک کے سامنے دارالحرب تھا جس پر مسلمانوں کو گہرے غور و خوض کی ضرورت تھی، شام کے سامنے خود رومی آبادیاں اور سمندر کی سطح تھی، مصر کے بالمقابل دریا کی موجیں اور شمالی افریقہ تھا، عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کے سامنے فارس کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے تھے، اسلامی قوت کے یہی چار مرکز تھے، انہیں میں اسلامی فوجیں مقیم تھیں، انہیں کے بالمقابل وہ سرحدیں تھیں جنہیں لڑنے والی فوجیں کبھی کوچ اور کبھی قیام کرتی رہتی تھیں، یہی چار صوبے مسلمانوں کی دولت اور ثروت کے بھی سرچشمہ تھے، ان ہی میں تہذیب و تمدن کا شاندار اور پربہار دور تھا، ان میں وہ زرخیز زمینیں تھیں جن میں خدا کا دیا بہت کچھ پیدا ہوتا، یہی صوبے خراج کی وصولی کے مرکز تھے، ان ہی میں وہ ذمی آباد تھے جو جزیہ ادا کرتے تھے، اور پھر یہی وہ صوبے تھے جنہیں کہنا چاہیئے کہ فتوحات کے دست و بازو تھے، یہیں ہر سال فاتحین مالِ غنیمت لاتے اور یہیں سے اس کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا جاتا، پس اگر عرب فوجی قوت کے اعتبار سے اسلام کی ایک طاقت تھے، تو یہ چاروں صوبے مالیاتی

نقطہ نظر سے اسلام کا غیر معمولی سرمایہ تھے، ان حالات کے پیشِ نظر کوئی تعجب کی بات نہیں اگر حضرت عثمانؓ نے ان صوبوں کی طرف خاص توجہ فرمائی اور دوسرے ایسے صوبوں کو نظر انداز کر دیا جن کی کچھ اہمیت نہ تھی، بلاشبہ مکہ مکرمہ طائف اور یمن بھی صوبے تھے اور ان کا بھی درجہ ہے، لیکن اول تو یہ کہ یہ صوبے کسی میدانِ جنگ کی زد میں نہ تھے اور پھر وہ آمدنی کا ذریعہ بھی نہ تھے، ان سے کسی ایسے سازو سامان اور ایسی قوت کی توقع نہ تھی جو کسی نئی حکومت کے استحکام کا ضروری جز ہو سکے، ان صوبوں کی اہمیت اور قدر و قیمت فتوحات سے قبل غیر معمولی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کوشش میں مصروف تھے کہ پورے عرب ملک میں اسلام پھیلا دیں، لیکن فتوحات کے بعد جب کہ عربی سرزمین اللہ کی پرستش سے معمور ہو گئی اور اسلام محفوظ ہو گیا۔ تو ان کی اہمیت دوسرے درجہ میں آگئی اور پہلا درجہ ان صوبوں کو ملا، جن کی فتح میں مسلمانوں نے ان عربی صوبوں سے کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کی تھیں، ان ہی باتوں کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ چھوڑ کر جانے والے مسلمانوں نے مکہ، طائف یا یمن کا رخ نہیں کیا بلکہ عراق، شام، مصر کا ارادہ کیا، ان جانے والوں میں جو نیک اور مخلص تھے ان کے پیش نظر فتوحات میں وسعت کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت اور آخرت کا ثواب تھا، اور جو کاروباری تھے وہ دنیاوی مقاصد رکھتے تھے، تاجر تجارت کرتا اور کاشتکار زراعت اس طرح مختلف طبقے مختلف طریقوں سے فوائد حاصل کرنے میں مصروف تھے۔

کوفہ پر سعد ابنِ ابی وقاصؓ کا تقرّر

اور معزولی

حضرت عمرؓ نے جب وفات پائی تو کوفہ کے گورنر مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی تھے اور بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعریؓ، ان دونوں کو حضرت عثمانؓ نے پہلے سال باقی رکھا لیکن سال کے خاتمہ پر مغیرہؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا، اور ان کی جگہ پر سعد بن ابی وقاصؓ زہری کو والی بنایا، یہ تقرر حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کی بنا پر کیا تھا کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، میرے بعد اگر وہ خلیفہ نہ ہو سکے تو ان کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ کی گورنری پر ایک سال اور کچھ دن سے زیادہ نہ رہ سکے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ ان کو معزول کر دیں،

مؤرخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ سعد بن ابی وقاص کو معزول کر دینے پر مجبور ہو گئے ہوا یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیت المال کے خزانچی اور سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان اختلاف ہوا ایسا اختلاف جس نے حضرت عثمانؓ کو دونوں پر سخت برہم کر دیا۔ اور آپ نے دونوں کے خلاف ارادہ فرما لیا۔ لیکن پھر رک گئے اور سعد بن ابی وقاص کی معزولی پر اکتفا کیا۔

اس اختلاف کی بنیاد بھی واقعۃً حیرت انگیز ہے، کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا، اور اس کا وثیقہ لکھ دیا۔ اب عبداللہ بن مسعودؓ نے قرض ادا کر دینے کا مطالبہ کیا، حضرت سعدؓ نے مہلت کی درخواست کی، عبداللہ بن مسعودؓ اس پر راضی نہیں ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کوفہ والوں کی ایک جماعت کی حمایت حاصل کی، ابن مسعودؓ اپنی حامی جماعت کی امداد سے چاہتے تھے کہ سعدؓ قرض ادا کر دیں اور سعدؓ کی کوشش یہ تھی کہ اپنے حامیوں کے ذریعہ ابن مسعودؓ سے مہلت حاصل کریں، بالآخر دونوں اکٹھا ہوتے ہیں اور بات گستاخی کی حد تک پہنچتی ہے

بقول راویوں کے حضرت سعد ارادہ کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کے حق میں بد دعا کریں، یہ دیکھ کر ابن مسعودؓ گھبراتے ہیں اور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی ہے کہ "جب کبھی سعد کوئی دعا کرے تو اُسے قبول کر لیجیو" راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالارض" اتنا سُن کر ابن مسعودؓ نے کہا "سعدؓ مُنہ سے اچھا کلمہ نکالنا، یہ کہہ کر فوراً وہاں سے لوٹ آئے، اب معاملہ حضرت عثمانؓ تک پہنچا، آپ دونوں پر سخت غُصّہ ہوئے اور دونوں کے خلاف کارروائی کا ارادہ کیا لیکن بعد میں رک گئے اور سعدؓ کو معزول کر دیا اور ان سے جو کچھ ان پر تھا وصول کر لیا اور کوفہ کے لئے ایک نئے گورنر کا تقرر کر دیا۔

تمام راوی اس واقعہ پر متفق ہیں، لیکن میں اس مقام پر انتہائی احتیاط برتنا چاہتا ہوں میری اس احتیاط کے کئی سبب ہیں، حضرت سعدؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کی آنے والے خلیفہ سے یہ سفارش تھی کہ انھیں موقع دیا جائے۔ اور یہ کہ انھوں نے کسی خیانت کی بناء پر معزول نہیں کیا تھا اور مذکورہ بالا قصے کا کم ازکم اتنا تو مفہوم ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا تھا اور اس قرض کی ادائگی میں تاخیر کر رہے تھے یا ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جسے فاروق اعظمؓ نے مجلسِ شوریٰ کے لئے پسند کیا ہو، جسے منصب خلافت کا امیدوار بنایا ہو اور اگر خلیفہ نہ ہو سکے تو اس کے تعاون کو ضروری قرار دیا ہو۔ وہ ایسی کمزوری دکھائے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ ممکن نہیں کہ عوام کی بھلائی اور خیر خواہی کے خلاف کسی ایک شخص کے لئے ذاتی فائدے کے خواہاں ہوں انہوں نے تو ہمیشہ عام مسلمانوں کے مفاد کو مقدم رکھا۔ بلاشبہ جب وہ خلیفہ سے سفارش کر رہے تھے کہ سعد سے کام لینا، ان کو گورنر بنانا تو اس کا مطلب سعدؓ کو خوش کرنا یا ان کی طرفداری کرنا یا اپنے ساتھیوں پر ان کو مقدم کرنا نہ تھا، بلکہ آپ خلیفہ اور مسلمانوں کو مخلصانہ مشورہ دے رہے تھے اور ہدایت فرما رہے تھے کہ سعدؓ کی قابلیت اور جنگی معاملات میں ان کی مہارت سے فائدہ اٹھانا، اس لئے کہ ایرانی علاقوں کے معاملات مسلمانوں کی منشاء کے مطابق اطمینان بخش نہ تھے، ایرانی اقتدار کا بڑی حد تک خاتمہ ضرور ہو چکا تھا، لیکن ابھی اس کی شوکت ٹوٹی نہ تھی، کسریٰ یزد گرد شکست کھا چکا تھا لیکن وہ مارا نہیں گیا تھا اور نہ قید کیا جا سکا تھا، وہ اپنے ملک میں تھا اور شہروں اور دیہاتوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ فارس میں بہت

سے شہر تھے۔ بعض تو ایسے تھے جہاں اب تک مسلمان پہنچ ہی نہ سکے تھے اور بعض ایسے تھے جن سے مسلمانوں کی صُلح ہو چکی تھی، لیکن مطلع ہنوز غبار آلود تھا، ایسے مقامات فرصت کے منتظر اور دقت کی تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے، بغاوت کر بیٹھیں، سرزمین ایران پر فتوحات کی ابتدا ہوئی تو بڑی تیزی کے ساتھ سلسلہ آگے بڑھا۔ لیکن فتح کی تکمیل بہر حال نہیں ہو سکی، اور معرکہ قادسیہ کے مردِ میدان سعدؓ بن ابی وقاص ہی کسریٰ کی حکومت کے فاتح تھے، ایسی حالت میں یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے دماغ میں سعد ابن ابی وقاصؓ کے متعلق یہ خیال آئے کہ فتوحات کا جو سلسلہ انھوں نے شروع کر دیا تھا وہی اس کی تکمیل کر دیں اور غالب گمان ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو سعدؓ کو پھر کوفہ پر واپس کر دیتے کہ وہ آگے بڑھیں یہانتک کہ ان کے ہاتھوں فتح کی تکمیل ہو جاتی، اور یہ سعدؓ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں مشہور ہیں، چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ میں تو ثلث الاسلام" ہوں اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں صدیق اکبرؓ کے بعد مسلمان ہوا ہوں اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ اور ان کے بعد میں اور اگر حضرت ابوبکرؓ اور زید ابن حارثہؓ کے بعد وہ مسلمان ہوتے ہوں تو وہ ان تین میں سے ایک ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے، اور پھر حضرت سعدؓ باتفاق محدثین لبطن رابغ جانے والے فوجی دستہ "سریہ" کے سب سے پہلے تیرانداز ہیں یہ دستہ عبیدہ ابن حارثؓ ابن عبد المطلب کی قیادت میں جا رہا تھا۔

علاوہ بریں حضرت سعدؓ ہی وہ صحابی ہیں جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے موقع پر اُن کی پامردی اور استقلال کے پیش نظر فرمایا "فداہ امی وابی" کسی اور صحابی کے لئے آپ نے ماں اور باپ دونوں کو جمع نہیں کیا، سعدؓ بہترین تیر انداز تھے، اور اُحد کے معرکے میں سرفروش مجاہدوں کے ساتھ انھوں نے اپنے تیروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی،

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "ارم سعد ابی وامی" پس جو شخص ایسی قسمت والا ہو کہ اسے نہائی اسلام کہا جائے، اسلام کا پہلا تیر انداز کہا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنے ماں باپ فدا کریں، اُس سے خوش ہوں اور اسے اُن دس آدمیوں میں شمار فرمائیں جن کے لئے جنت کی ضمانت دی، جو ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر دینے والا اور قادسیہ کا فاتح ہو جس کو حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ میں حاضری کا حکم دیا ہو، جس کو خلافت کا امیدوار بنایا ہو جسے

خلافت نہ ملنے پر گورنر بنانے کی خواہش ظاہر کی ہو، جس کے مقدر میں یہ ساری فضیلتیں اور خوبیاں ہوں ممکن نہیں وہ بیت المال کے قرض کے بارے میں خواہ کم ہو یا زیادہ ٹال مٹول سے کام لے ممکن نہیں کہ اس کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ شک و شبہ کریں، یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عثمان اس پر غصہ ہوں، اس کے خلاف اقدام کا ارادہ کریں اور پھر بقایا وصول کر کے معاف کر دیں۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کو سعدؓ کے لئے کسی بھی گورنری کی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ خاص طور پر کوفہ کی گورنری کا اشارہ کیا ہے اس لئے کہ وہی ایک ایسا شہر تھا جس میں سعدؓ کا قیام ضروری تھا تاکہ فتوحات کی تکمیل کر کے جنگ کا خاتمہ کیا جا سکے، ابن مسعودؓ کی سعدؓ کے ساتھ بدگمانی بھی حقیقت میں حیرت انگیز ہے وہ جانتے تھے کہ سعدؓ السابقون الاولون میں ہیں، نبیؐ کی نگاہ میں اور شیخینؓ کی نظر میں ان کا خاص مرتبہ ہے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ آنحضرتؐ کی صحبت میں بہت زیادہ رہے، صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیثوں کے راوی، سب سے زیادہ قرآن مجید کے حافظ، صحابہؓ میں سب سے زیادہ اس بات کے واقف کہ کس کے بارے میں آنحضرتؐ کی کیا رائے ہے، اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ سعدؓ کے متعلق شک کریں، اور قرض ادا کرنے کا بار بار تقاضا کریں یہاں تک کہ جب وہ بددعا کرنے کا ارادہ کریں تو ڈریں، اور گھبرا کر ان کو رضامند کر لیں، اور بہت جلد وہاں سے چلدیں، بات یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ فتنے کے موقع پر غیر جانب دار رہے، اور فریقین میں سے کسی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اور کہا میں اس اختلاف میں اسی وقت حصہ لوں گا۔ جب مجھے کوئی ایسی تلوار لادے جو خود بولے کہ فلاں فریق حق پر ہے اور فلاں حق پر نہیں، اُن کی یہی غیر جانب داری اس عجیب و غریب قصے کی بنیاد ہے، اگر سعدؓ حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرف داری کرتے تو یقیناً شیعہ ان کی طرف سے جواب دہی کرتے اور اگر وہ حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی طرف داری کرتے تو وہ اُن کی طرف سے مدافعت کرتے، لیکن سعدؓ نے دونوں برسرپیکار جماعتوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جماعتوں کے لوگ سعدؓ سے کنارہ کش رہے اور کسی نے اُن کی طرف سے مدافعت نہیں کی۔

ولید ابن عقبہ کا تقرّر اور اُس کے نتائج

میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت سعد کی معزولی کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ بنی امیہ اور ابو معیط کے خاندان والے حکومت کے عہدے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لے رہے تھے اور اس سلسلے میں ہر قسم کی تدبیریں اور حیلے کر رہے تھے، اور حضرت عثمان پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ ان کے مقاصد کے لئے راہیں نکالیں اور مواقع فراہم کریں، اس بات کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ سعد کی معزولی کے بعد حضرت عثمان نے بڑے بڑے انصار و مہاجر صحابہؓ میں سے کسی کو کوفے کا گورنر مقرر نہیں کیا، نہ طلحہؓ کو نہ زبیرؓ کو نہ عبدالرحمٰنؓ کو نہ محمد بن مسلمہؓ کو نہ ابوطلحہؓ کو بلکہ ولید بن عقبہ ابن ابی معیط کو موقع دیا حالانکہ خود عام مسلمان ولید بن عقبہ سے مطمئن نہ تھے، اس لئے کہ اس نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا اور آپؐ پر بہتان باندھا، اسلام کے بعد کفر کی آلائش سے آلودہ ہوا، اللہ نے قرآن میں آیت نازل کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی المصطلق میں اس تصدیق کے لئے بھیجا کہ کیا واقعی اس قبیلہ کے لوگوں نے صدقات کے ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے؟ تو ولید نے آکر اطلاع دی کہ ہاں یہ خبر صحیح ہے، لیکن جب آنحضرتؐ مقابلے کی خاطر نکلے تو راہ میں ولید کی مکاری کھل گئی اور خدا نے حقیقت حال سے باخبر کر دیا، پھر اس کے بعد ولید اسی وقت اسلام لایا جب مسلمان ہوئے بغیر چارہ نہ تھا اور حتی الامکان اپنی اصلاح کر لی، کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی تو ولید کو بنی تغلب سے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ اور ان کے کسی حاکم کا ولید کو جزیرہ کے کسی دیہاتی حصہ میں ایک نصرانی قبیلے سے صدقات وصول کرنے پر مقرر کرنا اور حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑے اسلامی شہر جس کی کئی سرحدیں ہوں اس کو گورنر بنا دینا اور وہ

بھی سعد بن ابی وقاصؓ کی جگہ پر، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

جن لوگوں نے کوفہ کی گورنری پر ولید کے تقرر کو نامناسب خیال کیا۔ انہوں نے کوئی دور کی بات نہیں کی اس لئے کہ کوفہ کی گورنری بہر حال بڑی اہم خدمت تھی۔

ایک اور بات جو اس سارے قصے کو جس پر حضرت سعد کی معزولی اور ولید کے تقرر کی بنیاد ہے مشکوک بنا دیتی ہے یہ ہے کہ بیت المال کے معاملات میں خود حضرت عثمانؓ کی روش مدینہ منورہ میں اس بات سے زیادہ خطرناک ہے جس کو حضرت سعدؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک عزیز کو ایک بڑی رقم عطیہ دینا منظور کر لیا، لیکن خزانچی (ابن مسعود) نے رقم کی بڑی مقدار کے پیش نظر دینے سے انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ نے اصرار کیا لیکن خازن بدستور اپنی بات پر اڑا رہا، حضرت عثمانؓ نے دوران بیان میں جس کا تذکرہ ہم موقع پر کریں گے ـــ کہا کہ تم کو پس و پیش کا کیا حق ہے۔؟ "تم تو ہمارے خازن ہو" خزانچی نے جواب میں کہا، میں اپنے آپ کو آپ کا خازن خیال نہیں کرتا، آپ کا خازن تو آپ کا کوئی غلام ہوگا، میں تو مسلمانوں کا خازن ہوں، اس کے بعد وہ بیت المال کی کنجیاں منبر نبویؐ پر رکھ کر اپنے گھر بیٹھ رہا، پس جب حضرت عثمانؓ کا عمل بیت المال سے ایسا تعلق ہے تو کسقدر حیرت کی بات ہوگی کہ وہ سعدؓ سے محض اس لئے ناراض ہوں کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ قرض لے لیا تھا اور اس کی ادائگی کے لئے مہلت طلب کر رہے تھے، جس طرح حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو کسی خیانت کی بنا پر برطرف نہیں کیا تھا۔ ہمارا خیال ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو کسی خیانت یا ایسے سبب کی بنا پر برطرف نہیں کیا جس کا نزدیک یا دور سے کوئی تعلق خیانت سے رہا ہو، انہوں نے حضرت عمرؓ کی وصیت پر عمل کیا، اور اس کے بعد سعدؓ کو اس لئے معزول کر دیا کہ ان کی جگہ ابو معیط کے خاندان کے ایک آدمی کو مقرر کر دیں اور یہ بات ہمیں تسلیم کرنا ہوگی کہ ولید نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اخلاص اور آزمائش کی غیر معمولی مثالیں پیش کیں، سرحدوں کی حفاظت اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ اس سلسلے میں اس کے کارنامے خود اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد عوام کا موضوع سخن رہے اس نے کوفہ کے عوام پر تدبر یا مردی اور حوصلے کے ساتھ حکومت کی امن عام برقرار رکھا، نئے خون والے مفسد نوجوانوں کا صفایا کر دیا۔ جو نہ کسی نظام کا احترام کرتے تھے اور نہ دین کا وقار جانتے تھے،

ایک مرتبہ چند نوجوانوں نے ایک کوفی جوان پر زیادتی کی اور اسے مار ڈالا۔ ولید نے ان سے مواخذہ کیا، اور ان پر حد جاری کی، چنانچہ اپنی کوٹھی کے سامنے ان کی گردنیں اڑا دیں، بعض راوی خیال کرتے ہیں کہ ولید کے اس اقدام نے مقتول کے قاتلوں کے سرپرستوں کو ولید کا دشمن بنا دیا اور ان کے دلوں میں عداوت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ چنانچہ وہ ولید کی لغزشوں کی تلاش میں رہنے لگے اور اس کے خلاف تہمتیں تراشنی شروع کر دیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے لگے بالآخر ان میں سے ایک ولید کی مجلس تک جا پہنچا، اور داستان سرائی شروع کر دی، قصہ گوئی میں رات کافی گذر گئی اور ولید کو نیند آگئی، تب اس داستان سرا نے ولید کی انگلی سے اس کی انگوٹھی نکال لی اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں انگوٹھی سمیت حاضر ہوا، پھر دونوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ولید نے شراب نوشی کی ہے،

اس واقعہ کا بناوٹی ہونا کسی بیان اور تشریح کا محتاج نہیں، کوئی امیر قصہ گویوں کی موجودگی میں سو نہیں جاتا اور وہ بھی ایسی گہری نیند کہ کوئی انگلی سے انگوٹھی اتار لے اور اسے خبر تک نہ ہو اور نہ اس کے خادم اور پہرہ داروں کو پتہ چل سکے اور پھر ولید اگر اتنا ہی بے پرواہ اور غافل حاکم تھا جو اس انگوٹھی کے نکل جانے کی خبر نہ رکھتا ہو، جس سے اپنے فرمانوں پر مہر لگاتا تھا، خلیفہ کو اور سرحد کے محافظوں کو خطوط لکھتا تھا تو اس کے دور اندیش بیدار مغز اور عالی حوصلہ ہونے کے کیا معنی؟ یہ بات تو ایسی ہے جیسے ولید کے مخالف کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے دوست اور اپنے شاعر ابو زبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتا تھا۔ یہ ابو زبید وہی ہے جس کی ملاقات ولید سے اس وقت ہوئی جب وہ بنی تغلب میں صدقات کی وصولی پر مقرر تھا اور اس کے ماموؤں کے ساتھ اس کا جو جھگڑا تھا اس میں انصاف کر کے اس کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ ابو زبید ماں کی طرف سے تغلبی اور باپ کی طرف سے طائی تھا اور مذہباً عیسائی، ولید جب کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو وہ اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس کے ہاں قیام کرتا تھا اور اس سے انعامات بھی پاتا رہتا۔ تاآنکہ مسلمان ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے اور میرا خیال ہے کہ ابو زبید کا اسلام بھی ولید کی طرح کوئی گہرا اسلام نہ تھا۔ اور اس خیال کی تصدیق اسی سلسلے میں اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ولید پر حد جاری کی، حالانکہ حدود جاری کرنے میں شبہات

سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اگر حضرت عثمانؓ مذکورہ بالا دونوں گواہوں کی شہادت میں قوی یا کمزور کسی طرح کا بھی شبہہ پاتے تو ولید پر حد جاری کرنے میں ضرور پس وپیش فرماتے، پھر شبہہ کی بنا پر حد جاری نہ کرنے پر حضرت عثمانؓ کے لئے کوئی مضائقہ بھی نہ تھا، مضائقہ تو اس میں ہے کہ شبہہ خواہ کتنا ہی کمزور ہو حد جاری کر دی کر دیجئے،

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمانؓ کے حکم سے ولید پر کس نے حد جاری کی، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لوگ خلیفہ کا حکم ماننے سے گریز کر رہے تھے تو حضرت علی نے ولید کو مارا، ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حضرت علیؓ دین کی باتوں کے سب سے بڑے عالم تھے اور سنتوں کے محافظ، اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے نفاذ میں سب سے زیادہ شدید تھے، شبہہ کی موجودگی میں وہ حد جاری نہیں کر سکتے تھے، اکثر راویوں کا خیال ہے کہ ولید کو سعید بن العاص اموی نے مارا اور یہ سعید حضرت عثمانؓ کے اور ولید کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان کو اپنے نزدیک اور دور کے رشتہ داروں اور خلیفہ کی نگاہ میں اپنی وقعت کا بڑا ناز تھا، اگر وہ ذرا بھی مشکوک ہوتے تو یقیناً حضرت عثمانؓ سے ان کے فیصلے کے متعلق گفتگو کرتے اور اگر کامیابی نہ ہوتی تو کم از کم ولید کو مارنے سے معذرت کر دیتے لیکن انہوں نے ولید کو مار کر دونوں کی نسلوں میں ایک نہ ختم ہونے والی عداوت پیدا کر دی

ولید کے مخالفوں کی ایک دماغی پیداوار جسے ہم غلو کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے یہ ہے کہ ایک دن ولید نے شراب کے نشے میں مست صبح کی نماز میں امامت کی اور تین یا چار رکعتیں پڑھا دیں، اور پھر مصلیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا اگر تم چاہو تو میں کچھ اور رکعتیں زیادہ کر دوں تب بعض لوگوں نے اس کو ملامت کیا اور بعضوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں اور عوام نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ انہیں ولید سے معاف رکھائے، چنانچہ آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ اس کے بعد یہ واقعہ عوام کی زبان زد ہو گیا، اور بذلہ سنجوں کے لطائف وظرائف اور شعراء کے لئے طبع آزمائی کا موضوع بن گیا چنانچہ حطیئہ نے کہا

شهد الحطيئة يوم يلقى ربه ۔۔۔ ان الوليد احق بالعذر

نادى وقد نفدت صلاتهم ۔۔۔ أأزيدكم ثملا ولا يدري

لیذید ھم خیرا ولو قبلوا — منا طزا دھم علی عشرۃ

فأبوا ابا وھب ولو فعلوا — لقرنت بین الشفع والوتر

خبئوا عنانک اذ جریت ولو — خلوا عنانک لم تزل تجری

میرا خیال ہے کہ یہ قصہ سر سے پاؤں تک بے اصل من گھڑت ہے اگر ولید نے نماز میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا ہوتا تو کوفہ کے مسلمان جن میں بعض صحابہ اور متعدد قاری اور صالحین موجود تھے ہرگز اس کی اتباع نہ کرتے اور نہ اس بات پر راضی ہوتے کہ حضرت عثمانؓ صرف شراب کی حد جاری فرما دیں۔ اس لئے کہ نماز کا مذاق یا اس میں اپنی طرف سے اضافہ خدا اور مسلمانوں کے نزدیک شراب نوشی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے،

پھر یہ اشعار حطیئہ کے نہیں ہیں، حطیئہ نے تو دوسرے اشعار کہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ولید کا محب مخلص اور اس کی رضامندی کا طالب ہے چنانچہ وہ کہتا ہے،

شھد الحطیئۃ یوم یلقی ربہ — ان الولید احق بالعذر

خلعوا عنانک اذ جریت ولو — ترکوا عنانک لم تزل تجری

ورأوا شمائل ماجد متبرع — یعطی علی المیسور والعسر

فنزعت مکذوبا علیک ولم — تردد الی عوز ولا فقر

بعض شیعوں نے حطیئہ کے ان اشعار کا جواب بھی دیا ہے جو اس نے ولید کی مدح میں لکھے ہیں

ذیل کے تین شعر بھی ہرگز ہرگز حطیئہ کے نہیں ہیں بلکہ یہ ولید کے مخالفوں کی تہمت تراشی اور رنگ آمیزی ہے

تکلم فی الصلوٰۃ وزاد فیھا — علانیۃ وجاھر بالنفاق

ومج الخمر عن سنن المصلی — ونادی والجمیع الی افتراق

ازیدکم علی ان یحمدونی — فمالکم ومالی من خلاق

ولید کے عہد گورنری میں حطیئہ نے اس کی مدح میں بہترین اشعار کہے ہیں، جب کہ اس کے خلاف سازش یا اعتراض کا کسی دل میں خیال بھی نہیں تھا، [1]

[1] اس کے بعد مصنف نے حطیئہ کے تیرہ شعر نقل کئے ۔ مترجم

غالباً اس روایت میں بھی کھینچ تان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ ولید کے پاس ایک جادوگر لایا گیا، ابن مسعودؓ نے اس کے بارے میں سوال کیا اور جب یقین ہو گیا کہ جادوگر سحر پر ایمان رکھتا ہے تو انھوں نے اس کے قتل کا حکم کر دیا اور کوفہ کے ایک باشندہ نے عجلت سے کام لے کر بلا ولید کی منظوری کے اس کو قتل کر دیا، اس کے بعد کوفہ والوں نے اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ سے ولید کی شکایت کی جس پر آپ نے جواب دیا کہ کیا صرف گمان کی بنا پر لوگوں کو تم قتل کر دیتے ہو،

میرے خیال میں یہ کوئی بعید بات نہیں کہ ولید کے پاس کوئی جادوگر لایا گیا ہو، جس کے شعبدے اور کھیل اس نے دیکھے، اس پر کوفہ کے بعض بزرگوں کو غصہ آ گیا ہو، اور انھوں نے اس غریب شعبدہ باز کو قتل کر دیا۔ پھر اس حرکت پر ولید نے اور خلیفہ نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا، اس لئے کہ لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خلیفہ کی منظوری کے بغیر، یا محض گمان کی بنا پر کسی کا خون بہائیں

خلاصۂ کلام یہ کہ ولید ایک قریشی تھا بظاہر مسلمان لیکن بباطن جاہلیت پر قائم وہ اپنے ایسے ساتھیوں میں جن کی زبان پر اسلام، لیکن دل کفر و ایمان کے بین بین ہو کوئی پہلا شرابی نہیں تھا اور نہ مخفی طور پر ہنسی مذاق کرنے میں کوئی انوکھا اور نیا تھا۔ میرے خیال میں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ولید نے کسی شعبدہ باز سے اپنا دل بہلایا، اور اس کے تماشوں میں دلچسپی لی، اور یہ بھی بعید نہیں کہ ابن مسعودؓ کی مداخلت کا ضمیمہ ولید کی مدافعت میں چسپاں کر دیا گیا ہو، بہرحال میرا یقین ہے کہ ولید کی معزولی کا براہ راست سبب اگر اس کی شراب نوشی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ ماننا ہوگا کہ اس میں بعض دوسرے اسباب بھی دخیل ہیں۔ جو شاید شراب نوشی اور کسی شعبدہ باز سے دلچسپی رکھنے سے کہیں زیادہ مؤثر ہیں، اور جن کا تعلق ولید کے اس سیاسی مسلک سے ہے جو کوفہ والوں کے لئے اس نے طے کیا تھا اور جس کے ماتحت ان سے پیش آتا تھا، کوفہ کی آبادی میں اکثریت یمنیوں کی تھی، مضری بہت کم تھے، ولید قریشی تھا اور حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا، اس کو اپنی قریشیت اور حضرت عثمانؓ سے اس نسبت پر بڑا ناز تھا، اغلب ہے کہ یمنی اکثریت اس قریشی حاکم سے جو اپنی برتری اور فوقیت کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا تنگ آ چکی ہو اور بتدریج مخالف ہو گئی ہو، خود ولید نے اس بدلی ہوئی حالت اور یمنیوں کی مخالفت کا احساس کیا لیکن برداشت کرتا رہا، اندازہ ہے کہ ولید نے یمنیوں کے اقتدار اور امتیاز کا مقابلہ کرنے کی بھی کوشش کی، کہا جاتا ہے کہ یمنیوں کا ممتاز طبقہ کوفہ میں بذریعہ منادی اعلان عام کیا کرتا تھا کہ ـــــ

بہت آسانی کی علامت بن جاتی ہے کہ تحریک کو کوئی قیمتی حیثیت کی ہو تو وہ
شخصیت کے ذریعے شخصیت چھپاتے تھے —— اس طرح وہ عمالوں کے مستقبل والی عربی سنت کو زندہ
رکھنے کا عزم رکھتے تھے اور اس میں باہم مقابلہ کیا کرتے تھے ولید نے ایک دارالضیافۃ اپنی مرضی کی
یا حضرت عثمانؓ کی اجازت سے قائم کر کے کیسی اشراف کے لئے فخر و امتیاز کے مقابلے کا یہ دروازہ بھی
بند کر دیا، البتہ جب کوئی مسافر کوفہ آتا تو اسی دارالضیافۃ میں قیام کرتا، اور ولید کے ہاں آنا جانا ملوک کو ان
جانے کیا ان شاہ صاحبان کی ملاقات سے واپسی پر دارالضیافۃ میں اگر بدمستی کے عالم میں کا بوٹا پاکر
کچھ ایسی باتیں منہ سے نکال دی ہوں جو خود ولید کی جاسوسی کا باعث بن گئی ہوں۔

اس کے بعد ولید نے لوگوں کی عام ناراضی اور مخالفت کے پیش نظر ایک نئی سیاست کا آغاز کیا جس کا ظاہر خیر خواہی کرنا اور نیکی پھیلانا تھا۔ لیکن عملی میں عوام اور جماعتوں تک پہنچنا اور ان میں ہر دلعزیزی حاصل کرنی تھا۔ چنانچہ اس نے غلاموں کے لئے وظیفے مقرر کئے جن سے وہ بہت آسودہ اور خوش حال ہو گئے، ہر غلام کو ماہانہ تین درہم مقرر کئے اور جو کچھ ان کو مالکوں سے لے وہ مزید برآں ولید یہ وظیفہ غلاموں کو بچے ہوئے مال میں سے دیا کرتا تھا۔ یہ بچا ہوا مال ان مجاہدین کو دیا جا سکتا تھا جن کے جہاد کی بدولت یہ ملا ہے لیکن ولید اس کو لونڈیوں اور غلاموں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا، گویا اس طرح وہ غنیمت کے بعض حصوں کو غنیمت میں ملا دیا کرتا تھا، اس لئے کہ یہ لونڈیاں اور غلام بھی تو مال غنیمت کا ایک حصہ تھے جو چاندی سونے کی طرح فاتحین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے جو لوگ ایک ایسی عربی طبیعت سے واقف ہیں جن میں جاہلیت کے کافی اثرات موجود ہیں، اور جس میں اسلام کی محض ظاہری آمیزش ہے ان کو ہرگز حیرت نہ ہوگی کہ کوفہ کے یمنی اس قریشی سے تنگ آچکے تھے جو ان کے غلاموں اور لونڈیوں کو خوش حال بنا کر اپنانے اور اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس طرح چاہتا ہے کہ غلاموں کی طاقت کو ان کے مالکوں کے مقابلے میں اگر ضرورت پڑے تو استعمال کرے راویوں کا بیان ہے کہ ولید کی معزولی پر غلاموں اور لونڈیوں نے غیر معمولی سوگ منایا طبری کی روایت کے مطابق لونڈیوں کے مرثیے کے دو شعر یہ ہیں۔[1]

یا دیلتا قد عزل الولید　　　افسوس ولید معزول ہو گیا　اھ

---

[1] طبری واقعات ۳۰ھ ہجری

وجاء نا مجوعا سعید — ہم پر سعید مسلط ہو گیا جو بھوکا رکھنے والا ہے

ینقص فی الصاع ولا یزید — ناپ تول میں اضافہ نہیں کمی کرتا ہے پس

فجوع الجاریۃ والجنید — لونڈی اور غلام بھوکے ہیں ،

مجھے تو یہ رجزیہ اشعار بناوٹی معلوم ہوتے ہیں اور یہ ولید کے طرف داروں کا نتیجہ فکر ہیں ، کوفہ میں رہنے والے ایرانی لونڈی اور غلام عربی ادب میں ایسی مہارت کے مالک نہیں بن گئے تھے کہ عربوں کی طرح ولید اور سعید سے متعلق اشعار کہنے لگیں لیکن ان اشعار سے بہر حال اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی خواہ آزاد ہوں یا غلام ولید کے حامی تھے اور اس کو دوست رکھتے تھے اس لئے کہ وہ ان کی دل جوئی کرتا ، اور ان سے محبت کرتا تھا ، یہی وجہ ہے کہ راوی کوفہ والوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ۲ گروہوں میں تقسیم تھے ، عوام تو اس کے ساتھ تھے لیکن خواص اس کے مخالف تھے ،

اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ولید عوام کے لئے نرم اور خواص کے لئے نہایت سخت تھا اگر ولید اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اتباع کرتا تو کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرتا ، حضرت عمرؓ عوام کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور خواص کے ساتھ سختی فرماتے تھے اس حقیقت کے پیش نظر کہ خواص میں ایک قسم کی خود غرضی ہوتی ہے ، اور وہ جاہلی عصبیت کے زیر اثر بلندی اور برتری چاہتے ہیں ، ولید نے اس حقیقت کو سامنے نہیں رکھا وہ تو صرف اقتدار کے تقاضے پورے کرتا رہا ، اس راہ میں لونڈیوں اور غلاموں کا سہارا لیتا رہا ،

بہر حال ولید معزول ہوا ، کوفہ کے اہل القراء تے اس سے تنگ اور بیزار ہو چکے تھے اور شہر کے رئیس بھی اس کے دشمن تھے اس لئے کہ وہ جیسا کہ ہم نے واضح کیا ان کے غلاموں کے ذریعے ان کی حیثیت پست کرنا چاہتا تھا ، شہر کے فقہا ، قرا اور صالحین بھی اس کے خلاف تھے اس لئے کہ ان میں جاہلیت کے اثرات تھے ، جن کی وجہ سے اس کی زندگی بیہودگی اور تمسخر کی زندگی تھی جو کبھی کبھی اللہ کے مقررہ حدود سے بھی آگے بڑھ جاتی تھی ،



کوفہ پر سعید بن العاص کا تقرر

حضرت عثمانؓ نے یہ تو ٹھیک کیا کہ ولید کو معزول کر دیا اور اس کے حاکم بنے رہنے پر زور نہیں دیا، یہ بھی ٹھیک کیا کہ اس پر حد جاری کی اور اس کی حمایت نہیں کی، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ کوفہ کی حکومت مہاجر یا انصار میں سے کسی قابل صحابی کے سپرد کی جاتی، اگر وہ ایسا کر دیتے تو کوفہ کی حالت ٹھیک ہو جاتی اور وہاں کے لوگ اختلاف اور افتراق کا شکار نہ بنتے لیکن آپ نے ابو معیط کے خاندان کے ایک شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ بنی امیہ کے ایک آدمی کو مقرر کر دیا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک کے آدمی کو بھی عوام کی گردنوں پر سوار نہ کرنا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کوفہ والے یہ جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ سے کیا چاہتے تھے بعد میں انھوں نے متعدد صحابہؓ کو نہایت متقی اور نیک پایا۔ ان کی سیرت سے خوش ہوئے ان کو پسند کیا، پھر حضرت عثمانؓ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ کوفہ والے سعد بن ابی وقاصؓ کے بعد ولید سے تنگ آ چکے تھے، پس مناسب یہ تھا کہ وہاں سعدؓ کے مرتبے کا کوئی آدمی بھیجا جاتا، ولید کے درجے کے آدمی کی ضرورت نہ تھی، سعید بن العاص بنی امیہ کے نوجوانوں میں ایک خلیق اور معتدل مزاج نوجوان تھا، اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شام کے معرکوں میں آزمائش کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کی تھیں۔ خلیفہ ہونے سے قبل حضرت عثمانؓ نے اس کی پرورش کی تھی، حضرت عمرؓ نے قریشیوں کی تلاش میں جب اس کے متعلق دریافت کیا تو ان کو بتایا گیا کہ وہ شام میں امیر معاویہؓ کے پاس ہے، مریض ہے اور موت سے قریب ہے تو حضرتؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ سعید کو پوری حفاظت کے ساتھ میرے پاس بھیج دو، سعید مدینہ پہنچتے ہی چنگا ہو گیا، اور ہنسی خوشی حضرت عمرؓ سے ملا، فاروق اعظمؓ شفقت اور دردمندی سے اس کے ساتھ پیش آئے اور ساتھ رکھا، پھر اس کی شادی کر دی اور ممتاز قریشی نوجوانوں کا ہمرتبہ بنا دیا، لیکن سعید بہر حال ایک اموی قریشی تھا حضرت عثمانؓ سے قریب تھا، اس کی راستبازی شک سے بالاتر تھی لیکن اسکو عام قریش پر اور خصوصاً بنی امیہ پر بڑا

نازتھا، وہ کوفہ یہ ارادہ لے کر کیا کہ ولید کی پیداکر [redacted] خرابیوں کی اصلاح کردے گا چنانچہ اس سلسلے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں، بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ولید کے گناہوں سے متاثر ہو کر اس نے منبر کو دھلوایا، جس سے بعض قریشیوں کو سخت کوفت ہوئی" [redacted]

بہرحال اتنی بات یقینی ہے کہ کوفہ والوں نے سعید کو مرحبا کہا اور اس کا استقبال کیا سعید نے بھی ابتداء میں ان کی پذیرائی کی اور شہر کے حالات اور معاملات کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ان ممتاز کوفیوں اور قاریوں کو اپنی مجلس میں جگہ دی جن کو ولید نے دل برداشتہ اور ناراض کردیا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ حقیقتِ حال سے باخبر ہو گیا اور حضرت عثمانؓ کو مطلع کردیا اس سلسلے میں اس نے جو خط لکھا ہے اس میں نہ صرف کوفے کا نہایت تفصیلی نقشہ کھینچا ہے بلکہ دوسرے شہروں کی بھی مکمل تصویر پیش کردی ہے، اس کی رائے میں کوفہ دو باتوں کی وجہ سے فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ایک تو یہ کہ وہ حضرات جو فاتح بنکر یہاں آئے اور تمدن کی ترقی نے ان کو یہیں روک لیا، ایک عرصہ دراز گذر جانے کی وجہ سے ان کے نظم میں ابتری اور ان کی قوت میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے ان میں ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنی قوم میں بڑی وجاہت اور سیاست کے مالک ہیں ایسے قاری اور عالم بھی، جن کا دینی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہؓ کی رفاقت کی وجہ سے بہت بلند ہے، پھر جنگ ہو یا صلح، موت، دونوں حالتوں میں ان کی تعداد کم رہی ہے۔

کوفہ میں آبادی کی کثرت

دوسری بات جو کشمکش کا سبب ہے وہ باہر سے آنے والوں کی کثرت اور خود کوفہ کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ دیہاتی عرب بہت بڑی تعداد میں اپنے ارادے سے یا فوج میں بھرتی کے لئے خلیفہ کے حکم سے کوفہ میں آرہے ہیں اسی طرح جہاد کے معرکوں میں مال غنیمت کے ساتھ تقسیم ہونے والے غلام اور لونڈیاں اپنے مالکوں سمیت بڑی کثرت سے شہر میں آکر بس رہے ہیں، پھر وہ نئی نسل جو خواتین اور لونڈیوں سے پیدا ہو رہی ہے اور وہ نسل جو غیر عربی عنصر اور غلاموں سے پیدا ہوتی جارہی ہے، یہ تمام اضافے نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں، اور کوفہ کی شہری زندگی پر ان اضافوں کا غیر معمولی اثر پڑ رہا ہے۔

عجمیوں کا کوفہ میں کثرت سے داخلہ اور دیہاتی عربوں کی غیر معمولی آمد پھر ان دونوں میں پیدا ہونے والی اولاد کی کثرت نے سابقین کے لئے میدان تنگ کر دیا ہے ان کے اقتدار کی بساط تقریباً الٹ چکی ہے اور یہ آنے والے علم سے زیادہ جہل کے ساتھی ہیں، نرمی اور سنجیدگی سے کہیں زیادہ ان میں شدت اور سنگدلی ہے، دیہات کے عرب اپنی موروثی جہالت، اُجڈ طبیعت اور کٹر عصبیت لیکر آئے ہیں، فارس کے قیدی، تہذیب و تمدن کا ورثہ ساتھ رکھتے ہیں، وہ کمزوریاں اور خرابیاں بھی ان کے ساتھ ہیں، جو متمدن زندگی کے آخر میں پیدا ہوتی ہیں، شکست اور غلامی نے ان کی طبیعتوں میں ذلت ماضی پر حسرت اور مستقبل سے مایوسی پیدا کر دی ہے وہ اپنے مالکوں سے متنفر اور خوف زدہ ہیں، ان میں مکر اور چالبازی کے جذبات پیدا ہیں، اس قسم کے مالکوں اور اس قسم کے محکوموں کے اخلاق و عادات کے سائے میں ایک نئی نسل پرورش پا رہی ہے جو مشکلات میں مبتلا ہے، اور دوسروں کے لئے بھی مشکلات کا باعث ہے، نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کے کاموں میں شدید قسم کا الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے، اور حکام جب کسی ایک مشکل کو دور کرتے ہیں تو دوسری رونما ہو جاتی ہے

اس قسم کی باتیں مختصراً لکھ کر سعید نے حضرت عثمانؓ کو کوفہ کی حقیقت حال سے باخبر کر دیا حضرت عثمانؓ نے سعید کو جواب لکھا جس میں ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان بھلائی اور عافیت کو مقدم رکھے، اور جہاں تک ہو سکے اپنے کو اور عوام کو فتنے سے بچائے، سابقین کو دوسروں پر ترجیح دے، اور اس کے بعد سچائی کے ساتھ حسب مراتب پیش آئے نہ کسی کی طرف داری کرے اور نہ کسی پر زیادتی،

خطرناک اقتصادی انقلاب

لیکن حضرت عثمانؓ نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ لوگوں کے حالات بدل گئے فتنہ و فساد کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اس سے احتیاط نہایت ضروری ہے، چنانچہ مدینہ منورہ میں آپؓ نے عوام کے سامنے خطبہ دیا اور جو کچھ آپ کو معلوم ہوا تھا اس سے باخبر کر دیا۔ فتنہ و فساد سے بچنے کی تاکید کی اور ڈرایا، آپؓ نے جس سیاسی مسلک کی پابندی کی سعید کو ہدایت کی تھی اس کے متعلق حاضرین سے بھی مشورہ لیا سبھوں نے آپؓ کی تائید کی، لیکن آپؓ نے اس کے بعد ایک اہم تجویز پیش کی جسے سنکر مدینہ والے بہت خوش ہوئے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ وہ اس تجویز کے ذریعے بعض خرابیوں کی اصلاح کر سکیں گے لیکن تجویز کا نتیجہ برعکس نکلا

حضرت عثمانؓ کی تجویز یہ تھی کہ بلاد عربیہ میں جہاں کہیں بھی کوئی سکونت اختیار کرے اس کا مال غنیمت وہاں پہونچا دیا جائے تاکہ شہروں میں فوجیوں کے علاوہ وہی لوگ رہیں جنکو وہاں قیام کی ضرورت ہو مدینہ کے لوگ یہ سنکر سخت حیران ہوئے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا اللہ نے مال غنیمت میں ہمیں جو زمینیں دی ہیں آپ وہ کس طرح منتقل کر دیں گے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا اور یہی تجویز کی روح ہے کہ ہم انھیں حجاز کے مالکان اراضی سے جس سے بھی چاہیں فروخت کر دیں گے یہ سنکر وہ خوش ہوگئے۔ اللہ نے ان پر ایسا دروازہ کھولا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا، اب تو وہ منتشر ہوگئے خدا نے ان کی مصیبت دور کر دی تجویز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے حجاز والوں کو اور پھر تمام عربی بلاد کے شہریوں کو موقع دیا کہ اگر ان کی کوئی زمین عراق یا کسی دوسرے صوبے میں ہو تو وہ حجاز کی زمین سے یا کسی عربی شہر کی زمین سے بدل لیں ایسا کرنے سے لوگ اپنے اپنے شہروں میں اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے ساتھ مستقل قیام کریں گے، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں گے، اس طرح دیہاتی عربوں کی ہجرت صوبوں میں کم ہو جائے گی، اور پھر حجاز میں اور عربی شہروں میں زمینیں خریدنے والوں کو زمین کی درستگی اور انتظام کے لئے اس کو نفع بخش بنانے کے لئے بہت سے مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہوگی، پس باہر سے عربی بلاد میں غلام اور کام کرنے والے آبسیں گے اور صوبوں کا مسلسل بڑھنے والا دباؤ ان قیدیوں کی بھرمار سے کم ہوگا۔

اس تجویز پر لوگوں کا خوش ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ حجاز والوں کے لئے عراق کی زمین میں وہ کشش نہیں ہوسکتی جو خود حجاز کی زمین کے لئے ہوسکتی ہے اسی طرح یمن والوں کو مصر اور شام کی زمین سے زیادہ مرغوب یمن کی زمین ہوگی، جو ان سے قریب ہے اور وہ آسانی سے اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں، اس میں ان کو نہ لمبے یا مختصر سفر کی زحمت اٹھانی ہوگی اور نہ باپ دادا کی زمین سے ہجرت کرنے کی تکلیف،

حضرت عثمانؓ نے اپنی اس تجویز سے تمام صوبوں کو مطلع کر کے ایک ایسی راہ کھولدی جس نے ان کی زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا، سیاست، اجتماع اور اقتصاد غرض کہ فکر و نظر کا ایسا کوئی گوشہ باقی نہ رہا جہاں اس کے اثرات نہ پہنچے ہوں

لہ طبری واقعات سنہ ۳۱ ہجری

چند مثالیں سنئے ـــــــ حجاز میں جلیل القدر صحابہؓ کی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں، بہت زیادہ تھیں، ان لوگوں نے خبر پاتے ہی ان تمام جائدادوں کو فروخت کر کے صوبوں میں زمینیں خرید لیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ زمینیں حجاز سے کہیں زیادہ زرخیز ہیں پھر لونے جو تنفرو میں آسانی اور پیداوار زیادہ ہے، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے بڑی کوشش اور کاوش کر کے ان لوگوں سے جو خیبر کی فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک جہاد تھے ان کا حصہ ان سے یا ان کے وارثوں سے خرید لیا تھا، حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کے بعد انھوں نے یہ ساری جائداد ان حجازیوں کے ہاتھ اس جائداد کے بدلے میں فروخت کردی جو فتح عراق کے موقع پر ان کو ملی تھی، طلحہؓ چونکہ کافی دولت مند تھے اس لئے انھوں نے اور بہت سے حجازیوں سے ان کی عراق کی زمینیں خرید لیں، خود حضرت عثمانؓ سے اپنی حجاز کی مملوکہ زمین کے بدلے میں ان کی عراق والی زمین لے لی، لوگوں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا، ہر وہ آدمی جس پر یہ گراں تھا کہ وہ حجاز چھوڑ کر صوبوں میں اپنی زمینوں کا انتظام کرے اس نے اپنی وہ زمین فروخت کردی اور اس کے بدلے میں اپنے قریب کوئی جگہ لے لی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوّل تو عراق اور اور دوسرے صوبوں میں بڑی بڑی جائدادیں اور زمینوں کے مالک پیدا ہو گئے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی اس تجویز سے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی جائداد والوں سے ان کی ملکیت خرید لینے کی سکت تھی، چنانچہ طلحہؓ نے خریدا، زبیر نے خریدا اور مروان بن الحکم نے خریدا یہ سال مالیاتی نقطۂ نظر سے بڑی سرگرمیوں کا گذرا، خوب خوب خرید و فروخت ہوئی، قرضے لئے گئے، تبادلے کئے گئے، اشتراک اور حصہ داریاں قائم ہوئیں، پھر یہ سرگرمیاں حجاز اور عراق تک محدود نہ رہیں پورے عربی بلاد اور مفتوحہ علاقوں تک پھیل گئیں، ایک طرف طویل و عریض اراضی کی بڑی بڑی ملکیتیں قائم ہوئیں، دوسری طرف ان کے انتظام اور بند و بست کے سلسلے میں بہت سے مزدور کام کرنے والے غلام اور آزاد کام سے لگ گئے، اس طرح اسلام میں ایک نیا طبقہ (ربلوتقراطیہ) پیدا ہوا جس کی امتیازی شان میں وہ سیادت بھی ہے جس کا سرچشمہ دولت کی فراوانی اموال کی بہتات اور ماتحتوں کی کثرت ہے،

اسلام میں بڑی بڑی جاگیروں کی ابتدا

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے عربی بلاد میں، خاص طور سے حجاز میں زمینیں خریدی تھیں ـــ انھوں نے اس کی کاشت کا ارادہ کیا اور باہر سے کام کرنے والوں اور غلاموں کو بلوایا، اور

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ حجاز جنت ارضی کا ایک خوب صورت ٹکڑا بن گیا جو اپنے باشندوں کے لئے سب سے زیادہ زرخیز، بارآور، دولت آفریں ہوا، اور ان کی خوش حالی و فراغت کا باعث بنا! اس کے بعد بہت جلد مکہ میں، مدینہ میں اور طائف میں امرا اور سرمایہ داروں کا وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کچھ کام نہیں کرتا تھا اپنا سارا وقت گپ شپ اور لہو ولعب میں گذارتا، مزدور اور غلام اس کے لئے کام کرتے

اس کے بعد تو حجاز میں اور دوسرے عربی شہروں میں تمدن کا دور دورہ ہو گیا تعیش بڑھا، فرصت اور فضولیات نے قدم جمایا، فرصت اور بیکاری کے دن طرح طرح کے شوق پیدا کرتے ہیں، چنانچہ رقص و سرود شروع ہوا، اور ایسی شاعری جو ہمت، حوصلہ اور سرگرمیوں کا نقشہ نہیں کھینچتی، بلکہ ایسی فرصت اور ایسی فراغت کی تصویر پیش کرتی ہے، جو لذت گیری کے لئے وقف ہو، جو نفس کے جذبات اور اس کے بار بار کے تقاضوں کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہو، ان ہی فارغ البال سرمایہ داروں کے سایہ میں وہ غلام آباد تھے جو اپنے آقاؤں کے مالک اور ان کی زندگی کے منتظم تھے، اور ان کے لئے جذبات اور ہوس کا ساز وسامان فراہم کرنے والے تھے، پھر ان مالک غلاموں یا غلام مالکوں کے پڑوس میں دیہاتی عربوں کا ایک طبقہ رہتا تھا، جو اتنا نادار تھا کہ اس کے پاس نہ حجاز میں کوئی زمین تھی کہ عراق کی زمین کے بدلے میں بیچ لیتا اور نہ عراق میں کسی زمین کا مالک تھا کہ حجاز کی کوئی زمین خرید لیتا۔

حضرت عثمانؓ نے خدا کی ان پر رحمت ہو جب اس تجویز پر غور کیا یا ان کے رفقاء اور مشیروں نے جب ان کو اس طرف متوجہ کیا تو اس کے دُور رس نتائج ان کی نگاہوں کے سامنے نہ تھے انھوں نے ایک خرابی دیکھی اور چاہا کہ اس کا خاتمہ کر دیں، وہ چاہتے تھے کہ شہروں میں لوگوں کی آمد کم ہو اور دیہاتی عرب اپنے گھروں پر رہیں، البتہ غلام اور قیدی عربی بلاد میں لائے جائیں ان حجازیوں کو جو صوبوں میں چھوٹی چھوٹی جائدادوں کے مالک ہیں، حجاز میں ایسی زمینیں حاصل ہو جائیں جس کی وہ قریب سے نگرانی کر سکیں لیکن حضرت عثمانؓ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، اس تجویز سے تو خلاف توقع خرابیاں ہی خرابیاں پیدا ہو گئیں ۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ دیہاتی عرب، شہروں میں ہجرت کرنے سے کسی وقت رُک سکے یا نہیں، اس لئے کہ تاریخ اس باب میں خاموش ہے

لیکن مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مشیروں نے مسلمانوں کی اقتصادی زندگی میں اس قدر غیر معمولی اور اہم انقلاب پیدا کرنے کا جو ارادہ کیا تھا، تاریخ نے اُسے تاڑا بھی یا نہیں؟ مجھے اس میں شبہ نہیں کہ قیدیوں اور غلاموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا جو دباؤ شہروں پر پڑ رہا تھا حضرت عثمانؓ اس کے کم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، اس لئے کہ فتوحات کا سلسلہ آپ کے زمانے ہی میں ختم نہیں ہو گیا، بلکہ جیسا کہ ناظرین آگے چل کر پڑھیں گے بعد میں بھی مصر کے رہے اور مسلسل فتوحات ہوتی رہیں، اور مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصہ فاتحین میں تقسیم ہوتا رہا جو شہروں میں مقیم تھے ہر چار سال میں ایک مرتبہ وہ اپنے قریب کی سرحد پر جاتے اور کم و بیش چھ مہینہ قیام کرتے، پس مالِ غنیمت جس میں غلام بھی شامل ہیں ان تک پہنچتا رہتا، اور آنے والے غلاموں کی تعداد مسلسل بڑھتی رہتی اور اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا یہ بات تو اسی وقت رک سکتی تھی جب فتوحات کا سلسلہ رک جاتا اور حکومت امن و صلح کے زیر سایہ دن گذارتی، اور یہ موقع عثمانی عہد تک تو میسر نہ آ سکا تھا آپ کے زمانہ میں تو صوبے کے گورنروں میں شدید مقابلہ رہا کہ فتوحات میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے، پھر سرحد کے سپہ سالاروں میں بھی بڑے مقابلے کی بات تھی، کہ اس میدان میں یا اس معرکے میں کون پہلے دشمن پر حملہ کرتا ہے اس شہر پر یا اس آبادی پر کون پہلے قبضہ کرتا ہے، اور کون سب سے زیادہ مالِ غنیمت حاصل کر کے ایک طرف فوج کو دوسری طرف صوبے کے حاکم کو اور تیسری طرف مدینہ میں خلیفہ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرتا ہے، پس عثمانؓ وہ دباؤ جو دیہاتی عربوں اور مفتوح قیدیوں کی وجہ سے عام عربی شہروں اور خاص طور پر عراق کے دونوں شہروں بصرہ اور کوفہ پر پڑ رہا تھا کسی طرح کم نہیں کر سکتے تھے، اور جن لوگوں نے اپنی صوبوں کی زمینیں فروخت کر کے حجاز میں جائدادیں پیدا کیں وہ اپنا نظام ٹھیک نہیں کر سکے اور ضرورت کے مطابق باہر سے کام کرنے والے بلا نہ سکے جو شاید آتے تو شہروں میں غلاموں کی تعداد کم ہو جاتی، حضرت عثمانؓ نے ۳۳ھ میں یہ اقتصادی انقلاب پیدا کیا اور ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور ان دو برسوں کے درمیان حالات انتہائی اضطراب انگیز رہے اس لئے اس مختصر مدت میں جن نتائج کی توقع تھی وہ برآمد نہ ہو سکے، البتہ اس کے خراب اور خطرناک اثرات کم سے کم وقت میں ظاہر ہو گئے اور حجاز کے سرمایہ دار جس بات کا بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے تھے وہ ان کو حاصل ہو گئی، مدینہ منورہ میں قریش کو روک کر حضرت عمرؓ نے صرف ان کی شخصیتوں

کو نہیں روکا تھا بلکہ بڑی حد تک ان کی دولت کو بھی مدینہ سے باہر جانے نہیں دیا، بلاشبہ مدینہ کے دولتمند حجاز میں اور دوسرے صوبوں میں تجارتی کاروبار کرتے تھے، اور روپیہ پیسہ کی شکل میں غیر معمولی دولت کماتے بھی تھے، لیکن اپنی اس روز افزوں دولت کو وہ کسی کاروبار میں لگا نہیں سکتے تھے، ان کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ وسیع پیمانے پر بڑے بڑے کاموں میں اپنا سرمایہ لگائیں، اس لئے ہوتا یہ تھا کہ نقد کی صورت میں نقد اور مال کی صورت میں مال بڑھتا چلا جاتا تھا۔ جس کو عوام اور غریب دیکھ کر حیرت کرتے، بعض اوقات دولت کی اس فراوانی پر کچھ فقرے چست کرتے جس سے متاثر ہو کر دولت مند خیر و خیرات کی راہیں نکالتے اچھوں کے لئے یہ بات اللہ اور عوام کی خوشنودی کا باعث تھی اور دوسروں کے لئے حسد اور دشمنی سے بچنے کا سامان،

پس حضرت عمرؓ نے قریش کو کاروبار کرنے اور نفع کمانے سے روکا نہیں تھا، اور وہ روک بھی نہیں سکتے تھے لیکن ان کو یقین تھا کہ دولت مند اپنی دولت سے اس قدر نفع کماتے ہیں، جو مناسب نہیں، اسی لئے زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے فرمایا

"جو کام میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا تو دولت مندوں سے ان کا بچا ہوا مال لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا"

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دن صبح صبح مدینہ والوں نے بڑا شور سنا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اونٹوں کی آواز ہے جن پر اسباب تجارت لدا ہوا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ "ایسا سمجھو کہ پل صراط پر میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں کبھی جھک جاتے ہیں اور کبھی سیدھے ہو جاتے ہیں تا آنکہ پار ہو گئے"، عبدالرحمٰنؓ کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے کہا وہ تمام اونٹ اور جو کچھ ان پر ہے سب خدا کی راہ میں صدقہ ہے راویوں کا بیان ہے کہ ان اونٹوں پر بہترین مال تجارت تھا اور اونٹ کل پانچ سو تھے[1]

ابن سعد سلیمان سے اور سلیمان عبدالرحمٰن دمشقی سے اور وہ خالد بن یزید ابن ابی مالک سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ عطا ابن رباح سے اور وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

[1] طبقات ابن سعد مطبوعہ لندن، نمبر ۳ حصہ، پہلی قسم ص۹۳

اے ابن عوفؓ تم ایک دولت مند ہو، لیکن جنت میں تم گھسکتے گھسکتے جاؤ گے اللہ کو قرض دو کہ تمہارے پاؤں کھول دے، ابن عوفؓ نے جواب میں کہا، اللہ کے رسولؐ میں اللہ کو کیا قرض دوں، آپ نے فرمایا جس پر تمہاری شام گذری ہو، اس سے شروع کرو، ابن عوف نے کہا کیا سب کا سب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ہاں! ابن عوفؓ ارادہ کرکے وہاں سے نکلے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہلا بھیجا کہ جبریل نے کہا ہے کہ ابن عوفؓ کو مہمان نوازی کا، مسکینوں کو کھانا کھلانے کا اور سائل کی طلب پوری کرنے کا حکم دیجئے، اور آغاز اپنے عزیزوں سے کریں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے مال کی زکوٰۃ ادا ہو گئی،

یہ تھی دولت عبدالرحمٰنؓ کی عہد نبویؐ میں، پھر اس میں چند در چند اضافہ ہوا کچھ تو کاروبار اور اس کی ترقیوں سے اور کچھ مال غنیمت کے حصوں سے، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے پچاس ہزار سرخ دینار کی وصیت فرمائی اور ایک زبردست وراثت ترکے میں چھوڑی چنانچہ ان کی ملکیت میں ہزار اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں، وہ مقام جرف کی زمینوں پر بیس اونٹوں کی آب پاشی سے زراعت کرتے تھے، انھوں نے چار بیویاں چھوڑیں، ہر ایک کے حصے میں جو وراثت آئی اس کی قیمت کا اندازہ اسی ہزار سے ایک لاکھ تک کیا جاتا ہے، راویوں کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰنؓ ابن عوف سونے کی اتنی مقدار چھوڑ کر مرے کہ اسے کلہاڑی سے کاٹنا پڑا اور لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ اور یہ عبدالرحمٰنؓ دولت مندی میں کوئی یگانہ نہ تھے، قریش کے سرداروں اور صحابہ کبار کی جو حالت تھی وہی ان کی تھی، حضرت عثمانؓ کے اس اقتصادی انقلاب نے ان دولتمندوں کو موقع دیا کہ وہ اپنا سرمایہ کسی کاروبار میں لگائیں، چنانچہ وہ بڑے بڑے کاروبار اور غیر معمولی دولت کے مالک بن گئے، اور اس طرح جیسا کہ ہم نے کہا تھوڑے ہی عرصے میں بڑی زبردست جاگیریں پیدا ہو گئیں، اور اسلام کے آغاز ہی میں وہ تعیش پیدا ہو گیا جو رومی جمہوریت کے آخر میں پیدا ہوا تھا، اور جو رومی جمہوریت کے خاتمے کا باعث تھا، اسی نے اسلامی خلافت کو بھی برباد کیا، گنے چنے چند رومی اٹلی کی سرزمین کے مالک ہو گئے تھے، اور عوام ان ہی سے وابستہ ہو کر ٹولیوں اور اور پارٹیوں میں بٹ گئے، اسی طرح مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت نے صوبوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور لوگ جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر اسی مختصر جماعت سے وابستہ ہو گئے،

حاصل کلام یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے یا اپنے مشیروں کے مشورے سے جو نظام پیدا کیا، اس کے نتائج سیاست ہی تک محدود نہیں رہے اور صرف یہی نہیں ہوا کہ ایک حد سے زیادہ مالدار طبقہ پیدا ہوا جس نے عوام کو شکار بنایا، ان کو جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیا پھر اس تقسیم کی بدولت ان پر اپنا اقتدار جمانے کے لئے باہم لڑتے رہے، بلکہ اجتماع اور سماج بھی اس سے متاثر ہوا، اس انقلاب نے پوری طرح ایک طبقاتی نظام پیدا کر دیا، چنانچہ امرا کا اونچا طبقہ پیدا ہوا جس کے پاس غیر معمولی دولت اور دولت پیدا کرنے کے ذرائع اور زبردست اقتدار تھا اور ایک طبقہ مصیبت کے ماروں کا بنا جو مزدوری کرتا تھا، اور اونچے طبقے کے مصالح کے لئے مشقت کرتا تھا، اور ان دونوں جدا طبقوں کے بین بین ایک درمیانی طبقہ پیدا ہوا جو عام عربوں کا طبقہ تھا، یہ شہروں میں رہتا تھا، دشمنوں پر حملہ آور ہوتا سرحدوں کی حفاظت کرتا اور اپنے زیر سایہ لوگوں کی مدافعت کرتا، یہی درمیانی طبقہ ہے جس کا دولت مندوں نے مقابلہ کیا اور ان کو مختلف جماعتوں اور فرقوں میں منتشر کر دیا۔ مسلمانوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ پہلی آویزش تو دولت مندوں میں ہوئی لیکن اس کے بعد اسی درمیانی طبقے اور دولت مندوں میں معرکہ رہا، تیسرا طبقہ جو زمین پر کام کرتا تھا اور جس کی زندگی مختلف مفاد کے نذر تھی اس کا معاملہ بہت بعد میں ظہور پذیر ہوا اور اس کی بھی ایک داستان ہے،

پہلا فتنہ

اخراج اور جلا وطنی

پس فتنہ دراصل عربی فتنہ تھا، جو دولت اور اقتدار کی خاطر مقابلہ کرنے والے دولت مندوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہوا جس میں عام عربوں کا وہ جذبۂ حسد بھی شامل ہے جو ان کو مالداروں سے تھا حضرت عثمانؓ کی تجویز کی اطلاع پاتے ہی دولتمند اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے دوڑ پڑے اور فتنے کے آثار رونما ہوگئے اور سب سے پہلے خرابی کوفہ سے شروع ہوئی، اور خود سعید بن العاص کی مجلس سے ۳۳ھ کے دن تھے سعید نے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اپنی مجلس کے لئے ممتاز افراد، متقی بزرگوں اور قاریوں کو منتخب کر لیا تھا جو دن میں جب کہ عوام نہ ہوتے یا رات میں داستان گوئی کے موقع پر حاضر ہوتے، ایک مرتبہ دن میں یا رات میں سعید نے مجلس میں کہدیا کہ "سواد کوفہ قریش کا ایک باغ ہے" اس پر مجلس کے حاضرین میں جس میں اکثر یمنی تھے غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سعید کو نہایت سختی اور تلخی کا جواب دیا اور کہا "سواد تو اللہ کا مال غنیمت ہے اور اس میں قریش کا حصہ دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ نہیں" سعید کا محافظ افسر بہت خفا ہوا اور اس نے حاضرین کی سخت کلامی پر ان کو ڈانٹا ڈپٹا، لیکن حاضرین اس کی طرف بڑھے اور اس کو اتنا مارا کہ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، اس کے بعد سعید نے داستان گوئی کی مجلس اٹھا دی اور ان لوگوں سے ملنا ترک کر دیا، اب یہ لوگ اپنی اپنی مجلسوں اور نشست گاہوں میں جمع ہونے لگے، اور سعید کے خلاف اور حضرت عثمان اور قریش کے خلاف تنقید میں اپنی زبانیں آزاد کر دیں، بات لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور کچھ لوگ ان کی مجلسوں میں آنے جانے لگے، تب سعید نے حضرت عثمانؓ کو ان کے بارے میں مراسلہ لکھا اور اس میں اس بات کا اظہار کیا کہ "مجھے ان کی وجہ سے خطرہ ہے کہ عوام فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے"، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ان کو شام بھجوا دو اور شام میں امیر معاویہؓ کو لکھا کہ ان آنے والوں سے ملو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو"، بعض راویوں کا بیان ہے کہ سعید کی مجلس میں

ایک دن یہی کاری اور بزرگان کوفہ موجود تھے اور بات طلحہ بن عبید اللہؓ کی سخاوت اور فیاضی کی چھڑ گئی، سعید نے کہا جس کے پاس طلحہ جتنی دولت اور زمینیں ہوں اس کو دریا دل اور فیاض ہونا بھی چاہئے، اور اگر میرے پاس اتنی ہوتی تو میں تم کو فارغ البال اور خوش حال بنا دیتا، مجلس میں بنی اسد کا ایک لڑکا بھی تھا، اس نے سعید سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کاش فرات کی فلاں زمین جو حکومت کی ہے امیر کی ملکیت ہوتی تو وہ عام مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جاتی، حاضرین نوجوان کی اس بات پر برہم ہوگئے اور اس کو لعنت ملامت کیا، پھر بات اتنی بڑھی کہ لوگوں نے اس نوجوان کو اور اس کے باپ کو مارا اور اتنا مارا کہ دونوں بیہوش ہوگئے، اس پر بنو اسد کو غصہ آگیا اور وہ بگڑ بیٹھے، سعید نے بڑی کوشش کی کہ معاملہ رفع ہو جائے، لیکن بات نہ بن سکی، پھر کوفہ والوں نے اس سے اصرار کیا کہ ان لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے، چنانچہ سعید نے خلیفہ کے حکم سے ان کو شام بھیجدیا،

بہر حال قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سعید نے ان لوگوں کو ان کے شہر سے جلاوطن کر دیا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ حاکم کو اپنی مرضی سے یا خلیفہ کے حکم سے کس حد تک یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کو ان کی زمین سے جلاوطن کر دے اس لئے کہ ان کو اسی وقت جلاوطن کیا جاسکتا ہے جب دلیلوں سے یہ ثابت ہو چکا ہو کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کی ٹھان لی یا زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کی، ایسا ہونے کی صورت میں بلاشبہ خلیفہ مجاز ہے کہ ان کو قتل کر دے یا سولی پر چڑھادے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے یا جلاوطن کر دے،

شہر کے ان بزرگوں کے متعلق جن میں قرآن مجید کے قاری، اور اسلامی معرکوں میں فداکاری دکھانے والے حضرات موجود تھے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی یا زمین پر فساد پھیلایا، نہ اطاعت سے انکار کیا نہ خلیفہ اور اس کے حاکم کے حکم سے سرتابی کی، یہ لوگ تو حاکم کے ساتھ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتے تھے اور جو کچھ ان کے ذمے تھا ادا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ ان کا جرم یہ تھا کہ حاکم کے طرزِ عمل یا اس کی بعض دوسری باتوں پر انہوں نے تنقید کی اور اپنی حد سے تجاوز کر کے اس نوجوان کو یا حاکم کے محافظ افسر کو مارا، لیکن حاکم کے بعض کاموں یا اس کی بعض باتوں پر تنقید ان کا حق ہے جس کو ان سے کوئی نہیں چھین سکتا، خود صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ لوگوں سے اس کی درخواست کیا کرتے تھے، پس محض تنقید پر تو

ان کو سزا دینا مناسب نہ تھا، اب رہا اُن کا مارنا تو بلا شبہ اس پر اُن کو خفیف سی سزا دی جا سکتی تھی، سرزنش کردی جاتی قید میں رکھا جاتا، یا پاؤں کاٹ دیئے جاتے، جلاوطن کردینا تو بہت بڑی سزا تھی، اگلے وقت کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی نصر بن حجاج کو اس خوف سے کہ عورتیں فتنے میں مبتلا ہوں گی مدینہ سے جلاوطن کردیا تھا، پس حضرت عثمانؓ یا اُن کے حاکم کے لئے بھی بالکل جائز ہے کہ مسلمانوں کے فتنے میں پڑنے کے اندیشے سے ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیں، لیکن نصر بن حجاج کی جلاوطنی صحیح معنوں میں نہ جلاوطنی تھی اور نہ سزا، اس لئے کہ ان کا کوئی گناہ نہ تھا، اور نہ انھوں نے عورتوں کو اپنے پیچھے آنے کے لئے پھسلایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نظیر قد وقامت عطا کیا تھا اور لاجواب حسن وجمال کی نعمت دی تھی، حضرت عمرؓ نے میرے خیال میں اُن کو مدینہ چھوڑ دینے کی ترغیب دلائی، اور کچھ مالی امداد دی، یہ ترغیب نہ کوئی شدت تھی نہ جبر لیکن جس حکیمانہ لب ولہجہ میں آپ نے یہ بات کہی اس میں شدت کی جھلک تھی پھر حضرت عمرؓ کی اس کارروائی پر سب لوگ خوش بھی نہ تھے، لیکن میں تو عرض کروں گا کہ اس نوجوان کو حضرت عمرؓ نے نہ جلاوطن کیا اور نہ سزا دی انھوں نے اس کو مدینہ چھوڑ دینے پر اکسایا اور اس سلسلے میں اس کی مالی مدد کی،

لیکن سعید نے ان لوگوں کو کوفہ چھوڑ دینے پر نہ اکسایا اور نہ ان کی مالی مدد کی بلکہ حاکمانہ جبر کے ساتھ ان کو کوفہ سے نکال کر غربت میں بھیجدیا، جہاں وہ بال بچوں سے دور پریشانی کے عالم میں تھے اُن کو اُس نے یا حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کے حوالے کردیا تاکہ ان کو آزاد نہ رہنے دے اور جس طرح ہوسکے ان کی اصلاح کر دے، اس طرح اس نے ان کو گھر سے بے گھر کیا، ان کی آزادی چھین لی بال بچوں کے بارے میں اُن کو حیران وپریشان کیا، اوران باتوں کا اس کو کچھ بھی حق نہ تھا، شاید کوئی یہ کہے کہ سعید نے بھی اُن کو صحیح معنوں میں جلاوطن نہیں کیا اُس نے تو اُن کو ایک دارالاسلام سے نکال کر دوسرے دارالاسلام میں داخل کردیا اور اسلامی زمین سب کی سب ہی مسلمانوں کا ہی گھر بار ہے،

لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہؓ اور تابعین میں جتنے لوگ بھی تھے سبھوں نے اس اخراج کو بہر حال برا اور ناجائز جلاوطنی خیال کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ امام کو سزا دینے کا حق ہے لیکن اس کو سزا دینے میں جانی بوجھی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے، آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ حضرت

عثمانؓ کے گورنروں نے جلاوطن اور شہر بدر کر کے خود اپنی جان پر، خلیفہ پر اور عوام پر کیسے کیسے مظالم کئے۔

کوفہ سے نکلے ہوئے ان افراد سے امیر معاویہؓ نے ملاقات کی اور ان کو ایک گرجا گھر میں ٹھہرایا ان کی ضروریات کا انتظام کر دیا، اور کوشش شروع کر دی کبھی ان کے پاس خود جاتے کبھی اپنے پاس بلاتے لیکن یہ سب بے فیض رہا۔ ایک مرتبہ عربوں پر قریش کی فضیلت کے موضوع پر بحث کی لیکن وہ لوگ عربوں پر قریش کی فضیلت نہ سمجھ سکے، اور اسلام کے نزدیک قریش کو عربوں یا غیر عربوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس امتیاز کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلے میں پیدا ہوئے، لیکن قریش میں نبی کا مبعوث ہونا اس کو اس کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بنا رہے یا اس کو تمام مسلمانوں پر ایک برتری حاصل رہے جیسی عثمانی عہد میں رہی بہر حال یہ بات کسی قریشی حاکم کو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ

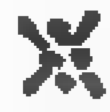
انما السواد بستان لقریش   سواد کوفہ قریش کا ایک باغ ہے

کہدے، ان لوگوں سے ایک مرتبہ امیر معاویہ نے خلیفہ اور اس کی اطاعت کے مسئلہ پر گفتگو کی، لیکن بات بے نتیجہ رہی، اس لئے کہ وہ امام کی اطاعت کے منکر نہ تھے، اگر وہ عدل قائم کرتا ہے حق جاری کرتا ہے، سنتوں کو زندہ کرتا ہے، بدعتوں کو مٹاتا ہے، ان کو تو امام کی اور اس کے حاکموں کی اطاعت سے اس وقت انکار ہے جب وہ اعتدال کی راہ سے ہٹ جائیں۔ امیر معاویہؓ نے اپنی ذات کے متعلق بحث کی، اس بحث میں بھی وہ ان پر کچھ اثر نہ ڈال سکے، انھیں یہ ناگوار تھا کہ امیر اُن کو وعظ و نصیحت کریں، اور ان سے حاکم اور والی کی حیثیت سے پیش آئیں، ان کا مطالبہ تھا کہ معاویہؓ کو منصب حکومت سے سبکدوش ہونا چاہیئے، تاکہ ان کی جگہ وہ شخص آئے جو اسلام لانے میں ان سے پہلے تھا، جس کا خاندان ان سے بھی زیادہ بزرگی رکھتا ہے اور اسلام کے حدود قائم کرنے میں ان سے بھی زیادہ اہلیت و قابلیت کا مالک ہے۔

اندازہ لگتا ہے کہ امیر معاویہؓ نہ صرف ان لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے بلکہ ان کو شامیوں کے لئے خطرہ تصور کرنے لگے اور وہ اس بات سے حد درجہ خائف تھے کہ شام کے لوگ کہیں کسی تحریک کا شکار نہ ہو جائیں، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک خط لکھا جس میں ان لوگوں

کو اپنے یہاں مقیم رکھنے سے معذرت چاہی، حضرت عثمانؓ نے معذرت قبول کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو ان کے شہر واپس کر دو، یہ لوگ کوفہ واپس پہنچتے ہی سعید، معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف خیالات کا اظہار کرنے لگے، اور ان کی تحریک کچھ پھیلنے لگی، سعید نے پھر حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کے کوفہ میں قیام سے معاف رکھیں، حضرت عثمان نے جواب دیا، کہ لوگوں کو جزیرہ میں جلاوطن کر کے عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کے پاس بھیج دے، جو امیر معاویہؓ کی طرف سے حمص اور جزیرہ پر حاکم تھے چنانچہ یہ لوگ عبدالرحمٰن کے پاس بھیج دیئے گئے، جس نے ان کے ساتھ نہایت شدت برتی اور سخت اہانت آمیز سلوک کیا، وہ دلیل اور مناظرے سے نہیں، سخت کلامی اور بدسلوکی کے زور سے اپنی، اپنے باپ اور قریش کی بات منواتا تھا، چنانچہ خود سوار ہو کر چلتا تھا اور ان کو اپنے رکاب میں پیادہ پا چلنے پر مجبور کرتا تھا، انھیں ڈانٹتا تھا سخت سست کہتا تھا، انھیں دوسروں کے لئے عبرت بنائے ہوئے تھا، جب یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو انھوں نے توبہ کیا اور اطاعت کا اعلان اور معافی بھی چاہی، عبدالرحمٰن نے ان کی معافی قبول کر لی اور ان میں سے اشتر کو توبہ اور معافی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عثمانؓ نے اس کو اجازت دی کہ وہ جہاں چاہے جائے، اس نے عبدالرحمٰن کے پاس اپنے دوستوں میں رہنا پسند کیا، لیکن یہ قیام زیادہ عرصہ تک نہیں رہا، جیسے ہی سعید حضرت عثمانؓ کے پاس آیا، یہ جلاوطن دوڑ پڑے اور طے کیا کہ وہ سعید کی راہ میں حائل ہوں گے، انھوں نے اپنے ساتھیوں کو خط لکھ کر بلوایا اور بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچے، اور یقین کر لیا، کہ اگر ان کی تلواریں ہاتھوں میں ہیں تو سعید کوفہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر ایک جماعت بنا کر جس کی قیادت اشتر کر رہا تھا مقام جرعہ تک پہنچے، اور سعید کا انتظار کرنے لگے تاآنکہ سعید آیا اور اس کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ پر جبر کیا کہ وہ سعید کو معزول کر کے کسی اور کو ان کا حاکم مقرر کریں، ان لوگوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو پسند کیا، حضرت عثمان کے لئے منظوری کے سوا چارۂ کار نہ تھا، کوفہ والے اس طرح حضرت عثمانؓ کو دو مرتبہ مجبور کر چکے کہ اپنا حاکم معزول کر دیں، ایک ولید کو معزول کرایا۔ اس لئے کہ وہ لہو ولعب میں مبتلا تھا، متکبر تھا، تمسخر کرتا تھا، اور شراب پیتا تھا۔ دوسرے سعید کو معزول کرایا۔ اس لئے کہ وہ نہایت سخت

ظالم تھا، اور قریش اتیاز رکھنے میں حد سے بڑھا ہوا تھا، ولید کی معزولی کے موقع پر کوفہ والوں نے کسی کا نام پیش نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے سعید کو مقرر کر دیا، لیکن سعید کی معزولی پر انھوں نے حضرت عثمانؓ کے لئے اپنی پسند کا اختیار بھی نہیں دیا، بلکہ صحابہ میں سے ایک کو پسند کیا جو یمنی بھی تھے چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اور قدرے سکون ہوا، لیکن یہ سکون تھوڑے ہی دن باقی رہا،



ابو موسیٰؓ کی بصرہ سے معزولی
اور
عبید ابن عامر کا تقرّر

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کا گورنر مقرر کیا، حضرت عثمانؓ نے ان کو برسوں حکومت کے منصب پر باقی رکھا، کچھ راوی تین سال اور اکثر چھ سال بتاتے ہیں، بصرہ کے باشندوں میں اکثریت مضریوں کی تھی۔ ربیعی بھی بہت تھے یمنیوں کی تعداد بہت کم تھی، کسی مصلحت سے فاروق اعظمؓ نے چاہا تھا کہ بصرہ کا حاکم جہاں مضریوں کی اکثریت تھی یمنی ہو، اور کوفہ کا گورنر جہاں یمنیوں کی اکثریت تھی ایک ثقفی یعنی مغیرہ بن شعبہؓ ہو، اور شام اور مصر کے صوبوں میں جو یمنی عربوں کی اکثریت والے صوبے تھے دو قریشی مضری حاکم گورنر بنائے جائیں، غالباً حضرت عمرؓ کا اس مقصد یہ تھا کہ عصبیت کے جذبات کا مقابلہ کر کے اس کا خاتمہ کیا جائے۔ پس انھوں نے رعایا اور حاکم کے قبیلے میں فرق کیا، بصرہ کے معاملات ابو موسیٰ اشعریؓ کے ماتحت عثمانی عہد میں برسوں ٹھیک رہے، نہ حاکم کو رعایا سے کوئی شکایت پیدا ہوئی، نہ رعایا کو اپنے حاکم سے، ابو موسیٰ صحابہ میں ممتاز اور مقدم تھے، نیک سیرت پاکیزہ خصلت، فتوحات میں غیر معمولی حصہ لینے والے۔ لیکن عثمانی عہد میں عصبیت نے زور پکڑا، ہر قبیلہ مطلبی بن کر اپنی مصلحتوں کی طرف دیکھنے لگا۔ قریش اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں، چار بڑے صوبوں میں سے تین کے حاکم قریشی تھے، کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ اور پھر سعید ہوتے، شام کے حاکم معاویہؓ بن ابی سفیانؓ تھے مصر کے لئے پہلے عمرو بن العاصؓ کا تقرر ہوا اور بعد میں عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح اب ایک ہی صوبہ رہ گیا تھا جس کا حاکم نہ اموی تھا نہ قریشی اور نہ مضری بلکہ یمنی تھا اس طرح ابو موسیٰ اشعریؓ کا پوزیشن بالکل الگ تھا وہ اکیلے ایسے یمنی حاکم تھے جن کی حکمرانی میں

ایک اہم شہر تھا اور اس میں مضریوں کی اکثریت تھی، قریش اس سے غافل نہ تھے، حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار بھی خیال کر رہے تھے، اور خود بصرہ کے مضری بھی محسوس کرتے تھے، بعض راویوں کا بیان ہے کہ بنی ضبہ کا ایک مضری شخص جس کا نام غیلان بن خرشہ ضبی ہے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا، تمہارے پاس کوئی لڑکا نہیں ہے، جسے جوان کر کے بصرہ کا گورنر بنادو، یہ بوڑھا کب تک بصرہ کا گورنر بنا رہے گا، ابوموسیٰؓ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد سے چھ سال تک بصرہ کے گورنر رہے، پھر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا، یہ بھی ایک روایت ہے، کہ بعض مفتوحہ علاقوں میں سے ایک نے ابوموسیٰؓ کے خلاف سر اٹھایا، تو انھوں نے جہاد پر آمادہ کرتے ہوئے لوگوں میں تقریریں کیں اور رغبت دلائی کہ پاپیادہ دشمن پر حملہ کریں، چنانچہ کچھ لوگ آمادہ ہوگئے اور بعض منتظر رہے کہ دیکھیں حاکم خود کیا کرتا ہے، جب ابوموسیٰؓ نکلے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ سوار ہیں اور چالیس خچروں پر اپنا سامان لادے ہوئے ہیں تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں بھی ان خچروں پر سوار ہونے دیجئے، ابوموسیٰؓ نے ان کو ڈانٹا، اور لوگ واپس ہوگئے اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس میں درخواست کی کہ ابوموسیٰؓ سے ہم کو معاف رکھا جائے، جب حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ پھر وہ کس کو پسند کرتے ہیں تو انھوں نے کسی کا نام پیش نہیں کیا بلکہ یہ کہدیا کہ جس کو آپ چاہیں والی بنا دیجئے آپ جس کو بھی پسند کریں گے وہ ان کا بدل ہوگا، وفد نے مزید کہا کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے ہم نہیں چاہتے کہ وہ سب کا سب آپ کے سامنے پیش کر دیں ان لوگوں نے ابوموسیٰ پر الزام لگایا، کہ وہ ہماری زمینیں کھا رہے ہیں اور اپنی اشعری قوم کو کھلا رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰؓ کو معزول کر دیا، اور اپنے ماموں کے لڑکے عبداللہ ابن عامر بن کریز کو بصرہ کا حاکم بنا دیا، جب وہ گورنر بن کر بصرہ آئے تو ان کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی،

جب ابوموسیٰؓ کو اس نوجوان کے تقرر کا پتہ چلا تو آپ کو اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آیا، آپ نے لوگوں سے کہا اب تمہارا حاکم ایک ایسا نوجوان آرہا ہے جو بے چین حوصلہ اور بیتاب طاقت رکھتا ہے، اونچے خاندان کا ہے اس کی حکومت میں دو شہر ایک ساتھ ہوں گے[1]

[1] طبری واقعات سنہ ۲۹ھ

بوڑھے کی یہ بات غلط نہ تھی، عبداللہ بن عامر قریشی جوانوں میں بلا کا بہادر، بیدار مغز باہیبت، ارادے اور ہمت کا قوی جوان تھا، مشکلات کا حل خوب جانتا تھا، فتوحات کے میدان میں خود اترا اور عوام کو بھی اتارا، اس سلسلے میں وہ سعید ابن العاص سے بھی بازی لے گیا، لوگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل ایک باہمت شریف عملی آدمی کا سا تھا یہی وجہ ہے کہ بصرہ والوں کے ہاتھوں اس کا وہ انجام نہیں ہوا جو کوفہ میں ولید اور سعید کا اور مصر میں عبداللہ بن ابی سرح کا ہوا، ایک طرف اس کی پختہ سیرت، تدبر اور دور اندیشی تھی اور دوسری طرف رعایا میں مفزلیوں کی اکثریت عبداللہ کو کامیابی اور مقبولیت کا موقع ملا، لیکن پھر بھی بصرہ شر سے پوری طرح محفوظ نہیں رہ اس لئے کہ بصرہ والوں کی ایک جماعت حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کرنے میں اُسکی ساتھی تھی مگر یہ جماعت مختصر تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بھی حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکم سے پوری طرح خوش نہ تھا، اور جو شکایتیں کوفہ والوں کو تھیں بصرہ اس سے بالکل خالی نہ تھا، کوفہ والوں یہاں کے بعض باشندوں کو بھی شہر بدر کیا گیا اور شام بھیجا گیا، لیکن بصرہ والوں کی جلا وطنی بدگمانی کی بنا پر کھلی ہوئی زیادتی تھی، اور امیر معاویہؓ کو بہت جلد پتہ چل گیا، ہوا یہ کہ عبداللہ بن عامر سے کسی نے عامر بن عبدالقیس کی چغلی کھائی کہ وہ بعض ایسے مسائل میں جو خدا کی طرف حلال ہیں مسلمانوں سے اختلاف کرتا ہے، چنانچہ وہ گوشت نہیں کھاتا، شادی نہیں کرتا اور جمعہ میں حاضر نہیں ہوتا، عبداللہ ابن عامر نے اسکی اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی، بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عامر بن عبدالقیس کو مدینہ طلب کیا اور جب معلوم ہوا کہ اس پر غلط الزامات لگائے گئے ہیں، تو فوراً اعزاز کے ساتھ اس کو بصرہ واپس کر دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بصرہ کے حاکم کو ہدایت کی کہ وہ اس کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجدے، جب امیر معاویہ کے پاس پہنچا تو کھانے میں شرکت کی، امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ وہ گوشت کھاتا جس سے ظاہر ہوا کہ یہ الزام غلط ہے، پھر انھوں نے اس سے بازپرس کی تو اس نے جواب کہا کہ گوشت سے پرہیز کی بنیاد یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس ایک قصاب کو دیکھا کہ وہ ذبح کے وقت بکری کے ساتھ بڑی بے رحمی کر رہا تھا، جمعہ کی نماز کے سلسلے میں اس نے کہا وہ مسجد میں سب سے پچھلی صف میں پہنچتا ہے، اور سب سے پہلے نکل آتا ہے، شادی کے متعلق اس نے کہا کہ اس کی

طے ہو رہی تھی کہ بصرہ سے اس کو نکال دیا گیا، امیر معاویہؓ نے چاہا کہ اس کو بصرہ واپس کر دیں لیکن اس نے ۔۔۔ اس شہر میں جانے سے انکار کر دیا جہاں کے لوگ چغلی کھاتے ہیں اور جلاوطن کرتے ہیں پھر وہ شام ہی میں ٹھہر گیا اور زہد و اتقاء کی زندگی گذارنے لگا، امیر معاویہؓ بھی اس سے محبت کرنے لگے، اور از راہ ہمدردی جب کبھی راستے میں مل جاتا اس سے سوال کرتے کہ اگر کچھ ضرورت ہو تو پوری کر دوں، وہ جواب دیتا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ایک مرتبہ جب امیر معاویہؓ نے بہت اصرار کیا تو کہا آپ کے اس شہر میں روزہ بہت بے کیف ہے، اگر ہو سکے تو بصرہ کی کچھ گرم ہوائیں لا دیجئے۔

میرے خیال میں حضرت عثمانؓ کو دو ہی حاکم ایسے ملے جو خاطر خواہ تھے البصرہ میں عبداللہ بن عامر اور شام میں امیر معاویہؓ ابن ابی سفیان عراق کے دونوں شہروں کی ہم نے سیر کر لی اور مشاہدہ کر کے معلوم کر لیا کہ لوگوں کو عبداللہ ابن عامر پر صرف یہ اعتراض ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار ہے اور یہ کہ وہ کم سن ہے، اور ابو موسیٰؓ کے بعد آیا ہے، لوگوں کے ساتھ اس کے طرز عمل میں قریشی امتیاز نمایاں رہتا ہے جو کہ صحابہؓ کے اخلاق سے میل نہیں کھاتا، لیکن مضریوں کی عصبیت کے لئے فتوحات کے لئے، ان کے حوصلوں اور مال غنیمت کے لئے، ان کی حرص و ہوس کے مناسب حال تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عامر سمجھ گیا تھا کہ اس کی حکومت کے خلاف عوام کے اعتراضات کیا ہیں، اس لئے بڑی کوشش کے ساتھ اس نے معترضین کو بتانا چاہا کہ وہ گورنری کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کا مستحق ہے، اس نے دین کی بعض باتوں میں غلو سے کام لیا کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ فتوحات کے سلسلے میں اس مقام تک پہنچ گیا جہاں جانا چاہتا تھا لوگوں نے کہا، "آپ نے تو فتوحات میں ریکارڈ قائم کر دیا" اس نے جواب میں کہا اس میں کیا شک ہے اور اب میں خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے اسی مقام سے عمرے کا احرام باندھوں گا، حضرت عثمانؓ نے سرزنش کی کہ ایران کے اندرون ملک سے احرام باندھا، حالانکہ احرام کے لئے مقررہ میقات ہیں اس سے پہلے وہی شخص احرام باندھ سکتا ہے جو اپنے نفس پر زیادتی کرتا ہے، یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عبداللہ بن عامر اس بات کی کس قدر کوشش کرتا تھا کہ لوگ اس کے کردار کی دین و دنیا دونوں اعتبار سے تعریف کریں

اس کے بعد ہم کو شام کا رخ کرنا چاہئے،

پورا شام امیر معاویہؓ کے اقتدار میں

عثمانی عہد میں امیر معاویہؓ تمام گورنروں سے زیادہ خوش نصیب اور ہر حیثیت سے کامیاب گورنر تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو دمشق کا حاکم بنایا تھا، جب ان کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوا جو اُردن کے حاکم تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کا کام بھی امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا، ابوسفیانؓ نے اس پر حضرت عمرؓ کا شکریہ ادا کیا، لیکن امیر معاویہؓ، فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں بہت پسندیدہ نہ تھے اور نہ بھائی کا منصب اُن کو دے کر ابوسفیان کے ساتھ کوئی غمخواری یا ہمدردی کی بات صرف اتنی تھی کہ آپ نے معاویہؓ میں قابلیت، ہمت اور دُوراندیشی دیکھی اور چاہا، کہ اُردن کا کام سنبھال لیں انہوں نے سنبھال لی، حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت ان دونوں شہروں کے امیر معاویہؓ تھے حضرت عثمانؓ نے نے ان کو بدستور باقی رکھا جس طرح سال بھر تک انھوں نے حضرت عمر کے تمام گورنروں کو ان کے عہدوں پر باقی رکھا اس کے بعد فلسطین کے حاکم علقمہ کنانی کا انتقال ہوتا ہے اور حضرت عثمانؓ فلسطین کی حکومت بھی امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیتے ہیں، پھر حمص کے فاروقی حاکم امیر بن سعد انصاری بیمار ہوتے ہیں اور حضرت عثمان سے استعفا کی درخواست کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ ان کی درخواست منظور کر کے حمص کی حکومت بھی امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرح شام کی سرزمین بتمام وکمال حضرت امیر معاویہؓ کے زیر حکومت آجاتی ہے اور وہ عثمانی عہد کے سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان گورنر بن جاتے ہیں، ان کی حکومت میں چار بڑے شہر جمع ہو جاتے ہیں، اور جغرافیائی مرکز کے اعتبار سے ان کی قوت غیر معمولی حد تک بڑھ جاتی ہے، اُن کی حکومت حجاز اور مصر کے درمیان واقع تھی، حجاز خلافت کا مرکز اور امیرالمومنین کا مستقر تھا، مصر قوت اور شوکت میں شام کی برابری کا صوبہ تھا، اور زرخیزی اور دولت میں اس سے بڑھا ہوا، ان کی حکومت ایک طرف بحر روم کے سواحل اور دوسری طرف رومی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی، جہاں سے وہ ضرورت پڑنے پر خلیفہ سے مدد لے سکتے تھے اور خلیفہ کو مدد پہنچا بھی سکتے تھے،

اسی طرح مصر سے بھی بروقت امداد لی اور دی جاسکتی تھی، علاوہ ازیں ان کے سامنے جہاد کے دو بڑے دروازے کھلے تھے، ایک بحری سمت کا اور دوسرا رومی سرحدوں کی بری سمت کا، پس ان کے امکان میں تھا کہ وہ اپنی شان بلند کریں اور حکومت کی بھی، اور اسلام کا بول بالا کر کے اپنے لئے عزت کا ایسا بلند مقام حاصل کریں جہاں تک کسی گورنر کی رسائی نہ ہو سکے،

امیر معاویہؓ کا دور شام میں کافی لمبا دور رہا، حضرت عمرؓ کی پوری خلافت پھر حضرت عثمانؓ کا پورا عہد، اس طویل مدت میں ان کو شام کے جاننے پہچاننے کا کافی موقع ملا وہ شام والوں سے خوش اور شام والے ان سے خوش تھے، پھر دونوں خلیفہ بھی ان سے راضی رہے، رعایا کے ساتھ ان کے گہرے اور اچھے تعلقات نے اور حکومت کی طویل مدت نے ان کو گورنر نہیں، بادشاہ جیسا بنا دیا تھا۔ خلافت کی تاریخ ایسا کوئی گورنر نہیں جانتی جس کی حکومت ان کی حکومت کی طرح طویل مضبوط اور بتدریج وسعت پذیر ہوئی ہو، پس کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی اگر وہ اپنے کو کامیاب اور خوش قسمت تصور کریں، وہ دیکھتے تھے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں وقتاً فوقتاً حاکموں کی برطرفی ہورہی ہے اور وہ اپنی جگہ برابر جمے ہوئے ہیں، اور یکے بعد دیگرے صوبے ان کی حکومت میں ضم ہو رہے ہیں، اگر امیر معاویہؓ اپنے کاموں میں کوتاہی کرتے یا رعایا پر زیادتی کرتے تو حضرت عمرؓ ہرگز ان کو باقی نہ رہنے دیتے اور نہ صرف معزول کر دیتے بلکہ اگر ضرورت پڑتی تو سزا بھی دیتے، حضرت عمرؓ کی وفات سے حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے تک غالباً امیر معاویہؓ نے شام والوں کے ساتھ اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور انقلاب خلافت کے بعد بھی اپنا سابقہ سلوک باقی رکھا اور اس بات کی ضرورت باقی نہ سمجھی کہ ایک سخت گیر اور متشدد خلیفہ کے عہد میں جس طرز عمل کے پابند رہے ایک نرم اور چشم پوش خلیفہ کے وقت اس میں تبدیلی کر دیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے صوبوں کی رعایا نے اپنے حاکموں کی بدنامی اور خلیفہ کی بغاوت میں جو کارروائیاں کیں شام کی رعایا اس سے بالکل الگ رہی چنانچہ حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرنے والے کوفے سے، بصرہ سے اور مصر سے آئے لیکن شام سے ایک آدمی بھی نہیں گیا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جب کسی کو اپنی یا اپنے کسی گورنر کی مخالفت کی وجہ سے جلا وطن کرنا چاہتے تو خواہ وہ مدینہ کا ہو اس کو شام بھیج دیتے، آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ جب آپ ابوذرؓ سے تنگ

ہوتے تو ان کو شام بھیج دیا تاکہ مدینہ کے لوگ ان کی زبان اور ان کی تحریک سے محفوظ رہیں، چنانچہ وہ بسلسلہ جہاد شام پہنچ گئے اور وہاں کے دفتر میں ان کا نام لکھا گیا،

پس امیر معاویہؓ کا تدبر اور اُن کی دور اندیشی وہ سہارا تھا جو حضرت عثمانؓ اس وقت لیتے جب اپنے یا اپنے عمال کے کسی شدید مخالف کو سیدھا کرنا چاہتے، اور ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ امیر معاویہؓ خود حضرت عثمانؓ سے بھی بڑے مدبر اور دور اندیش تھے، وہ ان جلا وطنوں سے ملتے، ان کی اصلاح کی کوشش کرتے، ہاں جب مایوس ہو جاتے تو حضرت عثمان سے معذرت خواہ ہوتے، اور حضرت عثمانؓ ان کی کوئی درخواست رد نہیں فرماتے،

امیر معاویہؓ نے اپنی کامیابی اور خوش قسمتی سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، چنانچہ وہ شام میں چین سے بیٹھے صرف حکومت کے کاموں پر قانع نہیں رہے بلکہ معرکوں اور فتوحات کے لئے بے چین تھے فاروق اعظمؓ کے عہد میں تو اُن کی کیفیت اُس گھوڑے کی سی تھی، جو دوڑنے کی بے تابی میں لگام چباتا رہے، لیکن حضرت عمرؓ اُن کو روکتے تھے اور اجازت نہیں دیتے تھے، بحری لڑائیوں کے لئے وہ جس طرح اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے حضرت عمرؓ اسی شدت کیساتھ اسکو مسترد فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تنبیہ کر دی کہ آئندہ وہ سمندر کی بات نہ کریں، پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے وہی درخواست ان کے سامنے پیش کر دی، حضرت عثمانؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ مجاہدوں کا انتخاب وہ خود نہ کریں اور نہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو بلکہ لوگوں کے اختیار کی بات ہو چنانچہ جس نے اپنی مرضی سے حصّہ لینا پسند کیا، اس کو منظور کیا اور اس کی مدد کی اور جس کا جی نہ چاہا اس کو عافیت سے رہنے دیا، تھوڑے ہی دنوں بعد امیر معاویہؓ نے بحری بیڑہ تیار کیا اور پچاس یا اس سے بھی زیادہ بحری لڑائیاں لڑیں، یہ دیکھ کر مصر کے گورنر عبداللہ ابن ابی سرح کی رگ حمیت بھی پھڑکی، اور ان کے نقش قدم پر چل پڑا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قبرص پر شام کی طرف سے امیر معاویہؓ نے اور مصر کی طرف سے ابن ابی سرح نے حملہ کیا اور دونوں کی

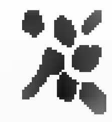
فوجیں جزیرے میں آکر مل گئیں،

رومی شہروں سے متصل سرحدوں کی حفاظت بھی امیر معاویہؓ کا ایک فرض تھا، چنانچہ وہ سرما اور گرما دونوں موسموں میں دشمنوں سے نبرد آزما رہتے اور اس طرح کافی مال غنیمت حاصل کر کے ایک طرف فوج کو خوش کرتے اور دوسری طرف بیت المال کو کامیاب بناتے،

اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ ہی نے امیر معاویہؓ کے لئے وہ راستہ ہموار کیا، جس پر چل کر ان کو موقع ملا کہ وہ ایک دن ابی سفیان کی اولاد میں خلافت منتقل کر کے اس کو بنی امیہ کے لئے مستقل کر دیں، حضرت عثمانؓ ہی نے حمص اور فلسطین کو ضم کر کے امیر معاویہؓ کے حدود حکومت میں وسعت کر دی، اور ایک شامی وحدت بنا دی، جس کے گوشے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ ہی نے بڑے بڑے مرکزی شہروں کی قیادت ان کو دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے قوی فوج ان کے قبضے میں تھی، پھر حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے پورے دور میں حکومت کے معاملات میں ان کو موقع دیتے رہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے دیا، پھر شام کے معاملات میں انھوں نے حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ اُن کو اختیار اور آزادی دے دی، پھر جب فتنے کے دن آئے تو امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ حاکموں میں وہ سب سے زیادہ پرانے گورنر ہیں ان کی فوج سب سے زیادہ طاقتور فوج ہے، اور وہ تمام حاکموں سے زیادہ اپنی رعایا پر قابو رکھتے ہیں،

اگر حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے، تو ان کے بس میں تھا کہ وہ دمشق اور اُردن پر امیر معاویہؓ کو رکھتے، اور حمص اور فلسطین کی حکومتوں کو براہ راست مدینہ سے ملا دیتے اگر وہ ایسا کرتے، تو ایک طرف حضرت عمرؓ کی اتباع کرتے اور دوسری طرف ممتاز صحابہؓ اور نوجوان عربوں کے لئے ایسے کام مہیا کر سکتے جن سے اُن کی بیکاری دور ہوتی، ان کی ناراضی اور غصّے کی بھی روک تھام ہوتی، اور مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کرنے والے جذبات بھی مردہ ہو سکتے اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرتے تو فتنے کی آگ بھڑک اٹھنے پر امیر معاویہؓ من مانے اقدامات نہ کر سکتے، اور مسلمانوں کو موقع ملتا کہ وہ اپنے معاملات شوریٰ کے ذریعے طے کرتے

لیکن امیر معاویہؓ کو ان کی وسیع اور مضبوط حکومت نے قدم جمانے کا موقع دیا، اور ایسی فرصت مہیا کی، کہ وہ مصر میں اپنا آدمی بھیج کر اس کو مرکزی خلافت سے الگ کر دیں، حجاز اور دوسرے عربی بلاد میں حضرت علیؓ کے خلاف اپنی حمایت کی فضا پیدا کریں، اور حضرت علیؓ جب آنکھ کھولیں تو ان کو معلوم ہو کہ امیر معاویہؓ حکومت کے بہترین شہروں اور صوبوں پر قابض ہیں، یہ سب امیر معاویہؓ کی مہارت اور ان کی زبردست حکومت کا کرشمہ ہے،



عمرو بن العاصؓ کی معزولی
اور
ابن ابی سرح کا تقرر

شام کو چھوڑ کر اگر ہم مغرب کی طرف چل پڑیں تو مصر پہونچیں گے، حضرت عمرؓ نے مصر پر عمرو بن العاصؓ کو حاکم مقرر کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اُن کو دوسرے فاروقی حاکموں کی طرح باقی رکھا، لیکن جیسے ہی ایک سال پورا ہوا اُن کے رشتہ داروں کی نگاہیں ادھر اُٹھنے لگیں، عمرو بن العاصؓ کی معزولی اور ان کی جگہ ابن ابی سرح کے تقرر میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ مصریوں نے حضرت عثمانؓ سے عمرو بن العاصؓ کی شکایت کی اس پر انہوں نے اُن کو برطرف کیا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کی معزولی مصریوں کی ناراضی یا شکایت کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ وہ ایک چال تھی جس سے ایک حاکم معزول اور اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو گیا، راویوں کے بیانات سے جو بات نمایاں ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ ابن ابی سرح کو کسی بڑے کام کے لئے پیش کر رہے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے افریقیا پر حملہ کیا اور مختصر سا مال غنیمت لے کر واپس آ گئے، اس سلسلے میں مناسب بات یہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنے مصر کے حاکم ہی کو یہ موقع دیتے کہ وہ اپنی سرحدوں پر پہلے اطلاعی اور پھر فاتحانہ اقدام کرتا، جیسا کہ کوفہ، بصرہ اور شام کے صوبوں میں وہاں کے حاکم کرتے رہتے ہیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مزید اقدام سے روک دیا، اور افریقیا ایک فوج بھیجی جو مصر کے گورنر کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ اس کا تعلق براہ راست مدینہ سے تھا، اور اس فوج کا امیر عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح کو مقرر کیا، اور اس کو کہا کہ اگر تو نے افریقیا فتح کر لیا تو مالِ غنیمت میں تجھ کو خمس کا پانچواں حصہ ملے گا۔

ایک فطری بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل سے عمرو بن العاصؓ ناراض ہوں اس لئے

کہ اس طرح انھوں نے اہم عہدوں میں مصر کے والی کا درجہ کم کردیا، حضرت عمرؓ اس سے قبل سرحدوں پر خود فوجیں نہیں بھیجا کرتے تھے یہ معاملہ صوبوں کے گورنروں کا تھا، رومی سرحدوں پر امیر معاویہؓ اور سرزمینِ فارس میں بصرہ اور کوفہ کے حاکم معرکہ آرا تھے، ان معرکوں میں خلیفہ کا مشورہ ضرور لیاجاتا تھالیکن اصل کمان اور نگرانی گورنروں کی تھی، جن کو نظرانداز نہیں کیاجاسکتا تھا

حضرت عثمانؓ نے افریقیا کی فتح پر غیر معمولی توجہ کی اور ابن ابی سرح کی نصرت اور قوت کے لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ساتھ کردی، جس میں چند صحابہؓ اور کچھ قریش کے نوجوان اور بہت سے انصاری شریک تھے، اور تاکید کردی کہ افریقیا کی فتح سے فارغ ہوکر فوج کا ایک دستہ بحری راستے سے اندلس سے مقابلہ کے لئے بھیجدینا۔ ابن ابی سرح نے افریقیا فتح کرلیا، اور بہت سا مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کیا اور خمس کا پانچواں حصّہ لے کر باقی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجدیا، کہا جاتا ہے کہ اس پانچویں حصے کو مروان بن الحکم نے ایک لاکھ یا دولاکھ دینار میں خرید لیا، اور قیمت کا کچھ حصہ ادا کیا باقی حضرت عثمانؓ نے اس کو ہبہ کردیا، راویوں کا بیان ہے کہ ابن ابی سرح کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے اس امتیاز سے فوجی سخت ناراض ہوتے اور اس سلسلے میں گفت وشنید کے لئے ایک وفد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے عبداللہ کو اس کے حصے سے کچھ زیادہ دیا ہے، اگر تمھیں بھی منظور ہو تو رہنے دو اور اگر تم ناراض ہوتے ہو تو عبداللہ کو واپس کرنا ہوگا۔ وفد نے جواباً کہا کہ ہم سب سخت ناراض ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا تو پھر وہ واپس ہے اس کے بعد وفد نے مطالبہ کیا کہ عبداللہ کو برطرف کردیا جائے اس لئے کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس کے بعد ہمارے ان کے تعلقات اچھے نہیں رہ سکتے، یہ بات حضرت عثمانؓ نے مان لی، اور عبداللہ کو لکھا کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ واپس کردے، اور برطرف ہوجائے عبداللہ اس کے بعد مصر آتے، اور ان کا دل ناکامی اور حسرت کے جذبات سے ملول تھا کہ اللہ نے ان کے ہاتھ پر ایک اہم سرزمین کی فتح لکھی تھی، اور پھر ان کو اپنی مفتوحہ سرزمین سے واپس آنا پڑا، اور اس مال سے بھی محروم ہونا پڑا، جو حضرت عثمانؓ کا عطیہ تھا، اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار عبداللہ ابن سعد کے اس واقعے سے برہم ہوتے اور چاہا کہ ان کو اس سے بہتر سے بہتر معاوضہ بہرحال ملے، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ لگے رہے، تاآنکہ

انھوں نے عبداللہ کو مصر میں خراج کی وصولی کا افسر مقرر کیا اور عمرو بن العاصؓ کے ذمے جنگ اور انتظام کے معاملات رکھے۔ اس کا لازمی نتیجہ دونوں میں اختلاف کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، ہو سکتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے عبداللہ کو بعض ایسی کارروائیوں پر آمادہ کیا ہو جس کے نتیجہ میں افریقیا کی حکومت بھی گئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بھی چھن گیا، واقعہ کچھ بھی ہوا ہو بہر حال دونوں میں بدمزگی اور اختلاف پیدا ہو گیا، اس کے بعد عبداللہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ خراج کی وصولی کی راہ میں عمرو بن العاصؓ رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں، اور عمرو بن العاصؓ نے یہ شکایت کی کہ عبداللہ جنگی تدابیر میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ عبداللہ کو مدینہ بلا لیتے اور مصر کی حکومت عمرو بن العاصؓ کے ماتحت رہنے دیتے، فاروق اعظمؓ دنیا سے ان کی حکومت سے خوش گئے تھے، اور اگر تبدیلی کے بغیر چارہ نہ تھا تو دونوں کو برطرف کر دیتے اور مصر کے معاملات کسی دوسرے قریشی یا غیر قریشی کے حوالے کرتے اس طرح عمرو بن العاصؓ کے غصے کا زور توڑ دینا اور کچھ دلوں کے لئے قریش کی یاری موقوف کر دینا ایک معقول بات ہوتی، لیکن انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا، اور مالیات اور انتظام دونوں شعبے عبداللہ کے سپرد کر دیئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے عمرو بن العاص کو اپنا ایک مستقل مخالف بنا لیا۔

حضرت عثمانؓ اور عمرو بن العاصؓ میں بدمزگی یہیں تک آ کر نہیں رکی بلکہ بات کچھ اور آگے بڑھی، حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ اشارتاً اور دوسری مرتبہ صراحتہً عمرو بن العاص کی دیانت پر شک بھی کیا، چنانچہ عمرو بن العاص ایک دن حضرت عثمان کے پاس بھر تو جبہ پہن کر آئے خلیفہ نے سوال کیا کہ جبے میں کیا ہے؟ جواب ملا عمرو بن العاصؓ، حضرت عثمانؓ نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ جبے میں تم ہو میرا مقصد یہ ہے کہ جبے میں روئی بھری ہے یا کوئی اور شئے،

ابن ابی سرح نے مصر سے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا، یہ مال جب حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ رہا تھا، تو عمرو بن العاصؓ وہاں موجود تھے، حضرت عثمانؓ نے کہا عمرو! تمہیں کچھ پتہ ہے اس اونٹنی نے تمہارے بعد بہت زیادہ دودھ دیا، عمرو بن العاصؓ نے

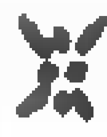
جواب دیا کہ ہاں لیکن اس کے بچے سب مر گئے ۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ یہ بتانا چاہتے تھے کہ عمرو بن العاصؓ مال کا کچھ حصّہ خود رکھ لیا کرتے تھے ، عمرو بن العاصؓ نے اپنے جواب میں بتایا کہ حضرت عثمانؓ کا عامل مصریوں سے ناقابل برداشت خراج وصول کرتا ہے ،

عبداللہ بن سعد راست باز آدمی نہ تھا ، مسلمان بھی اس سے خوش نہ تھے پھر یہ وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی کی ، اور حد سے بڑھا ہوا مذاق کیا ، قرآن مجید نے اُس کی تکفیر اور بُرائی کی ہے ، یہ عبداللہ قرآن مجید کا مذاق کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ اللہ کی طرح میں بھی قرآن نازل کروں گا ، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن جن لوگوں کے خون کا اعلان کیا تھا اُن میں یہ عبداللہ بھی تھا ، لیکن حضرت عثمانؓ اس کو مسلمان بنا کر حضرتؐ کی خدمت میں لائے ، تب آپ مجبور ہو گئے[1] اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مصری عبداللہ کے طرز عمل سے خوش نہ تھے ، وہ اُن کی طاقت کے باہر اُن سے وصول کرتا تھا جس کی طرف ، عمرو بن العاصؓ نے اشارہ کیا ہے ، معلوم یہ ہوتا ہے کہ عبداللہ مصر کے غیر قریشی عربوں پر فوقیت اور برتری کا ایسا مظاہرہ کرتا تھا ، جس نے ان کو سخت مخالف اور برداشتہ خاطر بنا دیا ، اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کی ، حضرت عثمانؓ نے عتاب نامہ بھیجا ، جس میں عبداللہ کو سخت تنبیہ کی اور حکم دیا کہ رعایا جس بات سے ناخوش ہو اس سے باز رہے ، لیکن عبداللہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی ، الٹے شکایت کرنے والوں کو سزا دی اور ایک کو تو اتنا مارا کہ وہ مر ہی گیا[1] ، اس کے بعد تو نہ صرف مصری ہی ناراض ہوئے بلکہ صحابہؓ کرام کو بھی غصّہ آگیا ، اور انھوں نے حضرت عثمانؓ پر زور ڈالا ، تب آپ نے اس کو معزول کر دیا ، اور محمد بن ابوبکرؓ کو فرمان ولایت لکھ کر دیا اور ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کر دی کہ عبداللہ اور مصریوں کے درمیان جو جھگڑا ہے اس کی تحقیقات کریں اس لئے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا تھا کہ پہلے تو وہ عبداللہ کو معزول کر دیں اور پھر اس پر قتل کا جو الزام ہے اس کی تحقیقات کرائیں ، اگر الزام ثابت ہو جائے تو قصاص لیں ، حضرت عثمانؓ کا محمد بن ابوبکرؓ کو مصر کا والی بنانا مسلمانوں کے لئے بڑی نحوست

[1] انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ قدس ص ۲۶

کا سبب بنا ۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والی پہلی ٹولی یہیں سے نکلی ، پھر عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کے لوگ بھی اس ٹولی کے شریک ہو گئے ۔

ہاں عبداللہ ایک بہادر ، جری اور بے باک اور فتوحات میں کامیاب تھا ، افریقیا سے رومیوں کو مار بھگایا ، قبرص کی جنگ میں حصّہ لیا ، مقام ذات الصواری میں رومی بیڑے کو شکست دی ، لیکن بہرحال وہ ایک دنیا دار آدمی تھا ، دین سے اس کو کچھ نسبت نہ تھی ،



محمدؓ بن ابو حذیفہ اور محمدؓ ابن ابو بکرؓ

مصر میں حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکم کی پالیسی سے بحث نامکمل رہے گی، اگر ہم ان دو قریشی جوانوں کا تذکرہ نہ کریں جن کا اس پالیسی کے انجام یعنی بغاوت سے بہت گہرا تعلق ہے یہ دونوں جوان محمدؓ ابن ابو حذیفہؓ اور محمدؓ ابن ابو بکرؓ ہیں، اول الذکر ایک معزز خاندان والے شریف باپ کے شریف بیٹے ہیں، ان کے باپ کا قریشی سرداروں میں ایک ممتاز درجہ ہے ان کا نام عتبہ ابن ربیعہ ہے ان کی لڑکی کا نام ہند ہے جو ابو سفیانؓ کی بیوی اور امیر معاویہؓ کی ماں ہیں، ابو حذیفہؓ اسلام کے سابقین میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار الارقم میں داخل ہونے اور اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اسلام لائے پھر اپنی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ گئے اس کے بعد دوسرے مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان تمام اوصاف پر مزید یہ کہ دین کے سلسلے میں کڑی مصیبتیں اٹھائیں، ایمان، یقین اور پورے جوش وخروش کے ساتھ بدر کے معرکے میں شریک رہے، ان کے ایمان کا کیا کہنا خود اپنے باپ کو مقابلے کی دعوت دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے پھر آخر میں صدیق اکبر کے دور میں یمامہ کے معرکے میں شہید ہوئے یہ محمدؓ ان کے لڑکے حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، باپ کی شہادت کے وقت بالکل نوجوان تھے چودہ یا پندرہ سال کی عمر تھی،

باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے کفالت کی اور اپنی زیر نگرانی رکھا پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اس نوجوان نے خیال کیا کہ دوسرے قریشی نوجوان خصوصاً حضرت عثمانؓ کے عزیزوں کی طرح اس کو بھی حکومت میں کوئی حصہ ملے گا، لیکن راویوں کے بیان کے مطابق یہ نوجوان دین کا زیادہ پابند نہ تھا، کہتے ہیں کہ اس نے شراب پی، اور حضرت عثمانؓ نے اس پر حد جاری کی، معلوم نہیں یہ بات مستند ہے یا نہیں؟ لیکن قابل ذکر

بات یہ ہے کہ ایک دن اس نوجوان نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوئی خدمت اس کے سپرد کی جائے، حضرت عثمانؓ نے انکار کرتے ہوئے اس سے کہا اگر میں تم میں کوئی اہلیت پاتا تو ضرور کسی خدمت پر مامور کر دیتا۔ لیکن تم اہل نہیں ہو، نوجوان نے کہا پھر مجھے کہیں جانے کی اجازت دیجئے اور میری مدد کیجئے حضرت عثمانؓ نے اس کو کچھ دیا اور اجازت دیدی کہ جہاں چاہو چلے جاؤ، پس وہ مصر چلا آیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر نکلا، اس کی ناراضی کا سبب خواہ شراب کی سزا رہی ہو اگر پینے کی بات صحیح ہے یا گورنری کا نہ ملنا جو ولید، سعید اور عبداللہ بن عامر جیسوں کو مل چکی تھی، اس نے مصر پہنچتے ہی حضرت عثمانؓ کی پالیسی کی مخالفت اور ان کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف شور و غوغا شروع کر دیا

دوسرا نوجوان محمد ابن ابوبکرؓ، تو اُن کی بزرگی اور شرافت کے لئے یہی کہدینا کافی ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ کے بیٹے، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھائی ہیں، پھر وہ بھی ایک قریشی نوجوان ہیں، ان کو بھی تمام قریشیوں کی طرح اپنی برتری کا احساس تھا، اُن کو اپنے باپ اور بہن پر ناز تھا، جو مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزیز ترین تھے، یقیناً وہ حضرت عثمانؓ سے متوقع تھے کہ اُن کے درجے کا خیال رکھیں گے اور ان کے باپ اور بہن کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں کہیں کا والی بنا دیں گے جس طرح وہ اپنے متعلقین کو نواز رہے ہیں، جن کی حیثیت نہ ان سے بلند ہے اور نہ اول، لیکن حضرت عثمانؓ نے کچھ خیال نہیں کیا، اور ان کو کوئی وزن نہیں دیا، اور وہ تمام قریشی نوجوانوں کو یا ان کی اکثریت کو والی بنا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ نوجوان تو بہت تھے اور عہدے بہر حال کم لیکن حضرت عثمانؓ نے قریشی نوجوانوں کی ایک جماعت کو منظور نظر اور دوسروں کو نظر انداز کر کے ناکام نوجوانوں میں ایک قسم کی دشمنی اور حسد پیدا کر دیا تھا چنانچہ محمد بن ابوبکرؓ مدینہ سے مصر کے ارادے سے نکلے، محمد بن ابو حذیفہ بھی نکل چکے تھے، ان دونوں کی ملاقات راستے میں یا مصر پہنچ کر ہوئی، ان دونوں کے مصر پہنچتے ہی عبداللہ بن سعد نے سمجھ لیا کہ یہ کسی نیک ارادے سے نہیں آئے، چنانچہ اُس نے اُن کو ڈرایا دھمکایا، لیکن انہوں نے اس کا کچھ بھی اثر نہیں لیا

محمد ابن ابو حذیفہؓ اپنی تنقید میں زیادہ صاف گو اور خلیفہ اور اس کی مخالفت میں سخت تھے اتنے سخت کہ حاکم کو اس کے منہ پر اور لوگوں کے سامنے برا بھلا بولنے میں ان کو ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی تھی، راویوں کا بیان ہے کہ وہ عام لوگوں کو متوجہ کرنے اور حاکم کو چیلنج دینے کے خیال سے مسجد میں جب حاکم نماز سے فراغت پاتا تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے، کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے ان کو بلا کر منع کیا کہ وہ ایسا نہ کیا کریں لیکن وہ باز نہ آتے، عبداللہ نے انہیں احمق کہا اور دھمکی دی کہ وہ اپنی تیزی کم کریں لیکن نوجوان نے ذرا بھی توجہ نہ کی، اور کچھ بھی اثر نہیں لیا، پھر عبداللہ رومیوں سے جنگ کے لئے نکلا تو یہ دونوں محمد بھی نکلے عبداللہ اس ڈر سے کہ کہیں ان لوگوں کی وجہ سے فوج متاثر نہ ہو ان کو ایسے جہاز میں سوار ہونے پر مجبور کیا جس میں اُن کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا سب کے سب قبطی تھے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ محمد ابن ابو بکرؓ بیمار ہوگئے اس لئے وہ مصر ہی میں مقیم رہے، اور محمد ابن ابو حذیفہؓ نکلے، غالب گمان یہ ہے کہ اُن میں سے ایک مصر میں رہ گیا تاکہ عبداللہ کی غیر حاضری میں فضا خراب کرے اور دوسرا فوج میں اپنی تحریک کی اشاعت کرے،

اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، عبداللہ رومی بیڑے کو شکست دے کر کامیاب واپس آیا، لیکن ابن ابو حذیفہؓ لشکر میں اپنا کام کر چکے تھے، عبداللہ اور خلیفہ دونوں کے خلاف فوج میں برے خیالات کی اشاعت کر دی تھی، وہ مجاہدین کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے کہ تم جہاد جہاد چلاتے ہو، حالانکہ جہاد کا میدان مدینہ منورہ ہے جہاں عثمانؓ مقیم ہیں، اور امت پر کتاب وسنت اور شیخینؓ کے طرز عمل کے خلاف حکومت کر رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو معزول کرتے ہیں، اور مسلمانوں پر مسخروں اور فاسقوں کی ایک ٹولی مسلط کر رہے ہیں، تم اپنے حاکم اور جہاد کے افسر ہی کو دیکھ لو یہی تو وہ آدمی ہے جس کے کفر کا خود قرآن شاہد ہے، جس کے خون کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا، لیکن اس کے باوجود عثمانؓ نے اس کو تمہارا والی بنا دیا، اس لئے کہ وہ ان کا رضاعی بھائی ہے، ذرا اس پر تو نظر ڈالو کہ تمہارے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے، کیا تم اس کو آنحضرت صلعم اور شیخینؓ کی راہ پر پاتے ہو؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ تمہارے کاموں اور مالوں میں کم و بیش

کرتا ہے اور تم کو ایسے کام اور مال کا مکلف کرتا ہے جس کی تم میں طاقت نہیں، یہ وہ خیالات اور افکار ہیں جو محمد ابن ابی حذیفہؓ فوجیوں میں اور محمد ابن ابو بکرؓ مصریوں میں پھیلاتے تھے جنگ سے واپسی پر مصری ان دونوں کے پاس جمع ہونے لگے اور ان کی باتیں سننے لگے، اب عبداللہ بن سعد کو ان سے خطرہ پیدا ہوگیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع کردی، اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت چاہی، کہا جاتا ہے کہ عمار بن یاسرؓ کو حضرت عثمان نے مصر بھیجا کہ وہ ان دونوں کی رپورٹ دیں، اور نصیحت کرکے ان کو ٹھنڈا کریں، اور خود عبداللہ کے بارے میں بھی اطلاع دیں لیکن بقول راویوں کے عمار بن یاسرؓ مصر پہنچتے ہی ان دونوں نوجوانوں کے ساتھی بن گئے اور ان کے ہمنوا ہوکر عوام کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانے لگے، عبداللہ یہ دیکھ کر چلا اٹھا اور حضرت عثمانؓ کو خط لکھا جس میں پوری قوت کے ساتھ ان تینوں سے مواخذہ کی اجازت پر سخت اصرار کیا، لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کو جواب میں سخت سست کہا اور حکم دیا کہ عمارؓ کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرے اور عزت واحترام کے ساتھ مدینہ واپس کردے اور صدیق اکبرؓ اور عائشہ صدیقہؓ کے احترام کے پیش نظر محمد ابن ابو بکرؓ سے درگذر کرے اور محمد بن ابو حذیفہؓ کو بھی چھوڑ دے وہ میرا لڑکا ہے میرا پروردہ اور قریش کی چڑیا

میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ عمارؓ کو مصر نہیں بھیجا گیا، اور نہ انھوں نے ان دونوں نوجوانوں کے ساتھ مل کر بغاوت پر آمادہ کرنے کے کام میں حصہ لیا، بلکہ یہ ایک افسانہ ہے جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے معذرت کرنے والوں نے اس قضیہ سے متاثر ہوکر گڑھا، جو عمار بن یاسرؓ اور حضرت عثمان کے درمیان تھا، اور جس کا ذکر آگے آئے گا لیکن جو بات ناقابلِ انکار ہے وہ یہ کہ یہ دونوں محمد مصر آئے اور عوام کو حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکم کے خلاف بھڑکایا، اور حضرت عثمانؓ نے نرمی اور نیک سلوک کرکے اُن کو راضی کرنا چاہا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے محمد ابن حذیفہؓ کو کچھ مال اور کپڑا بھیجا، جسے مسجد میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرکے محمد نے کہا دیکھو، عثمانؓ مجھے یہ رشوت دے کر میرے مسلک سے پھرانا چاہتے ہیں،

یہ دونوں محمد اسی طرح مصریوں میں مخالفت اور مقابلے کی تحریک پھیلاتے رہے تا آنکہ ایک بڑی تعداد ان کی ہمنوا بن گئی، ایسی ہمنوا کہ مصریوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کا مخالف اور باغی کوئی

نہ تھا، ہمارا خیال ہے کہ ان دونوں جوانوں کے غیض وغضب کا باعث حضرت عثمانؓ کا یہ طرز عمل ہے کہ آپ نے قریشی نوجوانوں کی ایک جماعت کو موقع دیا اور دوسروں سے بے توجہی برتی اور یہ کہ ان قابل اور اہلیت کے مالک افراد کو نظرانداز کیا جنھوں نے اسلام کی راہ میں مصائب اور مشقتیں برداشت کی تھیں، اور ان لوگوں کو خدمتوں پر مامور کیا جن کی قابلیت اور درجہ خواہ کتنا ہی اونچا رہا ہو، لیکن وہ سابقین میں نہ تھے اور نہ سیرت اور کیرکٹر کی عمدگی کے اعتبار سے ان میں کوئی امتیاز تھا، حضرت عثمانؓ سے لوگوں اور خصوصاً نوجوانوں کی ناراضی اور غصے کا اندازہ کرنا ہو تو وہ خط پڑھنا کافی ہوگا جو اشتر نے حضرت عثمانؓ کو اس وقت لکھا تھا جب کوفہ والوں نے سعید بن العاص کو اپنی ناراضی کی بنا پر واپس کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے دانائی سے کام لینے کی تاکید کی تھی، اور پوچھا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟

اُشتر کا خط حضرت عثمانؓ کے نام

اُشتر نے حضرت عثمانؓ کو لکھا:-

مالک ابن حارث کی طرف سے اس خلیفہ کے نام جو آلودہ اور خطاکار ہے جو اپنے نبیؐ کی راہ سے ہٹا ہوا ہے جس نے قرآن کے حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

امابعد - ہم نے آپ کا خط پڑھا، آپ کو آپ کے عمّال کو ظلم وزیادتی سے باز آجانا چاہیئے، بزرگوں اور نیکوں کو شہر بدر نہیں کرنا چاہیئے، ہمیں آپ کی اطاعت منظور ہے، آپ کا خیال ہے کہ ہم نے خود زیادتی کی ہے، یہی آپ کی وہ بدگمانی ہے جس نے آپ گڑھے میں ڈال رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے آپ کو ظلم انصاف اور باطل حق نظر آتا ہے، اب رہی ہماری محبت تو آپ ہمارے بزرگوں پر زیادتی کرنے سے، ہم کو اور ہمارے صالحین کو جلاوطن کرنے سے اور ہم پر نوجوانوں کو حاکم بنانے سے باز آجائیے، توبہ کیجیئے، اور خدا سے مغفرت کی طلب کیجیئے اور ہمارے شہر کا حاکم عبداللہ ابن قیسؓ ابوموسیٰ اشعریؓ اور حذیفہؓ کو بنائیے، کہ ہم ان سے راضی اور خوش ہیں، اور اپنے ولید، اپنے سعید، اور اپنے گھرانے کے اپنی پسند کے حاکموں سے ہم کو

معاف رکھیئے ـــــ والسلام [1] "

تم نے دیکھا اشتر نہ حضرت عثمانؓ کی اطاعت سے گریز کرتا ہے اور نہ ان کی امامت کا انکار ہاں ان پر ظلم کرنے کا، سنت ترک کرنے کا اور قرآن مجید پس پشت ڈال رکھنے کا الزام لگاتا ہے، نوجوانوں کو حاکم بنانے کا اور مسلمانوں کو جلاوطن کرنے کا الزام بھی لگاتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سے رک جائیں اور یہ کہ کوفہ کے انتظامی اور جنگی معاملات کا والی ابوموسیٰؓ کو خراج کی وصولی کا حاکم حذیفۃ الیمانؓ کو مقرر کریں، اگر ایسا کردیں تو کوفہ والوں کی اطاعت ان کے سامنے ہے،

اشتر کے اس جملے پر غور کیجئے :-

"ہم کو اپنے سعید، اپنے ولید اور اپنے گھر کے اپنی پسند کے حاکموں سے باز رکھیئے"

اس لئے کہ اس میں اس غیظ و غضب کی تصویر کھینچی گئی ہے جو کوفہ والوں کو حضرت عثمانؓ سے اس لئے تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو موقع دیتے تھے، اور ابوموسیٰؓ، اور حذیفہؓ جیسی شخصیتوں کو نظر انداز کرتے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے یہ خط پڑھا تو فرمایا "اے خدا میں توبہ کرتا ہوں" اور ابوموسیٰؓ اور حذیفہؓ کو لکھا کہ کوفہ والے تم سے راضی ہیں اور ہم کو بھی تمہارا اعتماد حاصل ہے پس ان کے معاملات اپنے ہاتھ میں لو اور حق کے ساتھ حکمرانی کرو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت کرے،

حضرت عثمانؓ تک عتبہ بن دعل کا یہ شعر پہنچا،

تصدق علینا یا بن عفان واحتسب

وامر علینا الاشعری لیالیا

اے عفان کے بیٹے چند راتوں ہی کے لئے ہم پر ابوموسیٰ اشعریؓ کو امیر بنا دے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر میں باقی رہا تو چند راتیں نہیں مہینوں تک کے لئے [2]

[1] انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۴۶ مطبوعہ القدس، [2] انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۴۷ مطبوعہ القدس

عبداللہ بن سبا

ایک قصہ اور ہے جسے پچھلے راویوں نے بڑی اہمیت دی ہے اور بہت سے نئے اور پرانے لوگ اس کو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا سبب خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی اب تک نہ مٹنے والی فرقہ بندی کا باعث یہی ہے، یہ قصہ عبداللہ ابن سبا کا ہے جسے ابن السوداء بھی کہتے ہیں راویوں کا بیان ہے کہ عبداللہ ابن سبا صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی تھا، اس کی ماں حبشی تھی وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمان ہوا، اس کے بعد شہروں کا گشت کرنے لگا، جہاں جاتا خلیفہ کی مخالفت کرتا لوگوں بھڑکاتا اور ان میں ایسی نئی باتیں پھیلاتا جن سے مذہب اور سیاست دونوں کے بارے میں عوام کے خیالات خراب ہوں کہتے ہیں کہ وہ بصرہ آیا، اور ابھی قیام بھی نہیں کر سکا تھا کہ لوگوں نے عبداللہ بن عامر کو اس کی اطلاع کردی جس نے اس کو بصرہ سے نکالدیا، پھر وہ شام چلا گیا اور وہاں ابوذرؓ سے ملا، امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہا کہ وہ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال بتاتے ہیں، ابوذرؓ پر اس کی باتوں کا بڑا اثر ہوا اور انھوں نے امیر معاویہؓ سے اس کے متعلق گفتگو کی، اس کے بعد عبداللہ ابن سبا نے عبادہ بن صامتؓ سے ملاقات کی اور چاہا کہ ابوذرؓ کی طرح ان سے بھی کچھ کہے لیکن عبادہؓ اس کو پکڑ کر امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اس سے ملک کے لئے خطرہ ہے تب امیر معاویہؓ نے اس کو شام سے نکال دیا، اس کے بعد وہ مصر چلا گیا، جہاں اس کو اپنے مکروفریب اور اپنی نئی باتوں کے لئے زرخیز زمین ملی چنانچہ لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق دار تو رسول اللہ علیہ وسلم ہیں، کہ پھر لوٹ کر آئیں قرآن مجید میں ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ - اسی طرح اس نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے آنحضرتؐ کے وصی علیؓ ہیں، اور حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں جس طرح آنحضرتؐ خاتم الانبیاء ہیں،

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلامی شہروں میں جو فتنے اور فسادات رونما ہوئے

بہت سے لوگ اس کو اسی عبداللہ ابن سبا کی طرف منسوب کرتے ہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنا مکر بہت مضبوط کر چکا تھا، چنانچہ شہروں میں خفیہ انجمنیں بنائی تھیں جن میں پوشیدہ طور پر شر و فساد کی دعوت دی جاتی تھی، پھر جب تدبیریں مکمل ہو گئیں تو خلیفہ پر ٹوٹ پڑے، اور بغاوت، محاصرہ اور شہادت کے واقعات ہوئے۔

میرا خیال ہے کہ ابن سبا کی بات کو اتنا بڑھانے چڑھانے والے اپنی ذات پر اور تاریخ پر بڑی زیادتی کرنے والے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اہم مصادر جن میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی تفصیل ہے، ابن سبا کے ذکر سے خالی ہیں، چنانچہ ابن سعد حضرت عثمانؓ کی خلافت اور لوگوں کی ان سے مخالفت کے حالات بیان کرتے ہیں ابن سبا کا کوئی تذکرہ تک نہیں کرتے اسی طرح انساب الاشراف میں بلاذری اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے اور میرا خیال ہے کہ انساب الاشراف سب سے زیادہ اہم ماخذ ہے، جس میں حضرت عثمانؓ کے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، ہاں طبری نے سیف ابن عمر کی روایت سے ابن سبا کا ذکر کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے آنے والے مورخین نے طبری ہی سے لیا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ابن سبا کی کچھ بات تھی بھی یا نہیں، لیکن اس کا مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی کوئی بات تھی تو وہ ناقابل ذکر، مسلمان حضرت عثمانؓ کے دور میں اتنے گئے گذرے نہ تھے کہ ان کے افکار اور اقتدار سے ایک اجنبی اہل کتاب شوخی کرتا، جو ابھی عثمانی عہد میں مسلمان ہوتا ہے اور مسلمان ہوتے ہی تمام اسلامی بلاد میں فتنہ و فساد پھیلانے کی ذمہ داری بھی اپنے ذمے لے لیتا ہے، اگر عبداللہ ابن عامر یا امیر معاویہؓ اس اجنبی کو جو یہودی تھا پکڑتے اور بازپرس کرتے تو اس کے سوا مفر نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے والا ایک مکار ثابت ہوتا پھر تو وہ حضرت عثمانؓ کو مطلع کرتے اور یہ اپنی سزا کو پہنچ جاتا، اور اگر کہیں عبداللہ ابن ابی سرح اس کو پا لیتے تو کسی حالت میں بھی معاف نہیں کرتے اور وہ سزا دیتے جو حضرت عثمانؓ کے خوف سے دونوں محمدوں کو نہیں دے سکے تھے۔

اور جو شخص ابن ابوبکرؓ کو، ابن ابو حذیفہؓ کو اور بعض روایات کے مطابق عمار بن یاسرؓ کو سزا دینے کی حضرت عثمانؓ سے اجازت چاہتا ہو، وہ ایک کتابی کو کس طرح معاف کر سکتا تھا

جس نے اسلام کو مسلمانوں میں نفاق اور تفرقے کا ذریعہ بنالیا تھا، اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ بلکہ پورے دین کی طرف سے مشکوک کرتا تھا اور پھر گورنروں کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ وہ اس اجنبی پر نظر رکھتے اور گرفتار کر کے سزا دیتے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ اپنے مخالفین اور مقابلہ کرنے والوں کا پتہ چلاتے، ان کو شہر بدر کرتے، امیر معاویہؓ یا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ تک پہنچانے میں کافی مہارت رکھتے تھے،

اس عبداللہ ابن سبا کے متعلق جو بات سب سے عجیب کہی جاتی ہے وہ یہ کہ اس نے ابوذرؓ کو امیر معاویہؓ کے اس خیال پر کہ مال سب اللہ کا ہے تنقید بتائی، اور بتایا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے، اب تو یہ کوئی دور کی بات نہیں ہے کہ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ابن سبا ہی نے ابوذرؓ کو امرا اور دولت مندوں پہ تنقید کرنا سکھایا، میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی، ابوذر قطعاً بے نیاز تھے کہ ایک نومسلم اجنبی ان کو بتائے کہ محتاجوں کا مالداروں پر کچھ حق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ چاندی سونا جمع کرنے والوں اور اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دیتا ہے، اور یہ کہ جو مال دشمن پر غلبہ پانے کے وقت مسلمان پاتے ہیں، یا وہ مال جو زکوٰۃ یا خراج کے طور پر بیت المال میں ادا کرتے ہیں یا وہ مال جو ذمی سے جزیہ یا خراج میں وصول ہوتا ہے یہ سب مال مسلمانوں کا ہے جو اُن کو فوراً مل جانا چاہئے، یا ملنے کا حکم ہو جانا چاہیے، ابوذرؓ کو اسلامی حقائق کی ان ابتدائی باتوں کو سیکھنے کے لئے اس اجنبی کی ضرورت بالکل نہیں وہ تو انصارؓ میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں، اور بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے وہ مسلمان ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور عرصہ تک رہے، قرآن مجید حفظ کیا اور خوب کیا، حدیث کی روایت کی اور اتقان کے ساتھ کی حقوق اور مالیات کے سلسلے میں آنحضرتؐ اور شیخینؓ کی روش اور طریقے کا اچھی طرح مشاہدہ کیا، دوسرے صحابہ کی طرح حلال حرام سمجھا،

پس جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ ابن سبا نے اپنی ملاقات میں ابوذرؓ کو بعض باتیں سکھائیں وہ اپنے اوپر اور حضرت ابوذرؓ پر ظلم کرتے ہیں اور ابن سبا کا درجہ اتنا اونچا کرتے ہیں جہاں تک پہنچنے کی خود ابن سبا کو بھی ہمت نہ تھی،

راویوں کا بیان ہے کہ شام سے مدینہ واپس آنے کے بعد ایک دن حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ زکوٰۃ ادا کر دینا ہی کافی نہیں، سائل کی ضرورت پوری کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ضروری ہے؛ اس موقع پر کعب احبارؓ حاضر تھے، انھوں نے سن کر کہا، جس نے زکوٰۃ ادا کر دی بس اس کے لئے کافی ہو گیا، حضرت ابوذرؓ غصہ ہوئے اور کعب سے کہا، یہودی کے بچے! یہ کہنے والا تو کون؟ کیا تو ہم کو ہمارا دین سکھاتا ہے؟ اور پھر اپنی لکڑی سے اُن کو مارا بھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوذرؓ کعب احبارؓ سے بھی دین سیکھنے کے روادار نہیں اور مسلمانوں کے معاملے میں کعبؓ کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق دار بھی خیال نہیں کرتے، حالانکہ کعبؓ ابن سبا سے بہت پرانے مسلمان ہیں وہ دن رات مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کیساتھ رہتے تھے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے پھر بھی ابوذرؓ عبداللہ بن سبا جیسے آدمی سے اسلام کا ایک اصول قرآن کا ایک حکم سیکھنے میں ذرا بھی جھجک کا اظہار نہیں کرتے ہیؔ کہ یہ صحابیؓ حیرت انگیز ہیں کہ کعبؓ سے دین کے متعلق گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتے، اور عبداللہ ابن سبا جیسے آدمی سے دین سیکھتے ہیں،

ابن سبا کے متعلق روایات میں جو کچھ ہے اس کے صحیح مان لینے پر، غالب گمان یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کیا اور کہا، وہ فتنہ اور اختلافات بڑھ جانے کے بعد، اس نے فتنہ جگایا نہیں فتنوں سے فائدہ اٹھایا، اسی طرح غالب گمان یہ ہے کہ اموی اور عباسی دور میں شیعوں کے مخالفین نے عبداللہ ابن سبا کے معاملے میں بڑے مبالغے سے کام لیا، تاکہ ایک طرف بعض ان واقعات کو مشکوک کر دیا جائے جو حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکموں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، اور دوسری طرف حضرت علیؓ اور شیعوں کی برائی کی جائے اور ان کے بعض خیالات کی بنیاد ایک ایسے نومسلم یہودی کو قرار دیا جائے جو مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے مسلمان بنا تھا اور اس سے تو آپ واقف ہی ہیں کہ شیعوں اور ان کے مخالفین نے باہم ایک دوسرے کے ساتھ بدکلامیوں کی اور برائیوں کی حد کر دی ہے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم کو سخت احتیاط اور پرہیز کی ضرورت ہے، صدر اسلام کے مسلمانوں کا درجہ ہماری نگاہوں میں اس سے اونچا ہونا چاہیے، کہ صنعاء سے آنے والے ایک آدمی جس کا باپ یہودی اور ماں حبشی تھی، جو خود بھی یہودی تھا پھر خوف یا اخلاص کی بنا پر نہیں

بلکہ دھوکہ دینے اور مکر پھیلانے کی غرض سے اسلام لایا، اس کی یہ مجال ہو کہ وہ ان کے دین، ان کی سیاست، ان کی عقل اور ان کی حکومت کے ساتھ مذاق کرے اور اس کو کامیابی کا موقع بھی ملے، چنانچہ اس نے مسلمانوں کو اتنا بھڑکایا کہ انھوں نے اپنے خلیفہ کا خون کر دیا، اور پھر ان کو فرقوں اور جماعتوں میں منتشر کر دیا،

اس قسم کی باتیں نہ معقول ہیں نہ تنقید کے معیار پر پوری اتر سکتی ہیں، اور نہ ایسی باتوں پر تاریخ کی بنیاد ہونی چاہیئے۔ بالکل کھلی ہوئی بات جس میں شک کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اس وقت کی اسلامی زندگی کا ماحول قدرتی طور پر چاہتا تھا کہ رایوں میں اختلاف اور خواہشوں میں فرق ہو باہم مختلف اور متضاد سیاسی مسلک قائم ہوں ایک طرف وہ لوگ جو قرآن کی آیات، نبیؐ کی سنت اور شیخینؓ کی سیرت کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، دیکھ رہے تھے کہ ایسے نئے نئے معاملات پیش آرہے ہیں، جن سے ان کی واقفیت نہیں وہ چاہتے تھے کہ ان معاملات کا مقابلہ حضرت عمرؓ کی طرح دوراندیشی، شدت اور استقلال اور رعایا کو سنبھال کر کریں، دوسری طرف قریشی اور غیر قریشی عرب نوجوان ان پیش آنے والے معاملات کا اپنی نئی زندگیوں سے استقبال کر رہے تھے، جس میں حرص تھی، اور حوصلہ بھی، غرض تھی اور بڑی بڑی امیدیں بھی اور ایسا ارادہ بھی جو کہیں رکنا جانتا نہ تھا، اور ان تمام باتوں کے ساتھ عہدوں اور منصب سے متعلق سب چیزوں میں مقابلہ کی نہایت تیز اسپرٹ تھی، پھر یہ نئے معاملات بجائے خود ایسے تھے جو بوڑھوں اور نوجوانوں کو اسی منزل پر لے جائیں جہاں وہ پہنچے، زمین کے بڑے بڑے خطے فتح ہو رہے تھے، ان خطوں سے بے شمار دولت پہنچ رہی تھی، ایسی حالت میں حیرت اور تعجب کی بات نہیں اگر وہ ان مفتوحہ علاقوں کی حکمرانی اور انتظام چلانے میں اور دولت سے نفع اٹھانے میں باہم مقابلہ کریں اور ابھی بہت سے ممالک فتح بھی نہیں ہوتے تھے اور حالت یہ تھی کہ ہر چیز ان کو فتح کی دعوت دے رہی تھی، تو کیوں نہ ان میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ وہ ان ممالک کے فتح کرنے میں سبقت کریں، اور کیوں نہ فاتحوں کی طرح، اگر دنیا کے طالب ہیں تو مال غنیمت، اور درجات کی بلندی میں، اور اگر عقبیٰ کے خواہاں ہیں تو اجر و ثواب کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کی کوشش کریں، اور پھر اتنی طویل و عریض

حکومت کے چلانے میں اور اتنی زبردست دولت و ثروت کے استعمال میں کیوں نہ آپس میں رایوں کا اختلاف ہو، ہرگز ہرگز حیرت کا مقام نہیں اگر قریش کے حریص اور حوصلہ مند جوان ان دروازوں کی طرف پل پڑیں جو ان کے سامنے کھولا گیا تاکہ وہ عزت، حکومت اور دولت تک پہنچ سکیں۔ اور نہ اس پر تعجب کرنا چاہیئے کہ ان قریشی نوجوانوں کے مقابلے کے لئے انصار اور دوسرے عرب قبیلے کے نوجوان ہمت کریں اور یہ دیکھ کر کہ خلیفہ ان کی راہ میں حائل ہے اور تمام بڑے اور اہم عہدوں پر صرف قریش اور بنی امیہ کے متعلقین کا تقرر کرتا ہے ان کے دل غیظ و غضب اور کینے سے بھر جائیں،

اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سعدؓ کو معزول کر کے ولید اور پھر سعید کو کوفہ کا گورنر بنایا، ابو موسیٰ کو معزول کر کے بصرے کا حاکم عبداللہ ابن عامر کو بنایا امیر معاویہؓ کو سارے ملک شام کی حکمرانی دے کر ممکنہ حد تک ان کی حکومت وسیع کر دی حالانکہ شام متعدد صوبوں کا مجموعہ تھا اور وہاں کے حکمرانوں میں قریش اور دوسرے عرب شریک رہا کرتے تھے، مصر سے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا اور یہ سب حکمران حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار ہیں، کوئی رضاعی بھائی ہے کوئی ماں کی طرف سے اُن کا بھائی ہے، کوئی ماموں ہے کوئی اُمیہ بن عبد شمس سے قریبی نسبت رکھنے کی وجہ سے آپ کا عزیز ہے۔

یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور ہم نہیں جانتے کہ ان تقررات اور معزولیوں کے لئے حضرت عثمانؓ کو ابن سبا نے آمادہ کیا تھا، اور پھر تمام زمانے میں لوگوں نے یہ بات معیوب سمجھی ہے کہ بادشاہ اور امرا حکومت کے معاملات میں اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دیں، تو یہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کی رعایا تھے وہ کوئی نئے قسم کے انسان نہ تھے۔ وہ بھی لوگوں کی طرح جو چیز بری تھی، اس کو معیوب سمجھنے لگے،

مخالفت کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی

بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مخالفت کی جو فضا تھی حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بڑی حد تک پاک تھا، دور دراز شہروں کی کیفیت ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں، لیکن خود مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے قریب مخالفت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے، اب تک ہم نے اس کا نقشہ پیش نہیں کیا، آنے والی فصل میں ہم اس سے بحث کریں گے اب تک ہم ناظرین کے ساتھ اہم اہم شہروں میں چکر لگا رہے تھے، جس سے وہاں کے باشندوں کا وہاں کے ہونے والے واقعات کا ہم کو پتہ چلا، لیکن اب جو سوال قابل بحث ہے اور جس کا جواب دینے کی ہم کوشش کریں گے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے طرز عمل کی مخالفت کہاں سے شروع ہوئی؟ مدینہ منورہ سے، جو دارالخلافہ تھا؟ یا دوسرے شہروں سے، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ مخالفت کی ابتدا نبیؐ کے صحابہؓ مہاجر اور انصار سے ہو کر شہر وں تک اور شہروں میں مقیم فوجوں تک پہنچی یا پہلے فوج میں ہوئی اور پھر صحابہؓ تک مدینہ میں پہونچی؟

کھلی بات ہے کہ اس سوال کا جواب بڑا نازک اور اہم ہے، مدینے میں مخالفت کی ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بعض باتوں کو سب سے پہلے نبیؐ کے صحابہؓ نے ناپسند کیا پھر لوگوں نے اس کی اتباع کی، اتباع میں بعض لوگ اعتدال کی راہ پر رہے، کچھ لوگ حد سے آگے بڑھ گئے، اور شہروں میں مخالفت کی ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ فوجیوں نے قدم اٹھایا اور مخالفت میں اس طرح سرپٹ دوڑے کہ نتائج سے بے پروا ہو گئے، اور صحابہؓ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، بعض صحابی اس پر ناراض رہے اور بعض رضامند، آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس سوال کا جواب دینے میں ہم درمیانی راہ اختیار کریں گے ہمارا خیال ہے کہ مخالفت صرف مدینہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں اور دوسرے صوبوں میں پیدا ہوئی اور غالباً مدینے میں اور پھر صوبوں کے اطراف میں جہاں سرحدوں پر مسلمان دشمنوں کا

مقابلہ کر رہے تھے، اگر ہماری یہ رائے صحیح ہے اور ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں تو مخالفت خواہ مدینہ سے شروع ہوئی ہو خواہ شہروں سے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک فطری، اور یقینی پیش آنے والی بات تھی، وہ اجتماعی اور سیاسی زندگی کا تقاضا تھی، وہ تمدن کی فطرت جس سے مسلمان دوچار ہونے پر بہر حال مجبور تھے، اور جو دین کے حقائق میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے حالات کا نتیجہ تھی، اور حضرت عثمان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ زندگی کے طبعی تقاضوں اور حالات کا مقابلہ کریں، اور ان پر غالب آجاتیں، اس قدر عظیم الشان اقتدار جیسا کہ مسلمانوں کو ملا اگر کہیں بھی ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں حکومت اور اس کی حزب مخالف نہ ہو، پھر حکومت اور حزب مخالف میں آویزش اور مقابلہ نہ ہو، اور بالآخر وہ تصادم اور معرکہ نہ ہو، جس نے مسلمانوں کو اس راستے پر پہنچایا جس پر ان کے پہلے کی اور بعد کی قومیں پہنچ چکی ہیں، اس لئے کہ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی ترقی نیز عقل کی ترقی اپنی آخری منزل تک نہیں پہنچی تھی، جو لوگ آج بھی سیاسی اور اجتماعی نظاموں میں معرکے دیکھ رہے ہیں انھیں حضرت عثمانؓ کے عہد کے نظاموں کی آویزش سے انکار نہیں کرنا چاہیئے، جو ساتویں صدی عیسوی اور پہلی صدی ہجری کا واقعہ ہے،

اب ہمیں صدیوں کی اس طویل سیاحت کے بعد مدینہ منورہ چلنا چاہیئے اور کچھ وقت حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ گذارنا چاہیئے، تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا طرز عمل کیسا تھا، اور حضرت عثمان کے بارے میں ان کی رائے کیا تھی؟

عبدالرحمٰن بن عوفؓ

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق ان پانچ افراد سے کیسا ہے جنھوں نے آپ کو خلافت کے لئے چنا، اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں مجلس شوریٰ میں آپ کے شریک تھے یہ سب کے سب اسلام کے سابقین ہیں ہیں، خدا کی راہ میں سب نے سخت مصیبتیں اٹھائیں اور شدید آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ان سے راضی رہے، اور وفات پائی تو اُن سے خوش رہ کر سب کے سب ان دس آدمیوں میں تھے جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی پھر قریش میں اپنی حیثیت، آنحضرت سے قرابت، عوام کی نگاہوں میں قدر و منزلت، دنیا وی کامیابی اور دنیا کے متعلق نقطہ نظر کے اعتبار سے ان کے درجات مختلف تھے، حضرت عمرؓ کی رائے میں نیز عوام کی اور خود ان لوگوں کی رائے میں پہلا نمبر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہے جو آنحضرتؐ سے آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی طرف سے بہت قریب تھے، آمنہ کی طرح ان کا بھی تعلق قبیلہ بنی زہرہ سے تھا، جاہلیت میں ان کا نام عمرو تھا یا عبد الکعبہ، آنحضرتؐ نے عبدالرحمٰن نام رکھا، عہد جاہلیت میں یہ ایک کامیاب تاجر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی بڑی کامیابی کے ساتھ تجارت کرتے رہے، آپ کاروبار میں بڑے منتظم، دولت پیدا کرنے میں بڑے ماہر تھے دولت سے نفع اٹھانا اور اچھے کاموں پر خرچ کرنا خوب جانتے تھے، جب ہجرت کرکے مدینہ گئے تو سعد بن ربیع انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔ سعد نے ان سے کہا میں مدینہ کا سب سے بڑا مالدار ہوں میری دولت کا ایک حصہ لے لو، میری دو بیویاں ہیں انھیں دیکھ لو جو پسند ہو اس کو تمہارے لئے طلاق دیدوں، عبدالرحمٰنؓ نے کہا خدا تم کو برکت دے مجھے تو کل جب صبح ہو تو اپنے یہاں کا بازار بتا دینا، چنانچہ جب صبح ہوئی، تو سویرے ہی بازار چلے گئے، لین دین کیا، نفع کمایا، اور شام کو گھی اور پنیر لے کر گھر واپس ہوئے

اس کے بعد کچھ عرصے تک مدینے میں قیام کیا، ایک دن زعفرانی لباس پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی آپ نے پوچھا یہ کیا؟ جواب دیا میں نے شادی کر لی ہے، حضرت نے سوال کیا مہر کیا دیا؟ کہنے لگے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا ولیمہ کرو چاہے ایک ہی بکری کا، عبدالرحمٰنؓ اس زمانے میں کہا کرتے تھے کہ میں مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تھا تو جیسے چاندی یا سونا بن جاتی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دولت پیدا کرنے اور اس کی تلاش میں بڑے کامیاب تھے، تھوڑے ہی دنوں کے قیام میں وہ مدینہ کے دولتمندوں میں شمار ہونے لگے، اس سے پہلے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھ چکے ہو، آپ فرماتے ہیں عبدالرحمٰنؓ! تم دولتمند ہو، لیکن جنت میں رینگتے ہوئے جاؤ گے اللہ کو قرض دو کہ تمہارے پاؤں کھول دے، اسی طرح اس سے پہلے تم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث بھی پڑھ لی ہے جس میں مدینہ میں عبدالرحمٰنؓ کے اونٹوں کے آنے اور تمام مال تجارت کے صدقہ کر دینے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ نے میراث میں بہت بڑی دولت چھوڑی تھی، ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں، ایک سو گھوڑے، بیس اونٹوں سے آبپاشی کرنے والا کھیت، اور یہ کہ ان کی چار بیویاں تھیں، میراث میں ہر ایک کے حصہ کا اندازہ اسی ہزار سے لیکر ایک لاکھ تک گیا ہے، ان تمام باتوں سے اگر کچھ ذہن میں آتا ہے تو وہ یہ کہ ان کی دولت اتنی زبردست اور ایسی روز افزوں تھی کہ مسلسل خیرات، ازواج مطہراتؓ کی متواتر خبر گیری، بنی زہرہ کے رشتہ داروں کی اعانت اور عام مسلمانوں کی امداد بھی اس کو کم نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن اس پر بھی عبدالرحمٰنؓ بیحد دولتمند نہ تھے وہ سرمایا لگانا اس کو نفع بخش بنانا اور اس کی نگرانی کرنا خوب جانتے تھے، ابن سعدؒ نے اپنی اسناد سے حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو انہوں نے عبدالرحمٰن سے قرض مانگنے کے لئے اپنا آدمی بھیجا، عبدالرحمٰنؓ نے آدمی سے کہلا بھیجا کہ ان سے کہو بیت المال سے قرض لے لیں، پھر جب حضرت عمرؓ بعد میں ان سے ملے تو اس تلخ مذاق پر ملامت کی اور کہا تم چاہتے ہو کہ میں بیت المال سے قرض لوں پھر اگر موت آجائے اور ادا نہ کر سکوں تو تم لوگ یہ کہو کہ عمرؓ اور اس کی اولاد سے درگذر کرو،

عبدالرحمٰنؓ کو اپنے آرام کا بھی بہت خیال تھا، زندگی کی لذتوں میں اللہ نے مسلمانوں کے لئے جو کچھ مباح کیا تھا وہ اس میں اپنا پورا حصہ لیتے تھے، اور دین کا حق بھی پوری طرح ادا کرتے تھے، لیکن ان تمام

باتوں کے باوجود وہ قبیلہ قریش کے ایک فرد تھے، اور قریش ہی کی طرح زندگی گذارنا چاہتے تھے، وہ اپنے نفس پر زہد کی سختی اور موٹی زندگی لادنا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارش کی شکایت کی بنا پر ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت حاصل کی تھی، پھر انہوں نے چاہا کہ ریشمی کپڑا ان کے لئے اور ان کے لڑکوں کے لئے مباح ہو جائے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور وہ ریشمی کپڑا چاک کر دیا جو عبدالرحمنؓ نے اپنے لڑکے کو پہنایا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو، علاوہ ازیں عبدالرحمنؓ نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح بہت سی شادیاں کیں اور بڑے کثیر العیال تھے، ابن سعد نے تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ لونڈیاں چھوڑ کر دس سے زیادہ بیویاں ان کی تھیں اور سب سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں، انتقال کے وقت باختلاف رواۃ تین یا چار عورتیں تھیں، انہوں نے کسی ایک یا دو تین قبیلے میں شادی نہیں کی بلکہ بہت سے قبیلوں میں اپنا رشتہ کیا، چنانچہ قریش کے، یمن کے اور ربیعہ کے متعدد خاندانوں میں انہوں نے شادیاں کیں اور ایک بڑی تعداد ان کے نسبتی بھائیوں کی پیدا ہو گئی، کچھ قریش میں، کچھ انصار میں، کچھ یمن میں کچھ شام و عراق کے درمیان آباد یمنیوں میں، کچھ مصر کے خاندان بنی تمیم میں، اور کچھ ربیعہ کے خاندان بنی بکر اور بنی تغلب میں،

جن عورتوں سے عبدالرحمن نے شادی کی ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کے نسب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی شان و شوکت اور اثر و اقتدار والے گھرانوں کی تھیں، پس اگر عبدالرحمنؓ حضرت عمرؓ کے بعد خلافت کی ذمہ داری لے لیتے تو بلاشبہ بہت سی نسبتیں اور بہت سے تعلقات اپنے ساتھ وابستہ کر سکتے، اور ان نسبتوں اور تعلقات کو بہت اچھی طرح ہم آہنگ بھی بنا لیتے، جس کی وجہ سے بہت سے ٹوٹے ہوئے جڑ جاتے، پھر وہ عوام کی دولت کا انتظام بھی اپنی دولت کی طرح کرتے، اس کو برمحل صرف کرتے، ٹھکانے سے لگاتے، نفع بخش بناتے، اور انصاف کے ساتھ خرچ کرتے، حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ میں رکھا اور یہ کہہ کر ان کو تمام صحابہؓ میں ممتاز کر دیا کہ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو جدھر عبدالرحمنؓ ہوں اس کو پسند کرو، اور کہنا چاہیئے کہ دوٹوں کی برابری کی صورت میں حق ترجیح دیکر حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ کا قریب قریب صدر بنا دیا تھا، صحابہؓ میں بعض کا خیال تھا کہ ان کو خلافت کا امیدوار بنایا جائے، ان کی نظر میں ان کو خلیفہ بنا دینا بہت سی خرابیوں سے بچ جانا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ

خلیفہ بن جانے سے جس تفریق اور خلفشار کا خدشہ تھا اس کا بھی سدباب ہو جاتا، اندازہ لگتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں بھی کسی کو ان کے خلیفہ ہونے میں کلام نہ تھا، اگر حضرت علیؓ کو مختار بنایا جاتا تو بنی امیہ سے حضرت عثمانؓ کے تعلق کے پیش نظر عبدالرحمٰن ہی کو منظور فرماتے، اور اگر حضرت عثمانؓ مختار بنائے جاتے تو حضرت علیؓ کے بنو ہاشم سے تعلق کے بنا پر وہ بھی انہیں کو حضرت علیؓ پر ترجیح دیتے۔

عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عثمانؓ میں دامادی کا رشتہ تھا، عبدالرحمٰنؓ نے عقبہ بن ابی معیط کی لڑکی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا، جو ولید بن عقبہ کی بہن ہیں، پھر عبدالرحمٰنؓ اور عبشمیوں میں بھی دامادی کا رشتہ تھا، اس لئے کہ انہوں نے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی اور امیر معاویہؓ کے ماموں کی بیوی سے نکاح کیا تھا، اسی طرح شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی، اور انصار سے بھی رشتہ جوڑا تھا، آپؓ کی ماں کا تعلق بنی امیہ سے تھا، اور خود بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح وہ قریش اور انصار کے خاندانی اثرات اور خیالات کو ان تمام عربی قبائل کے خاندانی اثرات اور خیالات سے جوڑ سکتے تھے، جن سے ان کی رشتہ داری تھی، لیکن ان تمام امکانات کے باوجود انہوں نے خلافت کی امیدواری نہیں کی اور امیدوار بنانے والوں کی ایک نہ سنی، بلکہ فوراً میدان سے ہٹ گئے، اور دو امیدواروں میں حکم بننا منظور کر لیا، دونوں امیدواروں نے آپ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کر دیا، حضرت علیؓ نے آپ سے اقرار لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں صرف حق ملحوظ رکھیں گے اور کسی قرابت اور رشتہ داری کا خیال نہیں کریں گے، آپ نے بڑی خوشی سے اس کا اقرار کیا اور بات انجام تک پہنچی، جس کا بیان ہم کر چکے ہیں، عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ خلافت کی ذمہ داری لینے سے زیادہ محبوب مجھے یہ بات ہے کہ کوئی میری گردن پر اس طرح خنجر رکھ دے کہ گلے سے پار ہو جائے،

پس انہوں نے اپنی ذات کو حکومت اور اس سے لپٹے ہوئے شکوک و شبہات سے اونچا رکھا، اپنے نفس کو ذمہ داریوں سے بچایا اور یہ گوارہ کیا کہ ایک معمولی آدمی کی طرح اپنی دنیا اور اپنے دین تک اپنے کو محدود کر لیں، پھر جب آپؓ نے حضرت عثمان کو امیدوار بنایا اور شوریٰ کے ممبروں سے ان کی بیعت لی اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لئے آمادہ کیا تو طبعی امر تھا کہ آپؓ حضرت عثمانؓ کی بہت قریب سے نگرانی فرماتے،

شروع شروع میں عبدالرحمٰنؓ حضرت عثمانؓ کے مخالف نہ تھے، بلکہ ان کے مؤید اور نگران تھے

پھر جب لوگوں میں یہ میگوئیاں ہونے لگیں تو متوجہ ہوئے اور نگرانی میں شدت کر دی، پھر وہ بھی دن آئے، جب لوگوں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰنؓ دینی اور سیاسی دونوں معاملات میں حضرت عثمانؓ کے مخالف ہو گئے، پھر نوبت مخالفت کی حد سے آگے بڑھی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کا بائیکاٹ کر دیا، نہ ان سے ملتے تھے نہ گفتگو کرتے تھے، بعض راویوں نے غلو سے کام لیتے ہوئے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دینے پر نادم تھے اور ایک دن حضرت علیؓ سے انہوں نے کہا اگر رائے ہو تو تم اپنی تلوار لو اور میں اپنی، پھر چل کر نپٹ لیں، کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے عبدالرحمٰنؓ نے حاضرین سے کہا اس سے پہلے کہ عثمانؓ تم پر اور اپنی جان پر ظلم کریں تم ان کو مہلت نہ دو، لیکن اس قسم کی تمام باتوں میں تصنع ہے اور تکلف، ہاں اسقدر یقینی ہے کہ عبدالرحمٰنؓ نے دین کی دو باتوں میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی، ایک تو اس وقت جب حضرت عثمان نے نماز پوری ادا کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ قصر کرتے تھے، دوسری اس وقت جب انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو مال میں سے عطیات دیئے۔



سعد بن ابی وقاصؓ

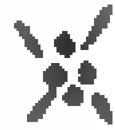
عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرح سعد بن ابی وقاصؓ کا خاندانی تعلق بھی بنی زہرہ سے تھا، ایک دن آنحضرت نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں، ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سعدؓ اسلام کے سابقین میں ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ "میں اسلام کا تہائی ہوں، میں مسلمان ہوا جب نماز بھی فرض نہیں ہوئی تھی"، دوسرے صحابہؓ کی طرح سعدؓ بھی سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے اور نہایت استقلال کے ساتھ آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیرانداز سعدؓ تھے، احد کے معرکے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ ہی پر اپنے ماں باپ دونوں کو فدا کیا، سعدؓ اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے، جو چھوٹی ہی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، جب آنحضرتؐ غزوۂ بدر کے شرکاء کا معائنہ کر رہے تھے، تو سعدؓ نے اپنے بھائی عمیرؓ کو دیکھا کہ وہ نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، جب سعدؓ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے ڈرتا ہوں کہ مجھے چھوٹا دیکھ کر کہیں آنحضرتؐ جہاد میں جانے سے روک نہ دیں اور میرا شوق شہادت مجھے نکلنے کی دعوت دے رہا ہے، چنانچہ حضرت نے جب ان کو دیکھ لیا تو چھوٹا سمجھ کر ان کو روک لیا، لیکن عمیرؓ اس پر رونے لگے تب حضرتؐ نے ساتھ چلنے کی اجازت دیدی وہ اتنے چھوٹے تھے کہ حضرت سعدؓ ان کی تلوار کا پٹکا خود باندھتے تھے، بالآخر عمیرؓ کی آرزو پوری ہوئی اور بدر کے شہیدوں میں ان کا نام لکھا گیا،

آنحضرتؐ کی نگاہ میں سعدؓ کا بڑا درجہ تھا، جب وہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں بیمار ہوئے، آنحضرتؐ نے ان کی عیادت فرمائی اور دعا کی کہ اللہ سعدؓ کو صحت دے تاکہ وہ اس سرزمین میں نہ مریں جہاں سے ہجرت کی تھی، بیمارپرسی کے دوران میں آنحضرتؐ نے سعدؓ سے وہ حدیث بیان فرمائی جس میں حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے صرف تہائی حصے کی وصیت کرے، آنحضرتؐ نے سعدؓ کو مکہ میں چھوڑ دیا اور اپنے ایک صحابیؓ کو ان پر مقرر کر کے فرمایا کہ اگر سعد کا انتقال ہو جائے

تو انہیں مدینے کے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فلاں مقام پر دفن کر دینا، اور سعدؓ سے مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تمہارا درجہ بلند کرے گا، تم سے ایک قوم کو نفع اور دوسری کو نقصان پہنچے گا، کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ سے اپنی اس آرزو کا اظہار کیا کہ سعد جب کبھی دعا کیے اسے قبول کرنا، خدا نے آنحضرتؐ کی دعا قبول فرمائی اور سعدؓ بیماری سے اچھے ہو گئے اور اس وقت تک زندہ رہے کہ اللہ نے ان کے ذریعہ ایک قوم کو پست اور دوسری کو بلند کر دیا، کسریٰ کی فوج کو شکست دینے والے اور معرکہ قادسیہ کے فاتح یہی سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ نے ان کو اس شوریٰ کے چھ افراد میں رکھا تھا، جس کے سپرد خلافت کا مسئلہ تھا پس وہ خلافت کے امیدوار بھی تھے، لیکن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی طرح ان کو بھی دور رکھا سعدؓ کی بہت سی بیویاں تھیں، لیکن وہ مختلف عربی قبائل کی تھیں، قریش میں انہوں نے صرف ایک عورت اپنے زہری خاندان میں کی تھی، شاید بعض لوگوں کو ان کے نسب پر شبہ تھا اور کچھ لوگ اس کا طعن کر کے ان کو اذیت پہنچاتے تھے، چنانچہ ایک دن وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسولؐ! میں کون ہوں؟ آپؐ نے فرمایا انت سعدؓ بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرۃ جو کوئی اسکے علاوہ کچھ کہتا ہے اس پر خدا کی پھٹکار، میرے خیال میں یہی بات ہے جس سے سعدؓ کی رشتہ داریاں قریش میں زیادہ نہ ہو سکیں، بعض راویوں کا خیال ہے کہ شوریٰ کے موقع پر سعدؓ حضرت علیؓ کے ہوا خواہوں میں تھے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کر دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ غلط، حضرت عمرؓ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت فرمائی کہ اگر سعدؓ کو خلافت نہ مل سکے تو انہیں والی ضرور بنانا، میں نے ان کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور سعدؓ کو ایک سال سے زیادہ عرصے تک کوفے کا گورنر باقی رکھا، پھر ان کو معزول کر کے ولیدؓ کو ان کی جگہ مقرر کیا، سعدؓ کی معزولی کے بارے میں جو بات کہی جاتی ہے ہم نے اس پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ سعدؓ اور ابن مسعود میں بیت المال سے قرض لینے پر جو اختلاف پیدا کیا۔ جاتا ہے کہ وہ ولید ابن عقبہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان تھا، غالب گمان یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس واقعے کی نسبت سعدؓ کی طرف کر دی ہے انہوں نے قصداً یا سہواً دونوں میں

میں خلط ملط کر دیا ہے، بات جو کچھ بھی رہی ہو سعدؓ بہر حال حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وفادار تھے، اور معزول کر دینے کی وجہ سے ان کو حضرت عثمان پر غصہ تھا یا نہیں تھا، لیکن وہ ان کی مخالفت میں شدید اور کٹر نہیں تھے، ان کی شرکت اسی مخالفت میں ہوتی جو نرم ہوتی اور جس کی حد امر بالمعروف سے بنی ہوتی، لیکن جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت آگے بڑھی اور بغاوت کی حد میں قدم رکھنے لگی، تو سعدؓ رک گئے اور غیر جانبداری اختیار کر لی، پھر نہ فساد میں حصہ لیا اور نہ اس کے نتائج میں، اور جب کبھی اس سلسلے میں ان سے کوئی گفتگو کرتا اور پوچھتا کہ تم مقابلہ کیوں نہیں کرتے تو جواب دیتے کہ میں مقابلہ اسی وقت کروں گا جب مجھے ایسی تلوار للدو جو خود بولتی ہو کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعدؓ نے اس بات سے بچنے کی کوشش کی کہ حضرت عثمان کے خلاف اگر کچھ مظاہرہ کریں گے تو یہی کہا جائیگا کہ کوفہ کی گورنری سے برطرفی کا یہ انتقام ہے، واقعہ کچھ ہی ہو سعدؓ بہر حال اپنی اسی روش پر قائم رہے جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھی، جب تک جہاد کو جہاد سمجھتے رہے آنحضرتؐ کے عہد سے لیکر حضرت عمرؓ کے زمانے تک کرتے رہے لیکن جب معاملہ ان پر پیچیدہ ہوا، تو علیحدہ ہو گئے، اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جب ۵۰ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا تو ازواج مطہراتؓ نے چاہا کہ ان کا جنازہ اُن کی راہ سے گذرے، چنانچہ ان کو مسجد میں لے جایا گیا اور ازواج مطہراتؓ نے نماز جنازہ پڑھی، اپنے ساتھیوں کی بہ نسبت سعدؓ نے ترکے میں کوئی بڑی دولت نہیں چھوڑی، کل دو لاکھ اور تین لاکھ کے درمیان تھا، اور یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی جیسا کہ تم نے دیکھا اور آئندہ دیکھو گے،



زبیر ابن العوامؓ

زبیر ابن العوامؓ کا آنحضرتؐ سے بہت قریب کا رشتہ تھا، چنانچہ وہ آپ کی پھوپھی صفیہؓ کے لڑکے ہیں جو عبد المطلب کی لڑکی تھیں ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی ان کی بہت قریبی رشتہ دار تھیں، یعنی ان کی پھوپھی تھیں، نسب اس طرح ہے، زبیر ابن العوامؓ بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، اس کے معنی یہ ہیں کہ زبیر ابن العوامؓ آنحضرتؐ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں، اور فاطمہؓ ان کی پھوپھی کی صاحبزادی، حضرت ابوبکرؓ سے بھی زبیرؓ کی رشتہ داری بہت قریب کی تھی اس لئے کہ انھوں نے اسماء ذات النطاقین سے شادی کی تھی جو حضرت عائشہؓ کی بہن ہیں، اس طرح وہ آنحضرتؐ کے ساڑھو ہوکر اور قریب ہوجاتے ہیں، ان رشتہ داریوں کی وجہ سے زبیرؓ تقریباً اہل بیت میں سے ہوگئے تھے، تعجب ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ زبیرؓ کو جب کہ وہ ان سے جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں صفیہؓ کا بیٹا ہوں یہ کہہ دیا کہ وہی تو تمھارے لئے سایہ ہیں وہ نہ ہوتیں تو بے سایہ رہتے، یہ تو بالکل صحیح ہے کہ صفیہؓ زبیرؓ کے لئے سایہ تھیں لیکن اگر وہ نہ ہوتیں تو یہ بے سایہ نہ رہتے۔

زبیر بچپن ہی سے قوی، شاندار اور بہادر تھے، انھوں نے اسلام کی طرف سبقت کی، وہ معرکہ بدر کے دو شہ سواروں میں سے ایک ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، آنحضرتؐ ان کو اپنا حواری کہہ کر پکارتے تھے اسی وقت سے مسلمانوں نے ان کو رسول اللہ کے حواری کہنا شروع کردیا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمیں نہیں معلوم کہ زبیرؓ کے پاس کس طرح دولت آئی لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ سنئے دولت مند نہیں تھے، یہ تو تم کو معلوم ہوچکا ہے کہ وہ غزوۂ بدر کے دو سواروں میں سے ایک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے، ہاں حج کے لئے یا حضرت عمرؓ کی اجازت سے باہر

نکلے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوریٰ کے ممبروں میں رکھا تھا، اور اس طرح خلافت کے ایک امیدوار وہ بھی تھے، انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں میں سے کسی کے بارے میں اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور بے تکلف اپنی رائے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ماتحت کردی حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے بعد ان کو مقدم سمجھتے تھے ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کو حضرت عثمانؓ نے چھ لاکھ کا عطیہ دیا، جس کے بعد وہ کسی اچھے کاروبار کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے ان کو بتایا گیا کہ زمین خرید لیجئے چنانچہ انھوں نے عراق کے دونوں شہروں اور مصر میں زمینیں خریدیں ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیرؓ اپنے پاس لوگوں کی امانت رکھنا پسند نہیں کرتے تھے، جب کوئی ان کے پاس امانت رکھنے آتا تو وہ فرماتے یہ قرض ہے امانت نہیں، یہ اس لئے کہ ایک تو اس کے ضائع ہوجانے کا خطرہ تھا، دوسرے اس قسم کے قرض کے مالوں کو کسی کام میں لگا کر نفع اٹھانے کی صورت کی جاتے، یہی وجہ ہے کہ ان کی دولت بہت زیادہ بڑھ گئی، اتنی کہ لوگ اس کو ضرب المثل پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ان کا قرض بھی بڑھ گیا، جمل کے دن آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ کو وصیت کی کہ ان کے مال میں سے سب قرض ادا کردے اس سے فراغت کے بعد میراث کا تہائی اپنے لڑکے کے لئے رکھ لے اور اس کے بعد جو کچھ بچے وارثوں میں تقسیم کردے اور یہ کہا کہ اگر قرض کی ادائیگی میں کچھ دشواری پیش آئے تو اللہ سے استعانت کرے، چنانچہ عبداللہؓ جب کبھی قرض کی ادائیگی میں کچھ محسوس کرتے تو اللہ سے مدد چاہتے،

بہت سے قرض خواہوں نے چاہا کہ اپنا قرض وارثوں کے حق میں چھوڑ دیں لیکن عبداللہ نے یہ منظور نہیں کیا اور تمام قرض خواہوں کو پوری رقم ادا کردی جس کی مقدار ۲۵ لاکھ درہم بتائی جاتی ہے، عبداللہ ابن زبیرؓ مسلسل چار سال تک حج کے موقع پر اعلان عام کرتے رہے کہ جس کسی کا زبیرؓ پر کچھ قرض ہے وہ میرے پاس آئے اس بات میں لوگوں کو اختلاف ہے کہ زبیرؓ کے وارثوں میں تقسیم ہونے والی رقم کی مقدار کیا تھی کم سے کم اندازہ لگانے والے ۳ کروڑ ۵ لاکھ درہم بتاتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں کے خیال میں یہ رقم ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم تھی، درمیانی اندازہ کرنے والوں نے ۴ کروڑ بتایا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں اس لئے کہ فسطاط میں، اسکندریہ میں، البصرہ میں اور کوفہ میں زبیرؓ کی زمین کے خطے

تھے، خود مدینہ میں گیارہ مکانات اور بہت کچھ ساز وسامان اور کرائے کی آمدنی تھی،

زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف نہ تھے، حضرت عثمانؓ اُن کو پسند کرتے تھے اور باوجود کسی وقت کی باہمی رنجش کے اُن کو عطیات دیتے تھے، حضرت عثمانؓ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی پسند فرماتے تھے، اُن سے محبت کرتے تھے، محاصرے کے زمانے میں اُن کو گھر پہ مقرر کیا ان کو اپنی وصیت دی کہ باپ تک پہنچا دیں، حضرت عثمانؓ نے زبیرؓ کو کچھ وصیت کی تھی زبیرؓ ان صحابہؓ کے ساتھی تھے جو حضرت عثمان پر تنقید اور نصیحتیں کرتے تھے، اس سے زیادہ ہمیں زبیرؓ کی کسی شدت اور مخالفت کا علم نہیں،

طلحہ ابن عبیداللہ

طلحہؓ بن عبیداللہ تیمی تھے اُن کا تعلق حضرت ابوبکرؓ کی قوم سے ہے، یہ عہد جاہلیت میں تاجر تھے اور حضرت عثمانؓ کے دوست، جس سال یہ اور حضرت عثمانؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، دونوں تجارت کے سلسلے میں شام گئے تھے، طلحہؓ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اسلام کے سابقین اولین میں تھے، اسلام ان کی تجارت کی راہ میں حائل نہیں ہوا، یہ اکثر شام کا سفر کیا کرتے تھے، مدینہ کے راستے میں ان سے آنحضرتؐ کی ملاقات ہوئی تھی جب کہ آپ ہجرت فرما رہے تھے اور صدیق اکبرؓ ساتھ تھے، اور یہ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے، طلحہؓ نے دونوں کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا، اور یہ خبر دی کہ مسلمان مدینے میں بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں، تب آنحضرتؐ نے اپنی رفتار تیز کر دی کہ مدینہ والوں کی انتظار کی شدت میں کچھ کمی ہو، طلحہؓ مکہ آئے اور اپنا انتظام ٹھیک کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے، اور آنحضرتؐ کے ساتھی بن کر مہاجرین صحابہؓ کے ساتھ رہنے لگے،

بدر، اُحد اور تمام غزوات میں طلحہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے، اور سخت آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، معرکۂ اُحد میں آنحضرتؐ کی بڑی حفاظت کی آپ کی طرف آنے والے ایک تیر کو روک لیا جو آپ کی ایک انگلی پر لگا، جس سے انگلی شل ہو گئی، اسی معرکے میں آپ کا تمام جسم زخمی ہو گیا تھا، آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے جسے یہ دیکھنا پسند ہو کہ ایک شخص مر کر بھی زمین پر چلتا ہے وہ طلحہؓ ابن عبیداللہ کو دیکھ لے، آپ کا مقصد یہ تھا کہ طلحہؓ اُحد کے معرکے میں مرنے کے بالکل قریب ہو گئے تو ان کا درجہ شہیدوں کا درجہ ہے اور غالباً آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ	ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر
صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ	دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا

علیہ فمنھم من قضی — پھر کوئی تو ان میں پورا کرچکا اپنا ذمہ
نحبہ ومنھم من ینتظر — اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا ہے
وما بدلوا تبدیلا۔ — اور بدلا نہیں ایک ذرہ

گویا آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ یوم اُحد کے شہداء میں طلحہؓ کو بھی شمار کرلیا جائے، یوم اُحد کے شہیدوں میں حمزہؓ اور مصعبؓ بھی تھے،

طلحہؓ بدستور اپنی تجارت میں مصروف رہے، صرف انھیں دنوں میں تجارت نہ کرسکے جن میں آنحضرتؐ کے ساتھ غزوات میں شریک تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بڑے بڑے مہاجر صحابہؓ کی طرح مدینے ہی میں رہے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوریٰ کا ممبر بنایا لیکن وہ اس میں حاضر نہ ہوسکے، فاروق اعظمؓ کی وفات کے موقع پر اپنی تجارتی مصروفیتوں میں مدینہ سے باہر تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو بعجلت بلانے کے لئے بھیجا اور وہ بڑی تیزی سے آئے بھی لیکن جب مدینہ پہنچے تو حضرت عثمانؓ کے لئے بیعت ہوچکی تھی، اس پر غصہ ہو کر گھر بیٹھ رہے کہ شوریٰ نے ان کی غیر حاضری میں فیصلہ کرلیا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ جیسے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس گئے، اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اختلاف کے نتائج پر نظر رکھیں اور بیعت کرلیں، کہا جاتا ہے، کہ خود عثمانؓ بھی ان تک پہنچے اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو میں خلافت کا منصب تم کو واپس کردوں، طلحہؓ نے کہا کیا واقعی آپ اس کے لئے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا بے شک، طلحہؓ نے جواب دیا کہ پھر میں سرتابی نہیں کرسکتا، اگر آپ چاہیں تو اسی مجلس میں بیعت کرلوں یا فرمائیں تو مسجد میں،

بنی اُمیہ ڈر رہے تھے کہ کہیں طلحہؓ بیعت سے تامل مثول نہ کریں، لیکن جب انھوں نے وعدہ کرلیا تو وہ مطمئن ہوگئے، حضرت عثمان طلحہؓ پر عنایت کی نظر رکھتے تھے، اور ان کو عطیات پیش کیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے پچاس ہزار کا قرض لیا تھا، ایک دن حضرت عثمانؓ سے کہا کہ مال موجود ہے کسی کو بھیجکر منگوالیجیے، حضرت عثمانؓ نے کہا تمہاری خودداری پر میری طرف سے ادا سمجھو، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو دو لاکھ کا عطیہ دیا پھر ان میں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان خرید و فروخت رہا کرتی تھی، حجاز میں

حضرت عثمانؓ خریدی کرتے اور طلحہؓ فروخت کرتے تھے، عراق میں طلحہؓ خریدی کرتے اور حضرت عثمانؓ فروخت کرتے تھے، طلحہؓ بڑے خیرات کرنے والے آدمی تھے، اپنے گھر میں نقد مال جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، جب کبھی گھر میں ایسی دولت زیادہ جمع ہو جاتی تو جب تک اس کو اپنے رشتہ داروں میں (بنی تیم) اور قریشی اور انصاری دوستوں میں تقسیم کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ محتاجوں کی امداد کے لئے بڑی بے تابی سے دوڑ پڑتے، قرضداروں کا بوجھ بھی ہلکا کرتے ضرورتمندوں کی کپڑے اور پیسے سے امداد کرتے، کھانا بھی کھلاتے، ان زبردست مصارف کے بعد بھی آپ کی دولت بہت بڑی تھی، اتنی بڑی کہ اس کا تذکرہ کوفہ میں سعید بن العاصؓ کی مخالفت کا سبب بنا جیسا کہ ہم نے پہلے اس کا ذکر کیا ہے۔

روایات میں ہے کہ طلحہؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے حجاز میں گیہوں کی کاشت کی جب ان کا انتقال ہوا تو ان کا ترکہ تین کروڑ درہم تھا، جس میں ۲۲ لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار نقد تھے، باقی میں زمینیں اور دوسرے اسباب تھے۔[1]

طلحہؓ جیسا کہ تم نے پڑھا، پہلے دن سے حضرت عثمانؓ کے مخالف ہیں اس لئے کہ ان کی بیعت کے موقع پر وہ حاضر نہ تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو راضی کر لیا اور طرفین کے تعلقات ٹھیک ہو گئے، پھر عطیات دے کر حضرت عثمانؓ نے معاملات کو اور بھی ٹھیک کر لیا، پھر جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں زور پیدا ہوا تو جیسا کہ روایات میں مذکور ہے، سرگرم ہو گئے، اور جیسے ہی مخالفت میں غیر معمولی شدت ہوئی، تو وہ ہجوم کرنے والوں کی صف میں تھے، اور جب عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو وہ حلقہ باندھنے والوں میں نظر آئے اور جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو طلحہؓ ان لوگوں میں تھے جن کو حضرت علیؓ کے غم عثمانؓ پر پر حیرت تھی، پھر جب حضرت علی کے لئے بیعت ہو چکی تو طلحہؓ زبیرؓ کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں تھے، اس کے بعد وہ زبیرؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ کرنے لگے اور حضرت علیؓ کی بیعت توڑ دی اس کے بعد وہ جمل کے دن قتل کر دیئے گئے،

راویوں کا بیان ہے کہ ان کی موت مروان بن الحکم کے ایک تیر سے ہوئی مروان

[1] طبقات ابن سعد جزء ثالث قسم اوّل صفحہ ۵۸ مطبوعہ لیدن۔

کہتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کبھی حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، مروان کے خیال میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر آمادہ کرنے والوں میں طلحہؓ پیش پیش تھے، جب طلحہؓ کو تیر لگا اور اُن کے جسم سے خون نکلنے لگا، تو کہنے لگے کہ یہ وہ تیر ہے جسے اللہ نے پھینکا ہے، اے خدا عثمان کا بدلہ مجھ سے لے لے تاکہ تو راضی ہو جا، اس کے معنی یہ ہیں کہ طلحہؓ کی مخالفت کا ایک خاص رنگ تھا، جب تک دولت اور عزت ملتی رہی خوش رہے، جب اس سے بھی زیادہ کی حرص پیدا ہو گئی تو مخالفت پر آمادہ ہو کر خود بھی ہلاک ہوئے دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔

انبیاء و اوصیاء مشیت خداوندی اور الٰہی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اپنا ذاتی ارادہ نہیں رکھتے۔ اس پر یہ اعتراض کہ وہ جنگ کے لیے نہیں اٹھے (یعنی اگر حضرت علیؑ کو خلفاء سے انکار تھا) تو وہ کیوں نہ ان کے خلاف اٹھے؛ یا دشمنوں کے مقابلے میں گوشہ نشینی کیونکر اختیار کی۔ قرآن مجید نے بھی ان واقعات کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے کہ انبیاء نے ہمراہی اور مددگار نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

آیت ۴۸، سورہ ۱۹ (مریم) میں حضرت ابراہیم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے سکوت و کنارہ کشی کی خبر دیتا ہے۔ کہ جس وقت انہوں نے اپنے چچا آزر سے امداد مانگی اور مایوس ہو کر جواب پایا تو فرمایا واعتزلکم وما تدعون من دون اللّٰہ وادعوا ربی

یعنی میں تم سے اور ان بتوں سے جن کی تم خدا کے علاوہ پرستش کرتے ہو کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں پس جس مقام پر اپنے چچا سے امداد اور کمک نہ ملنے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ گوشہ نشینی اختیار کریں وہاں یار و مددگار نہ ملنے کی وجہ سے حضرت علیؑ کو بطریق اولیٰ عزلت و کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی

علیؓ ابن ابی طالبؑ

حضرت علیؓ کا آنحضرتؐ سے رشتہ اور آپؐ کی نگاہوں میں اُن کا مرتبہ بلاشبہ ہمارے کسی بیان سے بے نیاز ہے، ابو طالب کی آنحضرتؐ پر عنایات کون نہیں جانتا، قریش کے مقابلے میں ابو طالب کا آپ کی اور آپ کے دین کی حمایت عام بات ہے، پھر ابو طالب نے آپ کی کفالت کی اور جب کثرت اولاد سے ان کا ہاتھ کچھ تنگ ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؓ کی کفالت فرمائی نبوت کے وقت علیؓ لڑکے تھے، نو یا گیارہ سال کی عمر میں اسلام لائے، اور آنحضرتؐ اور اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے، حضرت علیؓ بتوں کے متعلق کچھ جانتے نہ تھے، اسلام لانے سے پہلے وہ بتوں کے تصور سے خالی تھے، پس اسلام کے سابقین اولین میں آپ ہی کو یہ امتیاز ہے کہ آپ کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی، زیادہ جامع تعبیر میں یوں کہیئے کہ آپ کی پرورش کا شانۂ وحی میں ہوئی، پھر وہ آپ ہی تھے جن کو مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا تاکہ وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے آپ کے پاس رکھی تھیں ان کو واپس کریں، چنانچہ مکہ میں آپ تین دن مقیم رہے، اور پھر قبل اس کے کہ آنحضرتؐ قباء سے واپس ہوں ان سے جا ملے،

سیرت کے راویوں کا بیان ہے کہ جس رات قریش نے آنحضرتؐ کی جان لینے کی سازش کی تھی، حضرت علیؓ آپ کے بستر پر سو رہے تھے، اور جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں ہجرت کی اور مہاجرین میں اور انصار و مہاجرین میں مواخاۃ قائم کی تو علیؓ کو اپنا بھائی بنایا، بعد میں سہل بن حنیف سے اُن کا بھائی چارہ کیا،

پس نسبی اعتبار سے حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی اور پرورش کردہ تھے اور آپ کے ہجرتی بھائی بھی، آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے شادی کر دی جس کی وجہ سے اب تک آپ کی نسل جاری ہے جہاد کے میدانوں میں آنحضرتؐ کے تمام غزوات میں اسلام

کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں رہا، وہ ایک بہادر، دلیر اور خداداد قوت کے مالک تھے جس کی مثال لوگوں میں نہیں دیکھی گئی، آنحضرتؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تو اپنے گھر کا جانشین انھیں کو بنایا تھا، حضرت علیؓ کو یہ بات پسند نہ تھی یا پھر لوگوں میں اس کا کچھ تذکرہ سن کر آنحضرتؐ نے علیؓ سے فرمایا کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون بنو؟ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، پھر آنحضرتؐ وفات پا گئے اور خلافت کے لئے کوئی صاف اور کھلا حکم نہیں دے گئے، البتہ بیماری کے دنوں میں ہدایت کی کہ ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہو، اب جن لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلافت کے لئے پسند کیا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا تو کیوں نہ ہم ان کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کرلیں، میں ان اختلافات میں حصہ نہیں لینا چاہتا جو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی بیعت سے متعلق شیعوں اور ان کے مخالفین نے پیدا کئے ہیں، میں تو صرف یہ ریکارڈ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں خلفاء کی اخلاص کے ساتھ بیعت کی اور سچائی کے ساتھ ان کے خیرخواہ بنے رہے، اور جب جب ضرورت پڑی ان کو مشورے دیتے رہے، اگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مسلمان یہ کہتے کہ علیؓ آنحضرتؐ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں، ان کے پرورش کردہ ہیں، ان کی امانتوں کے ذمہ دار اور مواخاۃ کی تقریب سے آپؐ کے بھائی ہیں، پھر آپ کے داماد اور آپ سے چلنے والی نسل کے جد امجد ہیں، آپ کے علم بردار، آپ کے گھر کے جانشین اور آپ کے لئے موسیٰ کے ہارون، مسلمان یہ سب کچھ کہتے اور ان وجوہ کی بنا پر ان کو خلیفہ بنا لیتے تو یہ نہ کوئی سرتابی ہوتی اور نہ راستے سے دور ہونا، کہا جاتا ہے کہ عباس ابن عبدالمطلبؓ نے چاہا کہ علیؓ کی بیعت کرلیں، لیکن خود حضرت علیؓ نے انکار کیا اور مسلمانوں میں تفرقہ گوارا نہ کی اور دونوں خلفائے راشدین تک معاملہ یونہی چلتا رہا، پھر حضرت عمرؓ نے بھی بات ان کے سپرد نہیں کی بلکہ مجلس شوریٰ بنائی اور اس میں ان کو بھی ایک رکن بنایا حالانکہ وہ خود ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر علیؓ کو لوگوں نے والی بنایا تو وہ ان کو سیدھی راہ پر چلا سکیں گے،

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو دو باتوں کے پیش نظر نامزد نہیں کیا، ایک تو یہ کہ آپ

نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اپنے سر لیں، دوسری یہ کہ قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی، کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں میں منتقل نہ ہو سکے چنانچہ قریش کے اس خطرے سے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا،

حضرت عثمانؓ کو بھی فاروق اعظمؓ نے دو ہی باتوں کے خیال سے نامزد نہیں کیا، ایک تو یہی کہ مسلمانوں کے معاملات کا زندگی کے بعد اپنے سر نہ لیں، دوسری بات یہ کہ ان کو خوف تھا کہ بنی امیہ خلافت کو اپنے لئے خاص کر لیں گے اور کسی دوسرے خاندان کو موقع نہیں دیں گے کہتے ہیں کہ عباسؓ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ شوریٰ میں حصہ نہ لیں اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ ذمہ لیتے ہیں کہ لوگ ان سے اختلاف نہیں کریں گے، لیکن حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کی بیعت قبول کر لی اور وفاداری کے ساتھ حضرت عمرؓ کی زندگی اور موت تک اس پر قائم رہے، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد خلافت کی ہر بات حضرت علیؓ کے حق میں تھی، نبیؐ سے آپ کا رشتہ، اسلام کی طرف آپ کی سبقت، مسلمانوں کی نگاہوں میں آپ کا درجہ، اللہ کی راہ میں آپ کی ثابت قدمی، آپ کی صاف اور ستھری زندگی جس میں کہیں دھبہ نہیں، دین میں آپ کی شدت، کتاب و سنت میں آپ کا تفقہ، مشکلات اور پیچیدگیوں کے مواقع پر آپ کی صحت فکر اور اصابت رائے،

حضرت ابوبکرؓ پر آپ کو مقدم کرنے میں مسلمانوں نے اگر کچھ حرج دیکھا، اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا درجہ رکھتے تھے، آپ کے غار کے ساتھی تھے انہیں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ سے بھی ترجیح دینے میں اگر مسلمانوں نے کچھ مضائقہ سمجھا کہ ان کا بھی بڑا درجہ ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کو نامزد بھی کر دیا تھا، لیکن یہ تو مسلمانوں کے بس کی بات تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ پسند کرتے، ایسا کرنے میں ان کے لئے کوئی حرج اور مضائقے کی بات نہ تھی، حضرت عمرؓ نے خود ان کو امیدوار بنایا تھا، ان کی حیثیت بھی امیدواری کے حق میں تھی پھر وہ عام عربوں میں اور خاص قریش میں

تعلقات کے اعتبار سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی طرح تھے، آپ کی دامادی کا رشتہ قریش میں تھا مضر میں تھا، ربیعہ میں تھا، اور یمنیوں میں بھی تھا، مختلف قبیلوں میں ازدواجی رشتوں نے آپ کے بہت سے بیٹے پیدا کر دیئے تھے، اگر عام مسلمانوں میں افتراق ہونے سے پہلے آپ خلیفہ ہو جاتے تو یقیناً دُور دُور کے تعلقات اور رجحانات میں نزدیکی پیدا کر لیتے اور لوگوں کو اپنی اطاعت پر متحد کر لیتے اور بقول حضرت عمرؓ "راستے پر چلاتے"

لیکن مسلمانوں نے دو باتوں کی وجہ سے ایسا کرنا پسند نہیں کیا، ایک تو قریش کا یہ خدشہ کہ اگر کسی ہاشمی کو خلافت ملی تو وہیں کی ہو کر رہ جائے گی، حالانکہ واقعات نے بتا دیا کہ حضرت علیؓ نے خلافت کو وراثت نہیں بنایا، اُن کی راہ اس معاملے میں آنحضرتؐ کی اور حضرت عمرؓ کی راہ تھی؛ آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا،

دوسری بات یہ کہ بیعت کے موقع پر عبدالرحمن بن عوفؓ جب یہ شرط پیش کر رہے تھے کہ وہ کتاب اور سنت پر چلیں گے اور شیخینؓ کی اتباع کریں گے اور اس سے سرمو تجاوز نہیں کریں گے، تو حضرت علیؓ نے اس شرط کے ماننے سے انکار کر دیا، ان کو یہ ڈر تھا کہ مبادا حالات شرط پوری کرنے کی راہ میں حائل ہو جائیں حضرت علیؓ کا یہ خطرہ اس کا مستحق تھا، کہ مسلمان اس پر توجہ کرتے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے، اور ان کے اخلاص پر اعتماد کرتے اس لئے کہ انھوں نے اپنی طاقت اور امکان کے اندر اتباع کرنا ضروری خیال کیا لیکن عبدالرحمن بن عوفؓ دُوسرے مسلمانوں کی طرح خلافت سے متعلق تمام معاملات میں بڑے محتاط اور حریص تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمنؓ ڈرے کہ حضرت علیؓ کی یہ تحفظ والی روش کہیں مطلب اور خود غرضی والی روش تو نہیں ہے، پس جب حضرت عثمانؓ نے بلا کسی تذبذب کے منظور کر لیا کہ وہ کتاب و سنت اور شیخینؓ کی اتباع اپنے لئے لازمی قرار دیں گے، تو اطمینان کے ساتھ ان کی بیعت کر لی حالانکہ بعد میں ہونے والے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمانؓ وہ نہ کر سکے جو شیخینؓ نے کیا، اور نہ ان کی راہ پر قائم رہے اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کی مختصر مدت میں جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وہ کچھ کر بتایا جو شیخینؓ نے کیا تھا بلکہ اس سے بھی اہم، حضرت علیؓ نے فاروقی سیرت کی اتباع ایک ایسی رعایا میں کیا جو حضرت عمرؓ کی رعایا سے کہیں زیادہ سخت کٹر اور

دنیا کی طرف راغب تھی، حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی راہ اس دور میں چلتے رہے جو اختلاف، سرکشی، بغاوت اور فتنوں کا دور تھا، جس کے بعد مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں،

حضرت علیؓ کی زندگی جیسی فتوحات سے پہلے خشک اور زاہدانہ تھی، فتوحات کے بعد بھی ویسی ہی سادہ اور تنگ رہی، نہ انھوں نے کوئی تجارت کی نہ کوئی کاروبار بڑھایا، ان کو جو وظیفہ ملتا تھا، اسی پر قناعت کی، اسی سے اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے رہے مقام ینبع میں ان کی ایک زمین تھی، اسی میں کچھ سرمایہ لگاتے اور فائدہ اٹھاتے تھے اور بس، اور جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کے ترکے کا حساب کروڑوں لاکھوں تو کیا ہزاروں سے بھی نہ ہو سکا بقول آپ کے صاحبزادے حسنؓ کے کل سات سو درہم تھے اور آپ چاہتے تھے کہ اس سے ایک غلام خرید لیں

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے مختصر دور میں موٹا لباس پہنتے تھے، اور وہ بھی پیوند لگا ہوا ہاتھ میں درہ لئے بازار میں گشت لگاتے، اور حضرت عمرؓ کی طرح عوام کو نصیحت اور تمیز سکھاتے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بہت ٹھیک اندازہ لگا کر اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا، کہ "اس اجلح کو اگر لوگوں نے والی بنایا تو وہ ان کو راستے پر لے چلے گا"

بلا شبہ حضرت علیؓ اپنے مرکزی رجحان کی بنا پر اس بات کے مخالف تھے کہ خلافت غیر بنی ہاشم میں کر دی جائے، لیکن وہ آجکل کے مفہوم میں پوری طرح جمہوری تھے، اور خلافت کو موروثی خیال نہیں کرتے تھے، وہ تو اس کو ایک ذمہ داری تصور فرماتے تھے جو مسلمان ارباب حل وعقد کی طرف سے خلیفہ کو دونوں کی رضامندی کے بعد سپرد کی جاتی ہے چنانچہ پہلی بار جب ذمہ داروں نے خلافت ان کے سپرد نہیں کی بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو دی اور دوسری بار حضرت عمرؓ کے حوالے کیا تو انھوں نے سر تسلیم خم کر لیا، اور شیخینؓ کی بیعت کر لی، اور ان کے وفادار رہے اور مخلصانہ مشورے بھی پیش کرتے رہے، آپ نے حضرت عمرؓ کی موت کے بعد جب کہ شوریٰ کے لوگ باہم مشورہ کر رہے تھے، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن یہ مشورہ انتہائی شرمیلے انداز میں تھا اور پھر رک گئے، اور اپنے کو دوسروں کی طرح بنا لیا، اور عبدالرحمٰنؓ سے مسلمانوں کی خیرخواہی کا عہد لیا اور اپنی طرف سے اطاعت اور فرماں برداری کا عہد کیا، بعض تصنع کرنے والے راوی

[1] اجلح وہ آدمی جس کے سر پر صرف کانوں کی طرف بال ہوں، مراد حضرت علیؓ ہیں،

کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں تاخیر کی، تب عبدالرحمٰنؓ نے ان کو متنبہ کیا اور دھمکی دی، لیکن دوسرے راویوں کا بیان حضرت علیؓ کی سیرت اور اخلاق کے بالکل مناسب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے عبدالرحمٰنؓ کی پیش کردہ شرطیں منظور نہیں کیں اور حضرت عثمانؓ نے منظور کرلیا، تو حضرت علیؓ نے کہا ابوعبداللہ نے شرط مان لی ہے اب تم ان کی بیعت کرلو، اگر انھوں نے تاخیر کی ہوتی یا جبر واکراہ سے بیعت کی ہوتی تو ان کو اپنے گھر بیٹھ رہنا اور حضرت عثمانؓ اور شوریٰ سے کچھ دنوں کے لئے یا عرصہ تک کے لئے قطع تعلق کرلینا مناسب تھا لیکن وہ اپنے گھر بیٹھ نہیں رہے، حضرت عثمانؓ کی مجلسِ بیعت میں حاضر رہے اور عبیداللہ بن عمرؓ کے قضیے میں حضرت عثمانؓ کو اشارہ بھی کیا کہ ہرمزان کے قتل کے عوض عبیداللہ سے قصاص لینا چاہیئے،

حضرت علیؓ تینوں خلفاء کے مخالف تھے، لیکن شیخینؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے خفیف اعتراض کا بھی ان کو موقع ملتا، چہ جائیکہ تلخ تنقید اور کڑی نکتہ چینی کا، یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے حضرت علیؓ کی مخالفت نمایاں نہیں ہوئی، دوسرے مہاجر اور انصار صحابہؓ کی طرح حضرت علیؓ بھی اپنی خیرخواہی اور مشورے پیش کرتے رہے اور اطاعت کرتے رہے، جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ کی مخالفت میں تھوڑی سی شدت مجلس شوریٰ کے موقع پر پیدا ہوئی، لیکن پھر انھوں نے وہی روش اختیار کرلی، جو شیخینؓ کے ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خیرخواہی کی، ان کی اطاعت کی اور ان کو مشورے اور اشارے دیئے، لیکن حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل نے ان میں مخالفت کا ذرا سخت جذبہ پیدا کردیا، عبیداللہ ابن عمرؓ کے معاملے میں ان کی طرح حضرت علیؓ کی رائے معاف کردینے کی نہ تھی، پھر بعد کے حالات اور حوادث نے ایسے مواقع فراہم کردیئے، کہ حضرت علیؓ کی مخالفت میں تدریجاً اضافہ ہی ہوتا گیا، لیکن یہ سب کچھ بہرحال ایک نیک اور گرم مخالفت اور اللہ کے عتاب سے ڈرانے کے حدود سے باہر نہ تھا، پھر حالات نے ایسی شدت اور نزاکت اختیار کرلی کہ ایک دن حضرت علیؓ مجبور ہوئے کہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کریں اور یہ وہ موقع تھا جب عثمانؓ نے اعلان کردیا تھا کہ وہ اس مال سے بلا کسی پابندی کے اپنی ضرورت کے مطابق مخالفین کے علی الرغم

لے لیں گے، حضرت علیؓ نے فرمایا تو آپ کو اس سے روکا جائے گا۔ بہر حال حضرت علیؓ کا طرز عمل حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی، مشورہ اور بعض اوقات سخت اعتراض کے سوا کچھ نہ تھا اور کبھی ان حدود سے آگے نہیں بڑھے وہ بعض مواقع پر حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بھی بنے ایک طرف حضرت عثمانؓ کو حقیقت حال سے باخبر کیا دوسری طرف لوگوں کو فتنے سے روکا، لیکن جب مایوس ہو گئے کہ حضرت عثمانؓ خود اپنے گھر والوں پر قابو نہیں پاتے تو گھر بیٹھ رہے، اور بیچ بچاؤ کرنا بھی چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود محاصرے کے دوران میں وہ حضرت عثمانؓ کے لئے ایک دردمند محسن رہے، اُن کے گھر تک پانی پہنچایا، محاصرہ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے دونوں لڑکوں کو بھیجا، بلا شبہ حضرت عثمانؓ کے پورے دور خلافت میں حضرت علیؓ کی ایک چشمک تھی، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اُن کے رشتہ داروں نے حضرت علیؓ سے بیحد خائف رکھا، اگر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلتے اور ان کے رشتہ دار ان کے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوتے تو یقیناً حضرت علیؓ کی روش وہی ہوتی جو شیخینؓ کے ساتھ تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو نہ یہ فتنہ ہوتا اور نہ ہم کو یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پڑتی،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات میں خرابی پیدا کرنے والے حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہ تھا، ان ہی لوگوں کی بدولت ایک مرتبہ دونوں میں تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا، اس بات کا ثبوت بلاذریؒ کی روایت ہے جو انھوں نے انساب الاشراف میں اپنی سندوں کے ساتھ درج کی ہے، کہ حضرت عباسؓ دونوں کے درمیان تھے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں علیؓ کے متعلق آپ کو خدا کی یاد دلانا چاہتا ہوں جو آپ کے بھتیجے ہیں ماموں کے لڑکے ہیں آپ کے داماد، اور آنحضرتؐ کے ساتھ آپ کے دوست بھی مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اُن کے اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کچھ ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا، سب سے پہلا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ میں آپ کی سفارش قبول کرتا ہوں اگر علیؓ چاہتے تو میرے نزدیک ان کی جگہ سب سے اُونچی ہے لیکن اُن کو تو اپنی بات کی ضد ہے، پھر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ ہی طرح خطاب کیا، حضرت علیؓ نے

جواب دیا اگر عثمانؓ مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دیں تو میں گھر چھوڑ دوں گا، [1]

لیکن یہ بیچ بچاؤ سب بے سود رہا۔ حضرت عثمانؓ اپنی راہ چلتے رہے حضرت علیؓ مخالفت سے باز نہ آئے، اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار طرفین کے تعلقات میں بدستور خرابی پیدا کرتے رہے تا آنکہ معاملہ نازک ہوگیا، بلاذری ہی نے اپنی سندوں سے روایت کی ہے عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کرتے ہوئے میرے والد سے کہا کہ ماموں! علیؓ نے تعلق توڑ رکھا ہے، اور تمہارے صاحبزادے نے لوگوں کو لگا دیا ہے۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! بخدا اگر تم نے یہ بات (خلافت) بنی تیم اور بنی عدی کے لئے طے کر چکے ہو تو عبد مناف کی اولاد اس کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے حاسد نہ بنو، اور اس معاملے میں اس سے جھگڑا نہ کرو، عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سنکر میرے باپ دیر تک خاموش رہے اس کے بعد کہا بھانجے! اگر علیؓ آپ کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں تو آپ ان کی نگاہوں میں پسندیدہ کس طرح بن سکتے ہیں، جہاں تک رشتہ داری اور خدمت کا تعلق ہے اس میں آپ سے نہ اختلاف ہے نہ انکار۔ اب اگر آپ کتر بیونت کرکے کچھ اونچے کو نیچا اور کچھ نیچے کو اونچا کردیں تو دونوں قریب تر ہو جاتے ہیں، اور یہی بات زیادہ بہتر اور ملاپ کی ہے حضرت عثمانؓ نے کہا میں اس معاملہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اب بات قریب آچکی تھی لیکن جب ہم ان کے پاس سے نکلے تو مروان ان سے ملنے گیا، اس نے حضرت عثمانؓ کو اُن کی رائے پر قائم نہیں رہنے دیا، چنانچہ تھوڑی دیر بعد ان کا آدمی میرے والد کو بلانے آیا اور جب وہ پہنچے تو حضرت عثمان نے کہا، ماموں! میں نے آپ کو جو اختیار دیا ہے اس کو ابھی ملتوی رکھیئے، ابھی میں اس میں غور کروں گا، میرے والد واپس آئے اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے یہ شخص تو دوسروں کے بس میں ہے اس کے بعد خدا سے دعا مانگی! اے اللہ تو مجھے فتنہ سے پہلے اٹھالے مجھے تو اس بات کے لئے باقی نہ رکھ جس میں میرے لئے کوئی بھلائی نہیں چنانچہ جمعہ بھی نہیں آیا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا، [2]

حضرت عباسؓ نے دونوں کے درمیان صلح وصفائی کی کوشش کی اور ایک حد تک کامیاب

[1] انساب الاشراف بلاذری ص۱۷۲ مطبوعہ قدس، [2] انساب الاشراف بلاذری ص۱۳-۱۴ مطبوعہ قدس

بھی ہوئے، پھر حضرت عثمان نے دوسری بار اُن کو درمیان میں ڈالا اور غالباً پہلی مرتبہ کی طرح وہ کامیاب ہوجاتے لیکن مروان نے اُن کو اُن کی رائے سے پھرا دیا، جس کی وجہ سے معاملات خراب سے خراب تر ہوگئے اور وہ فتنہ ہوا جس کا عباسؓ کو خطرہ تھا،

ان آخری پانچ فصلوں میں ناظرین نے شوریٰ کے ممبروں کی سیرت کا کچھ حال پڑھا اور دیکھا کہ خلیفہ ہوجانے کے بعد حضرت عثمانؓ کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے، اور وہ کس پوزیشن میں تھے، غالباً ان فصلوں کا بہترین خاتمہ وہ روایت ہوگی، جس میں ان کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے بیان کی گئی ہے، یہ رائے روایت کے اعتبار سے واقعۃً حضرت عمرؓ کی ہو یا نہ ہو اس سے اتنا تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں کیا تھا، اور راویوں، مورخوں اور خصوصاً محدثوں کے افکار و خیالات کیا تھے،

ابن عباسؓ سے بلاذری نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے سے پہلے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت محمدؐ کے لئے کیا کروں؟ میں نے کہا فکر کیوں کرتے ہیں آپ کے پاس جانشین تو ہیں، فرمانے لگے کون؟ تمہارے دوست (علیؓ)؟ میں نے کہا ہاں، وہ آنحضرتؐ کے قرابت والے اور اُن کے داماد ہونے کی وجہ سے اس کے اہل ہیں پھر وہ اسلام کے سابقین میں ہیں، اسلام کی راہ میں انہوں نے مصیبتیں اٹھائی ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا اُن میں مذاق اور ظرافت ہے، میں نے کہا پھر طلحہؓ کے متعلق کیا خیال ہے فرمانے لگے انکی تمکنت اور نخوت کے کیا کہنے، میں نے کہا عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرمایا مرد نیک مگر دینے والا، میں نے کہا پھر سعدؓ، آپ نے کہا وہ تو جنگ اور حملے کے آدمی ہیں ذمہ داری دیدی جائے تو ایک گاؤں بھی سنبھال نہ پائیں گے، میں نے کہا تو پھر زبیرؓ فرمایا متلون مزاج، خوشی کا مومن غصے کا کافر، حریص، خلافت کے لئے تو ایک ایسا قوی اور دردمند درکار ہے جس کی قوت میں ظلم کا جس کی ہمدردی میں کمزوری کا پہلو نہ ہو، جو فیاض ہو لیکن مسرف نہ ہو، میں نے کہا تو پھر عثمانؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، فرمانے لگے ان کو اگر والی بنا دیا گیا تو وہ ابومعیط کے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کردیں گے، اور اگر ایسا انھوں نے کیا تو وہ ان کی جان لے لیں گے۔ [1]

[1] انساب الاشراف بلاذری ص ۱۶ و ۱۷ مطبوعہ قدس،

عبداللہ بن مسعودؓ

شوریٰ کے ان ممبروں کی مخالفت تو معمولی تھی لیکن دوسرے صحابہؓ اور کہنا چاہیے کہ جلیل القدر اور ممتاز صحابہ، حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف تھے ان کی شدید کشاکش تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے، جس پر گفتگو کرنے والوں نے بہت کچھ کہا ہے اور اختلاف کرنے والوں نے خوب رد و قدح کی ہے، حضرت عثمانؓ کے مخالف صحابہ میں ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے آنحضرتؐ کی اُن کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ چھوٹے تھے اور عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اُن کے پاس آئے اور کہا کچھ دودھ ہو تو پلاؤ، اُنھوں نے کہا میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا، یہ بکریاں دوسرے کی امانت ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس کے بچہ نہ ہو، اس پر اُنھوں نے ایک بکری پیش کر دی، آنحضرتؐ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر دیا، اس میں دودھ اُتر آیا، پھر حضرت ابو بکرؓ ایک گہری چٹان پر لے گئے، اور اس کو دوہا اور دونوں نے پیاس بجھائی، اس کے بعد آنحضرتؐ نے تھن کو فرمایا "خشک ہو جا" چنانچہ وہ اپنی حالت پر آگیا، اس وقت سے ابن مسعودؓ اسلام کی حلقہ بگوشی میں آگئے، اور حضور کی صحبت اختیار کر لی، عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے حافظ سب سے زیادہ قرآن کے راوی، اور سب سے زیادہ مکہ میں قرآن کا مظاہرہ کرنے والے صحابی ہیں، انھوں نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، آنحضرتؐ نے اُن کے ساتھ مہاجرین میں سے زبیر ابن العوامؓ کا اور انصار میں سے معاذ بن جبلؓ کا بھائی چارہ کیا، عبداللہ بن مسعودؓ بدر، اُحد اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے، آپ ہی نے ابوجہل کا سر جب وہ معرکہ بدر میں گر پڑا تھا کاٹا، یہ سفر و حضر میں مسلسل آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے لوگ خیال کرنے لگے تھے کہ یہ اہل بیت کے ایک فرد ہیں، آنحضرتؐ کی موجودگی میں یہ بلا اجازت حاضری دیتے تھے حضور کے نکلنے

کے موقع پر آپؐ کو جوتہ پہنانا پھر عصا لے کر آگے آگے چلنا اِن کی خدمت تھی جب آپ اپنی جگہ پر پہنچ جاتے تو یہ نعلین اپنی آستینوں میں لے لیتے، عصا دیدیتے اور خدمت میں کھڑے ہو جاتے، سفر میں آپ کا بستر کرتے اور وضو کرانے کی خدمت بھی انھیں کے سپرد ہوتی حضورؐ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے اور دوسروں کو اُن کی محبت کرنے کی ہدایت بھی فرماتے تھے۔

ایک دن صحابہؓ نے ان کو درخت پر چڑھتے دیکھا پنڈلیوں کی لاغری دیکھ کر سب ہنس پڑے آپؐ نے فرمایا یہ دبلی پنڈلیاں قیامت کے دن میزان میں اُحد پہاڑ سے بھاری ہوں گی آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کا رُخ فتوحات کی طرف پھر گیا تو یہ بھی شام کی طرف جہاد کرتے ہوئے نکلے، حمص میں قیام کیا، وہاں سے حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجدیا، اور کوفہ والوں کو لکھا " کہ ان سے تعلیم حاصل کرو اُن کو تمھارے لئے اپنی ضرورت چھوڑ کر بھیج رہا ہوں،،

عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے تقریر کی' ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، باقی رہنے والوں میں سے ہم نے بہترین آدمی کو پسند کیا ہے، اس کے بعد لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی بیعت پر آمادہ کیا۔

کوفہ کے بیت المال پر عبداللہ ابن مسعود کا تقرر اس وقت ہوا جب سعد ابن ابی وقاصؓ وہاں کے گورنر تھے، جب وہ معزول ہوئے تو ولید کے ابتدائی زمانے تک یہ بھی اپنے عہدے پر باقی نہ رہے، ہوا یہ کہ ولید نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی جب قرض کی مدت پوری ہوگئی تو ابن مسعودؓ نے رقم طلب کی، ولید نے ٹال مٹول کیا، ابن مسعودؓ نے اصرار کیا ولید نے حضرت عثمانؓ کو خط لکھا اور اس میں ابن مسعودؓ کی سختی کی شکایت کی تب حضرت عثمانؓ نے ابن مسعود کو لکھا کہ تم ہمارے خازن ہو، ولید نے بیت المال سے جو قرض لیا ہے اس سے تم تعرض نہ کرو، ابن مسعودؓ اس بات سے ناراض ہوئے، اور بیت المال کی کنجیاں پیش کر کے گھر بیٹھ رہے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت اور تعلیم دینا شروع کیا اس وقت سے سیاسی اور مالی معاملات میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع ہوئی، اس کے بعد اس مخالفت میں اور زیادہ پیچیدگی اس وقت پیدا ہوگئی

جب حضرت عثمانؓ نے مصحف ایک کر دیا، اور اس کی کتابت زید ابن ثابت کی سرکردگی میں چند افراد کے سپرد کر دی اور بقیہ تمام نسخوں کو جلا دینے کا اقدام کیا جس کو ابن مسعودؓ نے اور بہت سے مسلمانوں نے ناپسند کیا، اور جس سے ابن مسعودؓ کی مخالفت میں اور تیزی پیدا ہو گئی ابن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ کہا کرتے تھے وہ اپنے بیان کے دوران میں فرماتے، "سب سے سچی بات کتاب اللہ ہے، بہترین سیرت سیرت محمدی ہے، بدترین کام نئی باتیں ہیں، ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی، اور ہر گمراہی آگ میں جائے گی" ولید نے اس کا تذکرہ اپنے خط میں حضرت عثمانؓ سے کیا اور کہا یہ آپ پر چوٹ ہے، تب حضرت عثمانؓ نے ولید کو لکھا کہ وہ ان کو مدینہ بھیجدے، چنانچہ وہ بھیجے گئے، روانگی کے وقت کوفہ والوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، ابن مسعود مدینہ پہنچ کر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمانؓ منبر نبویؐ پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے ابن مسعودؓ کو آتے دیکھ کر کہا، لو وہ برائی کا کیڑا آ گیا جو اپنے کھانے پر چلتا ہوا قے کرتا ہے اور براز، یہ سنکر ابن مسعودؓ نے کہا میں ایسا نہیں ہوں، میں بیعت رضوان میں اور معرکہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہوں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آواز سے کہا عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو آپ یہ کہتے ہیں حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکلوا دیا، پھر وہ زمین پر ٹپک دیئے گئے جس سے ان کی پسلی ٹوٹ گئی، حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوتے اور حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ یہ سب کچھ آپ ولید کے کہنے سے کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا ولید کے کہنے پر میں نے ایسا نہیں کیا، میں نے زبید بن کثیر کو خط بھیجا تھا اس نے سنا کہ عبداللہ بن مسعودؓ میرا خون حلال قرار دیتے ہیں حضرت علیؓ نے کہا زبید ایک بے اعتبار آدمی ہے اس کے بعد حضرت علیؓ اٹھے اور ابن مسعودؓ کو ان کے گھر پہنچا دینے کا حکم دیا،

حضرت عثمانؓ یہیں تک آکر نہیں رک گئے، انھوں نے ابن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا اور مدینہ سے اُن کو باہر نکلنے کی ممانعت کر دی، ابن مسعودؓ چاہتے تھے کہ ان کو جہاد میں شرکت کے لئے شام جانے کی اجازت مل جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا، مروان نے ان سے کہا تھا کہ کوفہ کو تو انھوں نے آپ کا مخالف بنا دیا اب شام کو تو بچا رہنے دیجئے،

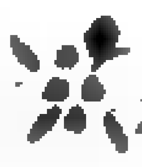
اس طرح کوفہ سے ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے مخالف بن کر نکلے اور دو یا تین سال تک مدینے میں مخالفت کا اعلان کرتے رہے، اس کے بعد ان کی وفات کے دن قریب آ گئے، راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ اُن کی عیادت کے لئے گئے لیکن اسکے بعد کے بیانات میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے معذرت کی اور دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو کر ہی اس مجلس سے جدا ہوئے، اور جب ابن مسعودؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بعض کہتے ہیں کہ عیادت کے موقع پر ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے خوش ہو کر نہیں ملے۔ دونوں کا مکالمہ سنیئے:۔

حضرت عثمانؓ۔	آپ کو کیا شکایت ہے،
عبداللہ ابن مسعودؓ	اپنے گناہوں کی
حضرت عثمانؓ	آپ کیا چاہتے ہیں؟
عبداللہ ابن مسعودؓ	اللہ کی رحمت۔
حضرت عثمانؓ	کیا آپ کے لئے طبیب بلواؤں؟
عبداللہ ابن مسعودؓ	طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے،
حضرت عثمانؓ	کیا آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟
عبداللہ ابن مسعودؓ	ضرورت تھی تو آپ نے بند کر دیا، اب ضرورت نہیں تو جاری کرنا چاہتے ہیں،
حضرت عثمانؓ	تمھارے اہل و عیال کے کام آئے گا،
عبداللہ ابن مسعودؓ	خدا ان کا رزاق ہے،
حضرت عثمانؓ	میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے،
عبداللہ ابن مسعودؓ	خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میرے معاملہ میں آپ سے مواخذہ کرے،

کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ باہر نکلے تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے وصیت کی کہ حضرت عثمانؓ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں، جب ان کا انتقال ہوا تو کسی نے اُن کو خبر نہیں کی عمار بن یاسرؓ

نے نماز جنازہ پڑھائی، اور دفن کر دیئے گئے، دوسرے دن حضرت عثمانؓ گذرے تو ایک نئی قبر دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی قبر ہے، حضرت عثمانؓ خفا ہوئے اور فرمایا کہ مجھے مطلع نہیں کیا گیا حضرت عمارؓ نے کہا انھوں نے وصیّت کی تھی کہ آپ کو نماز جنازہ نہ پڑھانے دی جائے، حضرت عثمانؓ نے بات دل میں رکھی، حضرت عمارؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ کے غصّے کی ایک وجہ یہ بھی تھی،

بالکل کھلی بات ہے کہ یہ بیان حقیقت سے دور ہے، عبداللہ ابن مسعودؓ کی سیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو معاف کر دیا، ان کے لئے مغفرت بھی چاہی، صحابہ میں جو لوگ ان سے بہت مانوس تھے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اپنے طور طریقوں میں سیرت اور اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، پھر وہ سب سے زیادہ قرآن کے قاری اور عامل بھی تھے یقیناً انھوں نے ارشاد خداوندی ولمن صبر وغفران ذالک لمن عزم الامور پڑھا ہوگا، اور وہ اس بات کے سب سے زیادہ اہل ہیں کہ صبر کریں، معاف کر دیں اور مستقیم رہیں،



قادر زور اعتمام

ابوذر غفاریؓ

ابوذر غفاریؓ کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، عہد جاہلیت میں وہ لوگوں سے دور الگ تھلگ رہا کرتے تھے، گویا طبعاً فقر پسند تھے ایک دن وہ مکہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاکر آپ سے قریب ہوئے اور آپ کی باتیں سنیں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، اس کے بعد ان کو مکہ میں قیام کا زیادہ موقع نہیں ملا، البتہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور آپؐ کی خدمت میں رہنے لگے، ان کا شمار بھی اسلام کے سابقین میں اور ان لوگوں میں ہے جن کو آنحضرتؐ محبوب رکھتے تھے، اور جن کی تعریف کیا کرتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذرؓ سے سچا کوئی نہیں، اور فرماتے تھے کہ ابوذرؓ تنہا ایک قوم بنا کر اٹھائے جائیں گے

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جب آبادی سلع (پہاڑ) تک پہنچ جائے تو مدینہ چھوڑ دینا، چنانچہ وہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مدینہ منورہ میں رہے اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ عمارتیں سلع تک بن چکی ہیں، تو حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ ان کو جہاد کے سلسلے میں شام جانے کی اجازت دی جائے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام چلے گئے تھے، اور وہاں دفتر میں قیام کیا تھا، پھر حج کے لئے آتے اور مدینہ میں قیام کرتے اور حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر روضۂ اقدس کے پاس کچھ وقت گذارتے ایک دن انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مروان بن الحکم کو بہت سا مال دے رہے ہیں اور ان کے بھائی حارث بن الحکم کو تین لاکھ درہم عنایت کر رہے ہیں، اور اسی طرح زید ابن ثابت انصاریؓ کو ایک لاکھ کا عطیہ دے رہے ہیں، یہ ان کو بہت ناگوار اور زیادہ معلوم ہوا، فرمانے لگے۔ دولت جمع کرنے والوں کو آگ کی خوش خبری سنادو، اس کے بعد تلاوت فرمایا:-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔

اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ سے ابوذرؓ کی اس بات کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک غلام کو بھیجکر ابوذرؓ کو منع کیا۔ ابوذرؓ نے کہا کیا عثمانؓ مجھ کو اللہ کی کتاب پڑھنے اور اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے روکیں گے؟ عثمانؓ کو ناراض کر کے اللہ کو خوش رکھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں عثمانؓ کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کردوں، حضرت عثمانؓ نے برداشت سے کام لیا اور صبر کیا،

لیکن ابوذرؓ اپنی تنقید اور اعتراض پر مصر رہے اور قناعت اور اعتدال کی دعوت اور دولت سے نفرت کی تحریک کرتے رہے، ایک دن وہ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے کعب بن احبارؓ بھی حاضر تھے، بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سوال کیا کہ کیا خلیفہ کے لئے حلال ہو کہ وہ بیت المال سے کچھ قرض لے اور جب میسر ہو تو واپس کردے؟ کعبؓ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں، ابوذرؓ اس پر خفا ہوئے اور کہا، یہودی کے بچے ہم کو ہمارا دین سکھاتا ہے، حضرت عثمانؓ ابوذرؓ پر خفا ہوتے اور حکم دیا کہ وہ شام چلے جائیں، دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے کہہ رہے تھے کہ صرف زکوٰۃ دیدینا، کافی نہیں بلکہ بھوکے کو کھانا کھلانا، سائل کی ضرورت پوری کرنا اور پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنا بھی ضروری ہے اس پر کعبؓ نے کہا جس نے زکوٰۃ ادا کردی پس اس کے لئے کافی ہو گیا، اس پر ابوذرؓ غصہ ہو گئے اور کعب کو اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف پہنچائی اور حضرت عثمانؓ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ اُن کے دفتر شام میں چلے جائیں

بہر حال ابوذرؓ شام گئے، لیکن وہاں زیادہ دیر قیام نہ کر سکے، وہاں بھی وہ سب کچھ کہنے لگے جو مدینہ میں کہا کرتے تھے، امیر معاویہؓ کی بہت سی باتوں پر اُن کو اعتراض تھا اس پر بھی اعتراض تھا کہ مسلمانوں کے مال کو وہ اللہ کا مال کہتے ہیں، وہ "خضرا" کی تعمیر پر بھی معترض تھے، اور امیر معاویہؓ کو خطاب کر کے کہا اگر تم نے یہ تعمیر مسلمانوں کے پیسے سے کی ہے تو

یہ ایک خیانت ہے اور اگر اپنی رقم خرچ کی ہے تو یہ اسراف ہے

حضرت ابوذرؓ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دولتمند، محتاجوں اور مفلسوں کی طرف سے تباہیوں کے مستحق ہیں، لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے، اُن کی باتیں سننے لگے اور اُن کو ماننے بھی لگے، امیر معاویہؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شامیوں میں ان کی تحریک زور نہ پکڑ لے انھوں نے حضرت عثمانؓ کو شکایت کا خط لکھا، جواب ملا کہ بڈھے کو سخت سواری اور پیچیدہ راہ سے میرے پاس بھیج دو، امیر معاویہؓ نے بے اعتنائی کے ساتھ ان کو مدینہ واپس کر دیا، مدینہ پہنچے تو بدستور اپنی بات پیش کرتے رہے اور کہتے رہے کہ دولت مندوں کو آگ سے داغے جانے کی بشارت دے دو ان کی پیشانیاں، اُن کی پشت اور ان کی پسلیاں آگ سے داغی جائیں گی، انھوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مال میں اپنا ہاتھ آزاد کو رکھا تھا، نوجوانوں کو حکومت دیدی تھی اور فتح مکہ کے امن یافتوں کو عہدے دیئے تھے حضرت عثمانؓ کو اس سے بڑی کوفت ہوئی۔

یہاں پہنچکر راویوں میں اختلاف ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور کہا کہ کوفہ بصرہ اور شام کو چھوڑ کر جہاں جی چاہے چلے جاؤ، اس پر حضرت ابوذرؓ نے ربذہ جانا پسند کیا، حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی، اور وہ مذکورہ مقام پر چلے گئے، اور وہیں انتقال کیا، بعضوں کا خیال یہ ہے کہ ربذہ جانا خود حضرت ابوذرؓ نے پسند نہیں کیا بلکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا اور وہ غریب الوطنی کی زندگی گذار رہے تھے تا آنکہ دنیا سے رخصت ہوگئے، حد یہ ہے کہ ان کی بیوی تجہیز و تکفین سے عاجز تھیں اور کچھ لوگ جو عراق سے حج یا عمرہ کی غرض سے آئے تھے انھوں نے حضرت ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین کی اور جب حضرت عثمانؓ کو ان کی موت کی اطلاع ہوئی تو اُن کے لئے مغفرت کی دعا کی۔ اور ان کی بیوی کو اپنے متعلقین کے ساتھ کر دیا،

حضرت عمار ابن یاسرؓ چونکہ حضرت ابوذرؓ سے بڑی ہمدردی اور ان کے حال پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے محسوس کیا کہ وہ بھی ابوذر کی جلاوطنی پر معترض ہیں، غصہ ہو کر اُن کو بھی ربذہ چلے جانے کا حکم دے دیا اور جب حضرت عمارؓ نے

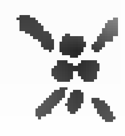
نکلنے کی تیاری کی تو بنی مخزوم جو آپ کے حلیف تھے مشتعل ہو گئے، اور حضرت علیؓ بھی ناراض ہوئے اور حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی پر حضرت عثمانؓ کو ملامت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمارؓ کو شہر بدر نہ کریں، اس کے بعد دونوں میں بحث و تکرار ہونے لگی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ بھی عمارؓ سے کچھ کم نہیں ہیں، آپ بھی جلاوطنی ہی کے قابل ہیں حضرت علیؓ نے مقابلے کا جواب دیتے ہوئے کہا، ارادہ ہو تو کر کے دیکھئے، اس کے بعد مہاجرین کھڑے ہو گئے، اور حضرت عثمانؓ پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جس پر بھی آپ خفا ہوتے ہیں، اس کو جلاوطن کر دیتے ہیں یہ آپ کے لئے مناسب نہیں، پھر حضرت عثمانؓ، عمارؓ اور علیؓ سے باز رہے۔

آپ نے دیکھا، حضرت ابوذرؓ سب سے پہلے نظام اجتماعی سے اپنے اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو یہ ناپسند تھا کہ دولت مند اتنا سرمایہ دار ہو کہ وہ چاندی سونا جمع کرے اور محتاج اتنا تنگدست کہ خرچ کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، یہ بھی ان کو ناگوار تھا کہ خلیفہ دولت مندوں کو ناحق مسلمانوں کا مال دیا کرے جس کی وجہ سے محتاج کا فقر اور غنی کی دولت بڑھتی رہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ رفاہ عام کو چھوڑ کر دولت کے لئے ایسے لوگ پسند کئے جائیں جن کو اس کی ضرورت نہ ہو، مزید براں حضرت ابوذرؓ خلیفہ کو اس کا مجاز خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ تنقید کو روکے یا اختلاف پر سزا دے، اُن کی رائے میں اقتدار کو خفا کر کے خدا کو راضی رکھنا زیادہ اچھا ہے اس بات سے کہ خدا کو ناراض کر کے اقتدار کو خوش رکھا جائے حضرت ابوذرؓ کی مخالفت سیاسی بن کر اور پیچیدہ ہو گئی چنانچہ انھوں نے اس تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ خلیفہ اور اس کے حاکم مسلمانوں کا مال غلط راہ میں خرچ کر رہے ہیں۔ بلکہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی سیاست، ان کی تقرری اور معزولی پر بھی اعتراض کیا ہے، نوجوان اور فتح مکہ کے پناہ گزینوں کو حاکم بنا دینے کو برا کہا، لیکن ان تمام مخالفتوں کے باوجود ان کی حد بغاوت یا سرتابی کی حد تک نہ تھی، اگر خلیفہ ان کو سزا دینا چاہتا تو وہ اس کی سرتابی کرنے والے نہ تھے، پس ان کی مخالفت کا پہلو سلبی پہلو تھا، یعنی تلخ تنقید اور سخت نصیحت۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن کو شام چلے جانے کا حکم ملا تو وہ

چلے گئے" اور جب ربذہ جانے کا حکم ہوا تو سرِ تسلیم خم کر لیا اور کہا مجھے تو اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، خواہ میرا حاکم نکٹا غلام کیوں نہ ہو، جن لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے مخالفت کے اثباتی پہلو کا تقاضا کیا اور چاہا کہ رہنمائی کریں، اُن کو انھوں نے جواب دیا

"اگر عثمانؓ مجھے کھجور کے درخت کی سب سے لمبی شاخ پر سولی دے دیں گے تو میں سرتابی نہیں کروں گا"

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوذرؓ مقابلے کی امکانی طاقت کے ساتھ اختلاف کرنا، اگر اطاعت کے حدود میں ہو اور خلیفہ کی بغاوت نہ ہوتی ہو تو اپنا حق سمجھتے تھے،



عمار بن یاسرؓ

عمار بن یاسرؓ مکہ کے کمزوروں میں سے تھے، ان کے باپ یمنی ہیں، بنی مخزوم کے حلیف تھے، ان کی والدہ سمیہؓ بنی مخزوم کی لونڈیوں میں ایک کنیز تھیں، عمارؓ اور صہیبؓ ایک ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے، اس وقت تیس سے زیادہ آدمی مسلمان ہو چکے تھے، دونوں نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد عمارؓ کے ماں باپ بھی مسلمان ہو گئے، اب تو قریش ان سبھوں کو ستانے اور اذیت پہنچانے کے لئے بھڑک اٹھے، حضرت عمارؓ کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا، انگاروں سے داغا جاتا طرح طرح کا عذاب دیا جاتا، گلو خلاصی کے لئے اپنے معبودوں کی تعریف اور آنحضرتؐ کی شان میں بے ادبی پر مجبور کیا جاتا، حضرت عمارؓ نے جب صورت حال کا آنحضرتؐ سے تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم مان لو، حضرت عمارؓ کے متعلق ایک سے زیادہ آیتیں قرآن میں نازل ہوئیں، اللہ کے رسولؐ انکے اور ان کے والدین کے حال سے بہت زیادہ متاثر ہوتے، اور ان پر ترس کھاتے، جب کبھی آپؐ کا گذر ہوتا اور انہیں گرفتار عذاب دیکھتے تو از راہ شفقت ان کے لئے مغفرت چاہتے، اور جنت کی بشارت دیتے ایک دن تو فرمایا اے خدا آل یاسر کو بخش دے، اور تو نے بخش دیا، حضرت عمارؓ نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، سب سے پہلے انہوں نے مکہ میں نماز کے لئے اپنا گھر مسجد بنایا، مسجد نبوی کی تعمیر میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا، سب لوگ ایک ایک اینٹ لاتے تھے یہ دو دو اینٹیں اٹھاتے، دوران عمل میں گنگناتے نحن المسلمون نبتنی المساجد آنحضرتؐ لفظ کا جواب دیتے اور لفظ مساجد دہراتے، اسی طرح خندق کھودنے میں حضرت عمارؓ نے نمایاں حصہ لیا، خود آنحضرت نے ان کا غبار صاف کیا، یہ بدر کے معرکے میں، احد کے معرکے میں اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، یمامہ کے دن تو بڑا خوفناک مقابلہ کیا، اس دن مسلمانوں نے ان کو دیکھا کہ ایک چٹان پر چڑھ کر مسلمانوں کو للکار رہے ہیں کہ کیا تم جنت سے گریز کر رہے ہو، حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور ان کے ساتھ بیت المال پر حضرت عبد اللہ مسعودؓ کا اور سواد پر حذیفہ الیمانؓ کا تقرر کیا تو ان کے لئے،

روزانہ ایک بکری کا راشن مقرر ہوا نصف ان کے لئے اور نصف دونوں ساتھیوں کے لئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو ان سے دریافت کیا کہ میری معزولی تم کو ناگوار تو نہیں ہوئی، آپؓ نے جواب دیا کہ جب آپؓ یہ کہہ رہے ہیں تو عرض ہے کہ اس وقت بھی میں خوش نہ تھا جب آپؓ نے میرا تقرر کیا تھا، اور آج بھی خوش نہیں جب آپؓ نے معزول کر دیا ہے ۔

حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی، لیکن بعد کے شاخسانوں نے ان کو حضرت عثمان کا شدید مخالف بنا دیا، ایک دن لوگوں میں یہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے جواہرات میں سے کچھ لے لیا ہے اور اپنے گھر کے لئے کسی کا زیور بنا لیا ہے، لوگ اس بات سے ناراض ہوئے اور حضرت عثمان پر اعتراضات کئے۔ حضرت عثمانؓ غصے میں آئے اور خطبہ دیتے ہوئے کہا "ہم اس خراج کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لیں گے کچھ لوگ ناراض ہوتے ہوں تو ہوں" اس پر حضرت علیؓ نے کہا، "آپ کو اس سے روکا جائے گا" عمار بن یاسرؓ نے کہا۔ "میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سب سے پہلا ناراض میں ہوں" حضرت عثمانؓ نے کہا، لونڈی کے بچے مجھ پر تیری یہ جرأت پکڑو اس کو، چنانچہ وہ پکڑے گئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کو اسقدر مارا کہ بیہوش ہو گئے[1]، اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر اٹھا کر لائے گئے جہاں وہ پورے دن بیہوش رہے ۔ اسی میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں بھی جاتی رہیں، پھر جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز پڑھ کر فرمایا، اے خدا تیرا شکر، تیرے بارے میں اذیت پانے کا یہ پہلا ہی موقع نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ ام سلمہؓ اور عائشہؓ نے آنحضرتؐ کے کچھ بال، کپڑا اور جوتا نکالا اور فرمایا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال، ان کا کپڑا اور جوتا ہے ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو، لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں ؟

ایک اور موقع پر حضرت عمارؓ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کا ساتھ دیا جس نے حضرت عثمانؓ کے نام ایک خط لکھا تھا، خط میں حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات اور ان کے لئے نصیحتیں تھیں، عمارؓ وہ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ حضرت عثمانؓ پر دہرایا، حضرت عثمانؓ نے بُرا بھلا کہا اور جیرا میں پہنے ہوئے پاؤں سے اس کو اس طرح مارا کہ وہ مرض فتق میں مبتلا ہو گئے، اور وہ

[1] انساب الاشراف بلاذری ص۴۸ مطبوعہ قدس

بوڑھے تھے۔

اس سے پہلے ہم ابن مسعودؓ اور ابوذر کے سلسلے میں ان کا پوزیشن واضح کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان کو شہر بدر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور پھر باز آگئے، بہر حال حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کے سخت معترضین اور مخالفین میں تھے، اس سلسلے میں وہ ایک طرف صحابہؓ میں معتدل خیال کے حضرات سے اشتراک رکھتے تھے اور دوسری طرف مدینہ آنیوالے کٹر مخالفوں کا بھی ساتھ دیتے تھے اور اس کیلئے مصیبتیں بھی برداشت کیں۔

یہ ہیں مدینہ میں حزب مخالف کے سربرآوردہ اور ممتاز رہنما اور یہ سب کے سب جلیل القدر صحابیؓ اور ممتاز مہاجر ہیں، انصار کی طرف سے گو اختلاف کی آواز نہیں اٹھتی تھی اس لئے کہ وہ حکومت سے دور رکھے گئے تھے لیکن وہ عوام کے شریک تھے اکا دکا کہیں کہیں سے اختلاف کی آواز بھی اٹھتی تھی جیسا کہ ہم نے عبید اللہ ابن عمرؓ کے بارے میں زیاد بیاضی کے اشعار نقل کئے ہیں، انصار کی اکثریت حضرت عثمانؓ کی ہمنوا نہ تھی، ہاں چند افراد حامی تھے جن میں زید بن ثابتؓ کعب بن مالکؓ حسان بن ثابت پیش پیش تھے، انصاری بزرگ بعض اوقات حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بن جاتے تھے مثلاً محمد بن مسلمہؓ کا مصریوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان پڑ جانا جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

انہیں دنوں مدینہ میں ایک خفیہ تحریک بھی عوام میں تھی، جو زبانوں پر تو تھی لیکن اس کے چلانے والوں کا پتہ نہیں مثلاً جب حضرت عثمانؓ مسجد نبوی کی توسیع کر رہے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ نبی کی مسجد بڑھا رہے ہیں لیکن ان کی سنت ترک کر رکھی ہے اور مثلاً جب مدینہ میں کبوتروں کی کثرت ہوئی اور نوجوانوں نے تیر اندازی شروع کی حضرت عثمانؓ نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا مشورہ دیا اور ایک شخص کو مقرر کیا کہ لوگوں کو تیر اندازی سے روکے تو لوگوں نے کہا کبوتروں کو تو ذبح کیا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے ہوؤں کو بلایا جا رہا ہے مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم بن العاص اور ان کے لڑکوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہونے والے واقعات کی تصویر جو لوگوں کے حالات سے بالکل قریب ہے پیش کر دی ہے ساتھ ہی مدینہ اور دوسرے شہروں میں مخالفت کی کیفیت بھی بتا دی اب یہ آسان ہوگا کہ ہم ان واقعات تک خود پہنچیں اور ان کے متعلق قدما کے خیالات کا پتہ چلائیں اور پھر اپنے افکار پیش کریں اور جہاں تک ہو سکے حق اور اعتدال ہمارے پیش نظر ہو،

فتوحات پر کوئی اعتراض نہیں

سب سے پہلی بات جس پر ہم نظر ڈالنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ قدما میں جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے مسلک پر اعتراض کیا ہے اور اس کی خرابیاں گنائی ہیں، انہوں نے آپؓ کے عہد کی فتوحات پر کوئی تنقید اور نکتہ چینی نہیں کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں کام کا طریقہ وہی تھا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں جاری تھا اور جس کی پابندی کے لیے حضرت عثمان نے خلیفہ ہونے کے بعد ہی سپہ سالاروں کو فرمان بھیجے تھے، ہم اس سے قبل ان فرامین کا تذکرہ کر چکے ہیں، جو لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد کی فتوحات اور اس کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں گے وہ دیکھیں گے کہ آپؓ کے حاکموں اور سپہ سالاروں نے خوب خوب داد شجاعت دی، ہمت اور حوصلے کا حق ادا کر دیا بعض ایسے علاقے اور آبادیاں جو عہد فاروقیؓ میں فتح ہو چکی تھیں لیکن اب وہ باغی تھیں یا آمادہ بغاوت ہو رہی تھیں حضرت عثمانؓ کے افسروں نے ان کو زیادہ تر مقابلہ کر کے اور کہیں کہیں شوکت اور قوت کا مظاہرہ کر کے از سر نو تابع فرمان کیا۔

حضرت عمرؓ کی جب وفات ہوئی تو فارس کا علاقہ سب کا سب فتح نہ ہو سکا تھا، خود کسریٰ یزدگرد ابھی زندہ تھا، گو شکست کھا کر ایک آبادی سے دوسری آبادی میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا، لوگ اس کے گرد و پیش ایک جگہ جمع ہوتے اور دوسری جگہ منتشر ہو جاتے لیکن اس گئی گذری حالت پر بھی وہ اپنے موروثی اقتدار سلطنت سے قوت پا رہا تھا، جو لوگ مفتوح ہو چکے تھے اور جو ابھی مقابلہ کر رہے تھے اور وہ جن تک ابھی یہ جنگ پہنچی نہ تھی وہ سب کے سب اس کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے تھے۔ اور اس کے حق کا اعتراف کرتے تھے ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے فوجی افسران سرحدوں پر جو کوفہ اور بصرہ سے متصل تھیں فاتحانہ آگے بڑھتے رہے، جہاں کہیں یزدگرد کے حامی گئے انہوں نے ان کا تعاقب کیا بادشاہ سے ان کی جمعیت کو منتشر کیا ان شہروں اور صوبوں پر قبضہ کیا جن پر یزدگرد کا دہمی یا واقعی اقتدار تھا، اور بالآخر اس کو مجبور کیا کہ وہ بے یار و مددگار بھاگتا پھرتا مقتول ہو کر اپنی موت سے جا ملے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں کسروی

حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد حضرت عثمان کے یہ حکام اور سپہ سالار بدستور فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھاتے رہے تاآنکہ ترکوں کی سرزمین تک پہنچ گئے اور ان سے بھی بڑھی نوک جھونک رہی حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں آرمینیہ فتح ہوا، انہیں کے عہد میں اسلامی حکومت کا اقتدار مغرب تک پہنچا چنانچہ افریقیا فتح ہوا اور اندلس پر حملے کا آغاز ہوا، انہیں کے دور میں امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن ابی سرح نے وہ کچھ کیا جو عہد فاروقی کا کوئی گورنر کوئی فوجی افسر نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ روم پر بحری حملہ ہوا اور قبرص فتح کر لیا گیا، اور مسلمانوں کا بحری بیڑا آبنائے قسطنطنیہ تک پہنچا اور عبداللہ بن سعدؓ کو ذات صواری میں رومی بیڑے کے مقابلے میں نہایت شاندار اور فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی،

حضرت عثمانؓ کی فوجی طاقت حضرت عمرؓ ہی کے جیسی تھی، لیکن فتوحات کی وسعت کا، قیصرو کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ دینے کا، ان کی بری اور بحری طاقتوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینے کا جو موقع حضرت عثمانؓ کو ملا وہ حضرت عمرؓ کو نہ مل سکا، لیکن یہی امتیاز فتنے اور اختلافات کا سرچشمہ بھی ہے، اس لئے کہ فتوحات کے ذریعے مسلمان غنیمت اور خراج کی بہت بڑی دولت پا رہے تھے غنیمت کے مال اور خراج کی رقموں میں حضرت عثمانؓ کا اختیار فوج میں مخالفت کا جذبہ پیدا کر سکتا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن سعدؓ اور مروان بن الحکم سے متعلق افریقیا کی فتوحات میں ہوا اور مہاجرین اور انصار میں بھی اس سے مخالفانہ خیالات پیدا ہو سکتے تھے جیسا کہ بیت المال سے جواہرات کے تصرف میں ہوا اور حضرت عمارؓ کی زد و کوب تک نوبت پہنچی اس سلسلے میں جو بات شبہہ سے خالی ہے وہ یہ کہ عہد عثمانی میں حکومت کی طاقت میں کمزوری کے لئے باہر سے کوئی راہ نہیں مل سکی باہر سے تو قوت اور شوکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا،

دوسری بات جو اس کے بعد ہم پیش نظر رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہونے والے واقعات کے بارے میں اور اس بارے میں کہ ان واقعات میں خود حضرت عثمان کا کتنا حصہ ہے، سخت متضاد خیالات رکھتے ہیں، کچھ لوگ تو اس طرح مطمئن ہیں کہ ان کے خیال میں ان واقعات کا اکثر حصہ جھوٹ اور بناوٹی ہے، بتانے والے جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس سے بعضوں کا مقصد اسلام کے خلاف مکاری اور ریشہ دوانی ہے، اور بعض جماعتوں کی باہمی خصومت کا شکار ہو گئے ہیں، یہ لوگ اکثر واقعات کا انکار کرتے ہیں، اس کو اہم یا کوئی بڑی بات تصور نہیں کرتے اور خیال کرتے

ہیں کہ یہ خلیفہ کے اجتہاد کی بات ہے، جس میں اگر وہ حق پر ہے تو دو اجر کا مستحق ہے اور اگر غلطی پر ہے تب بھی اس کو ایک اجر ملے گا اور خلیفہ بہر حال خیر خواہ ہے۔ جس کا کام بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں، جن روایتوں میں حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ کے درمیان اختلاف اور کشمکش کی باتیں مذکور ہیں یہ لوگ ان تمام روایتوں کو زیادہ تر غلط اور بناوٹی سمجھتے ہیں، اور جن کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ان میں اجتہاد والی بات کہہ کر اپنا اطمینان کر لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے خیال کی بنیاد یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کے اس عہد کو مقدس اور متبرک جانتے ہیں، انہیں ہرگز یہ پسند نہیں کہ جو مقابلے کی بات دنیادار قسم کے لوگ امتیاز اور اغراض سامنے رکھ کر کرتے ہیں وہ ان حضرات پر چسپاں کر دی جائے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو، جو اللہ کی راہ میں تن، من، دھن سب کچھ قربان کر کے اسلام کی حکومت قائم کر سکے ہوں، یہ حضرات تو مجتہدین کا درجہ رکھتے ہیں، ہمیشہ بھلائی کی راہ میں دوڑتے ہیں، رائے میں ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، لیکن وہ کبائر میں مبتلا نہیں ہو سکتے، ہاں چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہو سکتی ہیں جن کو اللہ نیک بندوں سے معاف کر دیتا ہے، اس گروہ میں چھوٹی سی تعداد ایسے افراد کی بھی ہے، جو اپنی عقل کی کاہلی اور شعور کی کسلمندی کی وجہ سے تحقیق و تلاش کی زحمت گوارہ کرنی نہیں چاہتے،

ایک اور جماعت ہے جو دوسرے طریقے پر مطمئن ہے، اس کے خیال میں ایسا ممکن ہی نہیں کہ اس قسم کے فتنہ و فساد کی باتیں نبیؐ کے صحابہؓ سے سرزد ہوں، یہ تو اسلام کے دشمنوں کی مکارانہ سازشیں ہیں جن کی تہ میں عبداللہ ابن سبا قسم کے عیاروں کا ہاتھ ہے جس کے ساتھ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی ایک ٹولی تھی،

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم نہ یہ راہ چل سکتے ہیں نہ وہ، نہ ہم کو عقلی کسلمندی کے زیر اثر عافیت کے گوشوں میں جانا ہے، اور نہ انسانوں کی تقدیس میں ہمیں اتنا مبالغہ منظور ہے کہ ہم صحابہ میں کوئی ایسی بات مان لیں جو وہ خود اپنے اندر نہ پاتے ہوں، وہ اپنے کو بشر جانتے تھے اور دوسرے انسانوں کی طرح اپنے کو غلطیوں اور گناہوں کی زد میں سمجھتے تھے، انہوں نے باہم شدید الزامات لگائے، ایک جماعت نے کفر و فسق تک نوبت پہنچادی، چنانچہ روایت کی جاتی ہے کہ عمار ابن یاسرؓ حضرت عثمانؓ کی تکفیر کرتے تھے ان کو "نعثل" "سادہ لوح بوڑھا یا لکڑ بگھا کہا کرتے تھے، روایتوں میں آتا ہے کہ ابن مسعودؓ

جب کوفہ میں تھے تو حضرت عثمانؓ کے خون کو حلال قرار دیتے تھے، لوگوں میں جب تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو فرماتے کہ سب سے بری چیز نئی باتیں ہیں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا آگ ہے، ان الفاظ میں حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنر ولید کی طرف اشارہ ہے،

یہ بھی روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر جی چاہتا ہے تو اپنی تلوار لے آؤ میں بھی اپنی تلوار لے لیتا ہوں اس لئے کہ انہوں نے (عثمانؓ) مجھے جو زبان دی تھی اس سے وہ پلٹ گئے، اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرض موت میں اپنے بعض ساتھیوں سے کہا تھا کہ۔ "ان کے (عثمانؓ) زیادتی کرنے سے پہلے تم ہاتھ بڑھا دو۔"

صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی حمایت کی ان کا خیال تھا کہ ان کا مقابلہ کرنے والے دین کے مخالف اور باغی ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ سبھوں نے آپس میں قتل وقتال کو جائز سمجھا اور بعض نے تو جمل اور صفین کے موقع پر عمل بھی کیا، البتہ سعدؓ اور ان کے ساتھیوں کی ایک مختصری جماعت تھی جو کنارہ کش رہی اور جنگ وجدال میں حصہ نہیں لیا، حضرت سعدؓ نے اس جماعت کے نقطہ نظر کی بہترین ترجمانی اپنے اس جملے میں کی ہے، "میں اس وقت تک نہیں لڑوں گا جب تک تم مجھ کو ایسی تلوار نہ لا دو جو خود کہے کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر" پس جب صحابہؓ خود ان اختلافات میں مبتلا ہوگئے کبائر کا ارتکاب کیا، بعضوں نے قتل اور خونریزی تک کی، تو ہماری رائے ان کے متعلق خود ان کی رائے سے بہتر نہیں ہو سکتی، اور ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم ان لوگوں کی راہ چلیں جو فتنہ وفساد کی زیادہ تر روایات کی جو ہم تک پہنچی ہیں تکذیب کرتے ہیں، اس لئے کہ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعثت نبویؐ سے لیکر اس وقت تک کی پوری اسلامی تاریخ کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ جو لوگ ان فسادات اور فتنوں کی روایات کے راوی ہیں ان ہی لوگوں نے فتوحات" اور غزوات کی روایات بھی کی ہے۔ ان ہی لوگوں نے نبیؐ اور خلفاء کی سیرت کا بھی بیان کیا ہے اب یہ تو بالکل مناسب نہیں کہ ان کی جو باتیں ہم کو اچھی معلوم ہوں ان کی تصدیق کریں، اور جو ناگوار ہوں ان کی تکذیب اور یہ بھی غیر مناسب ہے کہ تاریخ کے بعض حصوں کو محض اس لئے تسلیم کریں کہ ان سے ہم کو خوشی ہوتی ہے اور بعض کا اس لئے انکار کردیں کہ وہ ہماری تکلیف اور ناراضی کا باعث ہیں، پھر یہ بھی نامناسب ہے کہ روایات میں جو کچھ ہے سب کا سب تسلیم کر لیا جائے یا سب کو جھٹلا دیا جاوے یا یہ راوی بھی تو انسانوں ہی میں سے ہیں ان سے صحت اور غلطی دونوں کا

امکان ہے ۔ وہ سچ بول سکتے ہیں اور جھوٹ بھی، خود قدما اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اور اسی لئے انہوں نے جرح و تعدیل کے، تصدیق و تکذیب کے، ترجیح و اسقاط کے اور شک کے اصول اور قواعد وضع کئے، پس ہمارے لئے قدما کی راہ چلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی حرج کی بات ہوگی، کہ اس قدیم آئین کے پہلو بہ پہلو ہم ان جدید قواعد کا بھی اضافہ کریں جو نئے لوگوں نے دریافت کئے ہیں اور جن سے کسی معاملے کی تحقیق اور چھان بین میں مدد لی جاسکتی ہے

اس بات میں شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا یہ اختلاف بغاوت تک پہنچا جس میں ان کی جان گئی اور اس بغاوت نے مسلمانوں کو اس طرح متفرق کیا کہ پھر آجتک جمع نہیں ہو سکے ۔

یقیناً اس اختلاف اور بغاوت کے کچھ اسباب ہوں گے، حضرت عثمانؓ نے خودکشی نہیں کی اور نہ اپنے آپ کو قاتلوں کے حوالے کردیا، پھر جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کرکے ان کے خلاف بغاوت کی اور ان کی جان تک لے لی، انہوں نے بھی یہ سب کچھ بلا سبب نہیں کیا، کچھ تو ایسی باتیں تھیں جن کو وہ غلطی سے یا صحیح طور پہ برا سمجھتے تھے، جن کی وجہ سے اختلاف اور پھر بغاوت پیدا ہوئی، اور بغاوت نے وہ سانحہ بپا کیا جس کی ان کے پاس مثال نہیں ۔ یعنی خلیفہ کو جبر اور قوت سے قتل کردینا ۔

پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت ایک سچی حقیقت تھی، جس میں ادنیٰ شک کی گنجائش نہیں، تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی، سبھوں نے ان کی خلافت سے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اطاعت کا اعلان، خلفاء کے انتخاب کے سلسلے میں مسلمانوں کے طریقے پہ کہنے والے جو چاہیں کہیں لیکن یہ انتخاب صحیح اور متفقہ تھا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انتخاب کے موقع پہ سعد ابن عبادہؓ ایک مخالف تھے جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی، لیکن حضرت عثمانؓ کی بیعت میں تو ایک بھی مخالف نہ تھا حضرت علیؓ کی تاخیر کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ یہ بات ان کی سیرت سے میل نہیں کھاتی اور نہ ان کے اخلاق اور شیخین کے ساتھ ان کے طرز عمل کو اس سے کچھ نسبت ہے، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے حضرت علیؓ نے جو عہد و پیمان کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا جو برتاؤ تھا، یہ بات اس کے بھی خلاف ہے، حضرت طلحہؓ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، غصہ ہوئے، گھر بیٹھ رہے، اور یہ بھی کہا کہ مجھ جیسے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی وہ رکے نہیں رہے، دوسروں کی طرح انہوں نے

بھی بیعت کرلی اور خلیفہ کی اطاعت کی، پس حضرت عثمانؓ کی خلافت شیخین کی خلافت کی طرح صحیح اور متفقہ تھی، اور جو کچھ انہوں نے حکم دیا، جو کچھ کیا اور کہا اس کی حیثیت ایک ایسے امام کے احکام اور افعال کی تھی جس کی بیعت صحیح اور جس کی اطاعت واجب تھی۔ لیکن بیعت جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں خلیفہ اور رعایا کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے، صرف رعایا یا تنہا خلیفہ پر ہی ذمہ داری نہیں ہوتی، حضرت عثمانؓ اور مسلمانوں کے درمیان اس بات پر عہد و پیمان ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ اللہ کی کتاب، رسولؐ کی سنت اور شیخین کی راہ پر چلیں گے؛ اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے اور مسلمان ان کی اطاعت کریں گے اور جب تک خلیفہ راستے سے نہ ہٹ جائے وہ اطاعت اور فرماں برداری میں رہیں گے۔

تو اب اصل سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کتاب و سنت اور شیخین کی سیرت کی پوری پوری پابندی کی یا کچھ اس کے خلاف کیا، اگر خلاف کیا تو مسلمانوں پر بیعت کی ذمہ داری نہیں رہ جاتی، اور اگر پوری پوری پابندی کی تو بغاوت محاصرہ اور قتل تو الگ رہا مسلمانوں کو اس کا بھی حق نہیں کہ وہ اس کے کسی حکم کی نافرمانی کریں یا اس کی روش سے ناراض ہوں۔

تصویر کا یہی رُخ ہے جسے پیش کرنا چاہئے؛ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قدماء نے اس کو مختصر اور مفصل کس طرح پیش کیا ہے۔

قدما کا نقطۂ نظر

حضرت عثمانؓ پر اعتراض اور اُن سے اختلاف والے تمام واقعات پر قدمانے خالص مذہبی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے اور یہی نقطۂ نگاہ حضرت عثمانؓ کے تمام معاصرین کا ہے چاہے وہ آپ کے حامی ہوں یا مخالف اس لئے کہ وہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات کو اسی دینی عینک سے دیکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُن کی بحثوں میں مسائل کے صحیح، غلط، مفید اور مضر ہونے سے کہیں زیادہ کفر وایمان کی بات ہوتی ہے، پس ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے میں ہم متعلقہ واقعات کو ان ہی کی نگاہوں سے دیکھیں گے، البتہ واقعات کی نوعیت کا کچھ فرق ضرور ہمارے پیش نظر ہوگا اس لئے کہ بعض واقعات تو خالص دینی ہیں اور کسی آیت یا حدیث سے متعلق ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا تعلق سیاسی امور سے ہے، جن میں امام کو اجتہاد کا حق ہے کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن کا سماجی نظام سے تعلق ہے اور اس میدان میں بھی امام اجتہاد کا حق دار ہے یعنی غلطی کرنے پر معذور اور حق پر مبنی حالت میں فضیلت اور امتیاز کا مالک، سیاسی امور اور سماجی نظام میں جو چیز معیار کا درجہ رکھتی ہے وہ عدل ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی رضامندی،

اب ہم ان واقعات میں ایسی باتوں سے بحث کا آغاز کرتے ہیں جو بالکل مذہبی ہیں حضرت عثمانؓ کے مخالف معترض ہیں کہ انھوں نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اللہ کی ایک حد معطل کر کے قرآنی حکم کی سخت خلاف ورزی کی اور یہ اس طرح کہ عبید اللہ ابن عمرؓ کو معاف کر دیا، اور ان سے ہرمزان، جفینہ اور ابو لؤلؤ کی لڑکی کا بدلہ نہیں لیا، ہرمزان ایک ایرانی مسلمان امیر تھا، دوسرے دونوں ذمی تھے۔ اور اللہ نے مسلم اور ذمی دونوں کے خون کی حفاظت کی ہے، اور حدیں مقرر کی ہیں مقتول مسلمان ہو یا ذمی، ہر حالت میں قاتل پر حد جاری ہوگی، سورۃ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝	اے ایمان والو فرض ہوا تم پر قصاص مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو،

اسی طرح سورہ نساء میں ارشاد ہے،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ	اور مسلمانوں کا کام نہیں ہے کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ
اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔

تھا وہ ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور اس میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو وہ روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب،

پھر سورہ مائدہ میں ہے،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ
قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ
فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ
النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا
فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ
وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا
بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو اور لا چکے ہیں ان کے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں

سورہ اسریٰ میں ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ	اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا
اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ	ہے اللہ نے مگر حق پر، اور جو مارا گیا ظلم
مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ	سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو
سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ	زور، اور حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے
إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا	میں، اس کو مدد ملتی ہے،

اللہ نے اُن تمام آیات میں حدیں بیان کی ہیں، کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اُن سے آگے بڑھ جائے، ان میں سے بعض آیتیں قتل عمد کے بارے میں ہیں اور بعض غلطی سے قتل کے متعلق، اس میں کچھ شک نہیں کہ عبید اللہ نے ہرمزان اور اس کے ایک یا دو ساتھیوں کو غلطی سے قتل نہیں کیا، بلکہ عمداً کیا، خاص ارادے سے کیا، اور اگر اُن سے تلوار نہ لے لی جاتی تو شاید وہ اوروں کو بھی قتل کر دیتے، حضرت عثمانؓ کے مخالفینؔ نے اُن سے کہا، نصِ قرآنی کے ماتحت قتل کی حد جاری کرنا واجب ہے، انھوں نے جواب میں کہا، کل اُن کے باپ مارے گئے آج میں اُن کو قتل کر دوں، ہم کہا جاتا ہے کہ خود مہاجرین نے حضرت عثمانؓ سے یہی کہا، بہرحال اہم بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبید اللہ کو معاف کر دیا اور معترضین کو جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں یہ جواب دیا کہ ہرمزان اور اس کے ساتھیوں کا کوئی ولی نہیں ہے اس لئے میں ان کا ولی ہوں، جس کا کوئی ولی نہیں خلیفہ اس کا ولی ہوتا ہے اور اللہ نے ولی کو معافی کا مجاز بنایا ہے اور اس معافی پر ثواب بھی دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اللہ کی اجازت سے معافی دی ہے اور یہ کہ انہوں نے بڑی مصلحت اور تدبر سے کام لیا، اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ اور بہت سے مسلمان حضرت عثمانؓ کو اس معافی کا حقدار قرار نہیں دیتے،

بعد میں متکلمین نے بھی اس بحث میں حصہ لیا، اہل سنت اور معتزلہ اس مسئلے میں حضرت عثمانؓ کے ہمنوا ہیں اور کہتے ہیں کہ اس معافی میں حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، وہ مقتولوں کے ولی تھے اور ولی کو معاف کر دینے کا حق ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ معاف کر دینے میں ایک بڑی مصلحت بھی کارفرما ہو اور یہاں تو داخلی اور خارجی دونوں مصلحتیں تھیں، داخلی یعنی قریش اور مہاجرین کا لحاظ

جو کہتے تھے کہ کل تو ان کے باپ مارے گئے اور آج ان کو قتل کیا جا رہا ہے، خارجی مصلحت بقول اہلسنت اور بقول معتزلہ، اگر حضرت عثمانؓ عبید اللہ کو قتل کر دیتے تو مسلمانوں کے دشمن اس پر ہنسنے اور کہتے پہلے اپنے خلیفہ کو مارا بعد میں اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا، اس معاملے میں شیعہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہمنوا ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک ایسے مسئلے میں جس کو قرآن اپنی نص صریح میں واضح کر چکا ہو حضرت عثمانؓ کا اجتہاد کرنا مناسب نہ تھا اور دشمنوں کی ہنسی کا لحاظ بھی غیر مناسب ہے، اس لئے کہ وہ تو اس بات پر بھی بغلیں بجا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلیفہ نے اسلامی حدود میں سے ایک حد کو معطل کر دیا، حضرت علیؓ کے ہمنوا یہ بھی کہتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ نے وصیت کر دی تھی کہ اگر ان کے بیٹے پر ناحق قتل کا الزام ثابت ہو جائے تو اس پر قتل کی حد ضرور جاری کی جائے۔ پس جب خلیفہ نے ایک قطعی فیصلہ دیدیا تو حضرت عثمانؓ کو اس کا توڑ دینا کسی طرح مناسب نہ تھا۔

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا نے اگر قرآن میں قاتل پر حد جاری کرنے کی تفصیل کی ہے تو اس نے معاف کر دینے کی رغبت اور دعوت بھی قرآن ہی میں دی ہے، پس معاف کر کے حضرت عثمانؓ نے قرآن کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ پابندی کی ہے اور اللہ کی مرضی اور دعوت کے مطابق عمل کیا ہے، پھر یہ کہنا بھی بجا نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ کے فیصلے کو توڑ دیا اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اگر یہ روایت صحیح ہے وصیت کی تھی کہ قتل ثابت ہو جائے تو ان کے بیٹے سے قصاص لیا جائے اس کے معنی یہ ہے کہ انہوں نے کوئی حکم نہیں دیا تھا، بلکہ چاہا تھا کہ اللہ کی کتاب پر عمل ہو اور اس معاملے میں حق و انصاف یہی ہے کہ امام قصاص کا حکم دے اور اگر معافی میں مصلحت دیکھے تو معاف کر دے اگر حضرت عمرؓ ایک قطعی فیصلہ فرما دیتے اور اس کے نفاذ سے پہلے وفات پا جاتے تب بھی بعد کے امام کا حق تھا کہ وہ معاف کر دے اس لئے کہ معافی حکم کا توڑنا نہیں ہے بلکہ حکم کا تسلیم کرنا ہے اور اپنے اختیار کا ترک کرنا۔

پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے کوئی حد معطل کر دی یا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبید اللہ کو تھوڑی بہت قید کی سزا نہ دیکر اور اپنے مال سے خون بہا ادا کر کے ایک بہت دور کی بات کی جس سے نہ عبید اللہ کی آزادی میں کوئی فرق آیا اور نہ ان پر کوئی مالی مصیبت آئی، بلکہ راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ جب مدینہ میں قیام نہ کر سکے تو

حضرت عثمانؓ نے ان کو کوفہ بھجوا دیا اور ان کو ایک گھر اور زمین دی، یہ تمام باتیں اگر صحیح ہیں تو یہ عفو اور حلم میں غلو کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی بنا پر کچھ لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک مقتولوں کے خون کی کوئی اہمیت نہیں اسی طرح کچھ لوگ محسوس کر سکتے ہیں کہ قریش کی خوشنودی اور مصلحت وقت کی رعایت حضرت عثمانؓ نے حدود سے متجاوز ہو کر کی۔

حضرت عثمانؓ کی دوسری بات جو لوگوں کو ناگوار ہوئی وہ یہ کہ انہوں نے منا میں پوری نماز پڑھی حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، شیخین اور خود حضرت عثمانؓ نے برسوں قصر کیا، بلاشبہ مسلمان حیرت میں ہو گئے، جب منیٰ میں حضرت عثمانؓ نے قصر نہیں کیا لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا۔ کیا آپ نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت نماز نہیں پڑھی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا یقیناً۔ پھر عبدالرحمٰنؓ نے پوچھا، کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ آپ نے یہاں دو رکعت نہیں پڑھی، حضرت عثمان نے جواب دیا یقیناً۔ پھر عبدالرحمٰنؓ نے کہا اور کیا خود آپؓ نے یہاں لوگوں کو دو رکعت نہیں پڑھائی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا یقیناً تب عبدالرحمٰنؓ نے کہا پھر آپؓ یہ نئی بات کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے کہا، میں نے مکہ میں اقامت کر لی ہے پھر طائف میں میری کچھ زمین ہے جہاں بعد قیام کروں گا، میں نے خیال کیا کہ یمن کے دیہاتی کہیں یہ نہ سمجھنے لگیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہو گئی ہے، عبدالرحمٰن بن عوف نے جواب دیا آپؓ کو دیہاتیوں سے خوف نہیں ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت اس وقت پڑھی جب اسلام پھیلا بھی نہ تھا اور اب تو اسلام کی بنیاد مضبوط ہو چکی ہے، اب رہی یہ بات کہ آپؓ نے مکہ میں اقامت کر لی ہے تو آپ کی بیوی مدینہ میں ہیں، اگر آپ چاہتے تو ان کو ساتھ رکھ سکتے تھے اور ساتھ نہ لانے کا بھی آپؓ کو اختیار ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ طائف میں آپؓ کی زمین ہے تو طائف کے اور آپؓ کے درمیان تین رات کی مسافت ہے، حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا، میں نے یہی مناسب جانا، راویوں کا بیان ہے کہ واپسی میں عبدالرحمٰنؓ کی ملاقات راستے میں عبداللہ ابن مسعود سے ہوئی انہوں نے فرمایا حضرت عثمانؓ کو دیکھا آپؓ نے چار رکعتیں پڑھا دیں حالانکہ آنحضرتؐ نے شیخینؓ نے اور خود انہوں نے اس جگہ دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں، مجھے یہ معلوم تھا، لیکن اختلاف سے بچنے کی خاطر میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں، عبدالرحمٰن نے کہا میں بھی واقف تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں سمیت دو

ہی رکعتیں پڑھی ہیں، لیکن اب جیسا تم کہتے ہو،

اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہؓ میں سے ممتاز افراد نے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے پر حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا، اور بحث بھی کی اور جب دیکھا کہ وہ اپنی رائے بدلنے پر تیار نہیں تو تفریق کے خوف سے انہیں کا مسلک تسلیم کر لیا،

ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس معاملے میں صحابہؓ کے اختلاف کی بنیاد ایک تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عمل سے ایک سنتِ موروثہ کی مخالفت ہوتی تھی، دوسری اہم چیز مہاجرین کا یہ خیال کہ ہجرت کے بعد آنحضرت نے مدینہ کو اپنے اور اپنے رفقاء کے لئے مقام سکونت مقرر کیا اور مکہ اور اس کے قرب و جوار کو دار الغربۃ قرار دیا، آپ کو ناگوار تھا کہ مکہ میں آپ یا آپ کے صحابہؓ کچھ زیادہ قیام کریں تاکہ اس بات کا شبہہ نہ کیا جائے کہ جو لوگ اس سرزمین سے ہجرت کر گئے وہ پھر یہاں آرہے ہیں یا آنے کی خواہش رکھتے ہیں، آپ کو یہ بات اس قدر ناپسند تھی کہ بعض مہاجر صحابیوں کا مکہ میں انتقال کرنا بھی گوارا نہ تھا، اور خدا سے ان کے حق میں دعا کی کہ جس سرزمین کو چھوڑ کر چلے گئے، وہاں موت نہ دے، مکہ میں سعد بن وقاصؓ کے بیمار ہونے پر جس صحابی کو آپ نے مقرر کیا تھا اس کو حکم دیا تھا، کہ اگر ان کی وفات ہو جائے تو مکہ میں دفن نہ کرنا، بلکہ مدینہ کے راستے میں جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں مقیم کی طرح چار رکعت پڑھائی، تو انصار اور مہاجر سبھوں کو اس حقیقت کا احساس ہوا، اور ڈرے کہ حضرت عثمانؓ نبیؐ اور ان کے صحابہ کے خلاف، کہیں مکہ کو دار الغربۃ سے نکال کر اقامت کی جگہ تو نہیں بنا دیں گے، لیکن پھر بھی انھوں نے حضرت عثمانؓ کا طریقہ اختیار کیا اور نماز جیسے اہم رکن میں تفریق پیدا ہونے کے ڈر سے منیٰ میں قصر نہیں کیا،

ہمیں اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اجتہاد سے کام لیا، اور بے سمجھ بھائیوں کو غلط فہمی سے بچایا، اس اجتہاد میں وہ حق پر رہے ہوں یا خطا پر لیکن ان کی نیت بھلائی کی تھی اور عرض بھلائی کی اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، کہ انھوں نے مدینہ چھوڑ کر مکہ یا کسی اور جگہ جانا کسی طرح پسند نہیں کیا، جب فتنے کی آگ زیادہ بھڑکی تو آپ پر یہ بات پیش کی گئی کہ مکہ میں قیام فرمائیں جہاں کوئی بات مزاج کی ناگواری کا

باعث نہ ہوگی، لیکن اللہ کے رسول کا پڑوس چھوڑنا آپ نے منظور نہیں کیا، حالانکہ ضرورت کا تقاضا تھا، کوئی امر مانع نہ تھا، اور آپ مکہ میں خارجی امداد آنے تک پناہ لے سکتے تھے، اسی طرح امیر معاویہؓ کی پیش کش پر آپ شام جاسکتے تھے، لیکن آپ کہیں نہیں گئے، پس واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے مکہ کو مقام سکونت بنانے کا ارادہ نہیں کیا اور منیٰ میں جو کچھ ہوا وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ آپ نے ایک نصیحت کی، جسے مسلمانوں نے منظور کرلیا اور اپنی نمازیں پوری کرلیں اگرچہ حضرت عثمانؓ کی دلیل سے وہ پوری طرح مطمئن نہ ہوسکے،

حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کا ایک دینی اعتراض یہ بھی ہے کہ آپ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی حالانکہ آنحضرتؐ نے غلاموں اور گھوڑوں سے زکوٰۃ معاف کردی تھی، اور شیخینؓ کے عہد میں بھی معاف رہی،

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت متواتر نہیں اور رواۃ کا اس پر اتفاق نہیں دوسری بات یہ کہ حضرت عثمانؓ نے زکوٰۃ پر کچھ کم نہیں کیا بلکہ اضافہ کردیا، غالباً آنحضرتؐ اور شیخینؓ کے زمانے میں گھوڑوں کی بہت کمی تھی اور مسلمانوں کی فوج میں گھوڑے سواروں کی ضرورت تھی اس وقت مسلمان اللہ کے دشمنوں اور اپنے مخالفوں کے ڈرانے کے لئے قوت جمع کرنے اور گھوڑے باندھنے کی اپنے بس بھر تیاری کر رہے تھے، اس وقت آنحضرتؐ نے اور شیخینؓ نے اس کی زکوٰۃ معاف کردی لیکن فتوحات کے بعد جب دنیا قدموں پر گرنے لگی، مال و دولت کی کثرت ہوئی، اور مسلمانوں میں گھوڑوں کی حیثیت مال تجارت کی سی ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے تمام نفع بخش مال کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ کا حکم نافذ کردیا،

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مخصوص چراگاہیں بنائیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہوا، پانی اور چارہ تمام انسانوں کے لئے مباح کیا ہے، اس معاملے میں راویوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ آپ نے صدقات کے اونٹوں اور اپنے اور بنی امیہ کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لئے خاص چراگاہیں بنوائی تھیں، بعض کچھ کہتے ہیں اور خود حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے صرف صدقات کے اونٹوں کے لئے چراگاہیں مخصوص کی تھیں، کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد بھی مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ صدقات کے لئے چراگاہیں بنائیں، حضرت عثمانؓ نے اپنے اس عمل

کی توجیہ میں کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ حکومت اور رعایا میں چراگاہ سے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے عافیت اور احتیاط کی راہ نکالی، اس پر بھی جب انھوں نے مسلمانوں کی کشاکش دیکھی تو اس میں تشدد سے کام نہیں لیا اور خدا سے مغفرت مانگتے ہوئے درگذر کیا پس یہ کوئی گرفت کی بات نہیں،

اب جب زکوٰۃ اور صدقات کے اونٹوں کی بات نکل آئی ہے تو ہم اس اعتراض کا تذکرہ بھی کر دینا چاہتے ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کرتے ہیں، کہ حضرت عثمانؓ نے صدقات کی رقمیں جنگ پر اور دوسرے رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کی ہیں، اعتراض کرنے والوں کا کہنا ہے کہ صدقات کے مالوں کے مصارف مقرر ہیں، اللہ نے تفصیل کرتے ہوئے آیت نازل کی۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔

خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو خیرات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے ان مصارف میں مال خیرات یعنی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے ہیں اور مسافروں کے زاد راہ میں یہ حقوق اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں، اور اللہ جاننے والا اور صاحب تدبیر ہے۔

اللہ نے ان مصارف کی جس حصر کے ساتھ تفصیل کی ہے اور فریضۃً مِنَ اللہ کا جو اضافہ کر دیا ہے اس کے پیش نظر امام کو حق نہیں کہ وہ صدقات کو ان مصارف کے علاوہ کہیں خرچ کرے اس اعتراض کا جواب اہلِ سنّت اور معتزلہ متکلمین نے دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا اسی وقت کیا ہے جب انھوں نے دیکھا کہ بیت المال میں گنجائش ہے اور یہ کہ جنگی ضروریات کا تقاضا ہے، پس انھوں نے صدقات کی مدمیں سے قرض لیا اور جنگ پر خرچ کیا اور اس پختہ ارادے سے کیا کہ بیت المال

میں وسعت ہوتے ہی یہ قرض ادا کر دیں گے، اور امام کو اس کا حق ہے کہ وہ ایک مصرف سے دوسرے مصرف کے لئے قرض لے، قرض ادا کرنے کا پختہ ارادہ رکھنے کے بعد امام کے لئے ایسا کرنے میں نہ دین کی کوئی مخالفت ہے اور نہ کسی سنتِ موروثہ میں ردّ و بدل! متکلمین کے اس جواب پر ہم کہنا چاہتے ہیں کہ دینی حیثیت سے اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن ایک مصرف سے دوسرے مصرف کے لئے قرض لینا ہی قباحت ہے جو مالی تدبیر میں کسی خرابی کا پتہ دیتی ہے، جو اشارہ کرتی ہے کہ جنگ پر اور مصالح عامہ پر بے روک ٹوک اور غیر محتاط مصارف ہو رہے ہیں، غیر مستحق لوگوں کو بخشش کے طور پر عطیات دیئے جا رہے ہیں آیندہ کسی مقام پر ہم بہت جلد اس مسئلہ پر بحث کریں گے،

حضرت عثمانؓ پر مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو ایک قرآن مجید پڑھنے پر مجبور کر دیا، اس پر بھی اکتفا نہیں کیا کہ دوسرے لکھے ہوئے صفحات کا پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دیا جائے بلکہ بات ہی ختم کر دی اور ایک مصحف کے علاوہ جس قدر قرآنی آیات کے لکھے ہوئے صفحات تھے سب کو جلا ڈالنے کا حکم دے دیا،

معترضین کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :-

نزل القرآن علی سبعۃ احرف	قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا
کلھا کاف شاف	سب کے سب کافی اور شافی ہیں؛

ایسی حالت میں ایک مصحف کے سوا باقی کا پڑھنا ممنوع قرار دینا، ایک کے علاوہ سب کو جلا دینا، ان نصوص کی قرأت روک دینا ہے جنھیں اللہ نے نازل کیا ہے، اُن صفحات کو جلا دینا ہے جن میں وہ قرآن لکھا تھا جو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ قرآن کا ایک حرف بھی بیکار کرے، یا ایک نص بھی جلا دے لوگوں کو ایک مصحف پر متحد کر دینے کا مسئلہ اس قدر آسان نہیں ہے جتنا حضرت عثمانؓ کے مخالف اور حامی خیال کرتے ہیں، آنحضرتؐ سے کئی ہوئی روایات بیان کی جاتی ہیں آپ فرماتے ہیں نزل القرآن علی سبعۃ احرف لیکن مسلمان آج تک اس حدیث کے مطلب بیان کرنے پر متفق نہیں ہو سکے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اَحرف سے مراد وہ معانی اور مطالب ہیں جن کا ذکر قرآن مجید

نے وعدہ وعید، امر ونہی اور وعظ و قصص کے ماتحت کیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرف سے مراد تصوف کی راہیں ہیں، ایک جماعت خیال کرتی ہے کہ احرف کا مطلب وہ الفاظ ہیں جو زبانوں کے اختلافات کی بنا پر باہم مختلف ہیں، بہرحال مسلمان متفق نہیں ہو سکے کہ اس حدیث کا ٹھیک ٹھیک مفہوم کیا ہے، تو جب تک حضرت عثمانؓ کے حامی اور مخالف کسی ایک مفہوم پر متفق نہ ہو جائیں اس حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، روایات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان خود عہد نبوی میں قرآن کی قرأت میں مختلف تھے اور یہ اختلاف صرف لہجوں میں نہ تھا بلکہ الفاظ میں بھی تھا لیکن معانی میں اختلاف نہ تھا پھر ان اختلاف کرنے والوں نے بات دربار نبوتؐ میں پیش کی آنحضرتؐ نے سبھی قرأتوں کی اجازت دیدی اس لئے کہ معانی میں کچھ اختلاف نہ تھا، صرف الفاظ میں کچھ ہیر پھیر تھا، قرآن مجید صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں جمع کیا گیا حضرت عثمانؓ کے پاس صوبوں اور سرحدوں سے شکایتیں پہنچیں کہ مسلمان قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف کرتے ہیں اور آپس میں جھگڑا کرتے ہیں بعض لوگ اپنے قرآن کو دوسروں کے مصحف پر ترجیح دیتے ہیں اور نوبت تفریق تک پہنچ چکی ہے، حذیفہؓ الیمانؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا "قبل اس کے کہ قرآن کے بارے میں پھوٹ پڑ جائے آپ اُمت محمدؐ کی خبر لیجئے"۔

پس اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک قرآن کر دینا، اختلافات کا خاتمہ کر دینا اور مسلمانوں کو ایک حرف یا ایک زبان میں قرآن پڑھنے پر آمادہ کر لینا حضرت عثمانؓ کا وہ کارنامہ ہے جو اپنے اندر غیر معمولی جرأت رکھتا ہے، اور جرأت سے کہیں زیادہ اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ اخلاص ہے اگر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کو باہم مختلف الفاظ رکھنے والی زبانوں میں کئی کئی طرح قرأت کرتے رہنے دیتے تو یقیناً یہ ایک نا اتفاقی اور تفریق کا سرچشمہ ہوتا، اور قطعاً الفاظ کا یہ اختلاف فتوحات کے بعد جب کہ عجمی عرب ہو رہے تھے اور دیہات کے عرب قرآن سیکھ رہے تھے معانی کے خوفناک اختلاف تک پہنچا دیتا،

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ حضرت عثمانؓ کی اس عظیم الشان خدمت کے اعتراف کرنے اور اس میں آپ کا شرف اور امتیاز ماننے میں متردد نہیں ہوتے حضرت عثمانؓ نے قرآن ایک کر کے مسلمانوں کو تفریق سے بچا لیا، اور ان کو ایک ایسی چیز پر جمع کر دیا جس میں وہ اختلاف

نہیں کر سکتے، اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر حضرت علیؓ یا شوریٰ کے کسی رکن کو کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ علیؓ تو فرماتے ہیں کہ اگر عثمانؓ کی جگہ میں ہوتا تو قرآن کے بارے میں مسلمانوں کو اسی بات پر آمادہ کرتا جس پر انھوں نے کیا، پس اس معاملے میں مذہبی حیثیت سے حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض نہیں، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصحف کی کتابت کا کام آپ نے صحابہؓ میں سے چند افراد کے حوالے کر دیا، اور ان قاریوں کو نظر انداز کر دیا، جنھوں نے قرآن خود نبیؐ سے سُنا اور سیکھا تھا اور شہروں میں بہت سے لوگوں کو اس کی تعلیم دی تھی، مناسب تھا کہ ان سب قاریوں کو جمع کرتے اور کتابتِ مصحف کا کام اُن کے ذمے کرتے یہیں سے ہم کو عبداللہ ابن مسعودؓ کی ناراضی کا پتہ چلتا ہے وہ قرآن کے سب سے بڑے حافظ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے میں نے ستر سورتیں حاصل کی تھیں جب زید بن ثابتؓ سنِ تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ اور اُن کے ساتھیوں کو موقع دینا اور عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کو نظر انداز کر دینا ہم کو آسانی کے ساتھ اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ اس سے اعتراض اور کشیدگی کے جذبات پیدا ہوتے

شاید قرآنی صفحات کا جلا دینا بعض مسلمانوں کی ناگواری اور کوفت کا باعث ہوا اور اختلافات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینے کی عثمانی تدبیر ان کو پسند نہ ہوا مسلمان اس زمانے میں اگر تمدنی طور پر کچھ آگے ہوتے تو حضرت عثمانؓ کے لئے ممکن ہوتا کہ وہ جلائے جانے والے صفحات کو عوام بلکہ خواص سے بھی دور رکھ کر ضائع ہونے سے بچا لیتے، لیکن وہ تہذیب کی اس منزل میں نہ تھے کہ کتبخانوں کی تنظیم اور آثار کی حفاظت کا سامان کرتے اور جب مذہبی اور سیاسی حیثیت سے حضرت عثمانؓ کا یہ عمل کوئی قصور نہیں تو دین کی کسی بات کے ضائع ہونے کا کوئی غم نہیں ہاں اس کا افسوس کر سکتے ہیں، کہ اہل علم اور محققین کے لئے عربی زبان اور اس کے لہجوں کی تحقیقات کے بعض مواقع جاتے رہے، لیکن جو کچھ ہوا اس کی حیثیت لسانی تحقیقات اور لہجوں پر بحث و نظر سے بہت اعلیٰ وارفع ہے

حضرت عثمانؓ کی ایک اور بات ہے جس پر ان کے مخالفوں کو اعتراض ہے جس میں عذر داری کی گنجائش ہم کو نظر نہیں آتی، حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم ابن العاص اور اُن

کے متعلقین کو مدینہ واپس بلا لیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو نہایت سختی کے ساتھ مدینے سے نکال دیا تھا حکم بن العاص کا مکان عہد جاہلیت میں آنحضرت صلعم کے پڑوس میں تھا حکم اپنے شریف پڑوسی کو بری سے بری اذیت پہنچاتا تھا یہی حکم تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو اسلام لانے کی سزا میں رسی سے باندھ دیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک اپنے باپ دادا کے مذہب پر واپس نہ آجائیں اُن کو اسی طرح رکھوں گا بلکن پھر مایوس ہو کر آپ کو کھول دیا حکم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ آیا لیکن اس کا اسلام موت سے بچنے کی ایک ترکیب تھی ثبوت یہ کہ وہ اس کے بعد بھی اپنی حرکتوں سے آنحضرتؐ کو تکلیفیں پہنچاتا تھا چنانچہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا، آنکھوں سے اشارے کرتا تمسخر کے ساتھ آپ جیسی حرکتیں کرتا، ایک دن وہ آپ کے کسی حجرے میں دفعتہً آگیا، آپ غصے میں باہر نکل آئے اور اس کو پہچان کر فرمایا۔ اس بزدل کے لئے میری کون مدد کرے گا؟ اس کے بعد آپ نے اس کو مدینہ سے نکال دیا، اور فرمایا وہ کبھی میرا پڑوسی نہیں رہ سکتا، حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ سے حکم کی واپسی کے لئے سفارش کی لیکن آپ نے کوئی وعدہ نہیں کیا، پھر حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی، انھوں نے مسترد کر دی، پھر حضرت عمرؓ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا، حضرت عمرؓ نے نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا بلکہ حضرت عثمانؓ کو ڈانٹا، اور متنبہ کیا کہ آیندہ وہ حکم کے بارے میں گفتگو نہ کریں، پھر جب وہ خود خلیفہ ہوئے تو حکم کو مدینہ واپس بلا لیا، یہ دیکھ کر مسلمانوں کو برا معلوم ہوا اور ممتاز صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اعتراضات کئے، انھوں نے جواب دیا، کہ اس سلسلے میں آنحضرتؐ سے بات چیت ہوئی تھی حضرتؐ کا جواب امید افزا تھا، لیکن ابھی بات پوری نہیں ہوئی کہ آپ وفات پا گئے حضرت عثمانؓ کے حامی معتزلہ اور اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی رائے میں حکم کی جلاوطنی دائمی سزا نہ تھی اس لئے کہ جیسے جیسے دن گذرتا ہے جلاوطن کے حالات میں اصلاح ہوتی جاتی ہے تب اسکو معاف کر دینا چاہیے اور موقع دینا چاہیے، کہ وہ اپنی سرزمین میں واپس آجائے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آنحضرتؐ حکم کی واپسی پر راضی ہیں، لیکن صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے اس بات کو اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ یہ تنہا حضرت عثمانؓ کا کہنا تھا اس کے لئے کوئی شاہد نہ تھا لیکن جب ان کو خلافت ملی تو انھوں نے اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کر دیا، اور خلیفہ کو یہ حق ہے کہ اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے معترضین کہتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں حکم کا آنحضرتؐ کے ساتھ جو سلوک تھا، اور بنیادی مسلمان ہونے کے بعد اس نے آپؐ کے ساتھ جو طرز عمل رکھا، پھر آپؐ کا یہ فرمانا کہ، اس بزدل کے لئے میری مدد کون کرے گا؟ وہ مدینہ میں میرے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتا، یہ سب باتیں حضرت عثمانؓ کو روکتی ہیں کہ وہ حکم کو مدینہ واپس بلائیں، خلیفہ کے لئے اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرنا اس وقت مناسب نہیں ہے جب ایسا شبہہ موجود ہے کہ اس کے حکم میں رشتہ داری کی رعایت ہے، اس لئے کہ حکم حضرت عثمانؓ کے چچا ہیں صرف یہی شبہہ کافی تھا، کہ حضرت عثمانؓ حکم کو مدینہ بلانے سے باز رہتے، پھر اگر ہم آنحضرتؐ کے اس قول کا کہ وہ مدینہ میں میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتا، کا اضافہ کرلیں تو نبیؐ کی حرمت کا ادنیٰ تقاضا تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم کو مدینہ بلا کر وفات کے بعد آنحضرتؐ کا ساتھی نہ بنا دیتے جب کہ آپ زندگی میں اس کے انکاری تھے،

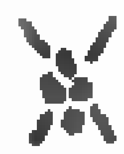
حضرت عثمانؓ نے حکم اور اُن کے لڑکوں کے ساتھ بعد میں جو کچھ کیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کو مدینہ بلانے کا مقصد یہ تھا کہ انھیں مواقع کے لئے ترجیح دیں، ان کی وجہ دوسروں پر برتری حاصل ہو، سیاسی، انتظامی اور مالی معاملات میں ان سے مدد لی جائے، چنانچہ آپ نے حکم کو بہت سا مال دیا، اس کی موت کے بعد اس کی قبر پر ایک خیمہ بنا دیا، علاوہ ازیں حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار پر مقرر کر دیا، جس نے اپنی ذات پر اور دوسروں پر بڑی زیادتی کی، اس نے ایسی روش اختیار کی جس کو راست بازی اور تقویٰ سے کوئی نسبت نہ تھی، البتہ اس میں حرص وطمع اور بہت زیادہ دولت جمع کرنے کی خواہش تھی،

پھر حضرت عثمانؓ نے اسی پر بس نہیں کیا، حارث کو بھی بہت زیادہ مال دیا جیسا کہ آگے آپ پڑھیں گے، پھر مروان بن الحکم پر خاص عنایت کی نظر کی اس کو عطیات دیئے مقرب بنایا اپنا وزیر اور مشیر رکھا، ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکم اور اس کے لڑکوں کو محض ہمدردی اور عنایت کی بنا پر نہیں بلایا تھا، بلکہ اس لئے بلایا تھا کہ وہ آپ کے دست و بازو بن سکیں،

یہ ہیں وہ تمام باتیں جن کو معترضین حضرت عثمانؓ کی مذہبی حیثیت کے خلاف پیش کرتے ہیں

میرے خیال میں اُن میں سے اکثر ایسی ہیں جن سے حضرت عثمانؓ پر کوئی حرف نہیں آتا، یہ حکم بن العاص اور اُن کے لڑکوں کی بات ہی ایک ایسا اعتراض ہے جس کے جواب میں دشواری ہے لیکن یہ بات بہرحال حضرت عثمان کے دین کو مجروح نہیں کرتی، انھوں نے ایک سنّت کی مخالفت کی اور اس کا غلط یا صحیح ایک مطلب بنایا، لیکن انھوں نے دین کے کسی اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ دین کے کسی رکن کو گرایا، اور پھر وہ مرد مجتہد ہیں اُن سے خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے، اور ہر خلیفہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسی راہ نہیں چل سکتا، خواہ اس نے لوگوں سے عہد کیا ہو کہ وہ زندگی میں شیخینؓ کا پابند رہے گا،

ہمارا یقین ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ اپنے واقعات کے ساتھ اسی حد پر ٹھہر جاتے تو مسلمان ان کے ساتھ خیر خواہی اور سخت نکتہ چینی کی حد سے آگے نہ بڑھتے اور معاملات کی ذمہ داری ان کے سر ڈال کر خدا کے حوالے کر دیتے جو اُن سے نرم یا گرم جیسا چاہتا حساب لیتا لیکن حضرت عثمانؓ اور ان کے عمّال اس حد سے آگے بڑھے اور ایسی باتیں کیں جن سے لوگوں کے حقوق میں اُن کے مصالح میں اور ان کی آزادی میں مداخلت ہوئی اور یہ ایک بڑے فتنے کا سرچشمہ ثابت ہوا،



تقرری اور برطرفی

گورنروں کے تقرر اور برطرفی میں اور انتظامی امور میں حضرت عثمانؓ کے مسلک پر مسلمانوں کو بڑا اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کے معاملات کی لگام چند ایسے نوجوانوں کے ہاتھوں میں دیدی جن میں نہ صلاحیت تھی نہ مقدرت اور جو نہ دین کے خیر خواہ تھے نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مخلص، حکومت کے عہدوں سے صحابہؓ کو برطرف کر دیا، حضرت عمرؓ کی وصیت پر توجہ نہیں کی اور لوگوں کی گردنوں پر ابو معیط اور بنی امیہ کو سوار کر دیا، لوگوں نے بیزاری اور ناراضی کا اظہار کیا، لیکن آپ نے کچھ اثر نہیں لیا، بالآخر ان حاکموں کا فسق اور بے راہ روی کھل گئی پھر بھی آپ نے ان کو برطرف نہیں کیا اور کیا تو اس وقت جب کوئی چارہ کار نظر نہ آیا،

آپ نے کوفہ پر سعید ابن ابی وقاصؓ کی جگہ ولید کا تقرر کیا، بصرہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ عبداللہ ابن عامر کو دی، مصر میں عمرو بن العاصؓ کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح کو حاکم بنایا اور پورا ملک شام امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا،

ان تمام معاملات پر ہم نے اپنی رائے پیش کر دی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف محققین اور اہل سنت حضرت عثمانؓ کی طرف سے جواب دہی میں بے جا تکلفات سے کام لے رہے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اعتراض کی راہ سے آگے بڑھ کر بدنام کرنے کی حد میں جا رہے ہیں، حضرت عثمانؓ کے حامیوں کا یہ کہنا معقول نہیں کہ وہ بے قصور ہیں، ان کو مقرر ہونے والے گورنروں کے اندرونی حالات کا پتہ نہ تھا، بظاہر حالت اچھی تھی، اس لئے تقرر میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی، ولید ابن عقبہ کے حالات روز روشن تھے، حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ ولید کے بارے میں آیت اتری ہے قرآن اس کو فاسق کے نام سے یاد کرتا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سمجھ کر کہ اب اس کی حالت ٹھیک ہو گئی ہو گی اس کو بنی تغلب کے صدقات کی وصولی

پر مقرر کیا لیکن جیسے ہی آپ کو پتہ چلا کہ وہ بدستور اپنی جاہلیت میں ملوث ہے آپ نے برطرف کردیا، خود ولید کو بھی اپنی حالت کا ٹھیک اندازہ تھا، چنانچہ جب وہ سعد ابن ابی وقاصؓ کے پاس کوفہ پہنچا تو روایتوں میں ہے کہ سعدؓ نے اُس سے پوچھا۔ ملاقاتی بنکر آئے ہو کہ حاکم؟ ولید نے کہا، حاکم بن کر، سعد نے کہا۔ معلوم نہیں کہ میں کچھ احمق ہو گیا یا تم عقلمند بن گئے ولید نے کہا۔ نہ تم احمق ہوتے نہ میں عقلمند بنا، قوم کے ہاتھ میں اختیار آیا اور اس نے چن لیا سعدؓ نے کہا۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، پس ولید جانتا تھا کہ اس کو کوفے کی گورنری اس لئے نہیں ملی کہ اس کی کیفیت بدل گئی ہے وہ خراب تھا اچھا ہو گیا ہے بلکہ اس لئے کہ قوم مختار تھی اس نے موقع دیدیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ بخوبی جانتے تھے کہ عبداللہ ابن عامر ۲۵ سال کا نیا نوجوان ہے، مہاجر اور انصار میں دوسرے عرب قبائل میں ایسے افراد موجود تھے جو عبداللہ سے زیادہ معمر، عبداللہ سے زیادہ تجربہ کار اور اس سے بہت پہلے کے مسلمان ہیں۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ خوب جانتے تھے کہ عبداللہ ابن ابی سرح کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اُس کے خون کا اعلان کیا تھا، پس اُن لوگوں کے حالات کچھ چھپے ڈھکے نہ تھے اور حضرت عثمانؓ جیسوں پر تو بالکل عیاں تھے، پھر معتزلہ اور اہلِ سنت کا یہ کہنا بھی معقولیت نہیں رکھتا کہ گورنروں کی آلودگی اور خرابی کا پتہ چلتے ہی حضرت عثمانؓ نے اُن کو معزول کردیا، اس لئے کہ انھوں نے ولید کو اسی وقت برطرف کیا جب برطرفی کے سوا چارہ کار نہ تھا، ہمارا یہ خیال نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حد جاری کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی، لیکن اس کا ہم کو یقین ہے کہ ولید کو انھوں نے اسی وقت معزول کیا جب اس کی برائی طشت از بام ہو گئی، گواہوں نے اس کی شراب نوشی کی گواہی دیدی، کوفہ والے چلا اُٹھے، انصار اور مہاجرین نے برطرفی پر شدت کے ساتھ اصرار کیا، ولید کے بعد سعید کو بھی خوشی سے برطرف نہیں کیا، بلکہ مجبور ہو کر، کوفہ والوں نے سعید کو شہر میں داخل ہونے نہیں دیا، اور حضرت عثمانؓ کو لکھا، کہ بغاوت منظور کیجئے یا پھر ابو موسیٰ اشعریؓ کو والی مقرر کیجئے اسی طرح عبداللہ ابن ابی سرح کو بھی خوشی سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ مصریوں نے بغاوت کی دھمکی دی، انصار اور مہاجرین نے بھی معزولی پر اصرار کیا، حضرت علیؓ نے اس پر قتل کے

الزام کی تحقیق کا مطالبہ کیا، تب جا کر کہیں حضرت عثمانؓ نے اُس کو برطرف کیا اور محمد بن ابو بکرؓ کے لئے فرمان لکھا، ان باتوں میں تو شک کی گنجائش نہیں، البتہ وہ خط کی بات مشکوک ہے جو بعد میں لکھا گیا اور جس میں مصریوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے،

پس یہ بات صحیح نہیں کہ ان کو گورنروں کے حالات کا علم نہ تھا، اور نہ یہ صحیح ہے کہ خرابی کی اطلاع پاتے ہی حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا،

اور مخالفین کا یہ کہنا کہ آپ کے گورنر حکومت کرنے کی قابلیت اور مقدرت نہیں رکھتے تھے کھلی ہوئی زیادتی ہے، اس لئے کہ اُن کی اہلیت اور مقدرت میں کچھ شک نہیں فتوحات میں اُن کی کارکردگی، ان کی ہمت اور حوصلہ اس کا ثبوت ہے لیکن یہ قابلیت اور قدرت اس حکومت کے لئے تھی جس کی بنیاد قوت پر تھی، شوکت پر تھی، جبر اور برتری پر تھی، اسلامی فرائض یعنی عدل و انصاف، اخوت اور مساوات پر نہ تھی اس پابندی عہد پر نہ تھی جو حضرت عثمانؓ نے کیا تھا، کہ وہ کتاب و سنت اور شیخینؓ کی سیرت سے ایک قدم بھی نہیں ہٹیں گے،

پس حضرت عثمان کے تقرر اور برطرفی کو اُن کے عہد و پیمان سے کوئی نسبت نہیں اور بلاشبہ جن لوگوں نے اُن کے حاکموں کو تنگ کیا اُن کے خلاف بغاوت کی اور ان پر اعتراض کرتے رہے وہ خطاکار نہ تھے،



مالی پالیسی

حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی اُن کے پورے دورِ خلافت میں زیادہ تر قابلِ اعتراض رہی بہت سے اُن کے معاصرینؓ نے پھر راویوں اور مورخوں نے اس سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہے بعد میں متکلمین نے اس کو اپنے اختلافات کا موضوع بنایا، معتزلہ اور اہلِ سنّت نے اس کی حمایت کی، شیعہ اور خوارج نے مخالفت کی۔ مختصراً حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ جہاں بھی مصلحت سمجھے عوام کا مال خرچ کر سکتا ہے، اور جب منصب خلافت کے ماتحت وہ مسلمانوں کے معاملات کی تدبیر کے لئے وقف ہو چکا ہے تو اپنی ذات کے لئے، گھر والوں کے لئے اور قرابت داروں کے لئے عوام کے مال میں سے بقدر کفالت لے سکتا ہے، مورخین نے ٹھیک طور پر اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے سے قبل بڑے سخی، بڑے روادار اور بڑے فیّاض تھے، غیر معمولی دولت کے مالک تھے اور زبردست نفع بخش کاروبار کرتے تھے اُن کی دولت اُن کے تمام مصارف کے لئے گنجائش رکھتی تھی، پھر جب آپ خلیفہ ہو گئے تو اس منصب نے تجارت کرنے اور نفع کمانے سے روک دیا، اور یہ ضروری تھا کہ خلافت سے پہلے جو آپ کے مصارف تھے وہ علی حالہ باقی رہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس خیال کے تھے کہ خلافت کو خلیفہ کی مالی زندگی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے، اگر اس کا ذاتی مال ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہا ہے تو عوام کا مال اس کو پورا کر دے اس لئے کہ اس کی دولت میں کمی اور دولت کی نفع بخشی میں رکاوٹ اسی لئے ہے کہ وہ اپنا سارا وقت عوام کی دولت کے انتظام میں صرف کر رہا ہے،

حضرت عثمانؓ کی طرح خلافت سے پہلے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے پاس دولت اور ثروت نہ تھی، اُن میں سے کسی ایک نے بھی بیر رومہ نہیں خریدا، زمین خرید کر مسجد نبویؐ میں توسیع نہیں کی، اس لئے نہیں کہ بخل سے کام لیا بلکہ اس لئے کہ وہ دولت مند ہی نہ تھے پھر یہ دونوں خلیفہ حضرت عثمانؓ کی طرح اپنی ذات پر، گھر والوں پر، اور متعلقین پر فراخی اور فیّاضی سے خرچ نہیں

کرتے تھے اس لئے کہ ان کی دولت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی، پس خلافت کی ذمہ داری لینے کے بعد ان دونوں حضرات کی روش میں اگر کچھ تبدیلی ہوئی تو وہ یہ کہ یہ اور بھی سخت گیر اور محتاط ہو گئے، لیکن حضرت عثمانؓ خلافت کے بعد بھی اپنی پہلی روش پر قائم رہے غالباً تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب ذاتی سرمایہ کم ہو گیا، تو انھوں نے مسلمانوں کے مال سے اتنی مقدار لینا اپنے لئے مباح کر لیا جتنی تجارتی مشغولیت، نفع میں پس انداز کر سکتی، شروع شروع معاملہ اسی طرح رہا اس کے بعد اس میں اضافہ ہوا اور پھر اقتدار نے آپ کا رخ زیادہ سخاوت اور فیاضی کی طرف پھیر دیا،

حضرت عثمانؓ کے مالی مسلک کی وضاحت میں ایک اور بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے، اور وہ یہ کہ غالباً حضرت عثمانؓ اس خیال کے تھے کہ مسلمانوں کو اُن کی نگرانی کا بھی حق نہیں ہے، سزا دینا تو الگ رہا، وہ سمجھتے تھے کہ جو عہد وپیمان انھوں نے کیا ہے اس کی جواب دہی عوام کے سامنے نہیں بلکہ خدا کے سامنے کرنی ہے، اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ جب لوگوں نے ان سے معزول ہونے کا اہم مطالبہ کیا تو وہ مطمئن رہے، اور مطالبہ کرنے والوں سے اور دوسروں سے فرمایا "جو خلعت خدائے عزوجل نے مجھے پہنا دی ہے میں اُس کو اُتارنے والا نہیں ہوں، اور یہ کہ آگے بڑھا کر کوئی میری گردن اڑا دے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں خدائے عزوجل کا پہنایا ہوا لباس اُتار دوں"

پس خلافت حضرت عثمانؓ کی نظر میں ایسی ذمہ داری نہ تھی جس کو اپنی خواہش سے یا لوگوں کے کہنے سے واپس کر دیں، ان کے نزدیک خلافت اللہ کا پہنایا ہوا لباس ہے جس کو اُتارنے کا نہ خود ان کو حق ہے اور نہ کسی دوسرے کو، یہ تو صرف اللہ کے اختیار کی بات ہے وہی اس کو زندگی کا لباس اُتارنے کے دن اُتار سکتا ہے،

حضرت عثمانؓ کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے شیخینؓ کو دیکھا جب سے دونوں نے خلافت کی ذمہ داری لی کسی نے اُن کو اُن کی زندگی تک علیحدہ نہیں کیا اس طرح اُن کو بھی جب تک اُن کی زندگی ہے کوئی خلافت سے علیحدہ نہیں کر سکتا، اگر خلافت اور اس سے حاصل ہونے والے اقتدار کے بارے میں حضرت عثمانؓ کا یہی نظریہ ہے تو پھر حیرت کی بات نہیں اگر وہ ان لوگوں کو تنگ کریں جو ان سے اقتدار کے لئے برسر پرخاش تھے، جو ان کو انتظامات میں، سیاسیات میں، اور مالیات میں

بعض تصرفات سے روکنا چاہتے تھے اس لئے کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں لوگوں کے سامنے نہیں حضرت عثمانؓ کی یہ رائے کسی تصنع کی بنا پر نہیں اور نہ معترضین سے بچنے کی خاطر ہے بلکہ سچی نیت اور خالص بصیرت کے ماتحت وہ ایسا سمجھتے تھے غالباً اُن کے زمانے کے بہت لوگ مسلمان بھی خلافت اور اس کے اقتدار کے متعلق یہی خیال رکھتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ میں ایسے حضرات تھے جو خلیفہ سے اختلاف اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے، خواہ وہ اعتدال سے دور اور راہ سے ہٹ گیا ہو، یہ لوگ اللہ کی اس آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں اور اس کی تاویل پسند نہیں کرتے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا	اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت
الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ	کرو رسول کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی،

یہ لوگ اگر خلیفہ کی طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو اس کو برداشت کرنا اس لئے اچھا سمجھتے تھے کہ اس پر اُن کو آخرت میں ثواب ملے گا اور اس لئے بھی کہ خلیفہ سے مقابلہ میں کہیں کسی گناہ کی زد میں نہ آجائیں، اور پھر اس میں اُن کے لئے کوئی حرج کی بات نہ تھی کہ دنیا میں زیادتی برداشت کرلیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بنیں، اور خلیفہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہو اور خدا کو اس کا حساب دے،

حضرت ابوذرؓ کا یہی مسلک تھا کہ وہ حضرت عثمان کی زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے بھی اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی اسی مسلک پر تھے جب ذاتی معاملے میں حضرت عثمانؓ نے آپ کے ساتھ زیادتی کی، اور دین کے معاملے میں جب مِنیٰ میں آپ نے نماز پوری کر لی، حالانکہ آپ کو حضرت عثمانؓ سے اتفاق نہ تھا،

غرض حضرت عثمانؓ مالیات میں اور جنگ میں بدستور اپنا انتظام اور اپنی سیاست چلاتے رہے ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اجتہاد کرنا اُن کا حق ہے اور اس اجتہاد کی جوابدہی خدا کے سامنے کرنی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُن کی اطاعت اور خیر خواہی کریں اور مشورے بھی دیں، ان کا جی چاہا تو مان بھی لیں گے جیسا کہ بعض مواقع پر ہوا اور نہ جی چاہا تو مسترد کر دیں گے اور اس کی بھی متعدد مثالیں ہیں، حکومت اور اقتدار کا یہ تصور ایک نیا تصور ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں سے قطع نظر کرکے اقتدار کی کوئی صورت نکل سکتی ہے، فاروق اعظمؓ کا رویہ تو سنفقد

سخت تھا کہ خود مسلمان گرانی محسوس کرتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ روم کی ملکہ نے آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُمِّ کلثوم کے لئے جواہر کا ایک ہار تحفے میں بھیجا اس سے قبل اُمِّ کلثوم عرب کے بعض تحفے ملکہ کو بھیج چکی تھیں، اتفاق کی بات کہ ڈاکیہ نے تحفہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیا حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ ہار اُمِّ کلثوم کو دیا جائے، چنانچہ الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر سب لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور ہار کے بارے میں سوال کیا سبھوں نے متفقہ کہا کہ یہ اُمِّ کلثوم کی چیز ہے اور اُن تک پہونچا دینی چاہئے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں حرج محسوس کیا اس لئے کہ وہ ہار مسلمانوں کی ڈاک میں آیا تھا۔ چنانچہ اس کو بیت المال میں رکھنے کا حکم دیا اور بیوی کو اُن کے بھیجے ہوئے تحفے کا خرچ دلوایا ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی ذات کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار فرماتے تھے وہ لوگوں پر بڑا گراں تھا، حد یہ ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں اُن سے شادی کرنے سے گریز کرتی تھیں اور بعضوں نے تو اُن کا پیغام تک رد کر دیا، کہاں یہ طرزِ عمل اور کہاں وہ طریقۂ کار کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے بعض جواہرات سے گھر کے بعض لوگوں کے لئے زیور بنا دیا اور جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا "ہم اس مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لے لیں گے کوئی ناراض ہو تو ہوا کرے"

بڑی ناگواری اور افسوس کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کے متعلق حضرت عثمانؓ کا نقطۂ نظر وہی ہے جو زیاد نے اپنے مشہور خطبے میں پیش کیا ہے وہ کہتا ہے "لوگو! اب ہم تمہارے حاکم اور حامی بن گئے ہیں، اس اقتدار کی بدولت جو خدا نے ہم کو دیا ہے، ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور اس ٹیکس کے عوض جس کی وصولی کا خدا نے ہم کو حقدار بنایا ہے ہم تمہاری حفاظت کرتے ہیں" اس کے پیش نظر تعجب کی بات نہیں اگر ہم روایتوں میں حضرت عثمانؓ کا یہ قول پڑھتے ہیں "ابوبکرؓ اور عمرؓ اپنی جانوں پر اور اپنے متعلقین پر زیادتی کر کے اللہ سے قربت حاصل کرتے تھے اور میں عزیزوں سے صلہ رحمی کر کے اللہ سے قربت حاصل کرتا ہوں" حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اجتہاد کیا اور اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے زیادتی کرنے والے بنے، حضرت عثمانؓ نے اجتہاد کیا، رشتہ داروں کو نوازا اپنی ذات پر بھی کچھ سختی نہیں کی اب بھی ہم کو ضرورت رہ جاتی ہے کہ ہم ان روایت کی صحت پر بحث کریں جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مروان بن الحکم کو افریقیہ کے مالِ غنیمت

میں سے پانچواں حصہ یا خمس کا پانچواں حصہ دیا یا خمس کی جو قیمت اس کی طرف باقی رہ گئی تھی اسکو بخش دی یا جیسی روایت ہے کہ آپ نے اپنے چچا حکم اور ان کے لڑکے حارث کو تین لاکھ دیا، اور عبداللہ بن خالد ابن سعید اموی کو تین لاکھ پیش کیا اور ان دو آدمیوں کو جو عبداللہ بن خالد کے ساتھ آئے تھے ایک ایک لاکھ دیا یہاں تک کہ بیت المال کے خزانچی عبداللہ بن ارقمؓ نے رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے، انہیں عبداللہ بن ارقمؓ کو حضرت عثمانؓ نے استعفا کے بعد تین لاکھ کی رقم پیش کی لیکن انھوں نے زہد و تقویٰ کے پیش نظر لینا منظور نہیں کیا، حضرت عثمانؓ نے زبیر بن العوامؓ کو ۶ لاکھ طلحہ بن عبیداللہ کو ایک لاکھ سعید بن العاص کو ایک لاکھ کا عطیہ دیا، اور اپنی تین یا چار لڑکیوں کا بعض قریشیوں سے عقد کیا تو ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار دیا،

پس حضرت عثمان خیال کرتے تھے کہ ان کو ان عطیات کے دینے کا حق ہے، اور خزانچی ان کی عدولِ حکمی یا ان سے بحث کا مجاز نہیں، اور جب سخاوت کا یہ عالم ان کو گوارا تھا تو بیت المال سے قرض لے لینا بھی گوارہ کیا کہ جب میسر ہوگا ادا کر دیں گے پھر کھلی بات ہے کہ ان کے گورنروں نے بھی یہی مسلک اختیار کیا، عطیات دیئے قرض لئے، بعضوں نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا، اسی سلسلے میں عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دینا پڑا جس طرح عبداللہ بن ارقمؓ کو مدینہ میں مستعفی ہونا پڑا خلیفہ اور اس کے گورنر عوام کے مال کا اگر اس طرح آزادانہ استعمال شروع کر دیں تو مقام حیرت نہیں کہ بروقت فوج کو مال کی تنگی ہو خلیفہ مجبور ہو کہ صدقات کی مدوں میں سے رقمیں لے کر جنگ پر خرچ کرے جس سے اس کے بارے میں ناراضی اور مخالفت پیدا ہو جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے اور ان تمام باتوں سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی زیادہ منظم اور محتاط نہ تھی،

پھر جب خلیفہ اور اس کے حاکم عوام کے مال میں اس طرح اپنے ہاتھ آزاد کر دیں تو تعجب کیا کہ یہی ہاتھ صدقات کی رقموں کی طرف بڑھیں، جنگ کے اخراجات کے لئے نہیں بلکہ عطیات اور صلہ رحمی کی خاطر، جیسا کہ روایتوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حارث ابن حکم کو بنی قضاعہ کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا جب وہ رقم لے کر آئے تو انھوں نے وہ سب رقم اُن کو بخش دی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جنگ و امن کی یہ ضروریات خلیفہ اور گورنروں کی یہ فیاضیاں اور یہ عطیات شاید بیت المال ہی کو محتاج بنا دیں اور نتیجہ یہ نکلے، کہ زکوٰۃ جزیہ اور خراج کی رقموں کی وصولی میں رعایا پر بیجا تشدد روا رکھا

جبر سے کام لینا پڑے، اور اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جن میں عبداللہ ابن سعد کی مصریوں پر زیادتی کا ذکر ہے، جن میں عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ کو جواب دیا ہے کہ مصر کی اونٹنی نے دودھ تو زیادہ دیا لیکن اس کے بچے سب مر گئے، جن میں بتایا گیا ہے کہ صدقات کی وصولی کرنے والوں نے دیہاتیوں پر ظلم و زیادتی سے کام لیا اور نام حضرت عثمانؓ کا لگا دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ سب کچھ سنا اور کچھ اقدام نہیں کیا، علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ کی سخاوت مال منقول تک محدود نہ تھی وہ غیر منقولہ جائیداد بھی عطیہ فرماتے تھے، چنانچہ اعتراض کرتے ہوئے لوگوں نے کہا ہے کہ انھوں نے بنی امیہ کو بڑی بڑی زمینیں عطیہ کی ہیں، معتزلہ اور اہل سنت ان عطیات کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی زمینوں کی درستی اور ان کو زراعت کے قابل بنانے کے خیال سے کی ہے اور آپ کا یہ عمل مسلمانوں کی ایک خیر خواہی ہے شیعوں نے جواب سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ زمینوں کے عطیات کی حضرت عثمانؓ نے خود یہ توجیہ نہیں کی ہے، شیعہ تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ پورے قریش میں بنی امیہ کچھ زمین کی درستی کے اسپشلسٹ نہیں تھے، اور نہ سارے عرب میں قریش ہی پڑی ہوئی زمینوں کی کاشت کے بڑے ماہر تھے، اور نہ تمام مسلمانوں کو چھوڑ کر صرف عربوں کو اس میں خاص مہارت حاصل تھی، بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نظریے کا نتیجہ ہے جو خلیفہ اور اس کے اقتدار کے متعلق حضرت عثمانؓ نے قائم کر رکھا تھا اور ان اختیارات کے اثرات ہیں جن پر حضرت عثمانؓ اور اُن کے عمال مطمئن تھے،

اس سے پہلے ہم نے اس اقتصادی انقلاب کا تذکرہ کر دیا ہے جو حضرت عثمان اس طرح لا نا چاہتے تھے کہ عربی بلاد کے باشندے غنیمت میں ملی ہوئی اپنی صوبوں اور شہروں کی زمینوں کو فروخت کر دیں اور اس کے بدلے میں جزیرۃ العرب کی کوئی زمین لے لیں، ہم نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اس سے اسلام میں بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں پیدا ہو گئیں اب اگر اس حقیقت کو بھی سامنے کر لیں کہ خلیفہ اور گورنروں نے بنی امیہ اور قریش پر سخاوت کی بارش برسائی جس نے اکثر قریشیوں کو شہروں میں زمینوں کا مالک بنا دیا، تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی کے دو ہی نتیجے نکل سکتے تھے اور دونوں بُرے، ایک تو عوام کے مال کا بے جا اور غلط استعمال جس سے مالیات میں ابتری پیدا ہوتی ہے اور رعایا پر ظلم ہوتا ہے دوسرا سرمایہ داروں کے ایسے طبقے کی پیدائش جس کے حرص و طمع کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور جائداد میں بڑھاتا ہی چلا جاتا ہے، جو مزدوروں کو خریدتا ہے، جو امتیاز اس کے اندر نہیں اپنے کو اس

الک تصور کرتا ہے، پھر اقتدار کے حصول کیلئے مقابلہ کے میدان میں آتا ہے اور ترقی کرتا ہوا امارت اور خلافت تک کا خواہاں بنتا ہے، بالآخر معاملہ فتنہ وفساد کے اس مرحلے تک پہنچا ہے جہاں مسلمانوں کی بات بگڑ جاتی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان جاتی ہے اور حکومت بنی امیہ سے نکل کر بنی عباس کے خاندان میں چلی جاتی ہے

ایک فطری بات ہے کہ ایسی سخاوت کے ساتھ بیت المال سب لوگوں کے لئے کسی طرح گنجائش نہیں رکھ سکتا تھا پھر یہ بھی فطری بات ہے کہ کچھ نہ پانے والوں کے دلوں میں پانیوالوں کی طرف سے اور دینے والوں کی طرف سے میل پیدا ہو، اور اس طرح خلیفہ اور حاکموں سے ان کے تعلقات کشیدہ ہوں پھر یہ تمام باتیں ان کو غور وفکر کی دعوت دیں اور وہ شیخین رضی اللہ عنہما اور آنحضرت کی سیرت اور طریقے پر نگاہ ڈالیں اور اُن پر واضح ہو جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طور طریقہ ایک تو سنت موروثہ کے خلاف ہے اور دوسرے لوگوں پر ظلم ہے،

یہی وجہ ہے کہ باہر کے شہریوں نے محاصرہ سے پہلے جب بغاوت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ مال غنیمت کے مصارف کے بارے میں نظر ثانی کریں اور سن رسیدہ صحابہ کے علاوہ انھیں لوگوں کو دیں جنھوں نے اس کے لئے جہاد کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حد سے باہر دیکھا جس سے ان کو روکا، بلکہ ایک جدید مسلک اختیار کرنے کا مطالبہ کیا، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلک سے بھی الگ تھا، مال غنیمت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول سب کو معلوم ہے وہ اللہ کا حکم جاری فرماتے تھے یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ رکھ لیتے تھے باقی چار خمس غنیمت لانے والوں میں تقسیم کر دیتے تھے، پھر اس خمس میں جزیہ اور خراج کی رقمیں ملا دیتے تھے اور یہ کل رقمیں رفاہ عام پر خرچ کرتے تھے، اور اس کے بعد مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے وظیفے مقرر کرتے تھے، دوسرے مسلمانوں کی طرح فوج بھی غنیمت کے حصوں کے علاوہ وظیفوں کا حصہ پاتی تھی، پس جب شہریوں نے بیت المال کی جمع شدہ رقم میں خلیفہ اور اس کے حاکموں کی زیادتی دیکھی تو انھوں نے مطالبہ کیا کہ عوام کے مال میں سے عطیات صرف فوجی مجاہدین کے لئے خاص ہوں، خواہ بالفعل وہ لڑائی پر ہوں کہ نہ ہوں اگر لڑائی پر ہیں تو عطیات ان کا معاوضہ ہوں گے اگر معذور ہیں تو آجکل کی اصطلاح کے مطابق یہ ان کی پنشن ہوگی، سن رسیدہ اور معمر صحابہ سب کے سب پنشن کے حقدار ہیں اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی، لیکن ان کے علاوہ جو مسلمان ہیں جنھوں نے جہاد نہیں کیا معرکوں میں شریک نہیں ہوئے

اُن کا ان عطیات میں کوئی حصّہ نہیں ہونا چاہیئے، اس طرح حضرت عثمانؓ کی مالی سیاست نے باغیوں کو مجبور کر دیا، کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مسلک میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہوں، اور جب حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی راہ سے اس قدر ہٹے کہ سرمایہ داروں کا طبقہ پیدا کر دیا، تو باغیوں کے لئے حرج نہ تھا کہ وہ اُن کا اور ان کے گورنروں کا ہاتھ پکڑتے خواہ اس میں حضرت عمرؓ کے مسلک سے کچھ اختلاف ہی ہوتا، اس لئے کہ جب ایثار کی راہ چھوڑ کر مطلب ہی کا راستہ چلنا ہے تو کیوں نہ کم از کم ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں مطلب کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کی کچھ نہ کچھ تو رعایت ہوتی ہو، اور سرمایہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو جاتا ہو جن کے ہاتھوں نے سر ہتھیلی پر رکھ کر یہ دولت پیدا کی ہے پھر سب سے زیادہ اہم نکتہ جو باغیوں کے مطالبے میں ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی پیدا کردہ سرمایہ داری میں جس قدر عمومیت اور عدل سما سکے اس کی گنجائش نکالی جائے انھوں نے دیکھا کہ قریش کے نوجوان اور مدینہ کے لوگ زیادہ تر عطیات کے سہارے بے کاری کی زندگی جی رہے ہیں ان کو عطیوں کی بالکل ضرورت نہیں اس لئے انھوں نے کہا، ان میں سے جو مالدار ہے بیت المال میں اس کا کوئی حق نہیں، اور جو مفلس ہے اس کو کام کر کے اپنی روزی کمانی چاہیئے، عوام کا مال بے کاروں اور نکموں پر خرچ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، حضرت عثمانؓ نے باغیوں کے اس مطالبے کو تسلیم کیا اور خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا "جس کے پاس کھیت ہو اس کو کاشت میں لگ جانا چاہیئے، اور جس کے پاس کوئی دھندا ہو اس کو اس کے ذریعے اپنی روزی کمانا چاہیئے ہمارے پاس مجاہدوں اور بزرگ صحابہؓ کے سوا کسی کے لئے عطیہ نہیں ہے"

لیکن حضرت عثمانؓ اپنے اس پروگرام کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، فتنہ اور فساد اُن کی راہ میں حائل ہو گیا، اگر حضرت عثمانؓ عوام کے مال میں حضرت عمرؓ کے طریقے پر عمل کرتے اور اخراجات میں حق اور انصاف ملحوظ رکھتے تو اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو شر عظیم سے بچا لیتے اور اسلام انسانیت کے لئے ایک ایسا باصلاحیت سیاسی اور سماجی نظام پیدا کر سکتا، جو اس کو بہت سی آویزشوں اور خرابیوں سے بچا لیتا جن میں وہ الجھ کر مبتلا ہو گئی، لیکن زندگی کے موثرات اور اسباب حضرت عثمانؓ سے زیادہ قوی تھے، اور کون جانتا ہے کہ اگر موت جلدی نہ کرتی تو حضرت عمرؓ کا بھی بس چلتا یا نہیں؟

حضرت عثمانؓ اور مخالفین

(مخالفوں اور معترضوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا برتاؤ بھی مسلمانوں کی برہمی اور بیزاری کا ایک سبب ہے، اس معاملے میں حضرت عثمانؓ کی روش حضرت عمرؓ سے بڑا فرق رکھتی ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو جس قدر تاکید اس کی فرمائی کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں ان کو ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا ہے، اتنی کسی بات کی نہیں کی، انہوں نے اپنے حاکموں کو رعایا پر جبر و زیادتی کرنے سے مارنے پیٹنے سے جس سختی کے ساتھ روکا، کسی اور بات سے نہیں روکا، چنانچہ وہ مقررہ حد کے اندر ہی مارنے کی اجازت دیتے تھے، اور اپنے گورنروں کو اگر انہوں نے ناحق مارا ہے، یا حد سے زیادہ مارا ہے ہرگز معاف نہیں کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ حد سے بڑھ گئے اور اپنے گورنروں کو رعایا پر تشدد کرنے کا، مارنے پیٹنے کا، جلاوطن کرنے کا اور قید کرنے کا موقع دیا اور خود انہوں نے دو جلیل القدر صحابیؓ کو مارا یا مارنے کا حکم دیا، عمار بن یاسرؓ کو اتنا مارا کہ وہ فتق کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، عبداللہ ابن مسعودؓ کو مسجد نبوی سے اس بری طرح نکلوایا کہ ان کی بعض پسلیاں ٹوٹ گئیں) اہل سنت اور معتزلہ خواہ کتنی ہی جوابدہی کریں لیکن حضرت عثمانؓ بہرحال حدود سے متجاوز ہیں، مذکورہ بالا دونوں صحابیوںؓ نے حضرت عثمانؓ پر کیسی ہی تلخ تنقید کی ہو اور جیسے بھی اعتراضات ان پر کئے ہوں، لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ان پر مقدمہ چلایا گیا ہو ان کے خلاف ثبوت بہم پہنچائے گئے ہوں، ان کو اپنی مدافعت میں صفائی کا موقع دیا گیا ہو، حضرت عثمانؓ نے ان کے بارے میں اپنے حاکموں کی سن لی، اپنے مقربوں کا کہا مان لیا اور بلا دلیل ان کو سزائیں دیں، ان کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا، معتزلہ اور اہل سنت مدافعت میں کہتے ہیں کہ امام کو سزا دینے کا حق ہے، قطعاً امام حقدار ہے لیکن اس میں فرد جرم کی، شہادت کی، اور صفائی کے بیان کی شرط ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ نے عدالت میں پیش کیا، خود حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو تنگ کیا، جلاوطن کیا یا جلاوطن ہونے پر مجبور کیا اور محض

اس لئے کہ ان کو حضرت عثمانؓ کی وہ مالی پالیسی پسند نہ تھی جو انہوں نے عوام کے مال کے بارے میں اختیار کر رکھی تھی، وہ اس نظام اجتماعی کے مخالف تھے، جس نے دولتمندوں کا طبقہ پیدا کیا اور جس نے ان کو چاندی سونا اور بے حد مال جمع کرنے کا موقع دیا، پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے حاکموں کو اجازت دی کہ وہ مخالفت میں آواز اٹھانے والوں کو ان کے شہروں سے نکال باہر کریں، چنانچہ انہوں نے ایک جماعت کو دربدر پھرایا۔ سعید نے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، امیر معاویہؓ نے سعید کے پاس واپس کیا۔ پھر سعید نے ان کو عبدالرحمٰن بن خالد کے حوالے کیا اور یہ سب کچھ بلا مقدمہ چلائے، بلا شہادتیں پیش کئے، اور بلا صفائی کا موقع دیئے، حضرت عثمانؓ نے عبداللہ ابن عامرؓ کو اجازت دی کہ عامر ابن عبدالقیس کو شام جلاوطن کر دے امیر معاویہؓ نے یہ معلوم کرتے ہی کہ آپ تو الا مظلوم ہے اور اس کے خلاف دروغ بیانی کی گئی ہے چاہا کہ اس کو ز البصرہ واپس کر دیں لیکن عامر نے خود منظور نہیں کیا عبداللہ ابن ابی سرح کی جرأت دیکھیے اس نے اپنی شکایت کرنیوالوں میں سے ایک کو اسقدر مارا کہ وہ مر ہی گیا۔ تب مہاجرین انصار اور خود ازواج مطہرات مجبور کی گئیں کہ حضرت عثمانؓ سے مصریوں کے ساتھ انصاف کرنے پر اصرار کریں چنانچہ آپنے اس کا ارادہ بھی کر لیا لیکن نہ کر سکے۔

یہ انتہائی سخت گیر پالیسی جو خلیفہ اور اسکے حاکموں نے لوگوں کے امن و آزادی پر اور لوگوں کی جانوں پر مسلط کر دی تھی آنحضرتؐ اور شیخینؓ کی سیرت سے اسکو کوئی نسبت نہیں، ابعض نے خود آنحضرتؐ پر تنقید کر دی تھی اور کہا تھا اعدل یا محمد فانک لم تعدل[1] ایکبار کہا دوبارہ کہا اور جب تیسری بار کہا تو حضرتؐ نے صرف یہ کہا افسوس تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کرونگا تو کون کریگا مسلمانوں نے چاہا کہ معترض کی خبر لیں لیکن آنحضرتؐ نے ان کو اس سے روک دیا، کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو پہلے نہ تھے پس حضرت عثمانؓ نے حالات کے مطابق قدم اٹھایا یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسی زیاد نے عراق والوں سے کہی تھی، وہ کہتا ہے تم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جو پہلے نہ تھے، ہم نے بھی ہر جرم کے لئے نئی سزا پیدا کر لی حیرت کی بات ہے کہ حضرت عثمانؓ اور انکے گورنروں کی سیاست ہم کو زیاد کی سیاست کی یاد ایک سے زیادہ مرتبہ دلاتی ہے۔

اب جبکہ ہم واقعات اور روایات پر متکلمین کے خیالات پیش کر چکے ہیں ہم کو موقع ہے کہ فتنے پر براہ راست نظر ڈالیں اور اسکی ابتداء سے لیکر آخری مرحلے تک پہنچیں جہاں یہ سانحہ خونین پیش آتا ہے اور خلیفہ دھوکے سے نہیں جبراً اور زبردستی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] محمد انصاف کرو آپ نے انصاف نہیں کیا

معاصرین کی رائے میں تبدیلی

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا بڑی خوشی اور اطمینان کے ساتھ استقبال کیا، اس لئے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی پیدا کردہ شدت اور تنگی میں سہولت اور وسعت پیدا کر دی، ناظرین اس سے قبل پڑھ چکے ہیں کہ خلیفہ ہوتے ہی آپؓ نے لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کر دیا اور ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا پھر عطیات کی عنایت کر کے انہیں وہ خوشحالی اور فراخی بخشی جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں نصیب نہ تھی اور قریش نے تو خاص طور پر ایسی آزادی محسوس کی جو اس سے پہلے ان کو حاصل نہ تھی، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ فاروق اعظمؓ کی طرح حرہ کی گھاٹی پر قریش کی گردن پکڑے کھڑے نہیں رہے کہ ان کو دوزخ کی آگ میں ٹوٹ پڑنے سے روکے رکھیں. بلکہ درمیان سے ہٹ گئے اور قوم کو شہروں اور صوبوں میں جہاں چاہے پھیلنے دیا، مورخین کا قریب قریب متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال امن اور عافیت سے گذرے، اس کے بعد جیسے ہی دوسرا دور شروع ہوا نا گواریاں اور مشکلات سر اٹھانے لگیں۔

(مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چھ سال تک تو مسلمان حضرت عثمانؓ سے خوش رہے اس کے بعد چار سال تک گرانی کا دور رہا اور دسویں سال کے بعد سے تنگ آجانے کی کیفیت پیدا ہو گئی، شروع شروع میں لوگوں نے نرمی برتی پھر کچھ تیزی آگئی اور اس کے بعد تشدد کا دور آیا جو بڑھتے بڑھتے ناگواری کے آخری مرحلے تک پہنچ گیا اور خلیفہ کی جان تک لے لی گئی)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شروع کے دس برس میں حضرت عثمانؓ کو کسی مخالفت کا سامنا کرنا نہیں پڑا مخالفت تو خلافت کے پہلے ہی دن عبید اللہ ابن عمرؓ کے قضیئے کے ساتھ وجود میں آگئی لیکن مقصد یہ ہے کہ خطرناک مخالفت آخر کے دو سال میں سامنے آئی، میں سمجھتا ہوں کہ جب سے بئر اریس میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے اللہ کے رسول کی انگوٹھی گر پڑی، لوگوں کے دلوں میں برا خیال بڑھتا گیا یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کی مہر تھی، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو وراثت میں ملی تھی، وہ حکومت کے تمام فرمانوں پر

اس کو لگاتے تھے، اور اس میں خیر و برکت پاتے تھے اور اس کو ایک اہم ورثہ کرتے تھے، جہاں کہیں بھی وہ اس کو لگاتے اس حیثیت سے لگاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں آپ ہی کا طریقہ جاری کرتے ہیں، آپ ہی کی راہ پہ چلتے ہیں، آپ ہی کی مہر سے دستخط کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ کو یہ انگوٹھی حضرت عمرؓ سے ملی اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ سے اور حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ملی جب یہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی مسلمانوں نے اس کے نکالنے کی بڑی کوشش کی، بہت ڈھونڈا لیکن کنویں میں پانی کم ہونے کے باوجود کسی کو نہ ملی، اس لئے مسلمانوں کو بہت برا معلوم ہوا اور بدشگونی کے خیالات دلوں میں آنے لگے، خود حضرت عثمانؓ کو بڑا قلق ہوا، پھر آپ نے اسی انگوٹھی کی طرح ایک نئی انگشتری بنوائی اور اس پر پہلے کی طرح "محمد رسول اللہ" کا نقش بنوایا، لیکن یہ نئی انگوٹھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی انگلیوں نے نہیں چھوا ایک بناوٹی انگوٹھی تھی، جس سے کوئی روایت وابستہ نہیں، جسے اب تک کسی کام میں نہیں استعمال کیا گیا، کہنا چاہیئے کہ اس انگوٹھی کے استعمال سے حضرت عثمانؓ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا (راویوں کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وہ پہلے دلیر ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم میں مداخلت کی اور لوگوں کا حوصلہ بڑھایا، ہوا یہ کہ بعض وصول کرنے والے صدقات کے اونٹ لائے، حضرت عثمانؓ نے یہ اونٹ حکم کے بعض عزیزوں کو بخشدیا، جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کچھ صحابہؓ کو بلایا اور ان کو بھیج کر وہ اونٹ واپس منگوالئے، اور لوگوں میں تقسیم کر دیا، حضرت عثمانؓ گھر میں تھے اور کچھ نہیں کیا اور نہ کہا خود عبدالرحمٰنؓ اور ان کے ساتھیوں سے کچھ بھی نہیں کہا عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کی یہ حرکت حقیقت میں بڑی خطرناک تھی کیونکہ یہ خلیفہ کے حکم میں تبدیلی کے مترادف تھی لیکن حضرت عثمانؓ کا خاموش رہنا اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا یعنی غلطی کا اعتراف اور شان میں کمی)

حضرت عثمانؓ کے خلاف جرأت

اس کے بعد لوگ حضرت عثمانؓ کے مسلک میں بجا طور پر یا غلطی سے جو بات بھی ناپسند کرتے اس کا اظہار کرنے لگے، بعضوں نے تو اس میں بھی حرج نہیں سمجھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں ان کی مخالفت کریں اور کچھ لوگ نافرمانی کی بھی جرأت کرنے لگے، ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے دولت مندوں کی مذمت سے روکا، لیکن انہوں نے یہ حکم نہیں مانا اور کہدیا "عثمانؓ کو ناراض کر کے خدا کو راضی کرنا میرے نزدیک اچھا ہے اس سے کہ عثمانؓ کی مرضی کے لئے خدا کو ناراض کروں"۔

ولید ابن عقبہ کا معاملہ بھی خلافت کے رعب و داب کے خلاف تھا، یہ بات کچھ خلیفہ کے شایان شان نہ تھی کہ اس کے ایک گورنر پر شراب پینے کا الزام ثابت ہو جائے اور وہ اس پر حد جاری کرنے اور اسکو برطرف کرنے پر مجبور ہو جائے، اور پھر ادھر ادھر لوگ آپس میں رائے زنی کرتے ہوئے کہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سعید کو ہٹا کر اور ولید کا تقرر کر کے غلطی کی، ایک تو وہ ان کا رشتہ دار تھا اور دوسرے گورنری کے قابل بھی نہ تھا۔

اس کے بعد شہروں میں مخالفت کی تحریک زور پکڑنے لگی جس کی صدائے بازگشت مدینے تک پہنچی اور مدینے میں مخالفت کی خبریں شہروں میں پھیلیں جس سے مخالفین کو طاقت ملی اور حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ مدینے میں معترضوں کو ڈرائیں دھمکائیں اور شہروں میں اخراج اور جلا وطنی کے احکام جاری کریں، ڈرانے دھمکانے میں بعض اوقات حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔

مورخین کا بیان ہے کہ ۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں لوگوں کو جو کچھ پہنچا اس سے زیادہ برا سلوک شائد ہی کسی نے کسی کے ساتھ کیا ہو، صحابہؓ یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور سنتے تھے، اور بجز زید ابن ثابتؓ، ابو اسید ساعدیؓ، کعب ابن مالکؓ اور حسان ابن ثابت کی چھوٹی سی جماعت کے کوئی نہ منع کرتا تھا اور نہ مدافعت کرتا تھا، ہاں مدینہ کے صحابہؓ نے مختلف سرحدوں پر پھیلے ہوئے صحابیوںؓ کو خطوط لکھے کہ مدینہ آکر خلافت کے بگڑے ہوئے کاموں کو ٹھیک کرو، تم جہاد کی خاطر گھروں سے نکلے ہو، لیکن

بھاد تمہارے پیچھے ہے، تم دین کی بقا اور حفاظت کیلئے مدینہ واپس آجاؤ، اقتدار دین کے لئے ایک شر عظیم بن چکا ہے، لوگ جگہ جگہ جمع ہو کر ہونیوالے واقعات اور پیش آنیوالے مصائب کا تذکرہ کرنے لگے، حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کی اور الزامات کی بھر مار ہوئی، اور لوگوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس جائیں اور ان سے گفتگو کریں، مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ گئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا۔ مجھے لوگوں نے بھیجا ہے اور آپؓ کے متعلق بہت سی باتیں کہی ہیں، واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپؓ سے کیا کہوں؟ میں تو کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپؓ واقف نہ ہوں نہ آپؓ کو کوئی ایسی بات بتا سکتا ہوں، جس کو آپ نہ جانتے ہوں، ہمیں جو کچھ معلوم ہے آپؓ یقیناً اس سے واقف ہیں، کسی بات میں ہم مسبوق نہیں کہ اس کی اطلاع آپؓ کو دیں، نہ ہم سے کوئی چیز خلوت میں خاص کر دی گئی جو آپؓ کو پہنچا دیں، آپؓ کو چھوڑ کر ہم میں کوئی بات نہیں، آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ان کی باتیں سنیں، ان کی صحبت میں رہے، ان کی دامادی کا شرف پایا، ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) کسی عمل حق میں آپؓ سے آگے نہیں، ابن خطاب (عمرؓ) کسی بھلائی میں آپؓ سے بہتر نہیں، رشتہ داری کے اعتبار سے آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب ہیں آنحضرت کی دامادی میں جو درجہ آپؓ کو حاصل ہے وہ دونوں کو نہیں اور نہ وہ کسی بات میں آپؓ سے آگے ہیں، پس اپنے معاملے میں آپ خدا کو سامنے رکھئے، واللہ کہ آپؓ کو کچھ دکھلانے اور بتانے کی ضرورت نہیں، راستہ روشن ہے اور صاف، دین کے آثار برقرار ہیں، عثمان! جان لو ہدایت اور اخلاق میں سب سے زیادہ صاحب فضل خدا کے نزدیک وہ عادل خلیفہ ہے جس نے جانی بوجھی سنت کو برقرار رکھا اور چھوڑی ہوئی بدعت کو مٹایا، بخدا تمام باتیں صاف صاف ہیں سنتوں اور بدعتوں کے نشانات جدا جدا ہیں، خدا کے نزدیک سب سے برا آدمی ظالم امام ہے، جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کی گمراہی کا باعث، سنت کو مٹاتا اور بدعت متروک کو زندہ کرتا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ "قیامت کے دن ظالم امام کو بے یار و مدد گار لایا جائے گا۔ اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ چکی کی طرح اس میں چکر لگائے گا، پھر وہ جہنم کی گہرائی میں پھینکدیا جائے گا۔" میں آپؓ کو اللہ سے اس کی قوت اور انتقام سے ڈراتا ہوں، اس کا عذاب شدید دردناک ہے، خبردار کہیں اس امت کے مقتول امام نہ بن جانا، اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ اس امت میں سے ایک امام قتل کیا جائے گا جو قوم پر قیامت تک

قتل و قتال کا دروازہ کھول دے گا، معاملات مشتبہہ کر کے لوگوں کو جماعتوں میں منتشر کر دے گا، باطل کی بلندی کی وجہ سے لوگ حق کو نہ دیکھ سکیں گے اور حیران و سرگرداں رہیں گے[1]

معلوم نہیں حضرت علیؓ کی یہ گفتگو انہیں الفاظ میں حضرت عثمانؓ تک پہنچی یا اس کے قریب المعنی الفاظ میں لیکن اصل مقصد تو یہ ہے کہ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت ادھر ادھر کی انفرادی حد سے آگے بڑھ چکی تھی اور با قاعدہ منظم شکل میں مقررہ مقصد کے ماتحت براہ راست حضرت عثمانؓ تک پہنچ چکی تھی اور اب انتظار تھا کہ دربار خلافت سے کیا جواب ملتا ہے، پس کہنا چاہئے کہ مخالفت کی تحریک آجکل کی ہماری اصطلاح میں منفی متقادمت سے ترقی کر کے ایجابی بن چکی تھی، حضرت عثمانؓ نے حزب مخالف کے نمائندے کی باتیں سنیں اور جواباً کہا۔ جو کچھ آپ کہتے ہیں بخدا مخالفین بھی یہی کہتے ہوں گے، اگر میری جگہ آپؓ ہوتے تو قسم خدا کی میں آپ پر کڑی نکتہ چینی نہ کرتا، نہ آپؓ کو مخالفین کے حوالے کرتا، نہ آپ کے عیوب نکالتا اور نہ آپ کی نگاہ میں یہ کوئی بری بات ہوتی کہ میں نے صلہ رحمی کی، غریبی اور محتاجی دور کی، بیکسوں کو پناہ دیا، ان لوگوں کو والی بنایا، جو عمرؓ کے گورنروں کے مشابہ تھے، قسم سے کہو علی! کیا تم کو معلوم ہے کہ مغیرہ بن شعبہ میں کوئی خاص بات نہ تھی،

حضرت علیؓ ۔ جی ہاں

حضرت عثمانؓ ۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ عمرؓ نے ان کو والی بنایا تھا۔

حضرت علیؓ ۔ جی ہاں جانتا ہوں

حضرت عثمانؓ ۔ پھر مجھ کو الزام کیوں دیتے ہو اگر میں نے ابن عامر کو قرابت کے پیش نظر والی بنا دیا

حضرت علیؓ ۔ میں آپ کو بتاؤں؟ عمرؓ ابن خطاب جس کو بھی والی بناتے اس کے کان پر سوار رہتے ایک حرف بھی اس کے خلاف سن پاتے تو اسی وقت طلب کرتے اور بات ٹھکانے تک پہنچا دیتے، اور آپؓ ایسا نہیں کرتے آپؓ اپنے رشتہ داروں کے لئے نرم ہیں ان سے دبتے ہیں،

حضرت عثمانؓ ۔ وہ آپؓ کے بھی رشتہ دار ہیں۔

حضرت علیؓ ۔ میری زندگی کی قسم ان سے میرا رشتہ بہت زیادہ قریب کا ہے، لیکن آپؓ کی نظر

---

[1] تاریخ طبری واقعات سنہ ۳۴ھ

عنایت دوسروں پر ہے

حضرت عثمانؓ آپ جانتے ہیں کہ عمرؓ اپنے پورے دور خلافت میں معاویہ کو حاکم بنائے رہے تو میں نے بھی ان کو حاکم رکھا،

حضرت علیؓ قسم سے کہئے کیا یہ واقع نہیں ہے کہ عمرؓ کا غلام یرفاء جتنا ان سے ڈرتا تھا معاویہ اس سے کہیں زیادہ عمرؓ سے ڈرتے تھے،

حضرت عثمانؓ ہاں ٹھیک ہے۔

حضرت علیؓ اور آپ کا یہ حال ہے کہ معاویہ آپ سے بلا مشورہ کئے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ خلیفہ کا حکم ہے، اور آپؓ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی معاویہؓ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے [1]

یہ مختصر سا مکالمہ، مخالفت کی تحریک کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتا ہے، اور اس کے تمام گوشوں کو واضح کر دیتا ہے، اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مدینہ میں لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی کس کس بات پر اعتراض تھا اور حضرت عثمانؓ کے پاس اعتراضوں کا جواب کیا تھا، حضرت عثمانؓ پر اعتراض یہ ہے کہ وہ عطیات اور عہدے میں اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے ہیں، اور اپنے حاکموں سے جو انہیں کے رشتہ دار ہیں دبتے ہیں، حضرت عثمانؓ کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے رشتہ داروں کی امداد مفلسوں کی خدمت اور بے بسوں کی دستگیری کے علاوہ کچھ نہیں کیا اور یہ کہ گورنروں کے تقرر میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے رہے حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو حاکم بنایا تھا، حالانکہ ان میں کوئی خاص بات نہ تھی اور معاویہ کو آخر تک باقی رکھا تھا، حضرت علیؓ کا جواب یہ ہے کہ عمرؓ اپنے گورنروں پر کڑی نگرانی رکھتے تھے غلطی پر مواخذہ کرتے تھے، اور یہ کہ حضرت عمرؓ کے غلام یرفاء سے کہیں زیادہ خود معاویہؓ حضرت عمرؓ سے ڈرتے تھے، پھر دونوں آدمی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے اور گفتگو بلا نتیجہ ختم ہو گئی، ہاں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ پر اپنے غصہ کا اظہار کر دیا، ان کو اپنا عیب جو، معترض، اور دشمن کے حوالے کرنے والا کہدیا، حالانکہ باہمی رشتہ داری کا تقاضا تھا کہ وہ رعایت سے کام لیتے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ضروری سمجھا کہ اجتماعی طور پر اس مخالفت کا مقابلہ کریں اور لوگوں کو ڈرائیں دھمکائیں، چنانچہ باہر نکلے اور مسجد میں جاکر منبر

[1] تاریخ طبری واقعات ۳۴ھ

نبوی سے خطبہ دیا۔ امابعد! ہر چیز اور ہر کام کے لئے ایک آفت اور ایک مصیبت ہوتی ہے اس امت کی آفت اور اس نعمت کی مصیبت عیب لگانے والے اور طعن و تشنیع کرنے والے ہیں، وہ دلوں میں تمہارے خلاف جذبات رکھ کر برتاؤ ایسا کرتے ہیں جس سے تم خوش ہو سکو، شتر مرغ کی طرح پہلی آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں، دور کا گھاٹ پسند کرتے ہیں، گدلے پانی پہ اترتے ہیں، اور ناگواری سے پیتے ہیں، ان کا کوئی پیش رو نہیں، معاملات نے ان کو عاجز کر دیا ہے، روزی پیدا کرنا ان پر دشوار ہو گیا ہے۔

اے لوگو تم کو ابن خطاب کے لئے جو باتیں منظور تھیں انہیں کو میرے لئے عیب اور اعتراض جانتے ہو، انہوں نے تم کو ٹھوکر لگائی، ہاتھ سے مارا، زبان سے ذلیل کیا اور تم خوشی ناخوشی برداشت کرتے رہے اور میں نے تمہارے ساتھ نرمی برتی اپنے کاندھے پر بٹھایا، اپنا ہاتھ اپنی زبان تم سے روکا تو تم مجھ پر یہ جرأت دکھاتے ہو، خدا کی قسم میری اجتماعی قوت زیادہ ہے، میرے حامی مجھ سے بالکل قریب ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں، اگر میں ان کو آواز دیدوں تو ابھی دوڑ پڑیں، میں نے تمہارے لئے مقابل تیار کر رکھے ہیں ان کو زیادہ دیا ہے، اپنا دانت میں نے تم پر تیز کیا ہے، تم مجھ میں ایسی برائیاں نکالتے ہو جو مجھ میں نہیں ہیں، ایسی باتیں میرے متعلق کہتے ہو جو میں نے زبان سے نہیں نکالیں، پس اپنی زبانیں روک لو، طعن و تشنیع چھوڑ دو، اپنے حاکموں کو عیب لگانے سے باز آجاؤ میں نے تم سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور رہا یہ تو بتاؤ تمہارا کیا حق مارا گیا، تقسیم کے بعد مال میں سے کچھ بچ رہا تو کیا اس بچے ہوئے مال میں بھی مجھے کچھ کرنے کا اختیار نہیں، تو پھر میں خلیفہ کیا؟ مروان ابن الحکم نے کچھ کہنا چاہا لیکن حضرت عثمانؓ نے ڈانٹ کر بٹھا دیا، اور کہا معاملہ میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے تم کو درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت؟ میں نے تم کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بیچ میں تم کچھ نہ کہناؒ۔

حضرت عثمانؓ کے پورے دور خلافت میں یہ ان کا سب سے زیادہ تیز گرم اور سخت خطبہ ہے خود ان کو بھی اس کی تیزی کا احساس تھا اور انہوں نے اپنی نرم طبیعت کے مناسب معذرت کی اور کہا، "تم مجھ میں ایسی برائیاں اور باتیں نکالتے ہو جو مجھ میں نہیں اور جو میں نے زبان سے نہیں نکالیں" اور ابھی خطبہ پورا ہوا بھی نہیں تھا کہ نرمی کی اس حد پر آگئے جو آپ کی سیرت کا حصہ ہے اور مروان سے کہہ دیا کہ بات میری اور میرے ساتھیوں کی ہے یعنی وہ اپنے مخالفوں سے نہیں بلکہ دوستوں سے باتیں کر رہے ہیں اور اسلئے تیزی اور سختی دکھا رہے ہیں

لہ تاریخ طبری واقعات ۳۴ھ

کہ ان کے دوستوں نے بھی ان کے ساتھ شدت سے کام لیا ہے اور ان کو آپے سے باہر کر دیا، حلیم الطبع انسان غصہ ہوتا ہے لیکن فوراً ہی چشم پوشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کی عادت ہے)

حضرت عثمانؓ کا اپنے دوستوں پر یہ اعتراض ہے کہ وہ عیب لگانے والوں کی سنتے ہیں، جو زبان سے تو خوش کرنے والی باتیں کرتے لیکن دل میں تکلیف پہنچانے والے خیالات مخفی رکھتے تھے، جو خلیفہ کے بارے میں غلط اور گمراہ کن باتیں پھیلاتے اور ایسی امیدیں دلاتے جن کے بر آنے کی کوئی صورت نہ تھی، حضرت عثمانؓ اپنی اس گفتگو میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ حزب مخالف کے اعضاء ہیں اور آپؓ کے خلاف جسارت کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں تاکہ اپنی دیرینہ آرزوئیں کے بہت عرصے سے منتظر ہیں پوری کریں، لازمی طور پر یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت عثمان خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے لئے خلافت کا منصب چاہتے ہیں، ان کے علاوہ عمار بن یاسرؓ جیسے اور دوسرے بعض مہاجر اور انصار بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت عثمانؓ سے کھلا اختلاف رکھتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ اپنے دوستوں سے فرماتے ہیں کہ میری جن باتوں پر آج اعتراض ہے، کل وہی عمرؓ کرتے تھے تو کوئی اعتراض نہ تھا اس لئے کہ انہوں نے سختی سے کام لیا اور لوگ ڈر گئے اور میں نے نرمی برتی اس لئے میرے اوپر لوگ دلیر ہو گئے ہیں، اس کے بعد مخالفین کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ لوگوں کی طاقت ہے میرے حامی میرے قریب ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں اور حکم کے منتظر ہیں، اس میں شک نہیں اس دھمکی میں حضرت عثمانؓ اپنے ان حریفوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو قوت اور شوکت میں ان کے برابر نہیں، واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ عدداً بھی زیادہ تھے اور قریش کے تمام قبیلوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے حامی اور مددگار بھی، آگے چل کر پھر حضرت عثمان اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں، تم کو غصہ میری کس بات پر ہے؟ میں نے تمہارا حق پورا پورا ادا کیا، ابوبکرؓ اور عمرؓ جو کچھ دیتے تھے میں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی، بیت المال کے سلسلے میں فرمایا بچے ہوئے مال میں کیا مجھے اتنا کرنے کا بھی اختیار نہیں؟ پھر میں خلیفہ کس بات کا، حضرت عثمانؓ کا مطلب یہ ہے کہ جب انھوں نے بیت المال سے مسلمانوں کا حق ادا کر دیا تو باقی ماندہ مال میں ان کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ منصبِ خلافت ان کو اس کا حق دار بناتا ہے، کسی اور کو اس میں برا ماننے کی یا اس میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں، پس کہنا چاہیے کہ حضرت عثمان اور ان کے مخالفین

کے مقابلے کا پہلا مرحلہ طے ہو گیا، معترضوں نے مخالفت کی، اپنی مخالفت کو منظم کیا، خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کر دیا، خلیفہ نے اعتراض کا جواب دیا، پھر مجمع عام میں خطبہ دیا ڈرایا دھمکایا اور سخت تاکید کی آخر میں نرمی کا بھی اظہار کیا لیکن اپنی جگہ جمے رہے ایک انچ بھی نہیں ہٹے، مخالفین بھی اپنی جگہ قائم رہے اور ٹس سے مس نہیں ہوئے لیکن گرد و پیش کے حالات حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین سے زیادہ شدید تھے مخالفت اپنی جگہ باقی رہی، مخالفین کو صوبوں سے خبریں ملیں کہ شہروں میں مخالفت کی تحریک مدینہ سے کہیں زیادہ زوروں پر ہے حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ کی اتباع کی اور اپنی خلافت کے پورے دور میں لوگوں کے ساتھ حج کیا صرف پہلے سال بیمار رہونے کی وجہ سے اور آخری سال محصور ہونے کی وجہ سے حج میں شرکت نہیں کر سکے، آپ ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں سے ملتے، ان سے حالات سنتے اور انھیں ہدایتیں فرماتے جب ۳۴ھ میں آپ نے اپنے حاکموں سے ملاقات کی تو ان کو مشورہ کی غرض سے اکٹھا کیا، راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے عمرو بن العاصؓ کو بھی بلایا تھا، لیکن مجھے اس میں شک ہے اس لئے کہ ۳۴ھ میں عمرو بن العاصؓ آپ کے گورنر نہ تھے، پھر یہ کہ جب سے آپ نے اُن کو مصر سے معزول کر دیا، وہ آپ کے خیر خواہ نہ تھے،

عمرو بن العاصؓ کا نام راویوں نے اس مشورے میں اس لئے منتخب کر دیا کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو چالاکی اور چالبازی کی باتیں کی ہیں، اس پر خامہ فرسائی کر سکیں، غالب گمان تو یہ ہے کہ اس مجلسِ مشورہ میں یہی چار گورنر جو اہم صوبوں پر حکومت کرتے تھے شریک ہوئے یعنی امیر معاویہؓ، عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح، عبداللہ ابن عامر اور سعید ابن العاص، جب یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے کہا، ہر امام کے وزراء ہوتے ہیں، آپ لوگ میرے وزیر ہیں آپ کو معلوم ہے کہ لوگ مجھ سے کس طرح کھنچے ہوئے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں، کہ میں اپنے گورنروں کو برطرف کر دوں، اب آپ حضرات مجھے مشورہ دیجئے کہ میں اس سر اٹھانے والے فتنے کے بارے میں کیا کروں؟، امیر معاویہؓ نے کہا کہ گورنروں کو اُن کے صوبوں میں واپس بھیج دیجئے، اُن کی قابلیت اور مقدرت کے پیش نظر اُن پر اعتماد کیجئے کہ وہ تدبر کے ساتھ اپنے اپنے صوبوں کو سنبھالیں، امام کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو چن لیا ہے۔ سعید ابن عامر نے مشورہ دیا، کہ حزب مخالف کے لیڈروں اور فتنہ و فساد کے بانیوں کو قتل کر دیا جائے عبداللہ ابن سعد نے رائے دی کہ لوگوں کو

بیت المال کی راہ سے رضامند کیا جائے ان کو عطیات دیئے جائیں اور ان پر قبضہ رکھا جائے عبداللہ ابن عامر نے اپنا یہ خیال پیش کیا، کہ لوگوں کو جہاد پر بھیجدیا جائے، جنگ ان کو سرحدوں پر کافی عرصے تک مشغول رکھے گی، حضرت عثمانؓ نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ آپ نے گورنروں کو واپس کر دیا اور ان کو تاکید کردی کہ وہ اللہ کے حقوق میں شدت برتیں اور اپنا طرز عمل ٹھیک رکھیں اور رعایا پر پوری نگرانی رکھتے ہوئے ان کو جہاد پر بھیجیں اور جس کی طرف سے بھی کسی ٹیڑھ کا پتہ چلے ان کا وظیفہ بند کر دیں اس کے بعد حضرت عثمانؓ مدینہ واپس آئے، امیر معاویہ بھی شام جاتے ہوئے راستے میں ہمسفر رہے، مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ نے ایک دوسری مجلس شوریٰ طلب کی جس میں امیر معاویہؓ کے علاوہ چند جلیل القدر صحابہؓ نے بھی شرکت کی، مثلاً حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیر اور سعدؓ۔ امیر معاویہؓ نے بات کا آغاز کیا، حاضرین کو معمر خلیفہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فتنہ اور نفاق سے بچنے کی تاکید کی اس تاکید میں دھمکی کا رنگ بھی تھا، حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو ڈانٹا، بہر حال دونوں میں جو سوال و جواب ہوا وہ تلخی سے خالی نہ تھا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے بڑے سکون اور نرمی سے باتیں کیں اور کہا میں قوم کے مشورہ پر ہوں، وہ مجھے جہاں لے جائے گی جاؤں گا، اس کے بعد حضرت عثمان سے کہا گیا کہ آپؓ نے فلاں فلاں کو عطیات دیئے ہیں وہ واپس منگوائیے، حضرت عثمانؓ نے واپسی کا وعدہ کیا، اور سب خوش اور مطمئن ہو کر مجلس سے اٹھے، بلاشبہ حزب مخالف کو تھوڑی سی کامیابی ہوئی، حضرت عثمانؓ نے ان کے لیڈروں سے گفتگو کی اور ان کے بعض مطالبات بھی مان لئے، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ پھر مہاجرین کو بوڑھے خلیفہ کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور دھمکی کے اشارے بھی، عام طور پر یہ خیال کیا جانے لگا کہ آنے والا ۳۵ھ لوگوں کے لئے ایک گونہ سکون اور اطمینان کا سال ہوگا۔ لیکن کوفہ والوں نے بغاوت کر دی، اور جیسا کہ آپ نے پڑھا انہوں نے سعید کو واپس کر دیا اور مطالبہ کیا کہ ان کا والی ابوموسیٰ اشعریؓ کو بنایا جائے، حضرت عثمانؓ ان کا مطالبہ ماننے پر مجبور ہوئے، یہ سب سے پہلا فتنہ تھا جو کوفہ نے دوسرے شہروں کے لئے ایک مثال کے طور پر پیش کیا، چنانچہ بہت جلد دوسرے شہروں نے اس کی اتباع کی اور باغیوں کو معلوم ہو گیا کہ مقصد حاصل کرنے کے لئے بغاوت ہی ایک سیدھا راستہ ہے تھوڑے ہی دنوں بعد مصری کوفہ والوں کی راہ چل پڑے اور ۳۵ھ کے رجب میں انہوں نے ایک

پروگرام مرتب کیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ یہ لوگ عمرہ کی غرض سے جا رہے ہیں، ان کو مدینہ بھیجا، لیکن مدینہ آنے کے بعد ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے اُن کے اور اُن کے گورنروں کے مسلک کے بارے میں گفتگو اور بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہاں پہنچکر راویوں میں اختلاف ہوتا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ اُن کی ملاقات حضرت عثمانؓ سے ایک گاؤں میں ہوئی جو مدینہ کے قریب تھا چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کو حکم بنا کر سوال وجواب کیا حضرت عثمانؓ نے اُن کو مطمئن کر دیا اور وہ راضی ہو گئے اسی طرح ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی مطمئن کر دیا اور انھوں نے معذرت کی اور درگذر کا وعدہ کیا اور بعض راوی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کے پاس مہاجر اور انصار کی ایک جماعت بھیجی جس میں حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ انصاریؓ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان دونوں آدمیوں سے عہد کیا کہ وہ جس شرط پر بھی آنے والوں کو راضی کریں گے انھیں منظور ہے چنانچہ یہ سفیر ان لوگوں کے پاس آئے ان کو نصیحت کر کے راضی کیا، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تاکہ ان کو مزید اطمینان دلادیں، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نکلے اور لوگوں کو خطبہ دیا جس میں وفد کی تعریف کی اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خدا سے مغفرت چاہی پھر رونے لگے اور اس قدر کہ ان کے لئے لوگوں کے دل رقت سے بھر گئے اور مصری ہنسی خوشی واپس چلے گئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس خطبے کے آخر میں حضرت عثمانؓ نے کہا تھا "اب اگر مصیبت آئے تو تم میں کے آدمی میرے پاس آجائیں جو زیادتی بھی مجھے معلوم ہوگی میں اس کو دور کروں گا اور جو ضرورت بھی پیش کی جائے گی میں اسے پورا کروں گا،" لیکن ابھی وہ گھر پہنچے ہی تھے کہ مروان آپ کے پاس گیا اور آپ کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دی چنانچہ جب آپ گھر سے نکلے تو لوگوں کو بری طرح ڈانٹ دیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے لوگوں کو اپنا لیا تھا، ان کی رضامندی اور وعدے کے پیش نظر لوگ متفق ہو گئے تھے کہ آپ کی اطاعت اور محبت کریں، اور آپ سے بھلائی اور خیر کی امیدیں رکھیں لیکن دن گذرتے رہے اور حضرت عثمانؓ نے کچھ نہ کیا نہ کہنے کے مطابق کوئی تبدیلی کی نہ کسی گورنر کو برطرف کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال شوال کا مہینہ آتے ہی مصریوں نے دوسری بار خروج کیا اس مرتبہ ان کی تعداد کم سے کم بتانے والوں کے خیال سے چھ سو تھی، اور زیادہ سے زیادہ بتانے والے ایک ہزار بتاتے ہیں،

اسی زمانہ میں کوفہ اور بصرہ سے بھی لوگ نکلے اور سب کے سب مدینہ کے باہر پہنچے اور حضرت
کو اپنے آنے کی اطلاع کردی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ کو بھیجنے
کیا، حضرت علیؓ نے انکار کردیا، اور محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ میں اللہ کو ایک سال میں
جھٹلا نہیں سکتا، لیکن پھر بھی مدینہ والوںؓ نے منظور نہیں کیا کہ کچھ لوگ زبردستی گھس آ
وہ ان کے مقابلے کے لئے نکل آئے اب مصر کوفہ اور بصرہ کے وفود نے دیکھا کہ علیؓ، طلحہؓ، اور
پڑاؤ ڈال دیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کی جماعت ہے جو زبردستی داخلے کے
ہے، اور دار الہجرۃ کی حفاظت کرنا چاہتی ہے تب وہ سب کے سب واپس ہونے لگے ان لوگوں
ایسا ظاہر کیا کہ وہ اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں، اس کے بعد مدینہ والوں نے یقین کر لیا
سے خطرہ دور ہوگیا اور حملہ آور الٹے پاؤں چلے گئے چنانچہ سکون و اطمینان کی زندگی
کردی لیکن یکایک مدینے کی گلیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور لوگ دم
گئے، اب ان کو معلوم ہوا کہ اپنے شہروں کو واپسی کا مظاہرہ ایک دھوکا تھا،
جب ان آنے والوں نے دیکھا کہ شہر میں امن و سکون ہے تو وہ بلا روک ٹوک داخل ہوگئے
اور ایک پکارنے والے نے بلند آواز سے اعلان کیا، جو کوئی اپنے گھر میں بیٹھ رہا،
جو ہمیں تکلیف پہنچانے سے باز رہا اس کو امان ہے، اس کے بعد حضرت عثمان
کیا گیا، یہیں سے اس خط کا قصہ شروع ہوتا ہے، جس کے متعلق راویوں نے لکھا
واپسی میں اس کو مصریوں نے پکڑا اور اس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹ پڑے
خیال میں یہ قصہ سرے سے من گھڑت ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل خود راویوں کا بیان
ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مصریوں سے سوال کیا کہ کوفہ اور بصرہ والوں کو کیسے معلوم
ہوا کہ تم کو یہ خط ملا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنے راستے پر الگ تھا، مصری الگ
تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں؟ آخر میں انھوں نے کہا، اس کا جو مطلب
جی چاہے نکالو اب ہم کو اس شخص کی ضرورت نہیں، اور یہ بات نہ معقول ہے اور نہ قابل
کہ حضرت عثمانؓ اس قسم کی چال کریں، کہ ایک جماعت سے ایک طرف رضامندی کا اظہار کریں
اور دوسری طرف اپنے خفیہ قاصد کے ذریعے گورنر کو حکم دیں، کہ جب وہ جماعت شہر پہنچے تو اس

[۲۵۸ - ۲۶۰] - missing

حضرت عثمانؓ پر باغیوں کی زیادتی

معمول کے مطابق ایک دن حضرت عثمانؓ گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھا کر منبر پر بیٹھے وعظ و نصیحت شروع کر دی، وعظ کے دوران میں آپؓ نے کہا۔ اے دشمنو! خدا سے ڈرو خدا سے، واللہ مدینہ کے لوگ جانتے ہیں کہ تم حدیث نبوی کے مطابق ملعون ہو، پس نیکیوں کے ذریعے اپنی خطاؤں کا خاتمہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے مٹاتا ہے ہو... کا بیان ہے کہ اس پر محمدؓ ابن مسلمہؓ اٹھے اور کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، پھر حکیم ابن... کھڑے ہوئے اور ان کو بٹھا دیا، اس کے بعد زید بن ثابت کھڑے ہوئے اور کہا، مجھ سے قرآن طلب... لیکن محمد بن قتیرہ نے ان کو بٹھا دیا، محمد ابن مسلمہؓ اس بات کی شہادت دینا چاہتے تھے کہ اللہ نیکیوں کے ذریعے سے برائیوں کا خاتمہ کرتا ہے، اور زید بن ثابت چاہتے تھے کہ یہ بات قرآن مجید سے ثابت کر... لوگوں کے سامنے ان الحسنات یذھبن السیئات کی آیت تلاوت کریں، لیکن ان دونوں کو لوگوں نے بٹھا دیا، پھر جبلہ ابن عمرو ساعدی کھڑا ہوا جو انصار میں سے ایک شخص تھا اور کہنے لگا عثمانؓ تم منبر سے نیچے اترو ہم ایک عبا پہنا کر تم کو ایک بوڑھے اونٹ پر سوار کریں گے اور جس طرح تم نے بزرگوں کو شہر بدر کیا ہے، ہم تم کو جبل دخان بھیج دیں گے، حضرت عثمانؓ نے کہا، برا ہو تیرا اور تیری تجویز کا، یہ جبلہ حضرت عثمانؓ کو چھیڑا کرتا تھا، اور قتل کی... دیتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ اگر آپؓ نے خلافت نہیں چھوڑی تو میں آپ کی گردن میں ... ڈال کر کھجلی والی اونٹنی پر بٹھاؤں گا، اور جبل دخان پر لے جا کر چھوڑ دوں گا، علاوہ ازیں یہ شخص آپؓ کے گورنروں کے بارے میں اور خاص طور پر مروان اور حکم کے ... کے بارے میں آپؓ کو سخت و سست کہا کرتا تھا اور جب کوئی اس سلسلے میں اس سے گفتگو کرتا، اور یہ جواب دینا چاہتا تو کہا کرتا تھا کہ کل جب میں خدا سے ملوں گا واللہ میں اس سے کہوں گا ——— انا اطعنا سادتنا وکبرائنا

فاضلونا السبیل [1]

حضرت عثمانؓ جبلہ کا جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ جہجاہ بن سعید غفاریؓ جو ابوذرؓ کے خاندان کے ہیں اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابی ہیں کودکر منبر تک پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے خطبے کا عصا لے لیا اور اپنی ران پہ مار کر اس کو توڑ دیا، یہ وہی عصا تھا جسے ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین خطبہ دیا کرتے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ اسی دن ان کے پاؤں میں آکلہ کی بیماری پیدا ہوگئی، حضرت عثمانؓ نے بعد میں عصا کو جوڑنے کا حکم دیا، پھر لوگوں نے گڑبڑ کی اور ایکدوسرے پر کنکر پھینکنے لگے اسی اثنا میں ایک پتھر حضرت عثمانؓ کو اس طرح لگا کہ گر پڑے اور بیہوشی کی حالت میں رضی اللہ عنہ گھر پہنچائے گئے اس کے بعد قتل ہو کر ہی گھر سے نکلنا نصیب ہوا۔

محاصرے میں شدت اور پانی روک دینا

اس دن کے بعد سے حقیقت میں باغیوں کی روش بُری ہو گئی انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے بھی روکا اور ان کی جگہ اپنے ایک آدمی غافقی کو مقرر کیا، جو مصریوں کا سردار تھا، کبھی کبھی طلحہ بن عبید اللہؓ اور بعض اوقات حضرت علیؓ نماز پڑھاتے تھے اس کے بعد باغیوں نے حضرت عثمانؓ پر پانی روک دیا تا آنکہ آپؓ اور آپؓ کے گھر کے لوگ پیاس کی شدت محسوس کرنے لگے ایک دن کھڑکی سے سر باہر نکال کر آپؓ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے بیر رومہ خریدا اور مسلمانوں کے لئے عام کردیا، آپؐ نے اس کے صلے میں اُن سے جنت کا وعدہ کیا آج ان پہ اسی کنویں کا پانی حرام کیا جا رہا ہے اور مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ کھاری پانی سے افطار کریں، اسی طرح آپؓ نے ان کو یاد دلایا کہ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے زمین خرید کر مسجد کی تنگی دور کردی اور اس کے عوض آنحضرتؐ نے اُن سے جنت کا وعدہ کیا آج وہ پہلے مسلمان ہیں جن کو اسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکا جاتا ہے اس کے بعد آپ نے صحابہ سے اور امہات المومنینؓ سے چاہا کہ اگر ہوسکے تو میٹھا پانی بھیج دیں، حضرت علیؓ نے تدبیر کر کے پانی پہنچا دیا، اور باغیوں کے پاس پہنچکر اُن کو ڈانٹا کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ مومنوں کا طریقہ ہے نہ کافروں کا، رومی اور ایرانی بھی اپنے قیدیوں کو کھلاتے پلاتے تھے امّ المومنین، ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ تھوڑا سا پانی لے کر آئیں تو باغیوں نے ان کے خچر کے منہ پر مارا اور اس کے کمر کا

---

[1] ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اتباع کی انہوں نے ہمیں گمراہ کیا

پٹکا کاٹ دیا، ام المومنین گرنے کے قریب ہو گئیں لیکن کچھ لوگ پہونچ گئے انہوں نے پٹکا دیا اور گھر تک پہنچایا حالانکہ ام المومنین نے باغیوں کو بتا دیا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بنی امیہ کے کچھ یتیموں کے بارے میں باتیں کرنے جا رہی ہیں اور اس سلسلے میں بنی امیہ کی وصیتیں حضرت عثمانؓ کے پاس ہیں، لیکن باغیوں نے ان کی ایک نہ سنی اور نہ کسی بات کی تصدیق کی، محاصرے کی شدت کے بعد صحابہؓ خانہ نشین ہو گئے اور لوگ بھی اپنے گھروں میں بیٹھ رہے، اگر کوئی نکلتا بھی تو تلوار لے کر نکلتا اس کے بعد تو مصیبت بڑھ گئی، خون ریزی عام ہوئی، حضرت عثمانؓ بار بار کھڑکی سے سر باہر نکال کر باغیوں کو نصیحت کرتے، فتنہ فساد سے بچنے کی تاکید کرتے، اللہ کی آیات اور رسول کی احادیث ان کو یاد دلاتے لیکن وہ لوگ کچھ نہ سنتے تھے اور نہ کچھ توجہ کرتے تھے بلکہ بعض اوقات نہایت سخت جوابات دیتے

حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی تیاری

بنی امیہ کے کچھ دلیر اور لڑنے والے افراد اکٹھا ہوئے اور ان کے ساتھ مہاجروں کی جوان اولاد بھی شریک ہو گئی لوگ ایک ساتھ ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے اور حفاظت کرنے لگے، ان میں عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ حضرت علی کے دونوں صاحبزادے حسنؓ اور حسینؓ اور محمد ابن طلحہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان میں عبداللہ ابن زبیرؓ کو امیر بنایا تھا اور حکم دیا تھا کہ لڑائی نہ کرنا اور اس ارادے طور پر قائم رہنا، معاملات نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی، حتیٰ کہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے پاس جانے سے اور گھر والوں کو باہر نکلنے سے روکا گیا۔

امداد آنے کی خبر

کچھ دنوں یہی حالت رہی، پھر یہ خبر آئی کہ عراق کی امداد مدینہ سے قریب آ چکی ہے اور شام کی امداد وادیٔ قریٰ تک پہنچ چکی ہے، اس کے بعد راویوں کے بیان میں شدید اختلاف ہے حضرت عثمانؓ کے حامی راوی کہتے ہیں۔ باغیوں کو خطرہ ہوا کہ اگر امداد مدینہ پہنچ گئی تو وہ ان کی راہ میں حائل ہوگی، اس لئے انہوں نے محمد ابن ابوبکرؓ کی قیادت میں اپنے چند آدمیوں کو اندر گھسا دیا یہ لوگ عمرو بن حزم کے مکان سے جو حضرت عثمانؓ کے گھر سے متصل تھا اور جس کے بیچ میں چھوٹا سا دروازہ تھا، حضرت عثمانؓ تک پہنچ گئے اور ان کو قتل کر دیا، لیکن مخالف راویوں کا بیان ہے کہ ابتداء گھر والوں ہی سے ہوئی، وہ باغیوں کی طرف دوڑ پڑے حضرت عثمانؓ کھڑکی سے سر نکالے ہوئے تھے کہ باغیوں

خاص نیار بن عیاض اسلمیؓ نے جو سن رسیدہ صحابی تھے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور نصیحت کی کہ وہ از خود خلافت سے برطرف ہو جائیں، اسی اثناء میں نیار بن عیاض کو ایک تیر یا ایک پتھر گھر میں سے لگا جس سے وہ مر گئے، اب باغیوں نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے آدمی کے قاتل کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اس سے قصاص لیں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ مجھے کیا معلوم کہ قاتل کون ہے؟ یا یہ کہا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جو میری طرف سے مدافعت کر رہا ہے اور تم میری جان کے خواہاں ہو کیوں تمہارے حوالے کر دوں،

باغیوں کا گھر میں گھسنا اور قتل کرنا

اس کے بعد ایک ہی سخت رات درمیان میں رہی صبح ہوتے ہی باغیوں نے گھر پر حملہ کر دیا اور دروازے میں آگ لگانے لگے، تب گھر کے لوگ مقابلہ کرنے کیلئے گھر سے نکلے، اور لڑائی میں شدت پیدا ہو گئی عبداللہ ابن زبیرؓ کو بہت زیادہ زخم آئے، مروان بن الحکم تو اس طرح گرا کہ لوگوں نے مر جانے کا شبہ کیا بہت سے لوگوں کی جانیں گئیں اور باغی گھر میں گھس آئے اسی درمیان میں عمرو بن حزم نے اپنا دروازہ کھولدیا، پھر اس کے اندر کے چھوٹے دروازے سے حضرت عثمانؓ تک پہنچے اور ان کو قتل کر دیا۔

غالب گمان یہ ہے کہ باغیوں نے یہ سنکر کہ بہت جلد مدینہ میں، امداد آنے والی ہے چاہا کہ کمک آنے سے پہلے کام پورا کر دیں، ادھر مروان بن الحکم نے بھی مزید انتظار نہیں کیا اس لئے کہ باغیوں کی طرح اس کو بھی امداد کی خبریں مل چکیں تھیں پس اُسنے بھی لڑائی شروع کرنے میں عجلت سے کام لیا اور خیال کیا کہ وہ محاصرہ اٹھا دینے میں کامیاب ہو جائے گا اور امداد آنے تک مقابلہ جاری رکھ سکے گا، پھر یہ اس کو اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ معاویہ اور ابن عامر کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ ان کی فوجوں نے آکر محاصرہ اٹھایا، اور انہیں زندگی بخشی، پس وہ چاہتا تھا کہ باہر کی امداد ایسی حالت میں آئے کہ وہ اور اس کے بنی امیہ کے ساتھی میدان میں برسر پیکار ہوں اور شجاعت دے رہے ہوں، اسی لئے وہ اور اس کے ساتھی مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے رجز پڑھتے ہوئے نکلے، حضرت عثمان صبر کرنے اور لڑائی سے باز رہنے کی تاکید فرما رہے، لیکن یہ لوگ ان کی نہ کچھ سنتے تھے، اور نہ ان کی باتوں کا کچھ جواب دیتے تھے،

تب حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو تلوار رکھ دینے کی قسم دی جن سے اطاعت کی امید تھی، چنانچہ آپ رضی کے حامیوں کی ایک جماعت نے تلوار رکھ دیا لیکن بنی امیہ باز نہ آئے باہمی خوں ریزی کی حالت تھی، لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھس رہے تھے اور گھر والے منتشر ہو رہے تھے کہ اسی میں ایک نکلنے والے نے آواز دی کہ ہم نے ابن عفان کو قتل کر دیا اس کے بعد گھر کے تمام دروازے کھل گئے گھر اور بیت المال لوٹ لیا گیا، فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور مسلمانوں پر مصیبت کا سیلاب عظیم آگیا،

کیا حضرت عثمانؓ آخر وقت میں معزول ہونے پر تیار ہو گئے تھے؟

تاہم یہ پتہ چلتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کنارہ کشی کی طرف مائل ہو چکے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ سعد ابن ابی وقاصؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان کی کچھ سن کر فوراً واپس ہوئے اور مسجد میں جا کر حضرت علیؓ سے ملے اور کہا۔ ابو الحسن! آج میں آپ کو ایسی خبر دیتا ہوں جیسی کسی نے کسی کو نہیں دی، آپ کے خلیفہ راضی ہو چکے ہیں پس ان کی امداد میں پہل کیجئے ابھی یہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی اطلاع آگئی میں یقین کرتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ نے سعد کو بلا کر چاہا کہ ان کے ذریعے حضرت علیؓ کو درمیان میں ڈال کر قتل و قتال روک دیں اور خلافت کا منصب شوریٰ کے افراد اور دوسرے ارباب حل و عقد کے سپرد کر دیں کہ وہ جس کو چاہیں دیں، لیکن یہ پیغام بہت بعد از وقت تھا اور ان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

امیر معاویہؓ کی دو تجویزیں

۳۵ھ کے آخری دنوں میں حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے سے قبل امیر معاویہؓ نے آپؓ کے سامنے دو تجویزیں رکھی تھیں، جنہیں آپؓ نے دونوں کو قطعی طور پر مسترد کر دیا تھا، پہلی تجویز میں وہ حضرت عثمانؓ سے کہتے ہیں کہ آپ میرے ساتھ شام چلئے وہاں آپؓ کے لئے امن اور کامیابی ہے، لیکن آپ نے انکار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت چھوڑنا اور دار الہجرت سے نکل کر کسی اور جگہ جانا آپؓ نے گوارا نہیں کیا، غالباً حضرت عثمانؓ کے دلی خیالات کچھ اور تھے جس کا اظہار معاویہؓ سے مناسب نہیں جانا، آپؓ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی رہائش ترک کر دی تو دار الخلافہ اس شہر سے منتقل ہو جائے گا۔ جس میں اسلام دشمنان اسلام پر غالب آیا، جس میں نبیؐ اور بعد میں شیخینؓ نے اسلام کی رفعت کا جھنڈا بلند کیا، حضرت عثمانؓ اس نئی بات کو سخت ناپسند خیال فرماتے تھے۔ اور ان کے نزدیک اس سے زیادہ ناگواری کی کوئی بات نہ تھی کہ صحابہؓ اور عام مسلمان ان سے یہ کہتے کہ آپؓ نے اسلام کی حکومت نبیؐ اور صاحبینؓ کے مقرر کردہ مقام سے ہٹا کر ایک اجنبی جگہ میں منتقل کر دی، پھر یہ کہ اگر حضرت عثمانؓ یہ منظور کر لیتے تو ان کی حیثیت امیر معاویہ کے ہاتھ میں ایک قیدی کی ہو جاتی اور معاویہ بن ابی سفیان کا قیدی رہنے سے کہیں زیادہ پسندیدہ بات آپؓ کے لئے یہ تھی کہ اپنے ان ساتھیوں کے قیدی بنے رہیں، جن کے ساتھ آپ نے ہجرت کی، جن لوگوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی اور آپ کے ساتھ اور نبیؐ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے، اور جو آپؓ کے ساتھ نبیؐ کے ارشادات پر گوش بر آواز تھے، اگرچہ معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ کی آپؓ سے رشتہ داری تھی، اور ان کے ساتھ رہنے میں سلامتی بھی اور عزت و شوکت بھی

دوسری تجویز امیر معاویہؓ نے آپؓ کے سامنے یہ پیش کی تھی کہ میں شامی فوج کا ایک دستہ بھیج دیتا ہوں جو مدینہ میں رہ کر آپؓ پر ہونے والی زیادتیوں کی مدافعت کرے گا، حضرت عثمانؓ نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو فوجیوں

کے پڑوس سے تنگ کرنا نہیں چاہتا، حضرت عثمانؓ کے دلی خیالات جس کا اظہار معاویہ کے سامنے ضروری نہیں سمجھا غالباً یہ تھے کہ وہ آنحضرتؐ اور صاحبینؓ کی راہ سے اپنے کو ہٹا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ قوت اور غلبہ کی بناء پر اپنی حکومت منوائیں، اور دار ہجرۃ کو معاویہ کے مجوزہ تسلط کا محکوم بنائیں، اور اس طرح اسلام میں اس المناک حادثہ کا سبب بنیں کہ مہاجرین، انصار، مسجد نبوی اور مدینہ منورہ سب کے سب معاویہؓ کی بھیجی ہوئی شامی فوج کے آگے سرنگوں ہوں، پھر فوج بھی ایسی جس نے نہ نبی کو دیکھا نہ نبی سے کچھ سنا نہ صاحبینؓ کی زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی، حضرت عثمانؓ نہیں چاہتے تھے کہ وہ پہلے مسلمان بنیں جس نے خلافت کو سلطنت بنا دی، جس نے خلافت کی رحمت اور چشم پوشی کو سلطنت کے قہر اور خوف میں تبدیل کر دیا اور اگر آپ یہ منظور کر لیتے تو ایک جابر اور ڈکٹیٹر ہوتے جو فوج کے بل بوتے پر نبی کے صحابہؓ پر حکومت کرتا، ایسی فوج جو آپ کے حامیوں کی حمایت کرتی، آپ گھر میں ہوتے تو گھر کی حفاظت کرتی، اور جب آپ گھر سے نکلتے تو آپ کو اپنی حفاظت میں رکھتی، مدینہ کے راستوں پر چلتے ہوئے آپ کی نگرانی کرتی اور منبر پر جب خطبہ کیلئے کھڑے ہوتے تو ہر طرف سے آپ کو اپنے احاطے میں رکھتی، بھلا ان باتوں کا نبی اور سیرت سے شیخینؓ کی سیرت سے کیا جوڑ؟ حضرت عثمانؓ تو مدینہ کی گلیوں میں اکیلے بلا کسی حفاظت کے چلتے تھے، قوم کے جمگھٹوں پر گزرتے، ان سے کچھ فرماتے، کچھ ان کی سنتے، مسجد میں آرام فرماتے تو چادر میں لپٹے ہوئے چادر ہی کا تکیہ بنا کر، جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو لوگوں سے ایک شفیق باپ، ایک نیک بھائی یا ایک مخلص دوست کی طرح خطاب فرماتے، ان کی خیر و عافیت اور حالات و ضروریات دریافت فرماتے، مریضوں کی بیمار پرسی کرتے اور بازار کے بھاؤ بھی پوچھتے، پھر اذان کے بعد خطبہ دیتے اور جو کچھ فرمانا چاہتے فرماتے، پھر تشریف رکھتے اور لوگوں سے خیریت مزاج، ان کی ضروریات اور بازار کی حالت دریافت کرتے اور جب دوسری اذان ہو جاتی تو نماز پڑھاتے ان حالات کے پیش نظر کیسے ہو سکتا تھا کہ یہ سب چھوڑ کر شام چلے جاتے، نہ منبر نبوی پر خطبہ دے سکتے، نہ مسجد نبوی میں نماز پڑھا سکتے اور کیا حال ہوتا آپ کا اگر مدینہ میں ایسی حالت میں قیام کیے رہتے کہ شامی فوج آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ان سے بچاتی جو آپؐ کے ساتھ اور نبی کے ساتھ تمام معرکوں اور غزوات میں شریک رہے، پس حضرت عثمانؓ کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ معاویہ کی درخواست

منظور فرما لیتے اور مدینہ چھوڑ دیتے یا شامی فوج کا مدینے میں قیام گوارا کر لیتے، چنانچہ معاویہؓ نے جب آپ کے انکار پر کہا۔ تو پھر آپؓ سے جنگ ہوگی اور آپ کی جان جائے گی۔ آپ نے فرمایا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

پس خلافت کا آغاز کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی خواہش تھی کہ وہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم کے نقش قدم پر چلیں اور ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوں اور بڑی حد تک انہوں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ نہ شان و شوکت دکھائی نہ اقتدار و برتری کا مظاہرہ کیا ہاں ان تک وہ کمزوری پہنچی جو لوگوں تک بدنیتی کی یا بدی کی راہ سے نہیں بلکہ کریمانہ اخلاق، خیر خواہی اور شوق خدمت کے لئے سے پہنچی ہے۔

پھر ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ حضرت عثمانؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی وہ ستر سال کے معمر تھے اور غیر معمولی فیاض، دریا دل، شدید حیادار، نیک طبیعت، نرم لوگوں سے حسن ظن، اور رشتہ داروں سے انتہائی ہمدردی رکھنے والے، اب اگر کسی شخص میں یہ تمام اوصاف جمع ہو جائیں اور پھر اس کے قریبی رشتہ دار اقتدار کی پوری استعداد اور حرص طمع کا بے پناہ حوصلہ رکھتے ہوں تو بلاشبہ یہ تمام چیزیں اس فتنے کا باعث ہو سکتی ہیں جو حضرت عثمانؓ کو پیش آیا، پھر ان اوصاف پر مزید اگر یہ تصور بھی پیش نظر رکھا جائے صحابہ کبار کی ایک جماعت کا دل دنیا کی طرف مائل ہوا اور وہ اس کی طرف پورے شوق رغبت کے ساتھ جھک پڑے اور دنیاوی اسباب کے حصول میں بیش از بیش حصہ لیا اور جمع بھی کیا، پھر اس چیز نے ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ وہ خلافت کے استحقاق میں عثمانؓ سے کم نہیں ہیں، بلکہ خلافت کا بار اٹھانے اور اس کا نظم سنبھالنے کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں، اس لئے کہ ابھی وہ عمر کی اس منزل میں نہیں ہیں جہاں حضرت عثمانؓ پہنچ چکے تو بلاشبہ یہ تمام باتیں حضرت عثمانؓ کی راہ میں انتہائی مشکلات پیدا کر دیتی ہیں اور انہیں شواریوں میں اس طرح پھنسا دیتی ہیں کہ اگر کسی الجھاؤ سے نجات ملی بھی تو اس لئے کہ اس زیادہ پیچیدہ الجھاؤ سامنے موجود ہے۔

پھر ان تمام مشکلات پر ایک مزید اضافہ یہ کر لیجئے کہ مہاجر اور انصار کے یہ بڑے بوڑھے

اچھی طرح خبر لے، پھر یہ بات بھی معقول نہیں ہے، اور نہ قابل قبول ہے کہ مروان خلیفہ کے خلاف ایسی جرات کر سکتا ہو کہ خود ایک خط لکھے پھر اس پر خلیفہ کی مہر لگائے اور خلیفہ ہی کے ایک غلام کے ہاتھ اسی کے اونٹ پر سوار کرد... یہ تمام باتیں ایک سطحی دل لگی قرار دی جاسکتی ہیں، ان کو واقعہ نہیں کہا جاسکتا، حقیقت حال بالکل معمولی ہے ۔۔۔ باہر شہر اور صوبے کے لوگوں سے خلیفہ نے ایک وعدہ کیا، اس وعدے پر مطمئن ہو کر وہ چلے گئے، بعد میں ثابت ہوا کہ خلیفہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، تب وہ باغی بن کر اور یہ طے کر کے آئے کہ اس کام سے فرصت پا کر ہی ... ہوں گے، اور جب مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ مقابلے کے لئے صحابہؓ تیار ہیں ۔ یہ لڑائی ان کو گوارا نہ تھی اس لئے واپسی کی چال چلی، لیکن تھوڑی دور جا کر جب ان کو یقین ہوگیا کہ اب یہ بزرگ اور ممتاز صحابہ ہتھیار اتار کر گھروں میں جا بیٹھے ہیں تو واپس آئے اور بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے مدینہ میں داخل ہوگئے۔

یہ لوگ صحابہ کو نہ قتل کرنا چاہتے تھے نہ ان سے جنگ، اور نہ یہ چاہتے تھے کہ مدینہ کے قرب وجوار میں ایسا کوئی معرکہ ہو جو احد اور احزاب کے معرکوں کی یاد تازہ کردے وہ صرف خلیفہ کا محاصرہ کرنا چاہتے تھے اُن کو اس بات کی جلدی تھی کہ خلیفہ کو معزول کردیں یا قتل، چنانچہ انھوں نے اپنا مقصد پالیا مدینے میں داخل ہوگئے اور خلیفہ کا محاصرہ کرلیا،

میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ خود مدینہ میں ان باغیوں کے حامی اور مددگار تھے جنھوں نے اُن کو بلایا، ان کی حوصلہ افزائی کی اور صحابہ کے ارادوں سے مطلع کیا، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ مدینہ کی فضا میں امن اور سکون ہے، پھر جب محاصرہ ہوا تو یہ بھی شریک ہوگئے۔ ابتدا میں محاصرہ بہت ہلکا تھا، یعنی مدینہ میں داخلہ اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا احاطہ، خلیفہ کو اپنے گھر میں جانے اور گھر سے نکلنے کی آزادی تھی وہ لوگوں کو نمازیں پڑھاتے تھے خود یہی باغی ان کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے، وہ لوگوں کو خطبہ دے کر وعظ ونصیحت کرتے اور

کی رہنمائی فرماتے تھے اسی دوران میں مصالحت کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور سفیر کبھی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اور کبھی باغیوں کے ہاں جاتے تھے، باغی چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ خود سے برطرف ہو جائیں اور حضرت عثمانؓ وہ عبا جو خدائے عزوجل نے ان کو پہنائی تھی اتارنے پر تیار نہ تھے، پھر یک بیک معاملے میں پیچیدگی بڑھ گئی، باغیوں کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے صوبے کے حاکموں کو لکھا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں، اور باغیوں کو مدینہ سے نکالنے کے لئے فوجی امداد بھیجیں، اس کا علم ہونا تھا کہ محاصرے کی کیفیت بدل گئی اور اس کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے ساتھ باغیوں کا طرز عمل بھی بدل گیا،



اب تک جو زندگی جیتے رہے، اگر وہ نری بدوی نہ تھی تو شہری سے کہیں زیادہ دیہاتی زندگی کے قریب تھی اور اب جو آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک زبردست حکومت کی آغوش میں پایا جس کی حدیں دور دراز تک پھیلی تھیں جس کے معاملات پیچیدہ اور الجھے ہوئے تھے، جس کے چلانے کے لیے کوئی وقتی اور ہنگامی سیاست کافی نہ تھی بلکہ ایک مستقل بنیادی اور متمدن سیاست کی ضرورت تھی، ایسی سیاست جس کے اصول موروثی، جس کی روایات مقررہ ہوں، ان تمام نقطوں کو جب ترتیب فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زندگی کے وہ حالات اور موثرات جو حضرت عثمانؓ کو اس وقت گھیرے ہوئے تھے، ان کی قوت خود حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں سے کہیں زیادہ تھی، کوئی صاحب یہ کہنے کی جرأت نہ کریں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے بھی تو یہی حالات تھے، پھر وہ کس طرح ان پر غالب آ گئے اس لیے کہ فاروق اعظمؓ ان یکتا اور یگانہ افراد میں ہیں جو انسانیت کو شاذ و نادر ہی نصیب ہوتے ہیں، ایسے افراد بعد میں آنے والوں کو تھکا دیتے ہیں، اور سخت مشکلات میں مبتلا کر دیتے ہیں، اگر احتیاط دامنگیر نہ ہوتی تو میں کہتا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں پر جو کچھ گذری ان کی تمام ذمہ داری اس جوہر کمال پر ہے جو فاروق اعظمؓ کو ملا اور جس سے ان کے تمام ساتھی محروم تھے، انہیں میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔

دو راستے

بہر حال ان حوادث اور انقلابات نے جن کی پہلی منزل حضرت عثمانؓ کا خون تھا، مسلمانوں کو دو صاف اور سیدھے راستے پر کھڑا کر دیا ایک تو وہ جو پہلے سے قوموں کا چلا ہوا ہے یعنی سلطنت اور ملک گیری کا راستہ جس کی بنیاد تدبر، استقلال قوت اور شوکت پر ہے جو دنیاوی مشکلات کا حل دنیا کے اسباب سے کرنا جانتا ہے، چنانچہ وہ ترقی کرتا ہے طاقتور بنتا ہے، پھولتا پھلتا ہے، پھر اس پر کمزوری طاری ہوتی ہے، اضمحلال اور افسردگی کا دور آتا ہے، تاکہ دوسری حالت پیدا ہو، دوسری حکومت بنے، اور دوسرے عوام سامنے آئیں، اور دوسرا وہ راستہ جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہموار کیا، جس کے نشانات شیخینؓ نے نصب کئے، جس کی بنیاد حکومت کی قوت نہیں بلکہ عدل اور محبت کی طاقت ہوتی ہے، جو قوت کو ایک ذریعہ اور وسیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اس راہ کو ذاتی مفاد سے، تحکم اور جبر سے کوئی نسبت نہیں، یہ دنیا کی مشکلات کا علاج دنیا کے ذرائع سے کرنا نہیں جانتا، بلکہ دنیا کی مشکلات کا حل دین سے کرتا ہے، اس کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے، بھلائی سے رغبت اور برائی سے نفرت پر ہے، اخلاص و ایثار پر اور خود غرضی سے توبہ پر ہے اس کے لئے سب سے پہلی معتبر چیز سینوں کی صفائی اور دلوں کی پاکیزگی ہے، یہ ساری دنیا کو صرف آخرت کا ذریعہ تصور نہیں کرتا، بلکہ آخرت کے ساتھ ساتھ ایک نئی دنیا بھی اس کے پیش نظر ہے، جو زمانے کی ترقی کے ساتھ طہارت اور پاکیزگی میں ترقی کرتی جاتی ہے،

حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے اپنے آپ کو انہیں دو راستوں پر کھڑا پایا، ان کی اکثریت نے پہلا راستہ اختیار کیا، اور آزمائش میں ڈالے گئے، اور دنیا کی دوسری قوموں کی طرح آج تک مبتلائے آزمائش ہیں، کچھ تھوڑے سے لوگوں نے دوسرا

پر چلنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ بہر حال انسان ہی تھے، ابھی وہ تھوڑی دور آگے بڑھے کہ ان کی جانوں کے لئے امتحان کا معرکہ پیش آیا اور اکثریت نے ان پر غلبہ پا لیا۔

آج مسلمان آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے، تو اس کو نظر آتا ہے کہ پہلا راستہ معمور ہے لوگ پروانوں کی طرح اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور دوسرا راستہ ہے تو صاف اور کھلا ہوا، لیکن وہ خالی ہے، اس پر چلنے کی مقدرت صرف اولو العزم کو ہے، لیکن اب لوگوں میں اولو العزم کہاں؟

———— تمت ————

V-Imp

ایک سوال جس کا جواب ضروری ہے

یہاں پہنچکر ایک سوال سامنے آتا ہے جس کا قدمائے اطمینان بخش جواب نہیں دیا، بلکہ اکثر ون
تو جواب دینے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، لیکن ہمیں جواب تو بہرحال معلوم کرنا ہے، سوال
ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں نے امداد بھیجنے میں کیوں اتنی دیر کی کہ باغی محاصرہ کرسکے، اور
رہے، تاآنکہ اُن کی جان تک لے لی، کہا جاتا ہے کہ محاصرہ مسلسل چالیس دن تک باقی رہا
جانتے ہیں کہ اس وقت آمدورفت کی آسانی نہ تھی اور نہ مسافت قریب تھی، لیکن ہم یہ بھی جانـ
کہ شہروں میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ خبریں بھیجی جایا کرتی تھیں، عبداللہ ابن سعد کو معلوم
کہ مصری حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کرچکے ہیں، اس نے امیر معاویہؓ کو اس کی خبر کردی تھ
حضرت عثمانؓ کو بھی خط لکھ دیا تھا، ابوموسیٰ اشعریؓ کوفیوں کے نکلنے سے واقف تھے، اور و
ابن سعد کی طرح یہ بھی جانتے تھے کہ یہ کہاں اور کیوں جاتے ہیں، اب عبداللہ ابن عامر کا بھی
کرلیجئے کہ وہ بصرہ سے نکلنے والوں سے بے خبر نہ تھے، پس یہ معلوم ہوتے ہی کہ ان کے شہر
خلیفہ کی بغاوت کرنے جارہے ہیں، کیوں یہ گورنر فوراً دوڑ نہ پڑے اور پھر جب خلیفہ نے امداد
لئے اُن کو خطوط لکھے، کیوں نہ یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کیوں اتنی دیر کی کہ ان کے پہنچنے سے پہ
مصیبت آگئی، اور خلیفہ کی جان گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنروں
بات کا عادی بنادیا تھا کہ ہر سال حج کے موقع پر حاضری دیں اور ملاقات کریں، پھر کیوں اس س
یہ سب کے سب اپنے شہروں میں ٹھہرے رہے اور حج کے لئے نہیں نکلے، حتّٰی کہ محصور اور
خلیفہ کو حج کے لئے ابن عباسؓ کو مقرر کرنا پڑا، ان سب باتوں سے زیادہ حیرت انگیز
یہ ہے کہ بقول مورخین ابن عباسؓ نے حج کے لئے آنے والے تمام مسلمانوں کو حضرت عـ
کا ایک خط پیش کیا جس میں انھوں نے اپنا معاملہ اور اپنی صفائی پیش کی ہے مورخـ
بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ خط موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سنایا پھر یہ کیا بات

کہ یہ خط جس کو طبری نے بہ تمام و کمال نقل کیا ہے عام لوگوں نے سنا، اور ادھر ادھر ہو گئے: گویا کچھ ہوا ہی نہیں، ان میں سے ایک بھی خلیفہ کی امداد کے لئے کھڑا نہیں ہوا، اور ان کی کوئی جماعت بھی مدینہ نہیں گئی، کہ وہاں ہونیوالے واقعات کا بچشم خود معائنہ کرتی، اور وہاں یہ کہتے کا گورنر کس طرح اطمینان کا سانس لیتا رہا، خلیفہ کی نصرت کے لئے لوگوں کو دعوت نہیں دی اگر وہ مکہ والوں ہی کو بلا لیتا، اور دیہات کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک فوج ترتیب دے لیتا تو یقیناً باغیوں کو مصروف رکھ سکتا، تا آنکہ شہروں سے منظم فوجی مدد آجاتی۔ پس کیا معاملہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہو سکی، نہ ان گورنروں میں سے کسی میں حرکت پیدا ہوئی، اور نہ حاجیوں نے خلیفہ کی امداد کے لئے کسی بیتابی کا اظہار کیا، تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے، کہ پوری امت نے خلیفہ سے ہاتھ اٹھا لیا، رعایا برداشتہ خاطر ہوئی، گورنروں نے کچھ کا کچھ سوچا، اور قصداً ٹال مٹول سے کام لیا، اور سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہے اور خلیفہ کو مدینہ والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ مدینہ والوں کی اکثریت باغیوں کے ساتھ ہے، صحابہ کی ایک مختصر سی جماعت حضرت عثمانؓ کی ماننے والی ہے، اور وہ بھی کرتی کچھ نہیں، زبان سے زیادتیوں کی برائی کرتی ہے اگر صحابہؓ کی یہ جماعت باغیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کرتی اور ان کے منہ پر خاک ڈالتی تو بقول بعض قدما یہ باغی ناکام و نامراد واپس چلے جاتے، تو پھر حضرت عثمانؓ کی یہی بات ٹھیک ہے کہ "لوگ اب اُن کی زندگی سے اکتا گئے ہیں" غالب گمان یہ ہے کہ لوگوں پر صرف اُن کا بڑھاپا گراں نہ تھا بلکہ ان کی سیاست کی عمر بھی ایک بوجھ بن گئی تھی، جو نہ خلافت کی سیاست تھی نہ ملک گیری کی، بلکہ ایک چیز تھی بین بین۔

حضرت عثمانؓ کی زندگی کے آخری دن

جس رات حضرت عثمانؓ کے گھر سے تیر یا پتھر پھینکا گیا، اور نیار بن عیاض اسلمی مارے گئے اس کی صبح آپ روزے سے تھے، آپ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے کہ آج اُن کی زندگی کا آخری دن ہے آج اُن کی جان لے لی جائے گی۔ حاضرین نے کہا، امیر المومنین اللہ دشمنوں کے لئے کافی ہے تب آپ نے کہا اگر تم میری آرزو اور خوش فہمی نہ سمجھو تو میں ایک عجیب بات کہوں لوگوں نے کہا ہم ایسا نہیں سمجھیں گے، آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان کے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے، آپ نے فرمایا عثمان! آج رات تم ہمارے یہاں افطار کرنا

گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی حالت میں بھی ایک مسلمان کا خون حلال نہیں، ایمان کے بعد کفر، پاکبازی کے بعد زنا، بلا عوض کسی کو قتل، قسم خدا کی کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہ جاہلیت میں کیا نہ اسلام میں، اور جب سے خدا نے ہدایت دی مجھے اپنے دین بدلنے کا خیال تک نہیں آیا، اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا پھر کس بنیاد پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا، اگر مجھے قتل کردیا تو کبھی متفقہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے، اور نہ کبھی ایک صف ہو کر دشمن سے مقابلہ کرسکیں گے

اس کے بعد آپ حاضرین کو قتل وقتال سے بچنے کی ہدایت فرماتے رہے اور حاضرین کا اصرار تھا، کہ دشمنوں سے ضرور مقابلہ کرنا چاہیئے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی ہے میں صبر کے ساتھ اس پر قائم رہوں گا، تاآنکہ اس معرکے میں گرا دیا جاؤں جو میرے لئے مقدر ہے، آپ اسی طرح اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے رہے، اتنے میں باغی گھس آئے اور آپ کا کام تمام کردیا

۱؎ طبقات ابن سعد مطبوعہ لیدن تیسرا حصہ پہلی قسم ص۶۶۔

آپ کے قاتلوں کے متعلق زبردست اختلاف ہے لیکن اس میں شک اور انکار کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ آپ کا خون قاتلوں کے لئے کسی طرح بھی حلال نہ تھا، اس لئے کہ آپ جس مسلک کے پابند تھے اس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے آپ کے ساتھیوں کی بے راہ روی دانستہ ہو سکتی ہے، اور نادانستہ بھی، پس آپ کے معترضین اور مخالفین کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش اس کی تھی کہ وہ بغاوت کرتے اور امت کو بغاوت پر آمادہ کرتے اگر کامیاب ہو جاتے تو صوبوں کے لئے مسلمانوں میں سے نمائندے مقرر کر لیتے، اب یہ نمایندوں کا فرض تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کرتے، کچھ ان کی سنتے کچھ اپنی سناتے، اس کے بعد اگر ان کا باقی رکھنا مناسب خیال کرتے تو باقی رکھتے ورنہ معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا امام مقرر کر لیتے اور حضرت عثمانؓ کا معاملہ نئے امام کے حوالے کر دیتے جو ان سے ان کی جانوں اور مالوں کے بارے میں اگر کوئی قضیہ تھا تو باز پرس کرتا لیکن وہ باغی جن کو مسلمانوں کی وکالت حاصل نہیں ہے اس کا حق نہیں رکھتے کہ خلیفہ کو معزول کر دیں، اور یہاں تو معزول کرنے کی بھی بات نہیں ہے انہوں نے تو خلیفہ کا خون ہی کر دیا ہے، حالانکہ عام مسلمانوں کی طرح خلیفہ کا خون حرام تھا، بلکہ اس میں خلافت کی حرمت کا اضافہ بھی تھا،

لوگ ان باغیوں کی طرف سے بہت سے عذر پیش کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ مصر، شام اور عراق کے گورنروں کے خوف کی وجہ سے خلیفہ کو معزول نہیں کر سکتے تھے، اور نہ مزید انتظار اور اگر وہ قتل نہ کر دیتے تو حضرت عثمانؓ یا ان کے حاکم خود ان کو قتل کر دیتے، لیکن یہ عذر بھی ان کو اجازت نہیں دیتا، کہ اللہ کا حرام کیا ہوا خون حلال سمجھیں اور خلافت کے اقتدار کو اس طرح ذلیل کریں۔

شاید باغیوں کے لئے اور خود حضرت عثمانؓ کے لئے اور ان تمام افراد کے لئے جن کے ہاتھ اس قضیے میں خون سے رنگین ہیں، صفائی کا ایک ہی بیان ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس وقت کے حالات اور زندگی سے محیط موثرات سب کے بس سے باہر تھے اور اللہ نے مقدر کیا تھا کہ اس فتنہ عظیم میں مبتلا کر کے ان کے دین اور ان کی دنیا دونوں کا امتحان لے گا حضرت علی نے کوفہ والوں سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، عثمانؓ نے اپنی رائے پر غلط اصرار کیا اور تم نے بے صبری کا

مظاہرہ کیا، اس فتنۂ عظیم کی یہی بہترین تعبیر ہے
ابن سعد کہتے ہیں کہ مجھے فضل بن دکین نے خبر دی کہ ان کو ابان ابن عبداللہ بجلی سے اور ان کو نعیم ابن ابی ہند سے اور ان کو ربعی بن حراش سے معلوم ہوا، وہ فرماتے ہیں، میں حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابن طلحہ آئے اور حضرت علیؓ کو سلام کیا، حضرت علیؓ نے مرحبا کہا تو اس نے جواباً کہا، امیرالمومنین مجھے مرحبا کہتے ہیں، حالانکہ آپ نے میرے والد کو قتل کیا ہے اور میرا مال لے لیا ہے، آپ نے کہا، تمہارا مال بیت المال میں رکھا ہوا ہے کل آکر تم وہاں سے لے لو، رہی تمھاری یہ بات کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے تو میں چاہتا ہوں، کہ میں اور تمہارے باپ ان لوگوں میں ہوں جن کے لئے اللہ کا ارشاد ہے

ونزعنا ما فی صدورھم من غلّ اخوانا علی سرر متقابلین

اس پر ہمدان کے ایک یک چشم آدمی نے کہا اللہ اس سے بھی زیادہ انصاف کرنے والا ہے، حضرت علیؓ اس طرح چلائے کہ مکان ہل گیا اور فرمایا اگر ہم نہیں تو اس آیت کے مصداق اور کون ہوں گے،

عثمان کا قاتل: معاویہ ابن ابو سفیان
عمر کا قاتل: قریشی عجمی
علی کا قاتل: فساد

امداد کیلئے حضرت عثمان کا صوبوں کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد! اللہ عزوجل نے محمدؐ کو برحق بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، آپ نے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائے، پھر اللہ نے آپ کو بلا لیا، اور آپ اپنا فرض ادا کر کے ہم میں وہ کتاب چھوڑ گئے، جس میں حلال و حرام ہے اور جس میں ان باتوں کا بیان ہے جن کو اللہ نے مقدر کیا ہے اور جاری کیا ہے، خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اس کے بعد مجھے بلا بتائے اور بلا پوچھے امت کی ایک جماعت کے سامنے شوریٰ میں داخل کر دیا گیا، اس کے بعد شوریٰ والے اپنی اور لوگوں کی موجودگی میں میری طلب کے بغیر مجھ پر متفق ہوئے، اور میں متبع اور مقتدی کی طرح ان میں پسندیدہ اور ناقابل اعتراض کام کرتا رہا، میں نے جدت اور تکلف سے کام نہیں لیا، اور نہ اپنی ناپیداری چاہی، لیکن جب معاملات تکمیل کو پہنچے اور اہل شر ناکام رہے تو گذری ہوئی باتوں پر کینے اور حسد کا اظہار کرنے لگے، حالانکہ وہ باتیں قرآنی احکام کے مطابق ہیں اور اُن میں کوئی ظلم و زیادتی نہیں، وہ ایک بات کا مطالبہ کرتے ہیں پھر بلا کسی دلیل اور سبب کے دوسری بات کا اعلان کرتے ہیں انھوں نے مجھ پر اور مدینے کی ایک جماعت پر من مانے الزامات لگائے، پس میں صبر کرتا رہا، اور برسوں دیکھتا سنتا رہا، اور کچھ نہیں کیا، پھر اللہ عزوجل پر اُن کی جرأت اور بڑھی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حرم کے پڑوس میں سرزمین

ہجرت میں لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا اور دیہاتیوں کو جمع کیا، پس یہ لوگ غزوہ احزاب کے دن کی جماعتوں کی طرح ہیں، یا ان لوگوں کی طرح جنھوں نے معرکہ اُحد میں ہمارا مقابلہ کیا، البتہ یہ لوگ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں، اب جو ہمارا ساتھ دے سکتا ہو دے



حاجیوں کے نام حضرت عثمان کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے عثمان امیر المومنین کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام سلام علیکم

میں تم سے اس خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں،

اما بعد! میں تمہیں اس خدائے بزرگ و برتر کی یاد دلاتا ہوں جس نے تم پر انعام کیا، تم کو اسلام سکھایا، اور گمراہی سے بچایا، کفر سے نکالا، تم کو نشانیاں بتائیں، رزق میں وسعت بخشی، دشمن پر غالب کیا، اپنی نعمتوں سے ڈھانک لیا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے،

وَاِن تعدوا نعمة الله لا تحصوها
اِنّ الانسان لظلوم کفار ـــ
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتقوا اللہ
حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
وَاَنْتُمْ مسلمون ـــ واعتصموا
بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا
واذکروا نعمة اللہ علیکم
اذ کنتم اعداء فالف بین
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ
اخوانا وکنتم علی شفا حفرة
من النار فانقذکم منھا

اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے
کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف
ہے ناشکر ـــ اے ایمان والو ڈرتے رہو
اللہ سے جیسا چاہیئے اس سے ڈرنا،
اور نہ مریو مگر مسلمان ـــ اور مضبوط
پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ
نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا
اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن
پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب
ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم
تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے

كذلك يبين الله لكم
اياته لعلكم تهتدون.
ولتكن منكم امة يدعون
الى الخير ويامرون بالمعروف
وينهون عن المنكر واولئك
هم المفلحون ـــ ولا
تكونوا كالذين تفرقوا و
اختلفوا من بعد ما جاءهم
البينات واولئك لهم عذاب
عظيم ـــ واذكروا نعمة
الله عليكم وميثاقه
الذي واثقكم به اذ
قلتم سمعنا واطعنا.
يا ايها الذين آمنوا ان
جاءكم فاسق بنبا فتبينوا
ان تصيبوا قوما بجهالة
فتصبحوا على ما فعلتم
نادمين ـــ واعلموا ان
فيكم رسول الله لو يطيعكم
في كثير من الامر لعنتم
ولكن الله حبب اليكم
الايمان وزينه في قلوبكم
وكره اليكم الكفر

پھر تم کو اس سے نجات دی اسی طرح
کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم
راہ پاؤ، اور چاہیئے کہ رہے تم میں
ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک
کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے
کاموں کا اور منع کریں برائی سے
اور وہی پہنچے اپنی مراد کو اور مت ہو
ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف
کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو
حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے،
اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور
عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب
تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا
اے ایمان والو اگر آئے تمہارے
پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق
کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی
سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانے
اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ
کا، اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے
بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے
پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل
میں ایمان کی اور کھپا دیا اس کو تمہارے
دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے

الفسوق والعصیان اولئک
ھم الراشدون ، فضلاً من
اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم
ان الذین یشترون بعھد
اللہ وایمانھم ثمناً قلیلا
اولئک لاخلاق لھم فی الاخرۃ
ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر
الیھم یوم القیمۃ ولا
یزکیھم ولھم عذاب
الیم ، ___ فاتقوا اللہ ما
استطعتم واسمعوا واطیعوا
وانفقوا خیراً لانفسکم
ومن یوق شح نفسہ فاولئک
ھم المفلحون ___ واوفوا
بعھد اللہ اذا عاھدتم
ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا
وقد جعلتم اللہ علیکم
کفیلا ان اللہ یعلم ما
تفعلون ، ولا تکونوا کالتی
نقضت غزلھا من بعد قوۃ
انکاثا تتخذون ایمانکم
دخلا بینکم ان تکون
امۃ ھی اربی من امۃ انما

دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی
وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ
کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ
سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا ۔ جو لوگ
مول لیتے ہیں اللہ کے اقرار پر اور اپنی
قسموں پر تھوڑا سا مول ان کا کچھ حصہ
نہیں آخرت میں اور بات کرے گا ان
سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی
طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے
گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے سو
ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور
سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے
کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ
سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے اور
پورا کرو عہد اللہ جب آپس میں عہد کرو
اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد
اور تم نے کیا ہے اللہ کو ضامن اللہ
جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور مت ہو
جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا
سوت کاتا ہوا محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے
کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا
بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ
ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے

يبلوكم الله به وليبينن
لكم يوم القيامة ما كنتم
فيه تختلفون ولو شاء
الله لجعلكم امة واحدة
ولكن يضل من يشاء وَ
يهدي من يشاء ولتسئلنّ
عما كنتم تعملون ولا
تتخذوا ايمانكم دخلا
بينكم فتزل قدم بعد
ثبوتها وتذوقوا السوء
بما صددتم عن سبيل
الله ولكم عذاب عظيم
ولا تشتروا بعهد الله ثمنا
قليلا ان ما عند الله هو
خير لكم ان كنتم تعلمون
ما عندكم ينفد وما
عند الله باق ولنجزين
الّذين صبروا اجرهم
باحسن ما كانوا يعملون —
يا ايها الذين امنوا اطيعوا
الله واطيعوا الرسول واولي
الامر منكم فان تنازعتم
في شيء فردوه الى الله والرسول

یہ تو اللہ پر کھتا ہے تم کو اس
سے اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو
قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ
رہے تھے اور اللہ چاہتا تو تم سب
کو ایک ہی فرقہ کر دیتا لیکن راہ بھلاتا
ہے جس کو چاہے اور سجھاتا ہے جس
کو چاہے، اور تم سے پوچھ ہو گی
جو کام تم کرتے تھے اور نہ ٹھہراؤ
اپنی قسموں کو دھوکا آپس میں کہ ڈگ
نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے
اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ
تم نے روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو
بڑا عذاب ہو اور نہ لو اللہ کے عہد
پر مول تھوڑا بیشک جو اللہ کے
یہاں ہے، وہی بہتر ہے تمھارے
حق میں اگر تم جانتے ہو۔ جو تمھارے
پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا اور ہم بدلے
میں دے گے صبر کرنے والوں کو ان کا
حق اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور
حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں
سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں
تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے

ان کنتم تومنون باللہ
والیوم الاخر ذالک خیر و
احسن تاویلا — وعد اللہ
الذین امنوا منکم و
عملوا الصلحت لیستخلفنہم
فی الارض کما استخلف
الذین من قبلہم ولیمکن
لہم دینہم الذی ارتضی
لہم ولیبدلنہم من
بعد خوفہم امنا یعبدو
ننی لا یشرکون بی شیئا ومن
کفر بعد ذلک فاولئک
ہم الفاسقون — ان
الذین یبایعونک انما
یبایعون اللہ ید اللہ فوق
ایدیہم فمن نکث
فانما ینکث علی نفسہ
ومن اوفی بما عاہد علیہ
اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما

اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ
پر اور قیامت کے دن پر یہ بات اچھی
ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام۔
اور وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے
جو تم میں ایمان لائے ہیں، اور کئے
ہیں انھوں نے نیک کام البتہ پیچھے
قائم کر دے گا، ان کو ملک میں،
جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو
اور جما دے گا ان کے لئے دین ان
کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور
دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے
میں امن میری بندگی کریں گے شریک
نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی
ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو
وہی لوگ ہیں نافرمان۔ اے پیغمبر
جو لوگ صلح حدیبیہ کے وقت تمھارے
ہاتھ پر لڑنے مرنے کی بیعت کر رہے
ہیں، وہ تم سے نہیں بلکہ خدا ہی سے
بیعت کر رہے ہیں، تمھارا نہیں بلکہ
خدا ہی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے
جو ایسا پکا قول و قرار کرنے کے
بعد اس کو توڑ دے گا تو توڑنے
کا وبال خود اسی پر پڑے گا، اور جو

اس عہد کو پورا کرتا رہے گا جو اس
نے خدا کے ساتھ کو لیا ہے تو عنقریب
خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

اما بعد خدائے بزرگ و برتر تمھارے اتحاد اور اطاعت سے خوش ہے نافرمانی نااتفاقی اور اختلاف سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، پہلے کے لوگوں نے جو کچھ کیا اس کی اس نے تم کو خبر کر دی ہے، تاکہ اگر تم نافرمانی کرو تو تم پر حجت قائم رہے، پس خدائے بزرگ و برتر کی نصیحت قبول کرو اور اس کے عذاب سے بچو تم برباد ہونے والی قوموں میں دیکھو گے، کہ ان کی تباہی کا سبب باہمی اختلاف ہے الا یہ کہ ان کو متحد کرنے والا کوئی ہو، اگر تم متحد نہیں رہے تو متفقہ نماز نہیں پڑھ سکو گے دشمن تم پر مسلط کر دیا جائے گا اور تم میں سے بعض بعض کی آبرو ریزی کریں گے اور جب ایسا ہونے لگے گا تو اللہ کے لئے کوئی دین نہ ہوگا، اور تم ٹولیوں میں بٹ جاؤ گے اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:۔

ان الذین فرقوا دینھم	اے پیغمبر جن لوگوں نے اپنے دین میں
وکانو شیعا لست منھم فی	تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تم
شیئ انما امرھم الی اللہ	کو ان کے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں
ثم ینبئھم بما کانو ا	ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے کرو، وہ
یفعلون	ان کا حساب لے گا، پھر جو کچھ دنیا میں
	کیا کرتے تھے، ان کا نیک و بد ان
	کو بتا دے گا۔

میں تم کو خدا کا دیا ہوا حکم دیتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں ـــ
شعیب علیٰ نبینا و علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:۔

یا قوم لا یجرمنکم	اور بھائیو میری ضد میں آکر کہیں
شقاقی ان یصیبکم مثل	ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جیسی مصیبت

فما اصاب قوم نوح او قوم هود او قوم صالح وما قوم لوط منكم ببعيد و استغفروا ربكم ثم توبوا اليه ان ربي رحيم ودود

قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر نازل ہو چکی ہے اس جرم کی پاداش میں ویسی ہی مصیبت تم پر بھی آنازل ہو اور قوم لوط کے کھنڈر تم سے کچھ ایسے دور نہیں ان کو دیکھ کر عبرت پکڑ سکتے ہو اور اپنے پروردگار سے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی چاہو، پھر آیندہ کے لئے اس کی جناب میں توبہ کرو، بیشک میرا پروردگار بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔

اما بعد! جو لوگ میرے متعلق یہ سب باتیں کہتے ہیں وہ بظاہر اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور حق کی طرف بلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا ان کا مقصود نہیں پھر جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو لوگ مختلف خیال کے ہو گئے، کسی نے تو حق کا دامن پکڑ لیا، کسی نے انکار کیا کسی نے محض اس شوق میں کہ بجبر اور بلا حق منصب خلافت حاصل کریں حق کو چھوڑ دیا میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں، اس لئے وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں، انھوں نے آپ لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ میرے وعدے کے سلسلے میں دوبارہ آئے ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے کوئی ایسی بات چھوڑ دی ہے جس کا میں نے ان سے عہد کیا تھا، ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے حدود جاری کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں نے کہا ایک کے بارے میں تم جاری کرو جس کے متعلق جانتے ہو کہ وہ مجرم ہے جس نے تم پر دور یا نزدیک سے ظلم کیا ہو اس

لہ طبری کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے۔

پر تم حد جاری کرو، وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھا جاتے، میں نے کہا پڑھے جیسے پڑھتا ہے لیکن جو بات خدا نے نازل نہیں کی ہے۔ اس میں غلو اور تشدد سے کام نہ لے، انھوں نے کہا کہ درماندہ اور بیکسوں کی مالی امداد ہونی چاہیئے مال کے ذریعے اچھی اور مفید راہیں نکالنی چاہئیں، خمس اور صدقات کے بارے میں بے عنوانی نہیں ہونی چاہیئے، اچھے قوی ایمان دار اور متقی افراد کو حاکم بنانا چاہیئے، مظلوموں کو انصاف ملنا چاہیئے، میں نے یہ تمام باتیں منظور کیں میں ازواج مطہراتؓ کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے سوال کیا کہ مجھے کیا حکم دیتی ہیں، انھوں نے کہا کہ عمرو بن العاص[1] کو حاکم بناؤ اور عبداللہؓ ابن قیس کو اور معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دو، ان کو آپ کے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا ہے پھر ان سے ان کی حکومت کے لوگ خوش ہیں عمرو بن العاص کو ان کے عہدے پر لوٹا دو ان کا صوبہ ان سے راضی ہے، یہ سب باتیں میں نے کر دیں لیکن اس نے مجھ پر زیادتی کی اور حق کے حدود سے متجاوز ہوا۔

میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں اور میرے وہ ساتھی جنھیں خلافت کی طمع ہے، جلد بازی سے کام لے رہے ہیں، انھوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے، میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے اور مدینے میں لوٹ اور غارت گری مچا دی ہے، میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور یہ لوگ میرے سامنے تین باتیں پیش کر رہے ہیں ایک تو یہ کہ میں ہر اس شخص کا بدلا دوں جس کو مجھ سے بجا یا بیجا نقصان پہنچا ہو، دوسری یہ کہ میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤں، تا کہ یہ لوگ کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیں، تیسری یہ کہ میں ان کے کسی ہم خیال صوبے یا شہر میں چلا جاؤں جہاں میری اطاعت سے گلو خلاصی حاصل کر لیں، میں نے ان سے کہا پہلے کے خلفاء سے بھی بے جا یا بجا غلطیاں ہوئی ہیں لیکن ان سے کسی نے بدلے

---

[1] پہلی روایت اور اس بیان میں اختلاف معلوم ہوتا ہے اس پر ہم کتاب کے دوسرے حصے میں بحث کریں گے۔

کا مطالبہ نہیں کیا، میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں، اب رہی یہ بات کہ میں اللہ عزوجل کے کام اور خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارا نہیں اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر کتے چھوڑ دیئے جائیں، اب رہا شہروں میں میرا بھیجا جانا جہاں لوگ میری اطاعت سے انکار کریں تو میں ان کا کوئی مختار نہیں ہوں، پہلے بھی میں نے اپنی اطاعت پر اُن کو مجبور نہیں کیا تھا، انھوں نے تو اپنی اصلاح اور خدا کی خوشنودی کے لئے خود ہی اطاعت کا اعلان کیا، تم میں سے جو بھی صرف دنیا کا طلب گار ہوگا، اس کو اتنا ہی ملے گا، جتنا خدا نے اس کے لئے مقدر کیا ہے اور جس کا مقصود اللہ اور آخرت ہے، امت کا مفاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت ہے تو اللہ اس کو اس کی جزا دے گا، میرے ہاتھ اس کی جزا نہیں، اگر میں تم کو ساری دنیا بھی دیدوں تو یہ تمہارے دین کی قیمت نہ ہوگی پس خدا سے ڈرو اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا ٹھیک اندازہ کرو تم میں سے جس کو عہد و پیمان توڑ دینا ہو، میں اس کے لئے یہ پسند نہیں کر سکتا اور نہ خدا کو یہ پسند ہے کہ اس کا عہد و پیمان توڑ دیا جائے۔ مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے اور دوسرے کو خلیفہ بنا دینا میں اس کو اللہ سبحانہ کی نعمت کو پھیر دینا تصور کرتا ہوں اور خون ریزی کو، امت میں نفاق کو اور برے طریقے کو ناپسند کرتا ہوں میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس کے معاملے میں عہد کی پابندی کرو۔ ارشاد خداوندی ہے

اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا

یہ میری اللہ سے معذرت ہے شاید تم کچھ نصیحت پکڑو، اما بعد میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔

ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي ان ربي غفور رحيم

میں نے اگر کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں تو اس سے میرا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، میں اپنے ہر کام سے خدا کی طرف رجوع ہوتا ہوں، اور اس سے مغفرت چاہتا ہوں اس کے سوا کوئی درگذر کرنے والا نہیں، میرے رب کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے،

انہ لا یقنط من رحمۃ اللہ الا القوم الضالون۔ انہ یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیات ویعلم ما یفعلون

میں خدا سے تمہاری اور اپنی مغفرت چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس امت کے دل بھلائی پر جمع کر دے اور فسق سے ان کو دور رکھے،

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایها المومنون المسلمون

حضرت علیؓ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

(حصہ دوم)

مصنفہ

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

مترجمہ

عبدالحمید نعمانی

فہرست مضامین

یہ دوسری کتاب ہے جو مصر کے مشہور ادیب اور ناقد ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے الفتنۃ الکبریٰ کے موضوع پر لکھی ہے پہلی کتاب میں حضرت عثمانؓ کے عہد پر مورخانہ تبصرہ تھا اور اس میں حضرت علیؓ کے دور کے حالات اور واقعات کی تاریخی تحقیق اور تنقید ہے سال بھر سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ پہلی کتاب پیش کی جا چکی اب اس کا دوسرا حصہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ایک تیسری کڑی بھی ہے غالباً اب تک وہ چھپ نہیں سکی،

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو اختلاف اور الجھاؤ پیدا ہوا اور آگے بڑھ کر جس نے حضرت علیؓ کے ماحول اور نظام خلافت کو بری طرح متاثر کیا، اس پر اسلامی تاریخ کا ہر مطالعہ کرنے والا حیرت سے دم بخود رہ جاتا ہے، وہ بصرہ، کوفہ، جمل، نہروان، شام اور صفین کے مختلف اور متعدد عنوانوں پر جن حوادث کی تفصیل پڑھتا ہے، خود مکہ اور مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں ہونے والے واقعات پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے تعجب کی کوئی حد نہیں رہ جاتی، پھر روایات کی کثرت اور اس کا تضاد و تنوع اس کے لئے مزید حیرانی کا سبب بن جاتا ہے،

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی ان دونوں کتابوں میں واقعات کا تجزیہ اور ماحول کی تحلیل، سیاست اور تاریخ کے تقاضوں کو پیش نظر کرکے کوشش کی ہے کہ اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کا یہ تعجب دور اور ان کی یہ حیرت ختم کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ جو کچھ ہوا حالات کا عین تقاضا تھا،

بالکل ضروری نہیں کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا مسلک اور ان کا نقطۂ نظر سب کے لئے قابل قبول اور باعث اطمینان ہو لیکن بلاشبہ اختلاف رکھنے والوں کے لئے ان کا یہ اقدام ایک دعوت فکر و نظر ہے۔

کتاب کا نام علیؓ و بنوہ ہے یعنی علیؓ اور آپ کے صاحبزادے اس لئے کہ اس میں حسنؓ اور حسینؓ کا تذکرہ بھی آگیا ہے پوری کتاب کے دیکھنے سے مطالعہ کرنے والے پر اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اس فتنے کے دور میں حضرت علیؓ کا حسنؓ اور حسینؓ کا موقف کیا تھا، اور ان حضرات کے بالمقابل امیر معاویہؓ اور یزید کس پوزیشن میں تھے؟

حال ہی میں پاکستان سے خلافت معاویہؓ و یزید کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں مولف نے جتایا ہے کہ امیر معاویہؓ اور یزید کے موقف کے متعلق عامۃ المسلمین کا نقطۂ نگاہ حقیقت سے کچھ ہٹا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ خود مولف حقیقت تک پہنچنے میں ناکام ہو جیسا کہ ناظرین اس کتاب کی تاریخی تشریحات اور توجیہات سے اندازہ لگا سکیں گے۔ عبدالحمید نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عثمانؓ کے بعد

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو دو ایسی خطرناک مشکلیں پیش آئیں جن کی صدیق اکبرؓ کے عہد سے لیکر اب تک کی مشکلات میں کوئی مثال نہیں ملتی ایک خود منصب خلافت کی مشکل اور دوسری نظام حکومت الٰہی کو برقرار رکھنے اور قاتلوں اور فسادیوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دینے کی،

حضرت عثمانؓ کے حادثے کے دن شام ہوچکی اور مسلمانوں کا کوئی امام نہ تھا، جو اُن کے معاملات کا منتظم ان کے نظام کا نگران اور اُن کے اقتدار کا حاکم ہوتا، اللہ کے احکام ان میں جاری کرتا اور سب کاموں کے بعد وہ اس عظیم الشان حکومت کے معاملات پر نظر رکھتا جس کو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے قائم کیا تھا، اور حضرت عثمان غنیؓ نے جس کے حدود مشرق و مغرب تک پھیلا دیئے تھے، اس لئے کہ یہ مفتوحہ مقامات اور علاقے جہاں ابھی مسلمانوں کا اقتدار پوری طرح جم نہ سکا تھا اس کے محتاج تھے کہ کوئی انہیں سنبھالے، وہاں کے نظام میں استقلال اور مضبوطی پیدا کرے اور ان کی سرحدوں کو بہت دور کر دے جو متعین ہونے نہیں پاتی تھیں، اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے مسلسل فتوحات کی بناء پر تغیر پذیر تھیں کہ اتنے میں فساد کا دور آگیا اور مسلمان ادھر متوجہ ہوگئے یا یوں کہیئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فتوحات سے ہٹ کر فتنوں میں مشغول ہوگئی،

اسلامی فوجوں کا پڑاؤ سرحدوں پر اس طرح رہا کرتا کہ آج ہیں کل آگے بڑھیں ان فوجوں کا کام صرف یہ نہ تھا کہ فتوحات حاصل کریں بلکہ مفتوحہ سرزمین میں آئین اسلام کا اجراء بھی انھیں کا کام تھا وہ پہلا پرانا اقتدار ختم کرکے اس کی جگہ نیا اقتدار قائم کرتی تھیں پھر نظام حکومت میں ایک طرف فاتحین کے مزاج کے مطابق کچھ اضافے کرتیں دوسری طرف مفتوحین کی طبیعت اور رافتاد کی رعایت سے پہلے نظام کی کچھ باتیں باقی رکھتیں، ان اسلامی فوجوں کو اس کی ضرورت تھی کہ مزید فوج اور ساز و سامان سے

کوئی ان کی امداد کرتا رہے، منصوبہ بنائے اور ضرورت کی ہر چیز ان کے لئے فراہم کرے،

ظاہر ہے کہ جن مہاجر اور انصار نے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور خود حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی ان کے دامن پر حضرت عثمانؓ کے خون کا دھبہ نہیں، یہ تو بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر مقیم فوجوں میں سے بعض ٹولیوں کا کام تھا اور بعض ان دیہاتیوں کا جو ان ٹولیوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ مہاجر زادے بھی اس کے ذمہ دار ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں اعانت کی،

بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ اس حادثے میں تین مختلف خیال کے تھے زیادہ تر تو ایسے تھے جو صورت حال دیکھتے، رنجیدہ ہوتے، اصلاح کا ارادہ کرتے لیکن کچھ بن نہ پڑتی اور پھر کوتاہی یا بے نیازی سے نہیں بلکہ مجبوری اور بے چارگی سے خاموشی اختیار کر لیتے، کچھ صحابہؓ ایسے تھے جن پر معاملات اچھی طرح کھل نہ سکے، انھوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ فتنے سے دور گوشۂ عافیت میں جا بیٹھیں اور غیر جانب دار ہیں ان تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں پہنچی تھیں جن میں فتنوں سے ڈرایا گیا اور ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ بعض تو خانہ نشین ہو گئے اور بعضوں نے مدینہ کی سکونت چھوڑ دی کہ اپنا دین اپنے ساتھ لئے لوگوں سے دور رہیں، کچھ صحابہؓ ایسے تھے جنھوں نے نہ گوشۂ عافیت میں جانا پسند کیا اور نہ اپنے کو بیچارگی کے حوالے کرنا بلکہ وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان کھڑے ہو گئے، بعضوں نے خلیفہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے کوشش کی کہ باغیوں اور خلیفہ میں مصالحت کرا دیں اور بعضوں نے حضرت عثمانؓ سے شدید اختلاف کیا اور ان سے اپنی انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف لوگوں کو ابھارا، ان سے دشمنی پر آمادہ کیا اور بعضوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کا مطلب کم سے کم یہ نکلتا ہے کہ انھوں نے نہ باغیوں کو برا سمجھا اور نہ ان کو مقابلہ کرنے سے روکا،

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو اکثر صحابہ بری طرح متاثر ہوئے کہ وہ خلیفہ کی کچھ مدد نہ کر سکے، اب انھوں نے مستقبل پر غور کیا اور تہیہ کر لیا، کہ اپنے معاملات اور آنے والے واقعات کا مقابلہ کریں گے، گوشۂ عافیت میں چلے جانے والوں نے کنارہ کشی میں اور شدت پیدا کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنی روش پر قائم رہے گناہ میں شریک نہیں ہوئے اور فتنے سے بچا لئے گئے اب رہے دوسرے حضرات تو وہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں، اپنے اوپر اعتماد یا کسی لیڈر کا سہارا؟ اور مسلمانوں کا کوئی نظام تحریری صورت میں محفوظ و مقرر تو تھا نہیں جس کے مطابق منصب خلافت جب وہ خالی ہو پُر کر لیا کریں

وہ تو ایسے مواقع پر جس طرح بن پڑتی اس خلا کو پُر کر لیا کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کس طرح ہوئی آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کس طرح اپنی بیعت کو ایک اتفاقی معاملہ فرماتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں کو فتنے سے بچا لیا آپ سے یہ بھی مخفی نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے اور مسلمانوں سے ایک بات کہی اور مسلمانوں نے اس کو مان لیا نہ کسی کو ناگوار ہوئی نہ کسی نے جھگڑا کیا مہاجرین میں سے بعضوں نے خود حضرت صدیق اکبرؓ سے کچھ لے دے کرنا چاہی لیکن آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے، اس کا بھی آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو کوئی ہدایت نہیں کی بلکہ اس کے لئے چھ مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ بنا دی جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر راضی رہے، ان میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا پھر حضرت عثمانؓ نے بھی کسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں کی اور اگر فرماتے بھی تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اس لئے کہ وہ اُن سے، اُن کے حاشیہ نشینوں سے اور ان کے گورنروں سے واقعات کی بنا پر ناراض تھے،

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمرؓ نے جن چھ صحابہؓ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمانؓ کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا عثمانی خلافت کے دوران ہی میں انتقال ہو چکا تھا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ باقی رہ گئے تھے ان چاروں میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لہٰذا کل تین ہی رہ گئے، مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ منورہ میں معاملے کے وقت موجود نہ تھے، کچھ لوگ تو ارتداد کی لڑائیوں اور روم و فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے تھے، ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہ تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے، پس حضرت عثمانؓ کے حادثے کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہ تھی جو تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر حاضر تھی،

پھر علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ میں بھی باہم اتحاد خیال نہ تھا، مظلوم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرز عمل الگ تھا، اور اسباب قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی

حضرت علیؓ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی جیسا کہ اس کتاب

کے پہلے حصے میں گذرا اُنھوں نے باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان گفت وشنید کا فرض انجام دیا، باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمانؓ کو راضی کر لیا پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علیؓ ان کو نکال باہر کرنے سے مایوس ہو گئے تو چاہا کہ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے، پھر سخت محاصرے کے زمانے میں جب حضرت عثمانؓ بہت پیاسے تھے آپ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں،

حضرت زبیرؓ نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا اور نہ مخالفوں کو ابھارنے اور آمادہ کرنے میں قابل ذکر گرمی دکھائی، البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے، طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی شاید یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی۔

اب رہے حضرت طلحہؓ تو وہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے باغیوں کو علانیہ بھڑکاتے تھے ان کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے، حضرت عثمانؓ نے اس کی شکایت کھلے طور پر بھی کی اور بصیغہ راز بھی بار بار اظہار کیا، راویوں کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان نے حضرت علیؓ سے امداد چاہی چنانچہ آپ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ حضرت طلحہؓ اپنی یہ روش چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آئے تب حضرت علیؓ ان کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھی ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت علیؓ کی اس کارروائی سے حضرت عثمانؓ خوش تھے،

راویوں کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ حاضری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے طلحہؓ تجھ سے خدا حساب لیگا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو بہر حال حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں یہ تینوں منتظر تھے کہ لوگ کیا کرتے ہیں، اور حالت یہ تھی کہ پوری آبادی پر باغیوں نے خوف وہراس کا وہ عالم طاری کر دیا تھا کہ مظلوم خلیفہ کی لاش رات کی تاریکی میں لوگوں سے بہت چھپا کر دفن کی جا سکی۔

حضرت عثمانؓ کے بعد امام کی بیعت کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہادت کے بعد ہی حضرت علیؓ کے لئے بیعت لی گئی، لیکن یہ واقعہ نہیں ہے اس بہوت کر دینے

والی شورش اور بغاوت کے پیش نظر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کئی دن تک لوگوں نے اس طرح گذارا کہ ان کا کوئی امام نہ تھا ان دنوں معاملات کی لگام بغاوت کے ایک لیڈر غافقی کے ہاتھ میں تھی،

خلیفہ سے فرصت پالینے کے بعد باغی حیران تھے، وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے، اور اس امام کی بیعت جس قدر جلد ممکن ہو کرلینی چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ان پر قابض ہوجائیں اور ان سے بھی طاقت ور معاویہ کہیں اپنی فوج بھیج کر مدینہ پر اپنا اقتدار جمالیں اور اور پھر باغیوں کو ان کے کئے کی سزا دے دیں، باغی یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا اس لئے کہ امامت کا معاملہ مہاجر اور انصار کے ہاتھ میں ہے وہی قریش کے کسی فرد کو چن کر بیعت کرتے ہیں،

پھر ان کی خواہشیں بھی مختلف تھیں، مصری حضرت علیؓ کو چاہتے تھے، کوفہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کے ساتھی تھے بصرہ کے باشندے حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے ان میں سے ہر ٹولی اپنے اپنے لیڈروں کے ہاں آتی جاتی تھی لیکن تینوں لیڈر اپنی جماعت کی طرف سے پیش کردہ امامت قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، بالآخر باغیوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اکیلے امام کا تقرر نہیں کرسکتے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہاجر اور انصار کا تعاون حاصل کریں جو ان تینوں میں سے کسی کو پسند کریں، اور اس سے اس منصب کے قبول کرنے پر اصرار کریں پھر یہ ان کے اصرار کی تائید کریں تا آنکہ وہ راضی ہوجائے چنانچہ یہ باغی صحابہ کے گھروں کا چکر لگانے لگے اور ان سے اصرار کے ساتھ درخواست کرنے لگے کہ امت کے لئے ایک امام چن دیجئے، مہاجر اور انصار نے دیکھا کہ یہ کام تو بہرحال کرنا ہے پس انھوں نے خود سوچا اور اپنے ملنے والوں سے تبادلۂ خیال کیا اندازہ یہ ہوا کہ عام رجحان حضرت علیؓ کی طرف ہے لوگ ان کو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں پر مقدم خیال کرتے ہیں،

اس طرح انصار اور مہاجرین نے حضرت علیؓ کو خلافت کا منصب پیش کیا اور ان سے قبول کر لینے پر اصرار بھی کیا پھر باغیوں نے اس اصرار کی تائید کردی، حضرت علیؓ نے انکار کرنا چاہا لیکن انھیں انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آئی باغیوں کے پیش کرنے پر آپ نے ضرور انکار کیا تھا۔ اب جب کہ انصار بھی پیش کر رہے ہیں اور سابق خلفاء کی طرح کرنا چاہتے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہ رہی چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول کرلی، اور سابقہ روایت کے مطابق منبر نبوی پر جا بیٹھے اور لوگ آ کر

بیعت کرنے لگے ہاں چند آدمیوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے اصرار بھی نہیں کیا اور نہ باغیوں کو اجازت دی کہ ان کو مجبور کریں، ان چند آدمیوں میں ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں جو مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے انھوں نے انکار کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے کہا "میری طرف سے آپ مطمئن رہئیے" حضرت علیؓ ان کو اس بات کی اجازت دے دی انکار کرنے والوں میں دوسرے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں، حضرت علیؓ نے ان سے امن پسندی اور لوگوں کے معاملات میں دخل در معقولات نہ کرنے کی ضمانت چاہی، انکار کرنے پر حضرت علیؓ نے کہا چھوٹے سے بڑے ہو گئے لیکن میں نے ہمیشہ تم کو ناشائستہ پایا، اس کے بعد فرمایا اسے جانے دو میں خود اس کا ضامن ہوں، گوشہ نشینوں کی جماعت نے بھی بیعت سے انکار کیا تھا حضرت علی نے ان کو بھی مجبور کرنا نہیں چاہا اور نہ ان پر کسی زیادتی کے روادار ہوئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی لیکن باغیوں نے ان کو مجبور کیا اور حضرت علیؓ نے بھی ان دونوں کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی طرح معاف نہیں کر دیا، اس لئے کہ باغیوں کی طرح ان کو حضرت علیؓ بھی خوب جانتے تھے ان کو معلوم تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں اور جانتے تھے کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر کسی کو اکسایا نہیں لیکن کسی باغی کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں وہ حضرت طلحہؓ سے کم نہیں اس لئے ان کو بیعت سے معاف نہیں کیا کہ جس قدر بھی ہو سکے ان کو پابند کر لیں، بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ کی بیعت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے پانچ دن بعد ہوئی اور روایتوں میں آٹھ دن ہے اس کے بعد یہ بات عام ہو گئی کہ بصرہ، کوفہ، مصر کی سرحدوں اور حجاز پر حضرت علیؓ کی سیادت قائم ہو گئی،

حضرت علیؓ کے لئے ایک غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ شام کا تھا صورت حال یہ تھی کہ ایک تو شام بغاوت سے الگ رہا دوسرے اس کی زمام حکومت حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ شام اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا طرز عمل کیسا رہا، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے امام ہو گئے مدینے میں جو مہاجر اور انصار موجود تھے انھوں نے آپ کی بیعت کر لی سرحدوں کی طرف سے ان باغیوں نے آپ کی بیعت کی جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

خطرناک مشکلوں میں سے ایک یعنی خلافت اور خلیفہ کی مشکل کا خاتمہ ہوگیا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ حضرت علی اور عام لوگوں پر یہ واضح ہوگیا کہ مصیبت دور ہوگئی اور اب اس کے بعد تمام معاملات میں امن، خوشگواری اور استقلال پیدا ہو جائے گا،

نئے امام کے لئے ضروری تھا کہ اب وہ دوسری خطرناک مشکل کی طرف متوجہ ہو یہ دوسری مشکل مقتول امام کا مسئلہ ہے، نئے امام کا فرض ہے کہ وہ مقتول امام کے خون اور اس کے قاتلوں کے بارے میں اللہ کے فرمان اور دین کے حکم کا اعلان کرے، اگر مقتول امام ظالم تھا تب تو بدلے کی اور قاتلوں سے قصاص کی کوئی بات نہیں لیکن اگر مظلوم تھا تو جدید امام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا بدلہ لے اور قاتلوں پر قصاص کا حکم جاری کرے جو اللہ کا فرمان ہے

مہاجر اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت عثمانؓ مظلوم تھے اور امام کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ اس خون کا بدلہ لے کہ اگر حقوق کی پامالی کی جاتی رہی، خون ریزی ہوتی رہی اور حدود کا اجرا عمل میں نہیں آیا، تو دین کے قیام کی کوئی صورت نہ ہوگی مقتول اگر کوئی معمولی انسان ہوتا، تب بھی یہ سب کچھ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ وہ امام اور مسلمانوں کا خلیفہ ہو مہاجر اور انصار کہا کرتے تھے، عثمانؓ کے قاتلوں سے اگر ہم قصاص نہ لیں تو لوگ اس بات سے کس طرح رک سکیں گے کہ جس امام پر غصہ آیا اس کے خلاف بغاوت کردی اور پھر اس کو قتل کردیا، یہی بات لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہی آپ نے سنا اور ان کے خیال کی تصدیق کی اس کے بعد ان کے سامنے حقیقت کی یہ تصویر رکھی کہ جہاں تک اقتدار کا سوال ہے بلاشک وہ بیعت کے ذریعے میری طرف منتقل ہو چکا ہے لیکن عملاً تو وہ اب تک باغیوں کے ہاتھ میں ہے آج شہر پر انھیں کا فوجی قبضہ ہے خلیفہ اور صحابہ بے بس ہیں، وہ شہر اور شہریوں کے بارے میں جیسا بھی چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں ایسی حالت میں اچھا یہ ہے کہ کچھ دنوں مہلت اور معقولیت کا سہارا لیا جائے تا آنکہ معاملات سیدھے ہو جائیں، اور خلیفہ کا اقتدار مستحکم ہو جائے، اس کے بعد اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے گی اور کتاب و سنت کی روشنی میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا،

صحابہ تو حضرت علیؓ کے نقطۂ نظر سے مطمئن ہو گئے لیکن باغیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انھوں نے خلیفہ کا خون اس لئے کیا ہے کہ وہ ظالم تھا جس کے بدلے کا کوئی سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا اور نہ امام کو اس کے عوض کسی کی جان لینی چاہیئے،

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون کی تحقیق کا ارادہ کیا لیکن کارروائی کی تکمیل کی صورت نہ نکل سکی ایک جماعت بضد تھی کہ حضرت عثمانؓ کے خون میں محمد بن ابوبکرؓ کا ہاتھ بھی ہے یہ محمد بن ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی اور خود حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عثمانؓ کے قاتل ہو، انھوں نے انکار کیا اور حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے ان کی تصدیق کر دی لیکن جیسے ہی باغیوں کو بھنک لگی کہ حضرت علیؓ تحقیقات کر رہے ہیں انھوں نے اپنے اتحاد اور غصے کا اظہار کیا جس کے بعد حضرت علیؓ نے وہ روش اختیار کی جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، اور موقع کا انتظار کرنے لگے، آپ کے ساتھ مدینہ کے عام صحابہ بھی منتظر رہے،

شاید ناظرین کو یاد ہوگا کہ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کو جس قسم کا الجھاؤ پیش آیا تھا حضرت علیؓ کو بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اسی قسم کی ایک پیچیدگی کا سامنا ہوا حضرت عثمانؓ کو سب سے پہلی مشکل حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کی پیش آئی جنھوں نے ہرمزان کو اس تہمت پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے ان کے باپ کے قتل پر آمادہ کیا تھا لیکن عبیداللہ نے یہ خون بلا ثبوت اور بلا دلیل کیا تھا ان کے پاس اس کے لئے قاضی کا کوئی فیصلہ نہ تھا،

مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال تھا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں کہ عبیداللہ پر قتل کی حد جاری ہونا چاہیئے اور ایک دوسری جماعت پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے قتل سے کریں حضرت عثمانؓ نے عبیداللہ کو معاف کر دیا، اس لئے کہ ہرمزان کا کوئی ولی نہ تھا جو خون کا دعوی کرتا ایسی حالت میں خلیفہ ولی ہوتا ہے جسے معاف کر دینے کا بھی حق ہے اس وقت حضرت علیؓ اور بہت سے مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا، اس کو ایک ظلم، ایک خون ناحق اور اللہ کی حدود میں ایک تجاوز خیال کیا حضرت علیؓ عثمانی عہد کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اس فاسق کو پا جاؤں گا تو ہرمزان کے قتل کے بدلے اس کو ختم کر دوں گا،

حضرت عثمانؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا لڑکا ناحق خون کے الزام میں پیش ہوتا ہے حضرت عثمانؓ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور اس معافی پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے،

حضرت علیؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک دوسرے خلیفہ کا لڑکا قتل کے الزام میں پیش ہوتا ہے اور قتل بھی کس کا، رعایا میں سے کسی پناہ گزین غیر ملکی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک امام کا، لیکن علیؓ، محمد بن ابوبکرؓ کو معاف نہیں کرتے اس کی تحقیقات کرتے ہیں جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے اس کے بعد واقعات اور حالات مزید تحقیقات کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کے حق میں دین کا حکم جاری نہیں ہونے پاتا،

اور واقعہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابوبکرؓ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کا خون نہیں کیا بلکہ وہ اوروں کی طرح دیوار چڑھ کر گھر میں اترے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے محمد بن ابوبکرؓ کا گہرا یا ہلکا تعلق ضرور تھا لیکن اس خونی حادثے سے جن لوگوں کا پورا پورا تعلق تھا وہ اتنے زیادہ، اتنے قوی اور اتنے خوفناک تھے جن پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا یا جدید امام ان سے قصاص نہیں لے سکتا تھا، اس کے بعد تو جو واقعات پیش آئے آگے پڑھیں گے کہ ان کی وجہ سے مقتول خلیفہ کا قضیہ مشکل اور پیچیدہ ہی ہوتا گیا،

حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال

جس خوشنودی، خوشدلی اور سکون قلب کے ساتھ بڑھتی ہوئی اُمنگوں اور شگفتہ امیدوں کے ماحول میں مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا استقبال کیا تھا وہ بات حضرت علیؓ کی خلافت کے استقبال میں نہ تھی، یہاں تو سکتے کا عالم تھا اور بے چینی، خوف و ہراس تھا اور اضطراب، لوگوں میں کشاکش اور معاملات میں پیچیدگی، اس لئے نہیں کہ حضرت علیؓ میں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی ایسا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطراری طور پر پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ خلافت کے تخت پر ایک ایسے خلیفہ کے بعد بیٹھے جو بڑا صاحب اقتدار اور سخت گیر تھا، انصاف کی خاطر اس نے لوگوں کو جن پُرخار اور دشوار گذار راہوں پر چلایا اس کی تاب وہی لا سکتے تھے جو ارادے کے بڑے پکے اور جن میں صبر اور برداشت کا غیر معمولی حوصلہ ہو اس نے لوگوں کے معاملے میں بڑی شدت برتی ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اللہ کے معاملے میں حضرت عمرؓ عموماً مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر قریش کے لئے کتنے سخت تھے، اور کس طرح خطرہ تھا کہ قریش کہیں اپنے لئے یا دوسروں کے لئے فتنے کا باعث نہ بن جائیں، لیکن حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سختی کی جگہ نرمی، گرفت کی جگہ چشم پوشی تنگی کی جگہ فراخی سے کام لیا، مشقت کے بدلے راحت پہنچائی وظیفوں میں اضافہ کر دیا، دشواریوں کی جگہ آسانیاں فراہم کر دیں لوگوں نے ان کی خلافت کے ابتدائی برسوں میں اُن کو حضرت عمرؓ سے بڑھ کر جانا،

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا دور آیا انھوں نے مقررہ وظیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا، نہ مال غنیمت میں سے کچھ دیا نہ لوگوں کے کاموں میں کچھ آسانی پیدا کی اور کرنا چاہا تو یہ کہ حضرت عمرؓ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے وہاں سے پھر چلنا شروع کیا جائے،

حضرت عمرؓ کے بعد لوگ امن و اطمینان سے تھے، ہاں ان کے اطمینان میں ایک ہلکے رنج

کی آمیزش ضرور ہو گئی تھی ۔ اور وہ مغموم سے تھے کہ ان کا یہ نیک اور متقی امام دھوکے سے مارا گیا یہ حادثہ مہاجر اور انصار کی موجودگی میں نہیں ہوا اور نہ شہروں اور سرحدوں کے باشندوں اور فوجیوں کی سازش کا نتیجہ تھا پس یہ حادثہ بیک وقت شدید تھا اور آسان بھی جس کی بلیغ ترین تعبیر ہیں حضرت عمرؓ نے خنجر کا مہلک زخم لگ جانے پر قرآن مجید کی آیت پڑھی، وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنی اللہ کا حکم پہلے سے تجویز کیا ہوا ہوتا ہے ،

پس حضرت عمرؓ کی وفات مقدرات میں سے ایک بات تھی نہ کوئی ٹولی حملہ آور ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑی اور نہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی، ایک معمولی مکار نے دھوکا دیا جس میں موت کے سوا چارہ کار نہ تھا ،

مگر حضرت عثمانؓ کا خون، تو ایک بے لگام بغاوت اور ایک ایسے فتنے کا نتیجہ تھا جس میں لوگ اپنی تمیز کھو چکے تھے انہیں یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ رہے ہیں یا پیچھے ہٹ رہے ہیں،

حضرت عثمانؓ کا خون اس خوف و ہراس کا نتیجہ تھا جو ایک عرصے تک پورے مدینہ پر چھایا رہا اور بعد میں دور دور تک پہنچا جس سے لوگ گھبرا اٹھے ، والیان ریاست یعنی صوبے کے حاکموں نے فوجیں تیار کیں، سرحدوں پر بھیجنے کے لئے نہیں جہاں بھیجنے کی ضرورت تھی بلکہ دارالحکومت مدینہ منورہ کیلئے تاکہ وہاں امن بحال کیا جائے اور خوف و ہراس کا خاتمہ ہو اور خلیفہ کو محاصرے سے نکالا جائے لیکن ابھی یہ فوجیں دارالحکومت تک پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ خلیفہ کو قتل کر دیا گیا فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو گئیں اور مدینہ میں بدستور خوف و دہشت اور بے چینی کا دور دورہ رہا،

حج کے زمانے میں بغاوت کی خبریں حاجیوں تک پہنچ چکی تھیں عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو حضرت عباسؓ کا وہ اعلان سنایا تھا جس میں آپ نے ظلم و زیادتی سے اپنے کو بری بتایا تھا اور باغیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ سے بغاوت کر رہے ہیں لوگوں نے خوف و ہراس کی حالت میں حج کے احکام ادا کئے اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں واپس آ کر ہموطنوں سے مدینہ کے پر خطر حالات کا بیان کیا

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال مسلمانوں نے اداس چہروں اور بے چینی بھرے دلوں سے کیا جبکہ ان کی پریشانی اور بے اطمینانی یہ دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی

کہ قاتل باغی ابھی مدینے ہی میں ہیں اور قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جدید خلیفہ اور اس کی بیعت کرنے والے مہاجر اور انصار باغیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہیں چنانچہ حضرت علیؓ نے جب معلوم کرنا چاہا کہ خلیفہ وقت پر شورش کے سبب کیا گزری اور کس طرح گزری تو وہ اس کی تحقیقات کرنے پر قدرت نہ پا سکے علاوہ ازیں مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو خوب جانتے تھے، ان کا اندازہ تھا کہ سب نہیں تو بعض گورنر ضرور اس نئی خلافت سے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے خلیفہ سے جھگڑا کریں گے، خاص طور پر ان کو معاویہؓ ابن ابی سفیان سے ڈر تھا کہ ان کو معلوم تھا، کہ مقتول خلیفہ سے معاویہؓ کی رشتہ داری ہے، ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شامی معاویہؓ کے فرماں بردار ہیں، کیونکہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے سے، ان کے حاکم ہیں، مدینہ والے جانتے تھے کہ بنی امیہ میں معاویہؓ کا پوزیشن کتنا اونچا ہے، اور یہ کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں ظہور اسلام سے بھی پہلے کی قدیم عداوت ہے، نبیؐ اور ان کے صحابہؓ جب اپنا نیا دین لے کر مدینہ کی طرف نکلے، تو قریش کی قیادت ابو سفیان نے کی، جب بدر کے معرکے میں قریشی سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا، تو اُحد کے معرکے میں قریش کے ساتھ ابو سفیان ہی آئے اور بدر کے مشرک مقتولوں کا بدلہ لیا، ابو سفیان کی بیوی ہند نے، جو معاویہؓ کی ماں ہے وحشی[1] کو اس خوشی میں آزاد کر دیا کہ اس نے حمزہ کو قتل کر دیا، ہند حمزہؓ کے قتل کے بعد میدان معرکہ میں جاتی ہے پڑی ہوئی لاشوں میں حمزہ کو تلاش کرتی ہے جب ان کی لاش پا جاتی ہے تو پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالتی ہے اور اس کو چباتی ہے، خندق کے معرکہ میں ابو سفیان ہی قریش کے قائد تھے، انہوں نے ہی عربوں کو نبیؐ اور صحابہؓ کی مخالفت میں اکٹھا کیا یہودیوں کو اس طرح اکسایا کہ انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نبیؐ اور صحابہؓ کے ساتھ کیا تھا، یہ ابوسفیان ہی تھے جو قریش کو نبیؐ کے مد مقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرتؐ کے خلاف مکاریاں اور چالبازیاں کرتے رہے یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن آ گئے اور اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

لوگ حضرت معاویہؓ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ایک حبشی غلام کا نام جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر حمزہ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔

کے مقرب بن چکے تھے، ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے[5]، وہ مسلمان تھے اور مخلص مسلمان تھے، آنحضرتؐ کے اور تینوں خلفا کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، ان تمام باتوں کے باوجود معاویہؓ بہر حال اُحد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابو سفیانؓ کے بیٹے تھے، وہ ہندہ کے لڑکے تھے جس کی حمزہؓ سے دشمنی کا یہ عالم کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کرکے ان کا پیٹ چاک کرکے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔

مسلمان حضرت معاویہ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو امان یافتہ کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، تم سے کوئی باز پرس نہیں،

لوگ ان تمام باتوں کو جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہاشمی خلیفہ اور اموی امیر کے درمیان معاملات کا تصفیہ آسانی اور نرمی سے نہیں طے پا سکتا، لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رُخ بنی ہاشم کی طرف سے اس لئے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن و عافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی، لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نواز کر بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا ہے اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہیئے،

---

[5] رسول اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور حضرت عثمانؓ ابن عفان لکھا کرتے تھے اگر یہ غیر حاضر ہوتے تو وحی کی کتابت ابی ابن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ آپ کی ذاتی ضروریات کے حالات تحریر کرتے اور عبداللہ بن ارقمؓ بن عبد یغوث اور علا بن عقبہؓ لوگوں کی ضروریات کیلئے کتابت کیا کرتے تھے اور زیادہ تر عبداللہ بن ارقمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں کو خطوط لکھے،

اسی طرح ابن ابی حدید نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے کاتبوں میں سے ایک تھے لیکن ان کی کتابت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھی؟ ارباب سیر محققین کا مسلک یہ ہے کہ وحی کی کتابت تو علیؓ اور زید بن ثابتؓ اور زید بن ارقمؓ کیا کرتے تھے اور حنظلہ بن ربیع تیمیؓ اور معاویہ بن ابی سفیان بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام آنحضرت کی طرف سے خطوط لکھتے تھے کی طرح یہ دونوں آپکی ضروریات اور صدقات کے بارے میں آمد اور تقسیم بھی لکھا کرتے تھے، (الحسین مصنفہ علی جلال حسینی ص ۱۱ مطبوعہ قاہرہ) مترجم

اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو صرف یہی خطرہ نہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا ہوگا، بلکہ وہ ڈرتے تھے کہ ایک طرف تو علیؓ اور بنی ہاشم کے تعلقات میں خرابی پیدا ہوگی دوسری طرف کل خاندان قریش باہم دست و گریباں ہوگا، ان حالات میں وہ اپنے سامنے ایک ایسی زندگی دیکھ رہے تھے جس کی صبح و شام میں نہ امن و عافیت تھی نہ فراخی اور خوشحالی، البتہ خوف تھا اور بے چینی، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ زندگی آگے چل کر انہیں مصیبت کے کسی بڑے دلدل میں نہ پھنسا دے، وہ جب غور کرتے انہیں نظر آتا کہ بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ کی ایک جماعت معاملات سے دور رہنا پسند کرتی ہے اور لوگوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے معاملات سے الگ رہی، حضرت علیؓ کی بیعت میں حصہ نہیں لیا اور انتظار میں وقت گذارتی رہی، اس جماعت میں اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جو خوبی اور نیکی میں انتخاب تھے اور اس قابل کہ سب سے زیادہ ان کا احترام کیا جائے جیسے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے، فارس کے فاتح، نبیؐ جن لوگوں سے خوش ہو کر دنیا سے گئے ان میں کے ایک فاروق اعظمؓ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے رکن اور جیسے عبداللہ ابن عمرؓ وہ مرد نیک جو مسلمانوں میں اختلاف خیال کے باوجود اپنے دینی تفقہ کی وجہ سے مقبول ہیں، محاسن کے دلدادہ، حرص و طمع سے دور اور مسلمانوں کے بلا رو رعایت خیر خواہ، پھر لوگوں نے دیکھا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے رضا اور رغبت کے ساتھ بیعت نہیں کی ہے ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور جان کر اور ان کا اندازہ لگا کر کیوں نہ لوگ سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں؟

تاہم نئے خلیفہ ایسی قابلیت کے مالک تھے، کہ لوگوں کا دل اطمینان اور امیدوں سے بھر دیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، حضرت ام المومنین خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے، مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے، اسلام کی دعوت اور اعلان کے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہنے والے اللہ کے رسول صلعم نے احساس فرمایا کہ ابو طالب زندگی کے دن تنگی میں گذار رہے ہیں، آپؐ نے کوشش کی کہ بیٹوں کا بوجھ اٹھانے میں دوسرے چچا ابو طالب کی امداد کریں، چنانچہ صرف عقیل ابو طالب کے پاس رہ گئے اور وہ یہ چاہتے بھی تھے، باقی دوسرے لڑکے اور بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی تربیت پرداخت فرمانے لگے، جب اللہ نے آپؐ کو

نبوت کے لئے پسند فرمایا تو حضرت علیؓ آپ کی تربیت میں تھے، اور ابھی دس سال سے کچھ ہی بڑے تھے، پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے نبی کریمؐ کو آپ سے بیحد محبت تھی، وہ آپ کو غیر معمولی درجے میں مقدم رکھتے تھے، ہجرت کے موقعہ پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپؓ نے ان کے مالکوں تک پہنچا دیا، پھر قریش نے عین رات اللہ کے رسول صلعم کو قتل کر دینے کی سازش کی تھی آپؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے اس کے بعد آپؓ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اس کے بعد مواخات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ کا بھائی چارہ قائم کیا، پھر اپنی لڑکی حضرت فاطمہؓ سے بیاہ دیا بعد میں تمام غزوات میں حضرت علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے سخت معرکوں میں علم آپؓ ہی کے ہاتھوں میں رہا، خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کو بھی اس سے محبت ہے، دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا، مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک جانے لگے تو فرمایا تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہو، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپؐ نے فرمایا جس کا میں سردار ہوں علیؓ بھی اس کے سردار ہیں، اے خدا جو علیؓ کو دوست رکھے اسکو تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے علم اور تفقہ سے خوب واقف تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے زیادہ فیصلہ کرنے کی طاقت حضرت علیؓ میں ہے، حضرت عمرؓ کو جب کسی معاملے کے فیصلے میں پیچیدگی کا سامنا ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کرتے، حضرت عمرؓ نے جب شوریٰ کی ہدایت کی تھی اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اس چٹیل سر والے کو مسلمان اگر اپنا والی بنالیں تو وہ ان کو بے راہ نہیں ہونے دیگا، حضرت علیؓ کے محامد اور محاسن بہت زیادہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنے اختلاف کے باوجود ان محاسن کا اعتراف کرتے ہیں، تابعی بزرگ ان اوصاف کے قائل ہیں اہل سنت کا ان فضائل پر یقین ہے جس طرح شیعوں کا یقین ہے،

آگے چلکر جب ہم حضرت علیؓ کی سیرت اور مشکلات اور مصائب میں ان کے طرز عمل کی تفصیل پیش

کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت علیؓ مذکورہ بالا فضائل اور محاسن بلکہ اس سے بھی زیادہ کے اہل تھے، اور بلاشبہ آپ میں سب سے زیادہ یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں میں فاروق اعظمؓ جیسی روش اختیار کریں اور ان کو اسی راہ پر لے جائیں اور اگر حالات سازگار ہوتے تو حضرت علیؓ مسلمانوں کو بھلائی کامیابی اور سعادت کی اس منزل پر پہنچا دیتے جہاں ان کو حضرت عمرؓ پہنچا چکے تھے،

حضرت عمرؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، بڑی سچی فراست کے مالک تھے، انہوں نے بالکل ٹھیک اندازہ کیا تھا، جس میں کوئی غلطی نہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ کو خلافت دیدی جاتی تو وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکنے نہ دیتے، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، وہ بھی حق کے بارے میں سختی سے پیش آتے ہیں، حق کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ حق کا انکار کرنے والوں یا حق کے معاملے میں تنگی برتنے والوں کے لئے بڑے سخت ہیں، لیکن قوم نے ابن خطاب کی وفات کے بعد جب دنیا قدموں پر گر رہی تھی، جب سرگرمیوں میں قوت تھی، جب اقدام نتیجہ خیز تھا، جب معقولیت اور ذہانت کارفرما تھی، اور معاملات مسلمانوں کی منشاء کے مطابق چل رہے تھے، حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا، اور بنایا تو حضرت عثمانؓ کو بنایا، پھر نتیجہ دونوں کے حق میں جو کچھ ہونا تھا ہوا، اس کے بعد جب دنیا بگڑ گئی معاملات میں انتشار ہو گیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہو گئی بعضوں نے بعض کے ساتھ بدگمانی کی حد کر دی، بعضوں نے بعض کے خلاف کارروائیوں کی انتہا کر دی، تب جاکر کہیں ایک اچھی خاصی تعداد نے حضرت علیؓ سے التجا کی اور آپکی بیعت کی کچھ لوگ ضرور آپ سے دور رہے لیکن ان کا مقصد آپکی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا نہ تھا، ہاں ایک جماعت نے آپکی بیعت سے انکار کیا وہ نہ آپکو پسند کرتی تھی اور نہ اسے آپکی اطاعت منظور تھی اب نئے خلیفہ اور اس کے ساتھیوں نے جو نظر اٹھائی تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی حالات اور معاملات سے دوچار ہیں وہ ایک ایسے مشتبہ فتنے کے گھیرے میں ہیں جس کی تاریکی بد امنی کا خاتمہ کر چکی ہے، آدمی اس میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو اپنا ہاتھ نظر نہ آئے۔

بڑی بڑی مشکلات کے ان پہاڑوں اور فتنہ و فساد کی ان بے رحم تاریکیوں کے درمیان بھی ایک بالکل مطمئن آدمی کی طرح حضرت علیؓ اپنے دل میں ایمان کی صداقت، دین کی سچی محبت حق کی بقاء کا جذبہ اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی کی تڑپ بہ تمام و کمال پاتے تھے، اسلام کے معاملے میں انہوں نے نہ سرمو انحراف کیا اور نہ ذرا بھی رو رعایت کی۔ جدھر حق دیکھا ادھر چل پڑے، پھر کسی طرف نہیں جھکے

نہ کسی کا انتظار کیا انجام کی بھی پرواہ نہ کی، اس کو اہمیت نہ دی کہ کامیاب ہوں گے یا ناکام زندگی ملے گی یا موت، ہاں اہمیت تھی تو اس کی کہ راستے بھر اللہ راضی رہے اور دل مطمئن۔

خلافت اور بنی ھاشم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباسؓ دونوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ منصبِ خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے، یہ نہ کسی اور خاندان میں منتقل ہونا چاہیے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنانا چاہیئے، اور اگر حضرت عباس اسلام لانے میں پچھڑ نہ گئے ہوتے، تو بھتیجے کی جانشینی کے لئے یقیناً خود اپنی ذات کو پیش کر دیتے اور مسلمانوں پر حکومت کی وراثت حاصل کر لیتے۔ لیکن انہوں نے معاملہ پر غور کیا اور سمجھا کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کے وارث بننے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں، اسلیئے اسلام لانے میں انہوں نے پہل کی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرورش کردہ ہیں، وہ غزوات کی مصیبتوں میں پوری طرح ثابت قدم رہے اور اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھائی کہا کرتے تھے، جس پر ایک دن ام ایمن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزاح کرتے ہوئے کہا تھا، بھائی بھی کہتے ہیں اور انہیں سے اپنی لڑکی بھی بیاہ دی ہے۔ مزید یہ آں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے فرمایا ہے کہ وہ میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہیں اور یہ کہ جس کا میں سردار ہوں حضرت علیؓ بھی اس کے سردار ہیں،

انہیں تمام باتوں کے پیش نظر عباسؓ وفات نبویؐ کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہاتھ بڑھایئے میں آپؓ کی بیعت کروں گا، لیکن حضرت علیؓ نے فتنے کا خطرہ محسوس کر کے اس سے انکار کر دیا اس واقعہ کا تذکرہ بہت دنوں بعد حضرت عباس نے حضرت علیؓ سے کیا، قریش کے ایک اور آدمی نے چاہا تھا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لے اس کی یہ خواہش اس لئے نہیں تھی کہ حضرت علیؓ سے محبت تھی اور وہ آپ سے خوش تھا یا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خاص تعلق کا اعتراف کرنا چاہتا تھا، بلکہ اس کا یہ ارادہ عبدالمناف کی خاندانی عصبیت کی بنا پر تھا، یہ آدمی ابو سفیان ہے۔ اسلام سے مقابلہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے دوران میں یہی آدمی قریش کا سردار تھا، اس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر مکہ پر چھا گیا ہے، تو مجبوراً اسلام قبول کر لیا، حضرت عباسؓ اس کو نبی کریم صلعم

کی خدمت میں لائے جہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دینے میں اس کو کچھ تردد نہیں ہوا۔ اس لئے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہ ہونے کا اعتراف کر لینے میں اس کے نزدیک کوئی مضائقے کی بات نہ تھی، لیکن جب اس سے یہ شہادت طلب کی گئی کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا اس کے بارے میں میرا دل صاف نہیں ہے، اور اگر حضرت عباسؓ اس کو آمادہ نہ کرتے اور قتل کی دھمکی نہ دیتے تو وہ ہرگز رسالت کا اقرار نہ کرتا، بہرحال وہ مسلمان ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں اس کے وقار کی رعایت رکھ کر جب اسلامی فوج مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہی تھی اس کے گھر کو بھی امن کی جگہ قرار دی، پس حضرت ابو سفیان ان امان یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کے رسولؐ نے مکہ کے فاتحانہ داخلے کے موقع پر معاف کر دیا تھا، ان واقعات کے پیش نظر اس کو اپنے خلیفۃ المسلمین ہونے کا تو خیال بھی نہیں آسکتا تھا، البتہ اس نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باپ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور یہ کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، لیکن خلافت قبیلہ تیم کے ایک آدمی حضرت ابوبکرؓ کو دی جارہی ہے اور اندازہ ہے کہ اس کے بعد یہ منصب قبیلہ عدی کے ایک شخص عمرؓ تک پہنچے گا تو اس نے باپ کی قریبی اولاد کو چچا کے بیٹوں پر ترجیح دی اور حضرت علیؓ سے کہا تھا بڑھاپے میں آپ کی بیعت کروں گا، لیکن حضرت علیؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی طرح اس کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا، اگر آپ ان دونوں بوڑھوں کی بات مان لیتے تو مسلمانوں میں خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کر دیتے، پھر اس فتنے کا مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ پانے کی بات تو درکنار اس کی برداشت ہی بس سے باہر ہوتی ۔

اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیعت کے معاملے میں انصار میں اختلاف تھا، اب اگر قریش میں بھی پھوٹ پڑ جاتی تو انجام کیا ہوتا، اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کچھ عرب دین سے پھرنے لگے تھے اب اگر قریش اور انصار ایک دوسرے کے مقابل ہو جاتے تو صورت حال کا نقشہ کیا ہوتا؟

پس حضرت علیؓ، حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان سے اپنی بیعت کا انکار کرنے میں بالکل حق بجانب تھے، ان کا طرز عمل سراپا خیر تھا، وہ اللہ اور اسلام کے پوری طرح مخلص تھے، اپنی ذات کو خلافت کے لئے پیش نہیں کیا اور نہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر سے جھگڑا کیا، بلکہ لوگوں کی طرح ان کی بیعت کرلی

طبیعت کو تقاضے کے خلاف دبایا اور مسلمانوں کی خاطر اپنی طبیعت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اپنے حق سے چشم پوشی کرلیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا اندازہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلافت انہیں کو ملیگی اور مسلمان اس بوڑھے کو خلیفہ بنا دینے میں معذور تھے، جس کو اپنی بیماری کے دنوں میں آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرے، تاہم حضرت علیؓ نے بیعت کرنے میں تیزی نہیں دکھائی، بلکہ کچھ دیر لگائی شائد وہ حضرت ابوبکرؓ سے خفا تھے، جس طرح فاطمہؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، حضرت ابوبکرؓ سے خفا تھیں، اس لئے کہ جب انہوں نے اپنے باپ کی میراث ان سے طلب کی تو حضرت ابوبکرؓ نے انکار کرتے ہوئے، حضرتؐ کی حدیث سنائی۔ "ہم انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ سب کا سب صدقہ ہے"۔ لیکن بہر حال حضرت علیؓ آئے اور بیعت کرتے ہوئے اپنی تاخیر کا یہ عذر پیش کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ قرآن جمع کر لینے کے بعد ہی گھر سے نکلوں گا، حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا یہ عذر قبول کر لیا۔

حضرت ابوبکرؓ بوڑھے ہو چکے تھے ان کی عمر ساٹھ سے اوپر ہو چکی تھی، اور حضرت علیؓ ابھی جوان تھے تیس سال سے کچھ زیادہ کی عمر تھی، سوچتے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے سامنے مستقبل کا میدان بہت وسیع ہے بہت جلد ان کو ان کا حق مل جائے گا، جب اللہ اس بوڑھے کو اپنے جوار رحمت میں بلالے گا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ایک کام کیلئے آگے کیا تھا، پھر مسلمانوں نے دنیا کے کاموں کے لئے بھی اسی کو آگے کر دیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کیلئے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے بالاتفاق اس نامزدگی کو منظور کیا، ایک نے بھی مخالفت نہیں کی یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے محسوس کر لیا کہ ان کے اور قریشی مہاجرین کے درمیان ایک کھلا ہوا اختلاف ہے، وہ خلافت کو اپنا حق خیال کرتے ہیں اور مہاجر اس کے لئے اس کا حق تسلیم نہیں کرتے مہاجر انکو اپنے ہی جیسا ایک آدمی خیال کرتے ہیں، جو پابندی اور دین کیلئے ضروری ہے، وہ ان کے لئے بھی ہے، اب رہے انصار تو انہوں نے خلافت سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو قریشی مہاجروں کے لئے رضامند بنا لیا تھا، ان میں سے جس کو پیش کیا جاتا، اس کی بیعت کرلیتے حضرت علیؓ نے فتنے کو برا سمجھا، امن و عافیت کو مقدم جانا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی، کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی بیعت کر لی، اور جس بات کو اپنا حق خیال کرتے تھے اس کا اظہار تک نہیں کیا اور صبر سے کام لیتے رہے۔ آپ نے خلیفہ اول کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی خیر خواہی کی، پھر جب فاروق اعظمؓ کو خنجر مار اگیا اور خلافت کا منصب چھ ارکان شوریٰ کے حوالے کیا گیا، حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ قریش

ان کی ہمنوائی کریں گے اور نہ انکا حق تسلیم کریں گے تو نہ اپنے لئے تحریک کی نہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف جبر کرنا چاہا، اور اگر کرنا بھی چاہتے تو اس کی کوئی صورت نہ تھی، اسلئے کہ آپ کی حمایت میں کوئی جماعت نہ تھی، اور نہ آپ کسی زبردست پناہ میں جا سکتے تھے، ہاں کچھ تھوڑے سے اچھے مسلمان آپ کے ہم خیال تھے جو دبی زبان سے آپ کے لئے تحریک کرتے تھے، لیکن وہ کمزور تھے، ان کے پاس جو کچھ قوت تھی وہ اسلام کی تھی، نہ وہ کوئی مادی طاقت رکھتے تھے اور نہ خاندانی عصبیت کا زور، جیسے حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت مقداد بن اسود وغیرہ شیخینؓ کی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بھی بیعت کرلی، جانتے تھے کہ آپ کو دبایا جارہا ہے، لیکن پھر بھی آپ نے بیعت میں پس و پیش نہیں کیا اور نہ پہلے دونوں خلفاء کی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی میں کوئی کمی کوتاہی کی، تاآنکہ مصائب کا دور آگیا، جس کی تفصیل ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے "عثمانؓ" میں کھینچی ہے۔

یہ فطری بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اپنے متعلق غور فرماتے اور جو زیادتی آپ کے ساتھ کی گئی ہے اس پر کچھ سوچتے، لیکن پھر بھی آپ نے خلافت کی طلب نہیں کی اور جب تک آپکو مجبور نہیں کردیا گیا آپ نے بیعت کے لئے اپنے کو پیش نہیں کیا، حضرت عثمانؓ کے بعض باغیوں نے تو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ آمادہ نہ ہوں گے تو آپ کو بھی انہیں کی جگہ پہنچا دیا جائے گا، علاوہ ازیں مدینہ کے مہاجر اور انصار آپکی خدمت میں آئے اور آپ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے والی بن کر ان کو اس فتنے کی تاریکی سے نکالیں، پھر جب آپنے انکی درخواست منظور کرلی تو کسی صحابی کو مجبور نہیں کیا جس نے چاہا اس کی بیعت لی اور جس نے انکار کیا اسے چھوڑ دیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو اور انصار کی ایک جماعت کو جسکے سردار محمد ابن مسلمہ تھے چھوڑ دیا بقول اکثر مورخین کے حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو نہیں چھوڑا اسلئے کہ باغیوں سے ان کے تعلق کی بناء پر فتنے کا خطرہ تھا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی بیعت پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اپنی خوشی سے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور بیعت کی بعد میں جب انہوں نے خلیفہ کا سلوک اپنی توقع کے خلاف دیکھا تو اپنا نقطہ نظر بدل دیا، غالباً یہ دونوں سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ کو ان کی سخت ضرورت ہے ان میں سے ایک کوفہ میں اور دوسرا البصرہ میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور انہیں دونوں شہروں نے بغاوت میں غیر معمولی طور پر مشترک حصہ لیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے اشتعال دلانے سے یا کم از کم ان کی مرضی سے بغاوت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

پس یہ دونوں اس توقع میں تھے کہ حضرت علیؓ بہت جلد محسوس کرلیں گے کہ کوفہ اور بصرہ میں ان کو اپنی اپنی جماعتوں میں غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہے اور بلا تامل ان کو اپنی حکومت میں شریک کرلیں گے اس طرح یہ خلافت ثلاثی یعنی سہ طاقتی ہوگی اور شوریٰ کے یہ تین ارکان باہم حکومت تقسیم کرلیں گے حجاز مصر اور شمالی افریقہ کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے حضرت علیؓ کی حکومت میں ہوں بصرہ اور اس کے مضافات کا علاقہ حضرت زبیرؓ کے تابع رہے اور کوفہ اور اس کے آگے کے علاقے پر حضرت طلحہؓ حکمران ہوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خیال کرتے تھے کہ اگر ان کی یہ سہ طاقتی خلافت مستحکم ہوگئی تو شام کا مسئلہ نہایت آسان ہوگا لیکن حضرت علیؓ نے ان کو ان دونوں شہروں کی گورنری دینے سے انکار کر دیا، اور چاہا کہ ان کے ساتھ حضرت عمرؓ جیسا سلوک کریں اور ان کو اپنے ساتھ مدینے میں روک رکھیں جس طرح حضرت عمرؓ نے اس سے پہلے ممتاز مہاجر صحابہ کو مدینہ میں روک رکھا تھا لیکن حضرت علیؓ نے ان دونوں کے ساتھ وہ سختی نہیں برتی جو حضرت عمرؓ جہاد کی اجازت مانگنے والے صحابہ کے ساتھ کرتے تھے، بلکہ ایک مہربان دوست کی طرح ان سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں حضرات کو اپنے ساتھ رکھوں کہ آپ کی جدائی سے مجھے وحشت ہوگی،"

اب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کا خیال اور اندازہ غلط تھا، اور یہ کہ حضرت علیؓ وہ دروازہ کھولنے والے ہیں جو حضرت عمرؓ پر خنجر سے وار کے بعد بند ہوچکا تھا، اور ان کا انجام مدینے میں ان ممتاز مہاجر صحابہ کا انجام ہوگا جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے چنانچہ ان کو مدینہ میں قیام کرنا ہوگا، ہر سال وہ اپنا مقررہ وظیفہ حاصل کرسکیں گے اور حضرت عثمانؓ کی نرمی، رواداری اور چشم پوشی سے جو کچھ مل جایا کرتا تھا وہ حضرت علیؓ سے کسی صورت میں نہیں ملے گا، پس انھوں نے نہ کوفہ مانگا نہ بصرہ بلکہ رنجیدہ ہوکر چپ چاپ بیٹھ رہے اور سنجیدگی اور غور کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگئے

حضرت علیؓ اور صوبوں کے گورنر

حضرت علیؓ کا نرم اور مدبرانہ جواب سن لینے کے بعد بھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دل سے بصرہ اور کوفہ کا خیال نہیں نکلا، بلاذری کا بیان ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا، کہ انتظامات میں مضبوطی کے پیش نظر آپ شام پر حضرت معاویہؓ کو برقرار رکھیئے اور عراق کے دونوں شہروں پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو مقرر کر دیجئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس رائے کی مخالفت

کی اور کہا بصرہ اور کوفہ دولت اور خراج کے چشمے ہیں اگر ان پر ان دونوں کو حکمران بنا دیا گیا تو یہ مدینہ میں مقیم خلیفہ کو تنگ کریں گے اور شام پر حضرت معاویہؓ کا باقی رہنا حضرت علیؓ کے لئے مفید ہونے سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوگا، حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ کی رائے مان لی اور مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ قبول نہیں کیا،

دوسرے مورخوں نے اس کو ایک دوسری طرح بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے ان کو مشورہ دیا کہ ایک سال تک عثمانی گورنروں کو جن میں حضرت معاویہؓ بھی تھے ان کے عہدوں پر باقی رکھیئے تاکہ لوگ آپ کے حق میں پکے ہو جائیں اور صوبوں سے وفاداری کی اطلاع بھی آپ تک آ جائے ایک سال گذرنے کے بعد جیسی تبدیلی مناسب سمجھئے کر لیجئے گا، حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ چالبازی آپ کو طبعاً ناپسند تھی، اس کے بعد مغیرہ دوسرے دن آئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے کہ میں نے اپنی پہلی رائے بدل دی اور اب مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے مغیرہ واپس ہو رہے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اُن کو دیکھ لیا اور حضرت علیؓ کے پاس آکر ان سے دریافت کیا۔ کہ مغیرہ کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت علیؓ نے ان کو دونوں باتیں بتادیں۔ ابن عباسؓ نے کہا کل اس نے جو کچھ کہا اس میں آپ کی خیر خواہی اور اخلاص تھا اور آج اس نے جو بات کہی وہ فریب اور دھوکا ہے اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اصرار کے ساتھ حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ معاویہؓ کو ان کی جگہ کم از کم ضرور برقرار رکھیں، لیکن اپنے دامن پر مکر و فریب کے داغ سے ڈر کر حضرت علیؓ نے یہ منظور نہیں کیا اور شام کی حکومت حضرت ابن عباسؓ کو دینا چاہی لیکن انھوں نے قبول کرنے سے معذرت کی،

مورخین میں چاہے جیسا اختلاف ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو حضرت علیؓ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے ایک تو یہ بات اُن کی راستبازی کے خلاف تھی کہ انھوں نے بار بار حضرت عثمانؓ کو انھیں گورنروں کے تقرر پر ٹوکا تھا لوگوں کے ساتھ ان کے طرز عمل سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کل تک تو ان کے معزول کرنے کا مطالبہ کرتے رہے، اور آج اُن کے برقرار رکھنے پر رضامند ہو جاتے، دوسرے سیاست کا تقاضا بھی اس کے خلاف تھا اس لئے کہ فتنہ کی آگ لگانے والے یہ باغی صرف خلیفہ کی

تبدیلی نہیں چاہتے تھے وہ تو سیاست کا کل نقشہ بدل دینا چاہتے تھے جس میں گورنروں کا تبادلہ پہلا قدم تھا، ہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ لوگ شاید معاف کر دیتے جن کو کوفہ والوں نے خود پسند کیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے بھی لوگوں کی اصلاح اور فتنے کی روک تھام کے خیال سے اس کو منظور کر لیا تھا،

بہر حال مدینہ والوں کی بیعت سے فرصت پاکر پہلا کام جس کی حضرت علیؓ نے توجہ کی وہ صوبوں کے لئے گورنروں کا تقرر تھا چنانچہ آپ نے نہایت مناسب انتخاب کیا بصرہ کے لئے حضرت عثمان بن حنیف ایک مشہور اور ممتاز انصاری کا تقرر کیا اور شام کے لئے انھیں کے بھائی حضرت سہیل ابن حنیف کو روانہ کیا اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کی طرف روانہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ انصار کو خوش کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ بصرہ، کوفہ اور شام جیسے اہم مقامات کے لئے آپ نے انھیں میں سے تین افراد کو پسند کیا،

اب رہ گیا کوفہ تو بعض مورخوں نے روایت کی ہے کہ اس کے لئے آپ نے عمارہ بن شہابؓ کو چنا تھا، لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ایک کوفی نے ان کو واپس ہو جانے کے لئے کہا اور دھمکی دی کہ اگر واپس نہ ہوں گے تو قتل کر دے گا، اس نے یہ بھی کہا کہ کوفہ کے لوگ اپنے امیر حضرت ابوموسیٰؓ کے سوا کسی کو پسند نہیں کریں گے چنانچہ عمارہ واپس آگئے۔ اور حضرت ابوموسیٰؓ نے اپنی اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیج دی

حضرت علیؓ نے یمن کا حاکم اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا جب یہ یمن پہنچے تو حضرت عثمان کے گورنر یعلی بن امیہ مکہ روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ سارا مال بھی لیتے گئے،

مکہ کی حکومت پر حضرت علیؓ نے شروع میں بنی مخزوم کے ایک آدمی خالد بن عاص بن ہشام ابن مغیرہ کو مقرر کیا لیکن مکہ والوں نے حضرت علیؓ کے لئے اس کی بیعت سے انکار کر دیا، کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان مکی نے حضرت علیؓ کا مکتوب چبا کر پھینک دیا جو زمزم کے حوض میں جا گرا اور مکہ سے متعلق ایک اور روایت ہے جس کا ہم آگے چل کر تذکرہ کریں گے،

حضرت علیؓ کے گورنر اپنے اپنے صوبوں کی طرف روانہ ہو گئے، قیس بن سعد تو آسانی سے مصر پہنچ گئے اور عام مصریوں سے حضرت علیؓ کے لئے بیعت لے لی البتہ ایک جماعت مقام خربتیا میں جمع ہو کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگی، لیکن اس جماعت نے نہ کسی پر ہاتھ اٹھایا نہ کوئی حکم توڑ

البتہ قصاص کا انتظار کرتی رہی،

عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو لوگوں نے ان کے ساتھ کوئی بیہودگی اور چالبازی نہیں کی حضرت عثمان رضؓ کے حاکم عبداللہ بن عامر جو کچھ پیسے ٹکے سب لاد کر مکہ چلے آئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔

کوفہ میں اپنا حاکم بھیجنے کی روایت ہر چند کہ ہم نے پہلے پیش کر دی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت علی رضؓ نے وہاں کسی کو حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابوموسیٰ ہی کو باقی رکھا اسلئے کہ وہ کوفہ والوں کی مرضی کے مطابق تھے

حضرت سہل بن حنیف شام کی طرف روانہ ہوئے ابھی وہ شامی حدود تک پہنچے ہی تھے کہ حضرت معاویہ کے سواروں سے مڈبھیڑ ہوگئی سواروں کے پوچھنے پر حضرت سہل نے کہا وہ حاکم ہو کر آئے ہیں سواروں نے جواب دیا اگر آپ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے ہیں تو حکومت حاضر ہے لیکن اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو جس نے بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جائیے چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس چلے آئے جیسے ہی لوگوں کو یہ معلوم ہوا سخت رنجیدہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت معاویہؓ لڑائی پر آمادہ ہیں اب لوگوں نے حضرت علیؓ کا خیال معلوم کرنا چاہا کہ وہ کیا چاہتے ہیں لڑیں گے یا صلح کریں گے یا پھر انتظار کرنا پسند کریں گے ؟

لیکن حضرت علیؓ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے وہ چال کرنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور نہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے پھر بھی حضرت معاویہؓ کے معاملے میں انھوں نے کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا، بلکہ مسور بن مخرمہ کو اپنا ایک خط دیکر بھیجا جس میں حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ وہ بیعت کر لیں اور شام کے روساء اور معززین کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ آجائیں خط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حاکم باقی رہیں گے، کہا جاتا ہے کہ خط حضرت علیؓ نے سبرا جہنی کے ہاتھ روانہ کیا تھا حضرت معاویہؓ نے جب یہ خط پڑھا تو کچھ جواب نہیں دیا بلکہ انتظار میں رکھا اور خود خفیہ تدبیریں کرنے لگے حضرت علیؓ کا نامہ بر جب جواب پر اصرار کرتا تو اس کو خوفناک جنگ کے مناظر پیش کرنے والے اشعار سناتے ؎

ادم ادامۃ حصن او خذا بیدی ۔۔۔ حربا ضروسا تشب الجزل والضرما
فی جارکم وابنکم اذ کان مقتلہ ۔۔۔ شنعا شیبت الاصداغ واللمما
اعیا المسود بہا والسید ون فلم ۔۔۔ یوجد لہا غیرنا مولی ولا حکما

قلعہ کی طرح جمے رہو، یا پھر مجھے ایک ہولناک لڑائی کی دعوت دو،

تمہارے پڑوسیوں اور لڑکوں کی ایسی سخت خون ریزی ہوگی کہ کنپٹی اور سر کے بال سفید ہو جائیں گے آقا اور غلام دونوں عاجز ہو جائیں گے، اور ہمارے سوا کوئی والی اور حاکم نہ ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کے حادثے کا تیسرا مہینہ تھا، جب حضرت معاویہؓ نے ایک دن بنی عبس کے ایک آدمی کو بلایا اور اس کو اپنے دستخط کا ایک طومار (پلندا) دیا جس کی سرخی تھی۔ من جانب معاویہ بن ابی سفیان بنام علی ابن ابی طالب۔ اور اس کو ہدایت کردی کہ جب مدینہ میں داخل ہو تو اس پیٹے ہوئے کاغذ کو اونچا کردے کہ لوگ سرخی پڑھ لیں اس کے بعد اس کو حضرت علیؓ کے حوالے کردینا اور اگر وہ تمہارے آنے کے بارے میں تم سے کچھ باتیں کریں تو تم ان سے یوں کہنا۔ اور یوں کہنا۔ یہ عبسی مدینہ پہنچا اور اس طومار کو اتنا بلند کیا کہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ حضرت معاویہ کا جواب لے جارہا ہے، اب لوگوں کی آتش شوق تیز ہونے لگی کہ دیکھیں حضرت معاویہؓ نے کیا لکھا ہے، غالباً بہت سے لوگ عبسی کے پیچھے حضرت علیؓ کے مکان تک پہنچے ہوں گے، جب وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ طومار آپ کو دیا، آپ نے اسکو کھولا تو اس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا پایا اس کے سوا اس میں کچھ نہ تھا، تب آپؓ نے عبسی سے پوچھا، کیا خبر لائے ہو، اس نے جان کی امان طلب کی، حضرت علیؓ نے منظور کرلیا اس کے بعد اس نے بتایا کہ شامی حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کرچکے ہیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیرہن عوام کیلئے لٹکا دیا ہے، جس کے گرد و پیش لوگ جمع ہیں اور زار زار قطار رو رہے ہیں، پھر اس نے کہا کہ شامی آپؓ کو حضرت عثمانؓ کے خون کا ملزم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ کے خون کے سوا ہمیں کوئی بات منظور نہیں اس کے بعد عبسی باہر نکلا اور حضرت معاویہ کے خلاف مشتعل مجمع سے بڑی مشکل کے بعد چھٹکارا پاسکا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا، جن میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے اور سب کے سامنے حضرت معاویہؓ کا جواب یعنی اعلانِ جنگ رکھا اور کہا بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ بڑھنے سے پہلے ہی ختم کردیا جائے اور قبل اس کے کہ شامی ان پر حملہ آور ہوں شامیوں پر حملہ کردیا جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو تسلی بخش جواب نہیں ملا اور لڑائی کے لئے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا، پھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت چاہی جس میں درخواست کی سی نرمی نہیں بلکہ مطالبہ اور اصرار کی سی شدت تھی اور عدم منظوری کی حالت میں خلاف ورزی کی دھمکی بھی، حضرت علیؓ نے کہا، جہاں تک ہوسکے گا روکنے کی کوشش کی جائیگی بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی اجازت

چاہی تھی، اور حضرت علیؓ کو ان کی اس غرض پر شبہ تھا، اس لئے ان دونوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ان کا مقصد صرف عمرہ ہے، بات جو بھی رہی ہو، یہ دونوں حضرت علیؓ کی مرضی سے یا خلاف مرضی بہر حال مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت علی شامیوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگے کہ ان کے اقدام سے پہلے خود حملہ کر دیں،

ابھی آپ لڑائی کی تیاریوں میں تھے کہ مکہ سے بے چین کر دینے والی خبریں آئیں، جن سے آپ کی رائے میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور آپ نے اپنا منصوبہ اور منزل بدل دی۔

حضرت علیؓ کے مخالفین

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا، اس وقت مدینہ کے بہت سے لوگ حج سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے، ان کو واقعہ کی اطلاع مدینے کے راستے ہی میں ملی ان میں کچھ تو ایسے تھے جو یہ سن کر مدینہ پہنچے اور حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور کچھ ایسے تھے جو خبر پاتے ہی الٹے پاؤں مکہ واپس آ گئے اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے یا یہ کہ ان واقعات کا ان پر بہت برا اثر پڑا اور ان کے دلوں میں نئے خلیفہ کے خلاف غصے اور مخالفت کے جذبات پنہاں تھے، خود مدینہ کے بعض لوگ جو حضرت علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بیعت کر لینے یا بیعت سے انکار کر دینے کے بعد مدینہ چھوڑ رہے تھے اس لئے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اختلاف تھا یا اس لئے کہ وہ مکہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہتے تھے کیونکہ مکہ مکرمہ امن و عافیت کا حرم ہے جہاں خون خرابہ نہیں ہو سکتا، جہاں پہنچ جانے والے کو ڈرایا دھمکایا نہیں جا سکتا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی جان اور اپنا دین فتنوں سے بچانے مکہ کے لئے نکل پڑے، حضرت علیؓ ان کو واپس بلانے کے لئے سوار دوڑانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ تھیں آ گئیں اور حضرت علیؓ کو یقین دلایا کہ وہ شورش اور مخالفت پیدا کرنے کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر نے بھی مکے کا رخ کیا اور جانے کا مقصد عمرہ کرنا بتایا، یا اطمینان دلایا کہ وہ حضرت معاویہؓ اور شامیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، پھر حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں سے جس کو بھی موقع مل سکا وہ مکہ آ گیا، عبداللہ بن عامر آئے، یعلی بن امیہ آئے اسی طرح بنی امیہ کے بہت سے آدمی آئے، انہیں میں سے مروان ابن الحکم اور سعید بن العاصؓ ہیں ازواج مطہرات میں سے مکہ میں حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ موجود تھیں حضرت عائشہؓ

حج سے فراغت پا کر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں، راہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہؓ کی بیعت کر لی یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئیں اس لئے کہ ان کی طرح حضرت طلحہؓ بھی قبیلہ تیم کے تھے لیکن پھر ان کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کی جا چکی ہے، یہ سُن کر حضرت عائشہؓ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ علیؓ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا پھر ساتھ والوں سے کہا مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آ گئیں، لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہ حضرت علیؓ سے خوش نہیں ہیں بلکہ افک والی بات کے بعد تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت علیؓ سے سخت ناراض ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کو طلاق دے دینے کا اشارہ کیا، اور کہہ دیا کہ ——— اور بہت سی عورتیں ہیں، یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہؓ کی برآت کی ہے پس حضرت عائشہ حضرت علیؓ کی یہ بات دل سے بھلا نہ سکیں، اُس زمانے میں مسلمانوں کی تاریخ جن زبردست اور موثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہوسکی ان میں ایک شخصیت حضرت عائشہؓ کی بھی ہے۔ وہ اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظمؓ کی طرح شدت بھی تھی پھر وہ اس وراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا چنانچہ وہ بہت زیادہ اشعار یاد رکھتی تھیں اور برمحل پیش کیا کرتی تھیں اپنے والد کو حالت نزع میں دیکھ کر آپ نے جب شاعر کا یہ شعر پڑھا [1]

لعمرك ما یغنی الثراء عن الفتیٰ	اذا احشرجت یوما وضاق بہا الصدر

زندگی کی قسم نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی،

تو یہ سن کر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا ام المومنین کیا تم یہ آیت تلاوت نہیں کر سکتی تھیں

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ	موت کی سختی قریب آ پہنچی ہے یہی وہ ہے
ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ○	جس سے تو بدکتا تھا

[1] یہ شعر عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کا ہے۔ مترجم

ازواج مطہرات میں حضرت عثمانؓ کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہ تھیں اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمانؓ منبر پر کھڑے عبداللہ بن مسعودؓ کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلاتے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا وہ حضرت عثمانؓ کے بہت سے کاموں پر اور ان کے گورنروں کے طرز عمل پر معترض ہونے سے کبھی نہ رکتی تھیں یہاں تک کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں، میرے خیال میں حضرت علیؓ سے حضرت عائشہؓ کی خفگی کے دو سبب اور ہیں، ایک تو وہ جس میں حضرت علیؓ کے اختیار کو کچھ دخل نہ تھا آپ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ہوئی تھی جن سے حسنؓ اور حسینؓ پیدا ہوئے اور اس طرح نبیؐ کی آنے والی نسل کے آپ باپ بنے اور حضرت عائشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دنوں میں ابراہیم کی ماں بن گئیں پس یہ لاولدی کا غم آپ کو ایک حد تک ستاتا تھا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

دوسرا سبب یہ کہ حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد اسماء خثعمیہ سے نکاح کر لیا تھا، یہ اسماء محمد بن ابوبکرؓ کی ماں ہیں اس کے بعد محمد بن ابوبکرؓ کی پرورش حضرت علیؓ کے زیر تربیت ہوئی انھیں باتوں کی وجہ سے حضرت عائشہ حضرت علیؓ سے ناراض تھیں

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے تو غضب ناک ہو کر مکہ واپس آئیں اور صحن خانہ میں فروکش ہو کر پردہ ڈال لیا، لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے جن سے آپ پردے کے اندر سے باتیں کرتیں حضرت عثمانؓ کے خون پر ناراض ہو کر فرماتیں — حضرت عثمانؓ کی زبان اور کوڑے نے ہم کو برہم کر دیا اور ہم نے ان پر عتاب کیا جس پر وہ نادم ہوئے اور معذرت چاہی، مسلمانوں نے ان کا عذر قبول کر لیا اب اس کے بعد دیہاتیوں اور شورش پسندوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور دھلے ہوئے کپڑے کی طرح ان کو نچوڑا یہاں تک کہ مار ڈالا اور اس طرح ایک حرام خون کو حلال جانا، وہ بھی حج کے مہینے میں اور مدینہ جیسے مقام میں جس کی حرمت کا حکم ہے

لوگ آپ کی یہ باتیں سنتے تھے اور متاثر ہوتے تھے اور کیوں نہ متاثر ہوتے آپ ام المومنین تھیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی جن کی آغوش میں آپ کی وفات ہوئی، ایسے باپ کی بیٹی

جو ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار تھے جن کے بارے میں قرآن میں آئتیں اتریں جن کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مانتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی باتیں سن سن کر مکہ بغاوت کے جذبات سے بھڑک اٹھا تھا ایسی حالت میں حضرت علیؓ کا وہ فرمان پہنچا جس میں خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت کا انکار کر دیا گیا اور وہ فرمان زمزم کے حوض میں پھینک دیا گیا اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچے اور حضرت علیؓ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے غصے میں بھرے تھے اسی دن سے مکہ شامیوں کے علاوہ حضرت علیؓ کی امامت کے مخالفوں کا مرکز بن گیا۔

مشورہ

قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی، اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ یہ فتنہ اسلام میں ایک زبردست حادثے کا باعث بنا، اور خلیفہ بحالت مظلومی شہید کر دیئے گئے اب ایسا اقدام ضروری ہے جس سے یہ سوراخ بند ہو اور اللہ کا دین اپنی شان کے مطابق برقرار رہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ لیا جائے خواہ وہ کوئی ہو، اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کیا جائے، مسلمان اپنی رضا و رغبت اور دلی اطمینان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر جس کو چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں اور اس معاملہ میں کوئی سختی اور زبردستی نہ کی جائے نہ گردنوں پر معلق تلواروں کی دھمکی دی جائے، پھر اس بات پر غور ہوا کہ حصول مقصد کا طریقہ کیا ہو؟ بعضوں نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا جائے لیکن بقول مورخین مدینہ والوں کی قوت سے ڈر کر یہ تجویز رد کر دی گئی اور اس لئے بھی کہ ایسا کرنا مدینۃ الرسول پر حملہ اور واقعہ احزاب کو دہرانا ہے جو شاید حضرت عثمانؓ کے باغیوں نے کیا تھا بعضوں نے یہ رائے دی کہ ہم کو کوفہ جانا چاہیئے اور وہاں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کا علم بلند کر دینا چاہیئے لیکن یہ رائے بھی رد کر دی گئی اس لئے کہ کوفہ پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بڑا اثر تھا اور وہ شورش پسند نہ تھے اور اس لئے بھی کہ حضرت عثمانؓ کے کٹر باغی اور جم کر کام کرنے والے مخالف کوفہ ہی میں تھے پس وہ طبعی طور پر قوم کو رد کرتے اور یہ بے عزتی گوارا نہیں کرتے، پھر ان کی نظر انتخاب بصرہ پر پڑی،

اس لئے کہ اس میں قبیلہ مضر کے لوگ بکثرت آباد تھے اور اس لئے کہ عبداللہ بن عامر نے اُن کو یقین دلایا کہ بصرہ والوں پر اس کے بڑے بڑے احسانات اور ان سے دوستی کے تعلقات ہیں وہ اس کی سنیں گے اور خاطر خواہ امداد بھی کریں گے مکہ کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا خیال ان کو اس لئے نہیں آیا کہ وہ امن وامان کا حرم محترم ہے جہاں خونریزی نہیں کی جا سکتی اور حضرت معاویہؓ کی وجہ سے وہ شام کی طرف سے بالکل مطمئن تھے اور اگر یہ لوگ عراق اور اس کے آگے کی سرحدوں پر غالب آجائیں تو حضرت معاویہؓ اس موقف میں تھے کہ مصر کی فکر سے بھی ان کو بے نیاز کردیں، چنانچہ یہ لوگ کوچ کی تیاری کرنے لگے عبداللہ بن عامر اور یعلی بن اُمیہ نے ساز وسامان سے ان کی بہت کچھ مدد کی پھر عوام کو ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی اور تقریباً تین ہزار کی جمعیت ساتھ ہوگئی حضرت عائشہؓ اور ان کے بیان کا عوام پر یہ اثر دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ام المومنین سے درخواست کی کہ وہ بصرہ تک ساتھ چلیں، حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا تم دونوں مجھے لڑائی کرنے کا حکم دیتے ہو انھوں نے کہا نہیں نہیں ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں گی اور اُن کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کریں گی، تب آپ نے بلا پس و پیش منظور کرلیا، حضرت عائشہؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو بھی ساتھ چلنے پر رضامند کرلیا تھا لیکن اُن کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو روکا اور ازواج مطہرات کے لئے اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونے دی اللہ کا حکم ہے،

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ	اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قدیم
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ الخ	جاہلیت کے مطابق نہ پھرو،

قوم کوچ کے لئے پابہ رکاب تھی، حضرت علیؓ کو جب یہ خبریں ملیں تو انھوں نے شامیوں سے جنگ کا خیال چھوڑ دیا تاکہ ان باغیوں کو ان کے ارادے سے باز رکھیں،

حضرت علیؓ اور سابق خلفاء

حضرت علیؓ نے بھی خلافت کا جس طرح استقبال کیا، سابق خلفاء میں اس کی کوئی مثال نہیں، حضرت ابوبکرؓ کے وقت کوئی صحابی ان کا مخالف نہ تھا، ہاں سعد بن عبادہؓ کی ایک بات تھی حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن حضرت علیؓ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی

ایک جماعت ان کی بیعت سے اختلاف رکھتی ہے اختلاف رکھنے والوں میں بعض وہ صحابی ہیں جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سے نوازا ہے بعض تو فتنے سے بچنا چاہتے ہیں اور بعض لڑنے کے لئے آمادہ ہیں شاید حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں اپنے اپ کو بالکل صحیح مشورہ دیا تھا کہ جب تک فتنے کا زمانہ ہے آپ حضرت عثمانؓ کے معاملہ سے بے تعلق ہو جایئے اور مکہ چلے جایئے بعض روایات میں ہے کہ اپنی زمین واقع ینبع میں چلے جایئے، لیکن حضرت علیؓ اپنی موجودگی پر مصر تھے اور کہیں نہیں گئے، اس کے بعد حضرت عثمان کا حادثہ ہو جانے پر حسنؓ نے مشورہ دیا کہ اب لوگوں سے کنارہ کشی کر لیجئے اور کہیں چلے جایئے تا آنکہ عربوں کی گئی ہوئی عقل واپس ہو جائے آپ تو اگر سانڈے کے سوراخ میں بھی ہوں گے تو لوگ وہاں سے نکال کر آپ کی بیعت کریں گے اور اس کی ضرورت نہ ہو گی کہ آپ کچھ عرض کریں، پھر بصرہ کے اسی راستے میں حضرت حسنؓ نے رائے دی کہ عراق نہ جایئے مبادا بے یار و مددگار رہ جائیں لیکن حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کی ایک بات بھی نہیں مانی یہ اُن سے کس طرح ہو سکتا تھا کہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا دیکھیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہد و پیمان انھوں نے اللہ سے کر رکھا تھا اس سے پہلو تہی کریں چنانچہ انھوں نے خلیفہ کی خیرخواہی کی کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے ان کے ساتھ پیش آئے انھوں نے رعایا کے ساتھ بھی خیرخواہی کی ان کو گناہ اور نافرمانی سے روکتے رہے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ان کی امداد کرتے رہے علاوہ ازیں حقدار ہونے ہوئے بھی آپ نے لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود لوگوں نے آپکو مجبور کیا باغیوں نے مجبور کیا کہ بغاوت کا خمیازہ بھگتنے سے بچ سکیں مہاجر اور انصار نے مجبور کیا کہ امام کے تقرر کی کوئی صورت بن پڑے اور لوگوں میں اللہ کے احکام کا اجرا عمل میں آئے،

پھر یہ صورت بھی قابل عمل نہ تھی کہ حضرت علیؓ مدینہ میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے کہ حضرت معاویہؓ اور شامی آ کر اُن پر حملہ کریں یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عراق اور اس کے بعد کی سرحدوں کو گھیرتے ہوئے اور خراج کا مال سمیٹتے ہوئے مدینہ پر چڑھائی کر دیں تو پھر مقابلہ کے لئے نکلیں پس ضروری تھا کہ حضرت معاویہؓ کے انکار بیعت کے بعد حضرت علیؓ شام سے معرکہ آرائی کیلئے نکل کھڑے ہوں، حضرت معاویہؓ کے خلاف اُن کی دلیل تو یہی تھی، پورے حجاز اور صوبوں کے مسلمانوں کی زبردست اکثریت آپ کی بیعت کر چکی تھی اور آپ کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جا سکتا تھا،

حضرت معاویہؓ اگر اپنے معاملہ میں انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح، حضرت علیؓ کی بیعت کر لیتے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن اُن کو تو قصاص سے کہیں زیادہ اس کی فکر تھی کہ خلافت کا رُخ کسی طرح حضرت علیؓ سے پھیر دیا جائے، چنانچہ حضرت علیؓ کی وفات اور حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد جب ان کے لئے حکومت کا میدان صاف ہو گیا تو قصاص یاد رہا نہ قاتلوں کی تلاش اب ان کو امن و امان یکجہتی اور اتحاد اچھا معلوم ہونے لگا،

حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف بھی حضرت علیؓ کی دلیل حضرت معاویہؓ سے کچھ کم قوی نہ تھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر لی تھی اب ان کا فرض تھا کہ عہد کی پابندی کرتے اور بیعت میں صداقت باقی رکھتے، اگر حضرت علیؓ کی اطاعت ان کو پسند نہ تھی اور وہ بعض کاموں میں ان کی مدد کرنا نہیں چاہتے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اُسامہ بن زیدؓ محمد ابن مسلمہؓ وغیرہ ممتاز صحابہ کیطرح کنارہ کشی اختیار کر لیتے لڑائی تو کھڑی نہ کرتے، لوگوں کو باہمی جنگ کی آگ میں تو نہ جھونکتے، مسلمانوں میں اس بری طرح پھوٹ تو نہ ڈالتے جس کا منظر آگے چل کر آپ دیکھیں گے،

اب رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ تو اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں، پس ضروری تھا، کہ پہلے خلفا کی طرح حضرت علیؓ کے عہد میں بھی وہ اللہ کے حکم کی پابند رہتیں گھر میں بیٹھتیں، اچھی باتوں کا حکم دیتیں بری باتوں سے منع کرتیں، دوسری امہات المومنین کی طرح نماز اور زکوٰۃ ادا کرتیں اللہ کی جن حکمتوں اور آیتوں کی آپ پر تلاوت کی گئی ہے ان کی یاد دلاتیں حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار اور ان کی خلافت کے تسلیم نہ کرنے پر بھی انھیں حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی تکلیف اور کوئی ناگواری پیش نہ آتی کہ وہ ام المومنین تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت اُن سے وابستہ تھی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی تھیں بہر حال اتنا تو ضرور تھا کہ حضرت عائشہؓ کا درجہ حضرت علیؓ کی نگاہ میں کنارہ کشوں کے برابر ہوتا، یوم جمل کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی جس طرح توقیر باقی رکھی اس سے حضرت علیؓ کے نقطۂ نظر کا پتہ چلتا ہے شاید کوئی یہ کہے کہ قوم کو صرف حضرت عثمانؓ کا غصہ نہ تھا! بلکہ لوگ اس کے بھی خلاف تھے کہ باقی حضرت عثمانؓ ہی جیسا ایک ... امامؓ ان پر مسلط کر دیں، حالانکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے باہم مشورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہو لیکن جواب یہ ہے کہ خلافت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت مسلمانوں کے باہم

مشورے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ تو ایک اتفاقی بات تھی بقول حضرت عمر رضی اللہ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا، اور خود حضرت عمرؓ کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورے سے عمل میں نہیں آئی بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے یہ نامزدگی منظور کرلی اس لئے کہ ان کو شیخین پر اعتماد تھا اور وہ ان سے محبت بھی کرتے تھے لیکن وہ مجلس شوریٰ جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا اطمینان بخش رضامندی کی حامل نہ تھی، حضرت عمرؓ نے قریش کے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو چن لیا، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کارروائی میں انھوں نے بڑی حد تک اختلاف اور فتنے سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی کرنے کی کوشش کی،

پس حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا اور اُن تمام حضرات کا جو کنارہ کشی اختیار کرچکے تھے یہ فرض تھا کہ جتنا ہوسکتا معاملے کو روکتے اور حضرت علیؓ کی بیعت مجبوری سے نہیں رضامندی کے ساتھ کرلیتے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایک طرف ان خرابیوں کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے جو باغیوں نے پیدا کردی تھیں، اور دوسری طرف ایک مضبوط اور مستقل نظام وضع کرنے میں وقت صرف کرتے جو خلیفہ کے انتخاب اور حکومت کے چلانے میں رہنمائی کرتا اور مسلمانوں کو عہد عثمانی جیسے مصائب کا شکار ہونے سے بچاتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت قوم نے جو کچھ سوچا اور سمجھا وہ ہمارے دل و دماغ جیسی بات نہ تھی، ان سے دین کے لئے اور اپنے لئے جو کچھ ہوسکتا تھا انھوں نے کیا،

حضرت صدیق اکبرؓ کو خلافت کے ابتدائی دور میں جو کچھ پیش آیا حضرت علیؓ کو بھی اسی جیسی ایک بات سے دوچار ہونا پڑا، عہد صدیقی میں تمام عربوں نے خلیفہ کی مخالفت کی اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو صحابہؓ کی امداد اور حمایت حاصل تھی انھوں نے بڑی تیزی کے ساتھ فتنے کی آگ بجھادی اور عربوں کو زمین کے مختلف حصوں میں روانہ کردیا جہاں وہ فتوحات میں مشغول ہوگئے فاروق اعظمؓ آئے تو انھوں نے فتوحات کی رفتار میں اور تیزی پیدا کردی حضرت عثمانؓ بھی شیخینؓ کے نقش قدم پر چلے اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فتوحات کا دائرہ بڑھاتے ہی چلے گئے،

لیکن حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی انھیں میں سے کچھ لوگ بدل گئے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حامی اور معاون تھے نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد پھوٹ پڑگئی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے سرحد کی فوج پیش قدمی چھوڑ کر اپنی جگہ رک گئے، شام میں تو بعضوں نے یہاں تک کیا کہ سرحد چھوڑ کر اپنے ان بھائیوں سے

سے مقابلہ کے لئے چلے آئے جو حضرت علیؓ کے حامی تھے یہ دیکھ کر وہ آرزو کرنے لگے کہ ان کے جن مقامات پر مسلمان قابض ہو چکے ہیں ان سے واپس لے لیں اور اگر حضرت معاویہؓ کچھ دے کر اُن سے مصالحت خرید نہ لیتے تو وہ شام پر حملے کا ارادہ کر ہی چکے تھے پھر جب فضا ٹھیک ہو گئی تو امیر معاویہؓ رومیوں کے لئے فرصت پا چکے تھے

بہر حال حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور عائشہؓ بصرہ جانے کے ارادہ سے نکل پڑیں اور ادھر حضرت علیؓ نے شام سے اپنی توجہ ہٹالی، اور طے کر لیا کہ ان تینوں کو جا کر سمجھائیں گے اور واپس لائیں گے ادھر حضرت معاویہ کو کافی وقت اور موقع ملا کہ اپنی حکومت مضبوط کر لیں اور فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مقربین حضرت علیؓ کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی بھی تکمیل کر دیں، حضرت علیؓ مدینہ سے نکلے، لوگوں کی مرضی کے خلاف نکلے آپ کے اس سفر کو لوگ فال بد تصور کرتے تھے حضرت علیؓ کو اندازہ نہ تھا کہ اب وہ مدینہ سے ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد ان تینوں سے مل کر بحث و مباحثہ کے بعد انھیں راضی کر کے جماعت میں شامل کر لیں گے اور پھر ان کو مدینہ لائیں گے اور خود دوسرے خلفاء کی طرح مدینہ ہی میں قیام کریں گے اور مسلمانوں کے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لیں گے، لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ معلوم ہوا کہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں، اور اب وہ بصرہ پہنچے ہوں گے اور مسلمانوں کو وہاں آپ کی بیعت سے روکتے ہوں گے لیکن اس کے بعد بھی حضرت علیؓ مصالحت سے مایوس نہیں ہوئے البتہ اس کی بڑی احتیاط کی کہ یکایک لڑائی نہ چھڑ جائے چنانچہ آپ نے راستہ طے کرتے ہوئے کوفہ والوں کے پاس آدمی بھیجے کہ ان کو حمایت اور تعاون کی دعوت دیں۔

حضرت علیؓ اور کوفہ

حضرت علی کے آدمی کوفہ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں کے حاکم ابوموسیٰ اشعریؓ شورش اور خون ریزی سے گریز کرتے ہوئے لوگوں کو امام کی حمایت سے روکنے پر زور دے رہے ہیں ان کی دلیل اس معاملے میں چھپی چھپی تھی اُن کے خیال میں امام کسی کافر دشمن سے تو لڑنا نہیں چاہتے تھے اس میں تو ان کے بالمقابل انہیں کی جیسی ایک قوم ہے، اللہ پر رسول پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی پس انھوں نے اس کو بہت برا سمجھا کہ مسلمان، مسلمانوں سے لڑیں، اپنے اسی نقطۂ نظر کو انھوں نے شہر والوں کے لئے بھی ضروری قرار دیا اور دین کا یہ عام حکم ہے کہ انسان جو بات اپنے لئے پسند کرے دوسروں کے

لئے بھی اسی پر رضامند ہو ا پس ابو موسیٰ اشعریؓ نے کوفہ والوں کو لڑائی سے باز رکھ کر ان کو امام کی امداد سے دور رہنے کا مشورہ دیکر گویا اپنے ساتھ اور شہر والوں کے ساتھ بڑی خیر خواہی کی اور خلوص برتا، لیکن ابو موسیٰؓ تو حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کے لئے بھی لے چکے تھے، یہ بیعت ان پر اور شہر والوں پر خلیفہ کی حمایت اور اعانت فرض کر دیتی ہے اگر اس میں ان کے لئے کوئی مضائقہ کی بات تھی تو خلیفہ کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر کے کام چھوڑ دیتے اور کنارہ کشی اختیار کر کے اوروں کی طرح فتنے سے دور رہتے لیکن یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لی انہیں کی طرف سے حاکم ہونا بھی قبول کر لیا، اور پھر ان کے حکم سے سرتابی، یہ کوئی معقول بات نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو سخت سست کہا اور معزول بھی کر دیا اور ان کی جگہ حضرت قرظہ بن کعب انصاری کو نیا حاکم بنا کر بھیجا، پھر اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو روانہ کیا کہ وہ کوفہ والوں کو حمایت پر آمادہ کریں بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُشتر نے حضرت علیؓ سے اجازت مانگی کہ مجھے کوفہ جانے دیجئے آپ نے اجازت دیدی شہر میں پہنچ کر اُشتر نے اپنی قوم کے چند رعب داب والے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور حاکم کی کوٹھی پر ہلہ بول دیا، اس وقت ابو موسیٰ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے اور جو کچھ بھی کوٹھی میں اور بیت المال میں تھا سب سمیٹ لیا اور ابو موسیٰؓ کو برطرفی پر مجبور کر دیا چنانچہ وہ کوفہ سے نکل کر مکہ آئے اور کنارہ کشوں کے ساتھ رہنے لگے، اُشتر نے کوفہ والوں کو خلیفہ کی حمایت کی دعوت عام دی اور ان کو مقام ذی قار تک لائے جہاں حضرت علیؓ ان کے منتظر تھے۔

حضرت علیؓ اور بصرہ

بصرہ کا معاملہ کوفہ سے بھی ٹیڑھا تھا، یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور آپ کے عامل عثمانؓ بن حنیف کے فرمانبردار تھے لیکن بہت جلد ان پر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور عائشہؓ اور ان کی فوج کا سایہ پڑ گیا، یہ دیکھ کر عثمان بن حنیف نے اپنے دو سفیر ان کے پاس بھیجے، ایک عمران بن حصین خزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی دوسرے ابو الاسود دؤلی، ان دونوں نے ان کے پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ یہاں آکر کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملا ہم حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے سپرد کیا جائے وہ اپنے مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں، سفیروں نے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ لوگ کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے پھر یہ دونوں واپس

آئے اور عثمان بن حنیف کو بتایا کہ وہ لوگ لڑائی کرنے کے سوا کوئی دوسری بات نہیں چاہتے تب انھوں نے لڑائی کی تیاری کی اور بصرہ والوں کے ساتھ نکلے اور مقابلے میں آکر کھڑے ہو گئے اس کے بعد بحث ومباحثہ ہونے لگا جو بے نتیجہ رہا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنی تقریروں میں حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے پر زور دیا اور خلافت کے لئے مسلمانوں کا مشورہ ضروری قرار دیا اس کے جواب میں بصرہ کے ان لوگوں نے تقریریں کیں جن کے پاس حضرت طلحہؓ کے خطوط آئے تھے جن میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر ابھارا گیا تھا، اس کے بعد بصرہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ایک طرف سے آواز آئی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ٹھیک کہتے ہیں دوسری طرف سے آواز آئی جھوٹ کہتے ہیں، اور گمراہی پر ہیں، اب کیا تھا ہر طرف سے شور وغل کی آوازیں آنے لگیں، اختلاف میں شدت پیدا ہو گئی اور بصرہ کے لوگ آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے،

اس کے بعد حضرت عائشہؓ اپنے اونٹ پر لائی گئیں، آپ نے خطبہ دیا، اور بڑی بلاغت کے ساتھ دیا، شگفتہ زبان، میٹھے بول اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ آپ نے فرمایا ۔۔۔ "تمھاری خاطر ہم حضرت عثمانؓ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے تو کیا حضرت عثمانؓ کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں، یاد رکھو تمھارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں اُن کی بعض باتیں ہم کو پسند نہ تھیں اس پر ہم نے ان کو کہا سنا پھر وہ باز آگئے اور اللہ سے توبہ کی، اور ایک مسلمان سے اگر اس نے خطا کی ہے اس سے زیادہ کیا مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور لوگوں کو راضی، لیکن پھر بھی اُن کے دشمنوں نے اُن پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور اس طرح تین حرمتوں کا بیک وقت خون کیا، خون کی حرمت کا، مہینے کی حرمت کا، اور مدینہ منورہ کی حرمت کا،

لوگوں نے گہری خاموشی سے سُنا لیکن تقریر ختم ہوتے ہی پھر شور وغوغا کی آوازیں آنے لگیں کچھ تائید میں کچھ تردید میں، اس کے بعد لوگوں میں گالی گلوچ اور جوتی پیزار ہونے لگی، مگر اس کے باوجود عثمان بن حنیف کیساتھ بصرہ والوں کی ایک زبردست فوج جمی رہی، اور شدید معرکہ رہا اور کافی لوگ زخمی ہوئے اس کے بعد روک تھام ہوئی اور حضرت علیؓ کے آنے تک مصالحت ہو گئی ایک معاہدہ لکھا گیا، جس کی رو سے عثمان بن حنیف بدستور حاکم مقرر ہے اور انھیں کے قبضے میں ہتھیار اور بیت المال رکھا گیا، اور حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہ کو یہ ازادی دی گئی کہ وہ بصرہ میں جہاں چاہیں قیام کریں، لہذا ہر لوگوں میں امن وامان کی کیفیت پیدا ہو گئی عثمان بن حنیف معمول کے مطابق نماز پڑھانے

مال تقسیم کرنے اور شہر کا انتظام کرنے چلے گئے لیکن بصرہ میں آنے والی یہ قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی ایک نے کہا اگر ہم علیؓ کے آنے تک رکے رہے تو وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے چنانچہ انھوں نے عثمان بن حنیف پر شبخون مارنے کا فیصلہ کرلیا، رات نہایت تاریک اور اس میں سخت آندھی چل رہی تھی ان لوگوں نے موقع غنیمت جان کر عثمان پر ایسی حالت میں حملہ کر دیا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے، ان کو بری طرح مارا پیٹا، ان کی داڑھی مونچھ کے بال نوچ لئے اس کے بعد بیت المال کا رخ کیا اور وہاں کے چالیس پہرہ داروں کو قتل کر دیا جو سب کے سب غیر عرب تھے اور عثمان بن حنیف کو قید کر کے انھیں اذیتیں پہنچائیں اب تو بصرہ والوں کی ایک جماعت برافروختہ ہوگئی اس کو اس بدعہدی کا امیر کے ساتھ اس زیادتی کا اور بیت المال پر اس طرح دھاوا کر دینے کا بڑا رنج ہوا وہ شہر سے بچتے ہوئے ایک طرف نکل آئی تاکہ لڑائی شروع کر دے اور جس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے اس کی حمایت کرے۔

یہ جماعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کی تھی اس کی قیادت حکیم بن جبلہ عبدی کر رہا تھا اس کے مقابلے کے لئے حضرت طلحہؓ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑنے لگے، حضرت طلحہؓ کے ساتھیوں نے حریف کے ستر سے زیادہ آدمیوں کا صفایا کر دیا، حکیم ابن جبلہ بھی بڑی بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد مارا گیا بعد میں اس کے قصاص کا معاملہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا، کہتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کے آدمیوں میں سے کسی نے اس پر ایسا وار کیا جس سے اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی حکیم اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کے پاس آیا اور اس کو پھینک کر حملہ آور کو اس طرح مارا کہ وہ گر پڑا اس وقت حکیم کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

یا نفس لا تراعی	اے دل کچھ حرج نہیں
ان قطعو کراعی	اگر میرا پاؤں کاٹ دیا گیا ہے
ان معی ذراعی	میرا ہاتھ تو سلامت ہے

اس قدر شدید زخمی ہونے پر بھی وہ لڑتا رہا اور یہ رجز پڑھتا رہا،

لیس علی فی الممات عار	مرنے میں میرے لئے شرم کی کوئی بات نہیں
والعار فی الحرب ھو الفرار	شرم تو لڑائی سے بھاگنے میں ہے
والمجد لا یفضح الذمار	بزرگی یہ ہے کہ غیرت زندہ رکھی جائے۔

اور لڑتے لڑتے جان دے دی،

اس طرح لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت توڑدی بلکہ عثمان بن حنیف کے ساتھ معاہدے کی بدعہدی کا بھی اضافہ کردیا اور شہریوں میں سے جن لوگوں نے بھی اس بدعہدی پر اعتراض کیا اور حاکم کے قید کردینے کی بیت المال کی چیزوں پر قابض ہو جانے کی اور پہرہ داروں کو قتل کردینے کی مذمت کی ان کو قتل کردیا گیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چاہا کہ عثمان پر بھی وار کردیں لیکن انھوں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے شہر کے ناظم اس وقت ان کے بھائی سہل بن حنیف ہیں اگر مجھے تکلیف پہنچی تو وہ ان کی اولاد کی گردنیں اڑادیں گے تو انھوں نے ان کو چھوڑدیا، اور وہاں سے چل پڑے پھر بصرہ کے ایک راستے پر حضرت علیؓ سے ملے اور مذاق کرتے ہوئے کہا آپ نے مجھے بوڑھا بھیجا تھا اور میں جوان ہوکر واپس آیا ہوں

بصرہ میں مخالفین کی ان تمام حرکتوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت علی اور ان کے ساتھیوں میں غصے اور دشمنی کی آگ بھڑک اٹھے اور بصرہ کے لوگوں میں جو بری طرح پھوٹ کے شکار تھے مزید نفاق اور شقاق پیدا ہو چنانچہ حکیم ابن جبلہ کے حادثے پر عبد القیس کے لوگ غضبناک ہوکر علانیہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوگئے، اور معرکے سے بچ نکلنے والے حرقوص ابن زہیر کے آدمی بھی اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو سپرد کرنے سے انکار کردیا بعد میں یہ لوگ، احنف ابن قیس کے ساتھ چھ ہزار کی جمعیت میں کنارہ کش ہوگئے، یہ حرقوص ابن زہیر عثمان پر ٹوٹ پڑنے والوں میں بڑا سخت تھا

اس کے بعد لوگوں میں بڑی پھوٹ اور سخت اختلاف ہوا ایک گروہ چپکے سے یا کھلے بند حضرت علیؓ تک پہنچا ایک گروہ منتظر رہا کہ حضرت علی آئیں تو ان کے ساتھ ہولے، ایک جماعت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ساتھی بنی تاکہ حضرت عائشہؓ کی حمایت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیرؓ کی امداد کرے، ایک گروہ چاہتا تھا کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے فتنے کی لپیٹ سے دور رہے، چنانچہ کچھ لوگوں کو کنارہ کشی کا موقع ملا اور کچھ فتنے پر مجبور رہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لیڈروں کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مطمئن نہ تھے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر میں اس بات پر اختلاف تھا کہ نماز کون پڑھائے، بڑی مشکل کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت طلحہؓ پڑھائیں اور دوسرے دن حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت کہ دل رنج و ملال سے لبریز راستے میں جب پانی کے ایک چشمے پر گزرنے لگیں

تو کتوں نے بھونکا آپ نے چشمے کا نام پوچھا لوگوں نے بتایا کہ اس کو حواب کا چشمہ کہتے ہیں تب تو آپ گھبرا کر کہنے لگیں مجھے واپس لے چلو، واپس لے چلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ازواج میں بیٹھے کہتے سُنا۔ تم میں سے کون ہے جس کو حواب کے کتے بھونکیں گے، یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ آئے اور آپ کو مطمئن کرنے کی یہ تدبیر کی کہ بنی عامر کے پچاس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر کئے جنھوں نے شہادت دی کہ یہ چشمہ حواب کا چشمہ نہیں ہے،

کھلی ہوئی جھوٹ، کھلا ہوا تفرقہ اور دلوں میں چھپا ہوا رنج و ملال، پھر مطلب اور خود غرضی کی باتیں اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوششیں یہ تھا قوم کا نقشہ جب حضرت علیؓ ایک بڑی فوج کے ساتھ تشریف لائے

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا حال اس کے بالکل برعکس تھا، حضرت علیؓ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں، پھر جب اس کا موقع آیا تو یہ خیال کر کے کہ حق حق دار کو مل گیا آپ نے عنان خلافت انھیں لے لی، اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے باغی مدینہ کے بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے تھے یہ تو وہ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ان میں بہت سے آزمائش کے موقع پر ثابت قدم رہے سختی کے مختلف حالات میں ان کا امتحان لیا گیا، انھوں نے دنیا چھوڑی دین کو اختیار کیا اپنی راہ میں زندہ رہنے سے اللہ کی راہ میں مرجانا پسند کیا، جن لوگوں کے یہ اوصاف ہوں وہ دین کی مخالف کسی بات پر مجبور نہیں کئے جا سکتے اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا کسی خوف اور ڈر کے اپنی رضا اور رغبت سے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی، اور اس کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ جو چند آدمی اس بیعت سے مطمئن نہیں تھے حضرت علیؓ نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزادی دے دی اور ان کی معذرت قبول کر لی پھر باغیوں کو منع کیا کہ وہ ایسے حضرات سے کوئی تعرض نہ کریں اور نہ ان تک پہنچیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب ضمانت دینے سے انکار کیا تو خود اس کے ضامن بن گئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا، حضرت عثمانؓ کے موقع پر یہ دونوں ان کے مخالف [illegible]

تھا اس لئے حضرت علیؓ کو ان سے فتنے کا اندیشہ ہوا۔

پس شامیوں کے انکار بیعت پر جب حضرت علیؓ اُن سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بدعہدی اور مخالفت دیکھ کر جب شام سے اپنی توجہ ہٹا رہے تھے تو آپ کے دل میں کوئی تردّد یا شک نہ تھا تاہم آپ نے ایک مغموم نادم کی طرح بعض مواقع پر فرمایا، اگر مجھے معلوم ہوتا، کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصّہ نہ لیتا۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ کے بارے میں آپ کا یہ تصور نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں میں تفریق ہوگی اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار اُٹھائیں گے، اور اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی خلافت فتنہ اور نفاق کا سرچشمہ بنے گی، تو مسلمانوں کے امن و اتحاد کی خاطر اس سے اسی طرح باز رہتے جس طرح اس سے قبل تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر باز رہے اور طبیعت پر جبر کر کے صبر و برداشت سے کام لیتے، مگر اب جبکہ عام اور خاص مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو آپ بصیرت کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے اور یہ اچھا نہیں سمجھا کہ چلنے کے بعد واپس ہوں یا اقدام کے بعد رک رہیں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے، بخدا میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن راہ پر ہوں نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا نہ میں گم کردہ راہ ہوں نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہوا۔

حضرت علی کی طرح ان کے ساتھیوں کے دل بھی جب وہ بصرہ جا رہے تھے تردّد اور شبہے سے خالی تھے ہاں ابو موسیٰ اشعریؓ کی ایک بات تھی، لیکن یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بصرہ کے لوگ ان کے ہم خیال نہ تھے، حضرت علیؓ کے کچھ ساتھیوں نے اپنے دین اور خاص طور پر اپنی عاقبت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ بصرہ آنے سے اور ان کو ساتھ لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا — تاکہ آپ لوگوں کی موجودگی میں بصرہ کے بھائیوں سے ملاقات کروں، انھیں امن و مانیت کی دعوت دوں، ان پر حق اور صداقت کا اظہار کروں اور اس معاملے میں اُن سے بحث و مباحثہ کروں شاید وہ سمجھ جائیں اور ہم آہنگی پیدا ہو کر جماعت میں وحدت کی صورت نکل آئے ان لوگوں نے سوال کیا — اگر حق بات نہ مانی گئی اور امن و صلح کی باتوں کو نامنظور کر دیا گیا، آپ نے جواب دیا تو ان سے جنگ میں پہل نہیں کروں گا، سوال کیا گیا، اگر انہوں نے شروع کر دی، آپ نے جواب دیا — تو حق کے لئے ہم ان سے لڑیں گے تا آں کہ وہ تسلیم کر لیں،

اپنی عاقبت پر اطمینان کرنے کے لئے انھیں میں سے بعض نے سوال کیا۔ لڑائی میں مارے جانے والوں کا کیا حشر ہوگا؟ آپ نے جواب دیا ۔۔۔ حق کی حمایت میں سچی نیت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے جس نے جنگ کی اس کا انجام شہدار کا انجام ہوگا،

انھیں میں کے ایک آدمی نے ایک دن حضرت علیؓ سے سوال کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ باطل پر متفق ہو جائیں، آپ نے جواب میں کہا ۔۔۔ حقیقت تم پر کھل نہ سکی حق اور باطل افراد کی قدروں سے جانا جاتا ہے حق کو پہچانو تو اہل حق کا پتہ چل جائے گا، باطل کو سمجھو اہل باطل سمجھ میں آجائیں گے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس زیادہ جامع اور دل نشیں جواب اور کوئی ہو سکتا ہے جس سے وحی کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کوئی بھی خطا کی زد سے بچ نہیں سکتا خواہ کیسا ہی عالی مرتبہ ہو اور کوئی حق کا ٹھیکے دار نہیں بن سکتا خواہ کیسے ہی پوزیشن کا مالک ہو،

پس حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی بصیرت کی روشنی میں قدم بڑھا رہے تھے وہ اپنے ہی جیسے مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے سے ڈرتے تھے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اس سے رُک بھی نہیں سکتے تھے

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ مصالحت کے لئے گفت وشنید ہو اور حق کے لئے بحث ومباحثہ بھی، لیکن اگر جنگ ہو تو اس کی ابتداء وہ خود نہ کریں پس طرفین کی کیفیت میں فرق تھا، بصرہ کے لوگ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں باہم مختلف تھے، حضرت علیؓ کی جماعت متحد تھی، بصرہ کے لوگ مذبذب اور متردد تھے، حضرت علیؓ کے ساتھی ایک روشن اور مقرر مسلک رکھتے تھے، بصرہ کے لوگ تعداد میں کم ہو رہے تھے کچھ تو فتنے سے دل گرفتہ ہو کر اور کچھ امن پسندی کر اور کچھ خفیہ اور علانیہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہونے جا رہے تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی لوگ بصرہ سے کوفہ سے اور دیہاتوں سے آکر شریک ہو رہے تھے اس حالت میں حضرت علی بصرہ پہنچے اور پہنچتے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ کے پاس اپنے سفیر بھیجے

حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ

باہم گفت وشنید

حضرت علیؓ نے قعقاع ابن عمروؓ صحابی کو سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت کردی کہ اصلی حالات کا پتہ چلائیں، اور گفتگو کر کے معلوم کریں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کس ارادے سے نکلے ہیں؟ چنانچہ وہ پہنچے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضری کی اجازت لی، پھر انھوں نے دریافت کیا کہ بصرہ تشریف لانے کا مقصد کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا لوگوں میں خرابیوں کی اصلاح، قعقاع نے کہا، اچھا ہو اگر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی بلوالیں کہ آپ کی حاضری میں ان سے بھی دو، دو باتیں ہو جائیں، حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلوایا، جب وہ آگئے تو قعقاع نے ان سے کہا، میں نے ام المومنین سے اس شہر میں تشریف لانے کی غرض دریافت کی انھوں نے جواب دیا کہ لوگوں کی اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کو اس سے اتفاق ہے یا اختلاف؟ انھوں نے جواب دیا اتفاق ہے، قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے کہ یہ اصلاح کیا ہے جو آپ لوگ چاہتے ہیں؟ اگر وہ کوئی ٹھیک بات ہے تو ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے اور اگر بری ہے تو اس سے بچیں گے، جواب ملا حضرت عثمانؓ مظلوم مارے گئے جب تک ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جائیگی معاملات درست نہ ہوں گے۔ قعقاع نے کہا، آپ لوگوں نے تو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے بصرہ کے چھ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا صرف ایک آدمی حرقوص ابن زہیر کو نہ مار سکے جس کے قبیلے کے لوگ غصے میں مشتعل ہو کر آپ کے مخالف ہو گئے اور اسی قتل کے باعث مضر اور ربیعہ کے آدمیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگوں کے ساتھ آپس کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی اور اگر یہی سلوک آپ دوسرے شہروں کے ساتھ کرتے رہے تو ایسی تباہی آئے گی کہ پھر آبادی کی توقع نہیں کی جا سکتی، حضرت عائشہ نے کہا تو پھر تمہارا کیا کہنا ہے؟ قعقاع نے کہا، غرض یہ ہے کہ اس بات کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے جب فضا سازگار ہو جائے گی، اشتعال اور ہیجان میں نظم و سکون پیدا

ہو جائے گا لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہے گا اور ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں گے اس وقت غور کیا جائے گا کہ اس فتنے کا باعث کون لوگ ہیں، یہ جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں مجھے اس کے پورا ہونے کے آثار نظر نہیں آتے، اس لئے کہ معاملات بہت پیچیدہ ہیں اُمّت پر مصائب اور مشکلات کا نزول ہو رہا ہے اور ایک زبردست آزمائش کا سامنا ہے اب تو مشیت ایزدی کے مواخذے کے بعد ہی کچھ امید ہو سکتی ہے،

قوم نے آپ کی بات کو پسند کیا یا یوں کہیئے کہ قوم نے آپ پر ظاہر کیا کہ اس کو آپ کی بات پسند ہے اور کہا ہم سب آپ کے خیال سے متفق ہیں، اگر علیؓ یہی خیال لے کر آئے ہیں تو ہم ان سے ضرور اس پر مصالحت کر لیں گے، قعقاع خوش خوش واپس آئے، اور حضرت علیؓ کو اپنی گفتگو سے باخبر کیا، وہ بھی سن کر بہت خوش ہوئے،

بصرہ کے لوگ حضرت علیؓ کے پڑاؤ میں آمدورفت رکھتے تھے، ان میں سے جو ربعی تھے وہ کوفہ کے قبیلہ ربیعہ سے ملتے تھے اور جو مضری یا یمنی تھے وہ مضری اور یمنی قبیلے کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے تھے ان ملاقاتوں کا موضوع سخن اگر کوئی تھا تو یہی صلح جوئی اور امن پسندی کی باتیں اور وہ بھی اس طرح کہ طرفین کے لوگ خیال کرنے لگے کہ بہت جلد معاملہ رفع دفع ہو جائے گا، اس موقع پر شیعوں کے بعض غالی مخالف ایک روایت بیان کرتے ہیں جو میرے خیال میں ٹھیک نہیں اس لئے کہ وہ حالات کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسی باتیں سادہ لوح ہی کیا کرتے ہیں، یا پھر وہ تصنع سے کام لینے والے جو تاریخ کی تصویر سے کہیں زیادہ اپنی تمناؤں کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں ان غلو کرنے والوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کا جرم عظیم سرزد ہوا، وہ مصالحت کی بات سن کر گھبرا گئے اور ڈرے کہ کہیں وہ اس صلح کی قیمت نہ قرار پائیں، چنانچہ رات اپنی مجلس میں جمع ہوئے اور اپنے اپنے خیالات پیش کرنے لگے، ٹھیک اسی طرح جیسا تم نے سیرت کی کتابوں میں دارالندوہ میں قریش کا اجتماع پڑھا ہوگا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی گئی اور جس میں ابلیس ایک بوڑھے نجدی کی صورت میں آیا اور حاضرین کی رہنمائی کی

اس قصے میں جماعت کا ابلیس آخر میں مسلمان ہونے والا وہ یہودی ہے جو مسلمانوں کی

دین و دنیا خراب کرنے کے لئے شہروں کا گشت لگاتا رہا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکایا جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے، جو ابن السودا کی کنیت سے مشہور ہے،

تبادلۂ خیالات کا آغاز ہوا اور مشورے پیش ہونے لگے، جو کچھ پیش کیا جاتا جماعت کا ابلیس اس کو جہل اور بیوقوفی بتا کر رد کر دیتا، تاآں کہ آخر میں ایک رائے پیش ہوئی جسے ابن السودا نے پسند کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوجہل کی رائے ابلیس نے پسند کی تھی، وہ رائے یہ تھی —— پوری طرح اپنی تیاری کر لو اور چُپ چاپ رہو جب فریقین اکٹھا ہوں حضرت علیؓ کی بے خبری میں جنگ چھیڑ دو، اس طرح صلح کی راہ میں رکاوٹ بن جاؤ،

قصہ آگے بڑھتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ قوم نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل کیا اور جیسے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نے صلح کی کارروائی شروع کرنی چاہی ان لوگوں نے جنگ چھیڑ دی۔

اس قصے کی تردید میں کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں کھلا ہوا تصنع ہے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی اتنے غافل نہیں تھے کہ انھیں کے پڑاؤ میں غداری کی سازش کی جا رہی ہو، سازش کرنے والے خود انہیں کے افسر دل میں سے ہوں اور انھیں خبر تک نہ ہو، اس سلسلے میں اعتدال پسند مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ طبعی تقاضوں کے مناسب ہے کہ قوم بصرہ کے قریب جمع ہوئی، فریقین میں بحث و مباحثہ ہوا جس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا پھر جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا

جنگ

اہل علم مسلمانوں میں حضرت کعب ابن سور ایک بڑے نیک اور راستباز عالم تھے، عہد جاہلیت میں وہ عیسائی تھے اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد ہمیشہ نیکیوں کے پابند، بھلائیوں کے طالب اور دین میں تفقہ رکھنے والے رہے، اللہ اور بندوں کے ساتھ خلوص رکھا، چھوٹی چھوٹی باتوں اور دنیاوی ساز و سامان سے اونچے رہے، حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر اعتماد کیا اور بصرہ کا آپ کو قاضی مقرر کیا حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے دور میں آپکو باقی رکھا، حضرت علیؓ کے حاکم نے بھی آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ بدستور بصرہ کے قاضی رہے، تا آنکہ فتنے کا زمانہ آگیا، اور حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ بصرہ آئیں، حضرت کعب ابن سور نے کوشش کی کہ لوگوں میں مصالحت کرادیں، لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، پھر انہوں نے چاہا کہ اپنے قبیلے "ازدو" کو کنارہ کشی پر اور بصرہ سے چلے جانے پر آمادہ کرلیں، لیکن یہ بھی نہ کرسکے، قوم کے سردار صبرہ ابن شیمان نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں پرانی نصرانیت کے اثرات عود کر آئے ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کو ہم یوں ہی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد حضرت کعب نے جب دیکھا کہ قوم ساتھ نہیں دے رہی ہے تو چاہا کہ خود اکیلے فتنے سے علیحدہ رہیں، لیکن یہ خواہش بھی پوری نہ ہوسکی اس لئے کہ ام المومنین نے قسم دلائی کہ وہ ان کے ساتھ رہیں پس وہ اپنے دینی جذبہ سے متاثر ہوکر حمایت کے خیال سے آپ کے ساتھ رہنے لگے،

گویا حضرت کعب سمجھ گئے کہ ام المومنین ساتھ رکھنے کی قسم دلاکر پناہ کا تقاضا رکھتی ہیں، چنانچہ ساتھ رہنے لگے، پھر بھی آپ کوشش کرتے رہے کہ لوگوں میں کسی طرح مصالحت ہو جائے، آپکو اس کا خطرہ تھا کہ فریقین کہیں بالمقابل نہ ہو جائیں، آپ کے خیال میں ایسا ہونا لڑائی کو دعوت دینا تھا، کیونکہ ایسے مواقع پر سنجیدہ لوگوں کی متانت دور ہونے اور نادانوں کو طیش آنے میں دیر نہیں لگتی۔

لیکن تیاری کی صبح فریقین بالمقابل ہو ہی گئے، حضرت علیؓ درمیان میں آکھڑے ہوئے، اور گفتگو

کے لئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلوایا، تینوں اکٹھا ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا۔ کیا تم دونوں نے میری بیعت نہیں کرلی ہے، جواب ملا، آپ کی بیعت ہم نے مجبوراً کی تھی، آپ ہم سے زیادہ خلافت کے حقدار نہیں ہیں، اس کے بعد حضرت طلحہؓ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ اپنی عزت محفوظ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ساتھ لیکر نکلا ہے، چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرلے، حضرت زبیرؓ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ ہم تجھ کو عبدالمطلب کی اولاد خیال کرتے تھے، لیکن تیرے ناخلف لڑکے نے تجھ کو ہم سے جدا کردیا، حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے جو حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی اسماء کا لڑکا ہے اپنی خالہ حضرت عائشہ کے ساتھ اور حضرت طلحہ تیمی کے ساتھ نکل کر اپنے تیمی پھوپیوں کی طرفداری کی اور اس بات کا کچھ خیال نہیں کیا کہ اس کا باپ حضرت زبیرؓ عبدالمطلب کی لڑکی صفیہ کا لڑکا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی چچی ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے زبیرؓ سے کہا، تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ تم ظالم بن کر مجھ سے لڑائی کروگے، حضرت زبیرؓ کو حدیث یاد آگئی اور وہ متاثر ہوگئے، ساتھ ہی وہ حضرت علیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت سے بھی متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے، اگر مجھے یہ یاد ہوتا تو میں ہرگز نہ نکلتا، علیؓ! اب میں تم سے کبھی نہیں لڑوں گا، حضرت زبیرؓ ام المومنین کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اس معاملے میں معقولیت نظر نہیں آتی، حضرت عائشہ نے کہا۔ پھر کیا ارادہ ہے؟ حضرت زبیر نے جواب دیا کہ میں کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا ہوں، یہاں پہنچ کر مورخین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت زبیرؓ نکل پڑے اور ان کو ابن جرموز نے وادی السباع میں احنف ابن قیس کے حکم سے یا بلا اس کے حکم کے قتل کر دیا۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لڑکے عبداللہ نے اُن کو بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا۔ ابن ابی طالب کے علم دیکھ کر تم کو یقین ہوگیا کہ اس کے نیچے تمہاری موت ہے اس لئے تم بزدل ہوگئے، اس طرح کہہ کہہ کر ان کو غصہ اور اشتعال دلایا تب حضرت زبیرؓ نے کہا، میں نے حضرت علیؓ سے نہ لڑنے کی قسم کھائی ہے، عبداللہ نے جواب میں کہا ایسا تو بہت ہوتا ہے اور لوگ قسم کا کفارہ ادا کردیا کرتے ہیں، اپنے غلام سرجیس کو آزاد کردو اور دشمن سے مقابلہ کرو، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کے ساتھ شکست کھائی، ہماری طبیعت پہلی روایت کی طرف مائل ہے، حضرت

زبیر رقیق القلب اور اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جوان کو مرتبہ حاصل تھا، اس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، بصرہ پہنچ کر لوگوں کی فتنہ پسندی اور اختلاف دیکھ کر سخت حیرت میں تھے، ان کی حیرت بہت زیادہ بڑھ گئی، جب انہوں نے عمار بن یاسرؓ کو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں دیکھا، مسلمان حضرت عمارؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنتے چلے آئے تھے۔

ویحك یا ابن سمیة تقتلك	افسوس سمیہ کے لڑکے تجھے باغیوں کی
الفئة الباغیة	ایک جماعت قتل کر دے گی

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ عمار حضرت علیؓ کی فوج میں ہیں تو اس ڈر سے کانپ اٹھے کہ وہ خود کہیں انہیں باغیوں میں سے تو نہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ضبط اور برداشت سے کام لیا، حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور ان کی باتیں سنیں اور اس کے بعد ان کی بصیرت روشن ہوئی اور وہ قوم کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور لڑنا گوارا نہیں کیا، تا آنکہ وادی السباع میں دھوکے سے قتل کر دیئے گئے حضرت علیؓ کو ان کی موت کا بڑا رنج ہوا، آپ نے قاتل کو آگ کی بشارت دی اور حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لیکر کہا۔ یہ وہ تلوار ہے جو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصیبتوں کے بادل چھانٹتی رہی۔

پس حضرت زبیرؓ لڑے نہیں، بلا لڑے واپس ہو گئے۔ ان کی یہ واپسی ان کے ساتھیوں کی طاقت توڑ دینے والی ثابت ہوئی، چنانچہ دوپہر تک ہی لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شکست ہو گئی، حضرت طلحہؓ زخمی ہو کر بھی ساتھیوں کو ابھار رہے تھے کہ ایک بے نشانہ تیر ان کو آ کر لگا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ تیر مروان ابن الحکم کا تھا۔ جو انہیں کے ساتھیوں میں سے تھا۔ مروان کہا کرتا تھا بخدا میں نے اس واقعہ کے بعد کبھی حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، اس نے حضرت عثمانؓ کے بعض لڑکوں سے یہ بھی کہا۔ میں نے تمہارے باپ کا بدلہ حضرت طلحہ سے پورا کر دیا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو۔ بہر حال لوگوں کو شکست ہوئی۔ حضرت طلحہؓ زخمی ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ وہ اپنا خون بہتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اور کہتے تھے اے اللہ حضرت عثمانؓ کا بدلہ مجھ سے لے لے کہ وہ راضی ہو جائیں، پھر اپنے غلام کو کسی ایسی جگہ چلنے کا حکم دیا جہاں

قیام کر سکیں، چنانچہ بڑی دقت اور دشواری کے بعد وہ ان کو بصرہ کے ایک اجڑے گھر میں پہنچا سکا، جہاں تھوڑی دیر کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے،

لوگوں نے سمجھا کہ لڑائی ختم ہو گئی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی فتحیاب ہوئے، حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں میں منادی کرا دی، زخمی پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے کوئی کسی کے گھر میں نہ گھسے کوئی مال و اسباب پر قبضہ نہ کرے، کوئی کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچائے،

اپنے بعض کاموں میں مصروف حضرت علیؓ اس خیال میں تھے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اور آپ غالب آگئے ہیں، اتنے میں سخت شور و غوغا کی آواز آئی سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ لوگوں کو آمادہ کر رہی ہیں اور قاتلین حضرت عثمانؓ پر لعنت بھیج رہی ہیں، اور لوگ بھی لعنت میں ان کی ہمنوائی کر رہے ہیں، حضرت علیؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ بخدا یہ تو اپنے اوپر لعنت بھیج رہے ہیں، انہیں لوگوں نے تو عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اے خدا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت ہو،

لڑائی کا نقشہ

اس دن صبح کے وقت جب حضرت علیؓ حضرت طلحہ سے مایوس ہو گئے اور یقین کر لیا کہ ان کو لڑائی پہ اصرار ہے اپنے ساتھیوں کو نہایت سختی کے ساتھ پہل کرنے سے روکا، اور کہا جب تک میرا حکم نہ ہو اقدام نہ کیا جائے، بصرہ کے نوجوانوں خصوصاً بیوقوفوں کا اس وقت یہ حال تھا کہ وہ لڑائی چھیڑنے کی حرکتیں کیا کرتے، اور حضرت علیؓ کے آدمیوں پر تیر چلاتے تھے، کتنے ہی آدمی زخمی ہوئے، جنکو حضرت علیؓ کے پاس لیا گیا، اور درخواست کی گئی کہ اب وہ لڑائی کی اجازت دینے میں دیر نہ کریں، پھر بھی آپؓ نے عجلت سے کام نہیں لیا، اور اجازت نہیں دی، لیکن جب واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپ نے کوفہ کے ایک نوجوان کے ہاتھ میں قرآن دیا اور کہا کہ وہ اسے لیکر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور اسکی طرف قوم کو بلائے حضرت علیؓ نے اس کو جتا دیا تھا کہ اس فرض کے پورا کرنے میں اس کی جان کا خطرہ ہے، تھوڑی دیر سوچنے کے بعد نوجوان نے قرآن ہاتھ میں لے لیا اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو کر اس کی دعوت دینے لگا، اس کے بعد لوگوں نے اس پر اتنے تیر برسائے کہ وہ جانبر نہ ہو سکا، اس سلسلہ میں راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھیں ہیں، لکھا ہے کہ قرآن اس کے داہنے ہاتھ میں تھا، جب وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا

تو اس نے بائیں ہاتھ میں لے لیا جب وہ بھی کاٹ دیا گیا تو اس نے دانتوں سے پکڑ لیا یا اپنے مونڈھے پر کر لیا، تا آنکہ قتل کر دیا گیا،

اتنی بات بہر حال قطعی ہے کہ وہ نوجوان قرآن کی دعوت دیتا رہا اور اسی حالت میں وہ مارا گیا، تب حضرت علیؓ نے کہا اب کوئی حرج نہیں، پہلا معرکہ دوپہر سے پہلے تک رہا، اور زوال تک شکست ہو چکی تھی، اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر کے پرجوش حامی جن کی قیادت غالباً حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کر رہے تھے آئے اور ام المومنین حضرت عائشہ کو مسجد کے گھر سے نکالا ایک ہودج میں سوار کیا جو زرہوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا یہ ہودج آپؓ کے اسی اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پھر میدان معرکہ میں لایا گیا، یہ دیکھ کر شکست کھائے ہوئے لوگ ام المومنین کے پاس جمع ہونے لگے، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف اپنی ماں کے حامی ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ان کی محبوب بیوی کی حمایت کر رہے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا جس میں ایک طرف دین کا گہرا احساس تھا اور دوسری طرف آبرو کا اور ماں کی حمایت اور غیرت کا، چنانچہ لوگ لڑنے مرنے کے لئے اپنی ماں کے آس پاس جمع ہو گئے، وہ اس کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی موجودگی میں ان کے شہر میں ام المومنین پر ذرا بھی آنچ آئے"،

حضرت عائشہ کا اونٹ جیسا کہ معرکے میں بعض شریک ہونے والوں کا بیان ہے، بصرہ والوں کے لئے پناہ کا جھنڈا تھا، جہاں پہنچ کر وہ محفوظ ہو جاتے تھے، جس طرح میدان جنگ کے سپاہی اپنے جھنڈے کے نیچے پناہ لیتے ہیں، یہ دیکھ کر فاتح جماعت بھی بڑی تیزی سے بڑھی کہ جس طرح دوپہر سے پہلے ان سے نپٹ لیا تھا، اب شام تک ان کو بھی ٹھکانے لگا دے، اتنے میں بصرہ کے قاضی کعب ابن ثور قرآن مجید گردن میں لٹکائے سامنے آئے اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف بلانے اور شر و فساد سے روکنے لگے، لیکن حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے تیر چلا کر انہیں مار ڈالا، کہنا چاہئے کہ اس طرح انہوں نے اپنے نوجوان کا بدلہ لے لیا جو فریقین کے درمیان صبح کے وقت قرآن اٹھائے مارا گیا تھا،

فریقین میں بڑا سخت مقابلہ رہا، حضرت علیؓ کے ساتھی چاہتے تھے کہ کامیابی آنے کے بعد پلٹ نہ جائے حضرت عائشہ کے حامی ام المومنین کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینے پر تلے تھے، لڑتے لڑتے تھک گئے ان میں

ایک دوسرے سے بیزاری اور مایوسی پیدا ہو گئی، آخر میں چیخنے چلانے کی آوازیں فضا میں دائیں بائیں، گونجنے لگیں، لڑنے والوں سے کہا گیا کہ حریفوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو، چنانچہ یہ مذموم حرکت کی گئی، بعضوں نے بعضوں کے ہاتھ اور بعضوں نے بعضوں کے پاؤں کاٹ دیئے، پھر جس پر یہ گذرتی وہ خود ہی مرنے پر تیار ہو جاتا، حضرت عائشہ کے ساتھی تقریباً شکست کھا چکے تھے، لیکن اونٹ اپنی جگہ کھڑا ہوا اور ہودج اس پر بدستور برقرار تھا، جس پر ام المومنین بیٹھی لوگوں کو منتشر اور غالب ہونے کے بعد ہمت اور جرأت پر آمادہ کرتی تھیں، لوگ اونٹ کے پاس آکر جم جاتے تھے، ان کا مقصد فتح یا کامیابی نہ تھا۔ وہ تو اپنی ماں کی حمایت کرنا چاہتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے ؎

یا امنا عائش لا تراعی	اے ماں ذرا بھی اندیشہ نہ کرو تمھارا ہر لڑکا
کل بنیك بطل المصاع	خوفناک مرد میدان ہے

اور حضرت عائشہ کا یہ حال کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور سامنے کے لوگوں کو جوش دلا کر آمادہ کرتیں اور حضرت علیؓ کے آدمی ان پر چھائے چلے جاتے اور جوش میں رجز پڑھتے جاتے ؎

یا امنا اعق ام نعلم	اے ماں ہم تمھیں بڑی نامہربان دیکھتے ہیں
والام تغذو ولدها وترحم	حالانکہ ماں اپنے بچوں کو کھلاتی ہے اور انپر رحم کرتی ہے
اما ترین کم شجاع یکلم	کیا نہیں دیکھتی ہو کتنے بہادر زخمی کئے جا رہے ہیں
وتختلی منه ید و معصم	اور ان کے ہاتھ اور کلائیاں کاٹی جا رہی ہیں

اس کے جواب میں حضرت عائشہ کے ساتھی کہتے ہیں ؎

نحن بنی ضبة اصحاب الجمل	ہم قبیلہ ضبہ کی اولاد اونٹ والے ہیں
ننازل القرن اذا القرن نزل	اپنے درجہ کے لوگوں سے لڑتے ہیں جب وہ سامنے آئیں
والقتل اشهی عندنا من العسل	خونریزی ہمیں شہد سے زیادہ مرغوب ہے
ننعی ابن عفان باطراف الاسل	ہم ابن عفان کے خواہاں ہیں نیزوں کی نوک سے
ردوا علینا شیخنا ثم بجل	ہمارا سردار ہمیں واپس کر دو اور بس!

اسی حالت میں وہ جانیں نثار کر رہے تھے، اور یہ شدت کے ساتھ ان پر غالب آ رہے تھے، جب کوئی اونٹ کی نکیل تک ہاتھ پہنچاتا قتل کر دیا جاتا، اِس بُری طرح قتل سے حضرت علیؓ چلا اٹھے

اور اپنے ساتھیوں سے کہا "اونٹ کو ذبح کر دو اس کی بقا میں عربوں کی فنا ہے،" یہ سن کر ایک ساتھی لوٹ پڑا اور اونٹ کو اپنی تلوار سے ذبح کر دیا، اونٹ اپنے پہلو پر گرا اور گرتے ہی اس کے منہ سے ایسی بری چیخ نکلی جو کسی نے اب تک نہیں سنی تھی، یہ ہونا تھا کہ اونٹ کے حامی ٹڈیوں کی طرح منتشر ہو گئے، اب محمد ابن ابوبکرؓ اور عمار بن یاسرؓ آکر ہودج اٹھاتے ہیں اور ایک طرف لیجاتے ہیں، محمد ابن ابوبکرؓ ہودج پر کمبل ڈال دیتے ہیں، حضرت علیؓ ان سے کہتے ہیں کہ معلوم کرو کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی، محمد اپنا سر اندر کرتے ہیں، حضرت عائشہ پوچھتی ہیں، تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا "آپ کا وہ عزیز جس پر آپ بیحد خفا ہیں،" حضرت عائشہ نے کہا "خثعمیہ کا لڑکا" محمد نے کہا۔ ہاں آپ کا بھائی "محمد"، اس کے بعد دریافت کرنے پر حضرت عائشہ نے بتایا کہ ایک تیر کا ٹکڑا ان کے بازو میں پیوست ہے، محمد اس کو نکالنے لگے، حضرت علیؓ غصے کی حالت میں آئے لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنا نیزہ ہودج پر مارا اور کہا "ارم کی بہن کہو کیسی رہی اللہ کی کارسازی" حضرت عائشہ نے کہا "ابن ابی طالب تم نے فتح پائی، اب تم نرمی اختیار کرو"، حضرت علیؓ نے فرمایا "خدا آپ کو معاف فرمائے" حضرت عائشہ نے فرمایا "اور آپ کو بھی" اس کے بعد حضرت علیؓ، محمد ابن ابوبکرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کو بصرہ کے کسی گھر میں لے جائیں چنانچہ وہ عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر لے جاتے ہیں جہاں وہ کچھ دنوں قیام کرتی ہیں،

معرکہ جمل کے بعد

حضرت طلحہؓ کے ساتھ معرکے میں دوپہر سے پہلے تک لڑائی ہوتی رہی آخر شکست ہوئی اور حضرت طلحہؓ مارے گئے اس کے بعد شام تک لوگ لڑتے رہے اور رات آنے سے پہلے ہی شکست ہوگئی جس میں حضرت عائشہؓ سلامت رہیں، مسلمانوں کو اس موقع پر شرمناک حد تک جو برا دن دیکھنا نصیب ہوا اس کی کوئی مثال نہیں، اس دن مسلمانوں نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی، خود اچھوں نے اچھوں کو قتل کر دیا، فریقین میں سے جلیل القدر صحابہؓ، مسلمانوں کے بہترین فقہا اور علما، مارے گئے، حضرت علیؓ کو اس کا انتہائی غم تھا، اپنے اور حریف کے مقتولوں کو پہچان پہچان کر دردمندی اور ترحم کا اظہار فرماتے اور خدا کی طرف متوجہ ہو کر کہتے

اشکو الیک عجری وبجری — اپنے غم کے احساسات اور کمزوریوں کی اے خدا تجھ سے فریاد ہے

شفیت نفسی و قتلت معشری	میں نے اپنے دل کی پیاس بجھائی لیکن اپنی قوم کو قتل کر دیا ۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس دن عربوں میں ان کی جاہلیت اور گمراہی کا دورہ واپس آگیا تھا، اور وہ اپنے رواداری اور دین کو بالکل یا تقریباً فراموش کر چکے تھے یا پھر جنون کا دورہ ان کے ہوش و حواس کا خاتمہ کر چکا تھا اور وہ جانتے ہی نہ تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا نہیں کر رہے ہیں یا پھر یوں کہئے کہ فتنے کی پٹی اتنی دبیز تھی کہ خود مسلمان اپنی بصارت کھو چکے تھے، گویا اللہ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے،

اوکصیب من السماء فیہ ظلمات	آسمان کی بارش کی طرح جس میں اندھیری
ورعد وبرق یجعلون اصابعہم	کڑک اور بجلی ہے اس میں چلنے والے اپنی
فی اذانہم من الصواعق	انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں
حذر الموت ۔	موت اور کڑک کے خطرے سے

لیکن یہ لوگ تو مسلمان تھے ان میں سے ہر ایک اس خیال کا تھا کہ اس کا غصہ اللہ کے لئے ہے اس جنگ میں وہ لڑے گا تو خدا کے لئے لڑ کر مر جائے گا، تو اس کی موت خدا کی راہ میں ہو گی ۔ پس حضرت علیؓ نے اس معرکے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے سوال کرنے پر کوئی دور کی بات نہیں کہی تھی کہ جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے حق بات پر لڑائی کی اور قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے ،

حضرت علیؓ نے اپنے احکام جاری کر دیئے، اونٹ کے گرنے کے بعد آپؓ نے لوگوں کو امان دی اپنے آدمیوں کو بڑی سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ کسی زخمی پر حملہ آور نہ ہوں، کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کریں، کسی گھر میں گھس نہ پڑیں، کسی کی بے حرمتی نہ کریں، اس کے بعد آپؓ نے اپنے ساتھیوں میں جو مال غنیمت تقسیم کیا وہ بیت المال کی کوئی ملکیت نہ تھی، بلکہ وہ بصرہ والوں کے گھوڑے اور ہتھیار تھے، حضرت علیؓ نے اس سلسلہ میں احتیاط کی حد کر دی، آپؓ نے حکم دیا کہ میدان معرکہ میں بصرہ والوں نے جو کچھ چھوڑ دیا ہے، وہ سب جمع کر کے مسجد میں لایا جائے، پھر آپؓ نے لوگوں میں منادی کرا دی کہ آئیں اور اپنی اپنی چیزیں پہچان کر لے جائیں ۔

رات نے آکر شائد قوم کو اس کی گئی ہوئی عقل واپس کر دی، چنانچہ فاتح اور مفتوح دونوں رنجیدہ اور مغموم ہوئے، دوسرے دن حضرت علیؓ نے تمام مقتولوں پر نماز پڑھی، جن

بیں ساتھی تھے اور حریف بھی اور لوگوں کو اپنے اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دی، کٹے ہوئے اعضا کے ٹکڑے جمع کروائے اور ایک بڑا گڑھا کھدوا کر اس میں دفن کروادیا، اور خود بصرہ کے باہر اپنے پڑاؤ میں قیام کیا، اور تین دن بعد بصرہ میں داخل ہوئے، ظاہر ہے کہ اس افسوسناک اور مذموم معرکہ کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا اور بہت دیرپا ہوا، پھر اس نے شاعروں اور قصہ گویوں کیلئے ایک بڑی زرخیز زمین پیش کردی، چنانچہ انہوں نے قصے کہانیاں تیار کیں اور ان میں بڑے مبالغے سے کام لیا، میدان جنگ میں مقابلہ کرنے والوں کی طرف ایسے اچھے اور موثر رجز اور اشعار منسوب کئے ہیں میں اصلیت کا حصہ بہت کم ہے، پھر بھی اس ننگ وعار سے بھرے معرکے کا بیان نہ کرسکے اور ادب اپنی زرخیزی اپنے اثر اور اپنی قوت کے باوجود کب یہ کرسکا کہ دردناک واقعات کا ہو بہو نقشہ کھینچ دے اور اگر اسے یہ بتانا ہو کہ کس طرح بھائیوں نے بھائیوں کو قتل کردیا، باپ کس طرح بیٹے پر اور بیٹے کس طرح باپ پر جھپٹ پڑے تو وہ ان کیفیتوں کی بعینہ تصویر پیش کردے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سنکر کہا تھا، ”اب تک تم اس اونٹنی سے دودھ دوہتے رہے آج کے بعد سے دودھ کی جگہ خون نکلے گا“ اندازہ کیجئے نبیؐ کے اس صحابیؓ نے کسقدر سچ کہا تھا،

طرفین کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی اس کی گنتی میں راویوں کا اختلاف ہے، بعضوں نے بیس ہزار لکھا ہے بعض نے دس ہزار سے زیادہ نہیں بتایا، ان اعداد وشمار میں کافی مبالغے سے کام لیا گیا ہے، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے بہت سے گھر ماتم کدے بنے ہوئے تھے،

یہ اس خلافت کی بدفال ابتدا تھی جس سے مسلمان سراسر خوش بختی اور برکت کے متوقع تھے حضرت علیؓ کی خلافت پر ابھی چند ماہ کی مدت بھی نہیں گذری تھی، کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں اور وہ ایک دوسرے کیلئے خوفناک اور خطرناک بن گئے،

حضرت علیؓ بصرہ میں

معرکہ کے تین دن بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے، مسجد پہنچ کر نماز پڑھی اور لوگوں سے ملنے کے لئے دوپہر سے پہلے بیٹھ گئے، اور جب شام ہوئی تو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عائشہ سے ملاقات کے لئے سوار ہوئے، اور عبداللہ ابن خلف خزاعی کے گھر آئے، جو بصرہ کا سب سے بڑا گھر تھا، گھر کی مالکہ صفیہ بنت حارس عبدریہ بری طرح پیش آئی، اس نے کہا دوستوں کے قاتل جماعت کو منتشر کرنے والے، خدا تیرے لڑکوں کو یتیم کردے، جس طرح تو نے عبداللہ کے لڑکوں کو یتیم کردیا اس کا شوہر عبداللہ بن خلف اور اس کا بھائی عثمان دونوں معرکے میں قتل کیئے جا چکے تھے، حضرت علیؓ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور سیدھے حضرت عائشہ کے پاس پہنچے اور بیٹھنے کے بعد کہا، صفیہ مجھ سے بری طرح پیش آئی میں نے اسے اس وقت دیکھا تھا جب وہ بچی تھی، اس کے بعد سے آج دیکھا، پھر آپ نے حضرت عائشہ سے کچھ باتیں کیں اور واپس ہوئے، واپسی پر صفیہ پھر سامنے آئی اور اپنی باتیں دہرانے لگی، حضرت علیؓ نے چاہا کہ اس کو خاموش کردیں، چنانچہ بند کمروں کے دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے، "میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان دروازوں کو کھولوں اور جو لوگ کمروں میں ہیں انہیں قتل کردوں" یہ سن کر صفیہ چپ ہو گئی، اور سامنے سے ہٹ گئی، ان کمروں میں حضرت عائشہؓ کے بہت سے زخمی ساتھی تھے حضرت عائشہ نے ان کو ان کمروں میں جگہ دی تھی، اور اچھا ہو جانے تک ان کی تیمارداری کا انتظام کیا تھا، ــــ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ارادہ ان کو قتل کردینے کا نہ تھا، بلکہ اس طرح آپ نے اس قریشیہ کو ڈرایا اور اس سے پیچھا چھڑایا،

حضرت علیؓ کے بعض ساتھیوں نے صفیہ کو پکڑنا چاہا، لیکن آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹا، اور فرمایا ہمیں تو مشرک عورتوں تک سے روکا جاتا تھا، اور جو شخص عورت کو مارتا اس کی اولاد تک کو طعنہ دیا جاتا تھا، خبردار! اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کسی نے کسی عورت سے اس لئے تعرض کیا کہ اس نے تم کو اذیت دی ہے یا تمہارے حاکموں کو گالی دی ہے تو میں سخت سزا دوں گا،

ابھی آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ کوفہ کے دو آدمی آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کو سنانے کیلئے اونچی آواز سے سخت الفاظ زبان سے نکالے، ایک نے کہا، "ہماری ماں کو نامہربان ہونے کی سزا ملی" ، دوسرے نے کہا، "اماں توبہ کر لیجئے آپ سے قصور ہوا ہے" ،

حضرت علیؓ نے ان دونوں کو اور ان کے ساتھیوں کو بلوایا اور یہ ثابت ہونے کے بعد کہ ان دونوں نے یہ بات کہی ہے، سرسری طور پر ان کو قتل کر دینے کا حکم دیا، پھر سزا میں تخفیف کر دی اور ہر ایک کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا،

بصرہ والوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ ایک ایسے شریف آدمی کا سا تھا جو قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے ۔ مالک ہونے پر بھی نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے، حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ بصرہ والوں کے ساتھ میرا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسا مکہ والوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا،

اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور ان کی بیعت لی، ان میں تندرست تھے اور زخمی بھی، پھر بیت المال میں آئے اور جو کچھ اس میں تھا لوگوں میں تقسیم کر دیا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے بیت المال سے صرف اپنے ساتھیوں کو دیا، بصرہ والوں کو نہیں دیا، آپ نے وعدہ کیا کہ اگر خدا نے شامیوں کے مقابلے میں کامیابی دی تو عطیات کے علاوہ اتنا ہی وہ ان کو دیں گے، حضرت علیؓ کی سیرت سے جو بات میل کھاتی ہے، وہ یہ کہ آپ نے فاتح اور مفتوح میں تقسیم کیا، یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے باغی خفا تھے کہ حضرت علیؓ نے دوست دشمن میں تمیز نہیں کی اور اس کی اجازت نہیں دی کہ شکست کے بعد جو کچھ ملا ہے وہ لے لیا جائے، چنانچہ ایک نے کہا، "ان کا خون تو ہمارے لئے حلال کیا لیکن ان کا مال حرام کر دیا"

بعض مورخوں نے کہا ہے کہ طبری اور اس کے راوی جن باغیوں کو سبائی کہنا پسند کرتے ہیں وہ بصرہ سے بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ چلے آئے، جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو بصرہ چھوڑنے میں جلدی کرنا پڑی کہ کہیں کوفہ جا کر یہ کچھ گل نہ کھلائیں، لیکن غالباً ان کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بطور اظہار ناراضی ان لوگوں نے دبی زبان میں کچھ کہدیا ہو، اور بس جس طرح اشتر کے متعلق روایتوں میں ہے کہ جب بصرہ کا حاکم حضرت علیؓ نے عبداللہ ابن عباس کو بنایا تو انہوں نے کہا، یہی ہونا تھا تو پھر بوڑھے کو ہم نے کیوں قتل کیا، آج بصرہ کے حاکم عبداللہ ہیں، یمن کے عبیداللہ مکہ کے قثم اور یہ سب کے سب بنی عباس میں سے ہیں، طبری کے راویوں کا خیال ہے کہ اشتر خفا ہو کر بڑی تیزی سے کوفہ چلا آیا تو حضرت علیؓ نے بھی

کوچ کا حکم دیا تاکہ کوفہ میں اشتر کے کچھ کرنے سے پہلے جا پہنچیں،

میرا خیال ہے کہ یہ سب پچھلے راویوں کی کھینچ تان ہے لوگوں کو تو خلفا کی کتنی ہی باتوں پر اعتراض رہا ہے لیکن یہ اعتراضات صرف زبان تک محدود ہیں،

لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ پر اعتراض کیا، حضرت فاروق اعظمؓ پر نکتہ چینی کی، ابتدائی دور خلافت میں حضرت عثمانؓ پر بھی لوگ معترض رہے لیکن اعتراض کی حد سے آگے نہیں بڑھے،

اس بات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ بصرہ میں کتنے دن رہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایک مہینہ بھر یا اس سے بھی کم، ایک اور جماعت کہتی ہے کہ دو ماہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ، ہمارا رجحان ہے کہ بصرہ میں آپ کا قیام طویل نہ تھا، آپکے پیش نظر کچھ معاملات تھے جن کا نظم کر دینے کے بعد بعجلت کوفہ چلے گئے، تاکہ شامیوں سے جنگ کی تیاری کی جا سکے، سب سے اہم معاملہ بصرہ کے معرکے اور اس کے نتائج سے فرصت حاصل کرنا تھا اور یہ اطمینان کرنا کہ واپسی کے بعد وہاں کے عمالؓ خاطر خواہ رہیں گے لوگوں کو امن پسند اور صلح جو دیکھ کر آپ چشم پوشی کرتے اور اپنے خوش ہونے کا اعلان فرماتے خوفزدہ لوگوں کو مطمئن کرتے، دشمنوں کے ٹھکانوں سے تجاہل فرماتے،

بنی امیہ کی جماعت سے آپ نے تجاہل کیا، اس جماعت کے افراد معرکے میں زخمی ہو کر ڈرتے تھے کہ حضرت علی انہیں معاف نہیں کر سکتے، چنانچہ وہ ادھر ادھر پھیل گئے، انہوں نے ممتاز عرب گھرانوں میں پناہ مانگی، معزز عربوں نے انہیں پناہ دی۔ تیمارداری کر کے انہیں محفوظ مقامات پر پہنچا دیا حضرت علیؓ یہ سب کچھ جانتے تھے، لیکن مخفی رکھتے تھے، کیونکہ معرکے کے بعد آپ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں چاہتے تھے، آپ جانتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے بہت سے زخمیوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے، لیکن آپ نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا، البتہ یہ بتا دیا کہ آپ ان سے واقف ہیں، اور جب صفیہ بن حارثؓ نے برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیتے ہوئے سامنے آئی تو آپ نے اس کا اظہار کر دیا، عبداللہ ابن زبیرؓ بہت زیادہ زخمی ہو کر چھپے تھے، ام المومنین کو قاصد کے ذریعہ اپنی جگہ کی خبر کی اور کہا کہ محمد ابن ابو بکر کو پتہ نہ چلنے پائے، ام المومنین نے اپنے بھائی محمد کو ہی حکم دیا کہ بھانجے کے پاس جاؤ اور محمد تک پہنچا دو، محمد گئے اور انہیں لے آئے راستے بھر ماموں بھانجے لڑتے اور ایکدوسرے کو برا بھلا کہتے رہے، محمد عثمان کو اور عبداللہ اپنے ماموں محمد کو گالیاں دیتے رہے،

اس طرح امن و عافیت اور رواداری کی فضا زیادہ سے زیادہ پھیلتی گئی، اور دلوں کا ہیجان سکون پذیر ہوتے ہوتے اس میں حسرتیں چھوڑتا گیا، قوت اور کمزوری کے اعتبار سے جیسا دل تھا ویسی ہی حسرت۔

محدثین اور مورخین کی روایتوں کے مطابق مفتوحین میں حضرت عائشہ کی حسرت اور ندامت بڑی شدید قسم کی تھی وہ " قرن فی بیوتکن " والی پوری آیت تلاوت فرمائیں اور روتیں، اتنا روتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا اور فرمائیں کاش مجھے آج سے بیس سال پیشتر موت آجاتی۔ حجاز واپس آجانے کے بعد کہا کرتیں، "بخدا یوم جمل سے اگر میں بیٹھ رہتی تو مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے دس لڑکے پیدا ہوتے۔"

فاتحین میں خود حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی مغموم اور حسرت زدہ نہ تھا، آپؓ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ ہی نہیں لیتا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے

اشکوالیک عجری وبجری	اے خدا غم کے احساسات اور کمزوریوں کی تجھ سے فریاد ہے۔
شفیت نفسی وقتلت محشری	اپنی قوم کو قتل کر کے میں نے اپنی پیاس بجھائی ہے،

حضرت عائشہؓ کی طرح آپ بھی کہا کرتے تھے کہ "کاش آج سے بیس سال قبل مجھے موت آچکی ہوتی" بصرہ چھوڑنے سے پہلے آپ اہم امور سے فراغت چاہتے تھے، ان میں حضرت عائشہ کو مدینہ منورہ بھجوانا بھی تھا، تاکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے گھر میں بیٹھیں، آپ نے جلدی کی لیکن حضرت عائشہؓ نے مہلت طلب کی غالباً وہ اپنے زخمیوں کے سلسلے میں پوری طرح مطمئن ہونا چاہتی تھیں حضرت علیؓ نے مہلت دی اس کے بعد آپ نے مرتبہ کے مطابق سواری کا انتظام کر دیا اور عورتوں اور مردوں کی ایک جماعت ساتھ کر دی، اپنے سفر کے دن حضرت عائشہ نکلیں تو لوگوں نے ان کو سلام کیا اور انہیں رخصت کیا، حضرت عائشہ نے لوگوں کو بھلائی کا حکم دیا، اور ان کو بتایا کہ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، جو ایک عورت اور اس کے شوہر کے بھائی کے درمیان ہوتا ہے، حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کی تصدیق کی اور ساتھ ساتھ چلتے رہے تا آنکہ

بہت دور ہو گئے، پھر آپ نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا اور وہ دن بھر ساتھ چلتے رہے دوسرے دن واپس آگئے،

حضرت علیؓ نے بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا حاکم مقرر کیا، اور ہمارا خیال ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو آپ مقرر نہیں کر سکتے تھے، بصرہ میں مضریوں کی اکثریت تھی، اور ضروری تھا کہ معرکے کے بعد بصرہ کا حاکم ایک ایسا مضری شخص ہوتا، جس کی حضرت علیؓ سے قریبی قرابت ہوتی، خراج پر حضرت علیؓ نے زیاد کو مقرر کیا اور کوفہ روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچنے پر آپنے لوگوں کو خائف پایا، اور مغموم مغموم وہ لوگ تھے، جن کے بیٹے بھائی یا باپ معرکے میں مارے گئے تھے اور خائف وہ لوگ تھے جو گھروں میں بیٹھے رہے اور معرکے میں حصہ نہیں لیا، وہ ڈر رہے تھے کہ ان پر عتاب ہو گا، لیکن حضرت علیؓ نے دونوں سے ہمدردی کی اور شامیوں سے جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے ۔

شام کی لڑائی

بصرہ کی لڑائی کا نام حضرت علیؓ نے غداروں کی لڑائی رکھا تھا، اور شام کی لڑائی کو وہ گمراہوں کی لڑائی کہا کرتے تھے، اس لئے کہ بصرہ والوں نے بیعت توڑ دی تھی، اور شام والے راہِ حق سے منحرف تھے، غداروں کی لڑائی سے فراغت پاتے ہی، حضرت علیؓ نے گمراہوں سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی، نہ اپنے آرام کا کچھ خیال کیا اور نہ ساتھیوں کے ساتھ کچھ رعایت روا رکھی ماہِ رجب کے اواخر میں آپ کوفہ پہنچے، اور چار ماہ تک قیام کر کے جنگ کی تیاری کر لی، آپ کے ساتھیوں نے بھی اپنے آرام کا کچھ خیال نہیں کیا، ان کو فتح کا جوش تھا اور چاہتے تھے، ایک فتح میں دوسری فتح کا اضافہ کر لیں، اور جو لڑائی میں شریک نہیں تھے وہ اپنی غیر حاضری کی تلافی کے لئے بیتاب تھے، اور چاہتے تھے کہ آنیوالی جنگ میں سرفروشی اور ثابت قدمی سے حضرت علیؓ کو راضی کر لیں، آنے والی جنگ میں غیر معمولی قربانی، اور زبردست پامردی کی ضرورت تھی، شام کا حریف بہت بڑا تھا، اس کے پاس فوج کی خوفناک اور سخت قوت تھی، اور اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ابوسفیان کا لڑکا ہے، جس نے بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس جنگ میں وہ زبردست آزمائش کے دور سے گذرا اور چالبازی کا مظاہرہ بھی کیا آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام، تب مسلمان ہوا،

حضرت معاویہؓ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی، ساتھ ہی سنگدلی چالاکی، چالبازی، اور لچک بھی ملی، پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض اور عداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں مسلمانوں نے معرکہ بدر میں ان کو ڈرایا دھمکایا تھا مشرکوں نے اُحد کے معرکے میں اس کا بدلہ لے لیا لیکن پھر بھی ان کے کینے اور دشمنی کی آگ فتح مکہ تک بھڑکتی رہی اس کے بعد شوہر کی طرح اسلام لاتے پر مجبور ہوئیں

حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنایا اور بنائے رکھا حالانکہ والیوں کو بدلتے

رہنے کی ان کی بڑی خواہش تھی، حضرت معاویہؓ نے شام اور شامی فوجوں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا اور رومیوں کے بالمقابل جو ثابت قدمی دکھائی، حضرت عمرؓ اس سے مطمئن تھے، حضرت معاویہؓ کو فتوحات کا غیر معمولی حوصلہ تھا وہ چاہتے تھے کہ بری لڑائیوں کی طرح بحری لڑائیاں بھی لڑیں، حضرت عمرؓ ان کو اس سے روکتے تھے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت معاویہؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ کے تمام حاکموں کو بدل دیا حضرت معاویہؓ کو باقی رکھا اور ان سے حضرت عمرؓ کی طرح خوش رہے۔

انھوں نے حضرت معاویہ پر اپنے تمام گورنروں سے زیادہ بھروسہ کیا، اس لئے کہ وہ رشتہ دار تھے اور مصائب کی شدید تاریکیوں میں بھی وہ ہمت نہیں ہارتے تھے حضرت عثمانؓ کے گورنر جب کبھی کوفہ اور بصرہ کے بعض مخالفوں سے تنگ ہوئے تو ان کو شام بھجوا دیا جہاں حضرت معاویہؓ نے ان کو نرمی یا سختی سے جیسی ضرورت سمجھی ٹھیک کیا،

اس کتاب کے پہلے حصے میں جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت معاویہؓ کو ایک جلیل القدر صحابی سے بڑی کوفت اٹھانی پڑی، یہ صحابی حضرت ابوذرؓ ہیں، ان کو حضرت معاویہؓ اپنی گرفت میں نہ لا سکے اور نہ مال و دولت کے جال میں پھنسا سکے اس لئے کہ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں ہیں، ان کو آپ کی خوشنودی کا ایک خاص مرتبہ حاصل ہے،

حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے مدینہ بھجوا دینے کا حکم دیا پھر خود حضرت عثمانؓ بھی حضرت ابوذرؓ کی مخالفت کی تاب نہ لا سکے اور انھیں مدینہ سے نکال کر ربذہ میں قیام پر مجبور کیا، اور وہیں وہ اللہ کی رحمت کو پہنچے۔

حضرت عثمانؓ کے آخری دنوں میں جب لوگوں کی مخالفت کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تو حضرت معاویہؓ ان کے پاس آئے اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ ان کے ہمراہ شام چلے چلیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس چھوڑنا منظور نہیں کیا پھر یہ تجویز پیش کی کہ مدینے میں وہ شامیوں کی ایک فوج بھیجدیں جو آپ کی محافظ رہے، حضرت عثمانؓ نے یہ بھی منظور نہیں کیا اور کہا کہ مدینے والوں کو وہ فوج کے ہاتھوں تنگ کرنا نہیں چاہتے، تب حضرت معاویہؓ نے مہاجرین کو ہدایت کی کہ وہ بڑے حضرت کا خیال رکھیں اور کہا ان کے معاملہ میں اگر کوتاہی اور زیادتی ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا،

لیکن اس کے بعد جب وہ شام پہنچتے ہیں اور انھیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مخالفت میں شدت پیدا ہو گئی

پھر یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا گیا تو نہ مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور نہ فوج کا کوئی دستہ بھیجتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ان کو اور گورنروں کی طرح حضرت عثمانؓ کا طلب امداد کا خط پہنچتا ہے، تو دوسرے گورنروں کی طرح یہ بھی دیر کرتے ہیں، اتنی دیر کہ باغی حضرت عثمانؓ کا کام تمام کر چکتے ہیں اور جب سب کچھ ہو لیتا ہے تو خون کے بدلے کا دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں، اگر اس خون کی حفاظت مقصود ہوتی تو اس کے بہنے سے پہلے اقدام ضروری تھا، لیکن جب وقت تھا تو شام میں چپ چاپ بیٹھے رہے اور ایک نڈر کی طرح مناسب فرصت کا انتظار کرتے رہے اور جیسے ہی موقع ہاتھ آیا، پھر اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ہاں مگر دونوں آنکھیں بند کر کے نہیں وہ بڑے محتاط اور گہرے غور و فکر کے آدمی تھے، اسی کے ساتھ چست و سرگرم بھی ہمیشہ انھوں نے اپنے کاموں میں عقل اور بصیرت کو پیش نظر رکھا، ابتدا میں لوگوں کو اپنی امداد کی طرف ایک گونہ بے نیازی سے متوجہ کیا، زیادہ زور مظلوم خلیفہ کے قتل کی اہمیت پر صرف کیا اور اس کی ہولناکی اس طرح پیش کی کہ شامیوں کے دل و دماغ پر قابو پا لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے کہیں زیادہ خود شامی غیظ و غضب میں بیتاب حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ طلب کرنے لگے، اور چاہا کہ جلد سے جلد اٹھ کھڑے ہوں، لیکن حضرت معاویہؓ نے ان کو روکا، احتیاط کے پیش نظر دیر لگائی اور دلجوئی کی ہر تدبیر پر عمل کیا، کچھ لوگوں کو ڈرایا، دھمکایا، کچھ لوگوں کو امیدیں دلائیں، شوریٰ کے ممبروں کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی کہ کیا کرتے ہیں، اور کہاں جاتے ہیں ان میں بعضوں کو بنی امیہ کے آدمیوں کے ذریعے خفیہ طور پر سبز باغ دکھائے اور بعضوں کو دھمکیاں دیں اور جب دیکھا کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون پر اس قدر برہم ہیں کہ مکہ چلے آئے ہیں، اور حضرت علیؓ سے مقابلے کے لئے مشورے کر رہے ہیں تو ان کو اپنے ہاں نہیں بلایا اور نہ ان کی امداد کے لئے کوئی فوج بھیجی، البتہ اپنے حامیوں کے ذریعے انکو اسکا یقین دلایا کہ شام بلکہ مصر کی طرف سے اطمینان رکھیں حضرت معاویہؓ اس کے لئے کافی ہیں اب ان کو چاہیئے کہ عراق پر خود قابض ہو جائیں تاکہ حضرت علیؓ حجاز میں محصور ہو جائیں اور مغربی و مشرقی سمت سے جو حملہ بھی ہو اس سے نہ بچ سکیں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بنی امیہ کی طرف سے آنے والی اس آواز کے رخ پر چل پڑیں اور بصرہ جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں پہنچکر بصرہ والوں کو اپنے ساتھ لیں گے اور کوفہ پر حملہ کر دیں گے اور جب عراق قبضہ میں آجائے گا توان کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان حضرت علیؓ

کے خلاف مشترک تعاون کی صورت پیدا ہو جائے گی اور پھر سہ طاقتی خلافت کی تنظیم عمل میں آسکے گی جس کے ارکان ثلاثہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ ہوں گے اور جس کا مطالبہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت کے بعد کیا تھا اور اسے آپ نے مسترد کر دیا تھا،

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور شامیوں سے جنگ کی جو تیاری کر رہے تھے اس سے اپنی توجہ ہٹا کر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں غور کرنے لگے آپ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو اطاعت کے لئے آمادہ کریں گے اور اگر یہ اپنی بات پر اڑے رہے تو پھر اُن سے جنگ کریں گے، حضرت معاویہؓ کو ان بزرگوں کی مشغولیت سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ مطمئن ہو کر اپنا معاملہ ٹھیک کرنے لگے غالباً وہ خیال کرتے تھے کہ ان بزرگوں کی یہ باہمی آویزش ایک کو دوسرے سے خائف بنا کر کمزور کر دے گی، پھر ان کی ہوا اکھڑ جائے گی اور وہ خود ان میں سب سے زیادہ طاقت اور شوکت کے مالک بن جائیں گے اور بقول ایک قدیم شاعر کے وہ ایسے بہادر ہوں گے جو اژدہے کی طرح زہر پھونکتا ہے [1]

چنانچہ ان مہاجر اور انصار بزرگوں نے لڑائی کی، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مارے گئے حضرت عائشہؓ مدینے میں اپنے گھر واپس آئیں اور کوفہ اور بصرہ کے بہت سے لوگ مارے گئے، اور وہاں کے بہت سے گھر ماتم کدہ بن گئے، اب جو حضرت معاویہؓ نے آنکھ اٹھائی تو ان کو نظر آیا کہ حضرت علیؓ سے براہ راست مقابلہ ہے لیکن پھر بھی انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ لڑائی کا تذکرہ تک درمیان میں نہیں آنے دیا۔ قوت بڑی زبردست تیاری بھرپور ساتھی اور حامی سب کے سب خوشحال، اور فارغ البال، جان ومال کے خطرے سے محفوظ، پھر سب کے سب محبت کا دم بھرنے والے ہر طرح کی حمایت اور خدمت کے لئے تیار اور اس بات پر متفق کہ حضرت معاویہؓ اپنے چچازاد بھائی مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ ضرور لیں،

ادھر حضرت علیؓ کا یہ حال کہ ایک بڑی ناگوار جنگ میں معرکہ آرا رہے، جس میں خود ان کی جماعت اور حریفوں کی بہت جانیں گئیں، دشمن آپ سے ناراض و نالاں کہ ان کے آدمیوں کو قتل کر کے ان کو نقصان عظیم پہنچایا، دوست اور بھائی اس لئے ناراض کہ بصرہ میں ان کے بھائیوں کا خون بہایا، اب اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ سیرت اور سیاست دونوں اعتبار سے حضرت علیؓ اور

---

[1] مطرق ینفث سما صما … اطرق افعی ینفث السم صل

حضرت معاویہؓ میں بڑا فرق تھا تو بات تمھاری سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت معاویہؓ بڑے اطمینان، اعتماد اور قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے انتظار میں تھے دونوں کے درمیان فرق کا یہ عالم کہ حضرت علیؓ تو، صدیقی فاروقی اور ابتدائی عثمانی دور کے مسلمانوں کی طرح خلافت کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں میں وسیع ترین معنوں میں ایسا انصاف جاری کریں جس میں کسی کو کسی پر فوقیت نہ ہو، ان کا یہ بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کریں اور خرچ بھی صرف واجبی ہو، بیت المال سے صلے اور انعامات گوارہ نہ کریں اپنے اور گھر والوں کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ نہ لیں، بلکہ کم میں کام چل سکتا ہو تو چلالیں، حضرت علیؓ بیت المال میں دولت جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ جمع تھا وہ اس کو مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے اور اگر کچھ بچ رہتا تو انصاف کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے، حضرت علیؓ کو یہ بات پسند تھی کہ بیت المال میں داخل ہوں، اور مفاد عامہ میں خرچ سے بچا ہوا کچھ پائیں تو انصاف سے اس کو تقسیم کردیں اور پھر جھاڑو دینے کا حکم دیں اس کے بعد بیت المال کو پانی سے دھلوائیں، پھر اس میں دو رکعت نماز پڑھیں اور یہ فرمائیں کہ بیت المال کو ایسا ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ ہر وقت داد و دہش فرماتے رہتے، لیکن عدل و انصاف کی مقررہ بنیاد پر، اب رہی حضرت معاویہؓ کی سیرت تو اس کی ترجمانی میں کم سے کم جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ وہ ایسے پختہ کار چالاک اور فیاض عرب کی سیرت ہے جو لوگوں کو اپنی گنجائش کے مطابق دیتا ہے امرا اور افسروں میں سے جن کی دلجوئی چاہتا ہے کرتا ہے ایسا کرنا اس کے نزدیک نہ کوئی جرم ہے نہ کوئی گناہ، گویا حرص و طمع رکھنے والوں کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس وہ سب کچھ تھا جو وہ چاہتے تھے اور حضرت علیؓ کے پاس صرف چیز تھی جو دنیا سے بے رغبت لوگوں کو پسند ہے حضرت علیؓ کی سیرت کا اندازہ لگایئے کہ ایک دن ان کے بھائی عقیل ابن ابی طالب اُن کے پاس آئے اور کچھ امداد طلب کی تو آپ نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے کہا ــــ "جب میرا وظیفہ ملے تو اپنے چچا کو ساتھ لیکر بازار جانا اور ان کے لئے نیا کپڑا اور نیا جوتا خرید کر دینا" اب ذرا حضرت معاویہ کی سیرت پر نظر ڈالیئے کہ یہی عقیل ابن ابی طالب بھائی کی امداد سے ناخوش ہوکر ان کے پاس آتے ہیں تو وہ بیت المال سے ایک لاکھ کی امداد پیش کرتے ہیں،

یہ تھا حضرت معاویہؓ کا سیاسی مسلک جس پر وہ اعتماد کرتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ اس طرح وہ ہر اس شخص کو اپنے ساتھ کرلیں گے جو دنیا کی کوئی غرض رکھتا ہو، پھر ان کی یہ نوازشیں صرف شامیوں تک

محدود نہ تھیں بلکہ بنی اُمیہ کے آدمی حجاز تک حضرت علیؓ کی اطاعت کرنے والوں میں سے جن کو چاہتے، عطیات اور مالی امداد پہنچاتے تھے، عراق میں بھی حضرت معاویہؓ کے جاسوس موجود تھے جو مخفی طور پر قیمیں دبا کرتے تھے، اور لوگوں کو ڈراتے اور امیدیں دلاتے تھے، حضرت علیؓ میں ایسی کوئی بات نہ تھی ان کو حرص تھی تو یہ کہ مال کی امانت میں کہیں کوئی خیانت نہ ہو جائے، عہد و پیمان میں کہیں کوئی فرق نہ آجائے دین کے معاملے میں کوئی کمزوری راہ نہ پا جائے، ان کو بغض تھا تو اس بات سے کہ بیت المال کا ایک درہم بھی بے جا یا ناحق خرچ ہو جائے، ان کو دشمنی تھی تو مکاری سے، چالبازی سے اور ہر اس چیز سے جو پرانی جاہلیت سے وابستہ ہو، آپ کے سامنے حق کی روشن راہ تھی، اسی پر آپ پختہ ارادے کے ساتھ چلے اور اسی کی اپنے ساتھیوں کو دعوت دی، آپ کے سامنے باطل بھی بالکل واضح تھا جس سے وہ جان بوجھ کر دور رہے اور ساتھیوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ قصداً اس سے دور رہیں ان وجوہ اور اسباب کی بنا پر آپ کے ایسے ساتھی تھے جو آپ سے محبت اور خلوص رکھتے تھے آپ کے اقتدار کے لئے اپنی جان و مال پیش کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ کوفہ میں قیام کرتے ہی آپ کے ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ شامی دشمنوں سے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں، لیکن آپ نے اس کے باوجود شام کی طرف کوچ کرنے سے انکار کر دیا، الّا یہ کہ پہلے حضرت معاویہؓ کے پاس سفیروں کو بھیج دیں اور انھیں دعوت دے دیں، کہ لوگوں کی طرح وہ بھی اطاعت قبول کر لیں تاکہ آپ کی دلیل پر زور ہو جائے، اور جو بھی ساتھ دینا چاہے وہ آپ کے معاملے میں روشنی میں ہو، اور خدا کی ہدایت کے ماتحت۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

سفراء کے ذریعے گفت وشنید

ایک صحابی ہیں جریرؓ بن عبداللہ بجلیؓ، حضرت علیؓ نے انھیں کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ بیعت کا مطالبہ کریں اور مطالبے کے حق میں دلیل پیش کریں، جریرؓ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے گفتگو کی اور ساتھ ہی نصیحتیں بھی کیں، جریر نے اپنی گفتگو اور نصیحت میں کافی زور صرف کیا، اور آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت معاویہؓ خاموشی سے سنتے رہے، کسی بات کا جواب نہیں دیا، ہاں جریرؓ سے باتیں کہلواتے رہے، پھر شام کے معززین اور مرکزی مقامات کے رئیسوں کو بلوایا اور حضرت علیؓ کے مطالبے کا تذکرہ کرکے ان سے مشورہ چاہا، ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کے خون کی اہمیت بتائی اور مظلوم خلیفہ کے ساتھ وفاداری اور ان کے قصاص کے مطالبہ پر ان کو ابھارا،

اب عمروبن العاصؓ سامنے آتے ہیں جو چالاکی، چالبازی اور داؤ پیچ میں حضرت معاویہؓ سے کسی طرح کم نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کردیا تھا اسی وقت سے یہ ان سے خفا تھے، جب فتنے کا زمانہ آیا تو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرتے رہے ان کی خفیہ مخالفت اُن کے ظاہری اختلاف سے زیادہ سخت تھی چنانچہ جہاں تک ان سے ہوسکتا وہ مخفی طور پر لوگوں کو جمع کرتے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتے ایک مرتبہ تو انھوں نے مسجد میں علانیہ حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرکے کہہ دیا،

"آپ تو لوگوں کو ساتھ لئے مصیبت کے غار میں چلے آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ یہاں پہنچے اب آپ توبہ کیجئے تو ہم بھی توبہ کریں"، حضرت عثمانؓ پر اس کا بہت برا اثر پڑا، پھر جب فتنے میں شدت پیدا ہوگئی اور عمروبن العاصؓ نے سمجھ لیا کہ مصیبت بہرحال نازل ہوکر رہے گی تو اسی میں خیریت دیکھی کہ اس وقت میں کنارہ کشی اختیار کرلیں چنانچہ اپنی فلسطین والی زمین میں چلے گئے اور وہیں ٹھہر کر حالات و واقعات کا پتہ چلاتے رہے فلسطین کے اس سفر میں ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور محمد بھی ساتھ تھے، عبداللہ ایک راستباز

مخلص دین دار، اور دنیا سے بے تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر سیرت نبویؐ سے بہت کچھ فیض یافتہ، فضولیات سے بالاتر، تقویٰ طہارت کی زندگی جیتے تھے، لیکن ان کے بھائی محمد اور وہ بھی قریشی نوجوان تھے، ان میں دنیا سے بے رخی نہ تھی بلکہ دوسرے نوجوانوں کی طرح ان کو بھی خوش حالی ترقی اور شہرت کی غیر معمولی خواہش تھی،

عمرو بن عاصؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ فلسطین ہی میں تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پہنچی اسُن کر کہنے لگے، میں ابو عبداللہ ہوں جس پھوڑے کو میری انگلیاں کھجلا دیں کیا مجال کہ پھر وہ خون آلود نہ ہو جائے" مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت اور فتنے کی راہ انھوں نے ہی ہموار کی تھی، اور تحریک کامیاب ہوئی اس کے بعد اطلاع آئی کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے اور یہ کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں شام کے لوگ حضرت معاویہؓ کے ہمنوا ہیں، اب عمرو بن عاصؓ نے اپنے دونوں لڑکوں سے تبادلہ خیال کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو سامنے رکھ کر اپنی جگہ کہاں ہونی چاہیئے؟ عبداللہ نے مشورہ دیا کہ جب تک یہ انتشار اور خلفشار رہے آپ الگ ہی رہیئے پھر جب لوگوں میں یک جہتی اور اتفاق ہو جائے گا تو مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جانا، عبداللہ نے اپنے باپ پر زور ڈالا اور ان کو یاد دلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ آپ سے راضی رہ کر دنیا سے اٹھے اس قدر و منزلت کو ضائع نہ کیجئے، محمد نے کہا آپ تو عرب کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں، ایسے وقت میں جبکہ معاملات کی توڑ جوڑ جاری ہے آپ کی غیر حاضری مناسب نہیں میرا تو یہ مشورہ ہے کہ آپ حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیجیئے،

عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ کا مشورہ میرے دین اور میری آخرت کے لئے مفید ہے اور محمد کی بات میری دنیا کے لئے، رات بھر طرح طرح کے خیالات میں غلطاں و پیچاں جاگتے رہے حضرت علیؓ کی بیعت گوارا نہ تھی اس لئے کہ اس بیعت سے کسی نفع کی امید نہ تھی نہ گورنری مل سکتی تھی، نہ حکومت میں حصہ اس لئے بھی کہ حضرت علیؓ ان کو ایک معمولی مسلمان کی پوزیشن میں رکھیں گے جو سب کے لئے وہ الگ کے لئے، حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی اہلیت سے بڑی چیز کا حوصلہ کریں گے پھر یہ کہ یہ دین کے معاملے میں غیر مناسب ڈھیل ہے، پھر عمرو بن عاصؓ نے غور کیا

اور خوب غور کیا، بڑی دیر کے تکرد تامل کے بعد ارادہ کیا کہ نفس کو لوگوں سے علیحدگی پر رضامند کرلیں، لیکن گمنامی اور انتظار کی زندگی برداشت نہ ہوسکی،

عمروؓ کو مصر کی گورنری ابھی بھولی نہ تھی جس کا موقع عہد فاروقی میں ملا تھا اور جس سے معزولی پر حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا شوق آپ کے دل کی آرزو بنا رہا، اور جب صبح ہوئی تو یہ طے کرچکے تھے کہ حضرت معاویہؓ سے جاملیں گے چنانچہ فلسطین سے دمشق آئے لڑکے بھی ساتھ تھے یہاں آ کر دیکھا کہ شامی حضرت معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں، فوراً ہی ان کی صف میں کھڑے ہوگئے اور حضرت معاویہؓ سے ملنے لگے اور اپنی ملاقاتوں میں مظلوم خلیفہ کے معاملہ کی اہمیت جتاتے رہے، حضرت معاویہؓ ان کی سب باتیں سنتے مگر بے توجہی کے ساتھ، اُن کے خیال میں ابھی اور رکے رہنا مناسب تھا، ادھر شامی جنگ کے لئے بے تاب تھے اور خیال کرتے تھے کہ لڑ کر مظلوم خلیفہ کا حق ادا کریں گے ساتھ ہی دین کا ایک فرض بھی انجام دیں گے، عمروؓ لڑائی کے لئے اس لئے جلدی کر رہے تھے کہ حضرت معاویہؓ کو ان کی ضرورت پڑے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ کی پہلوتہی بڑھتی جارہی ہے تو ایک دن ملاقات کے دوران میں کھل کر گفتگو کی، جس کے بعد حضرت معاویہؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے، اور پھر توجہ کی، اور کوشش کرنے لگے کہ کچھ قول وقرار کر کے ان کو ساتھی بنالیں، ہوا یہ کہ عمرو بن عاصؓ نے حضرت معاویہؓ سے اس بے رخی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق پر تم نہیں ہو حق پر تمھارا حریف ہے اور تمھاری کامیابی اور تمھارا ساتھ دنیا کا راستہ ہے دین کا نہیں میں تمھارا ساتھ دینا چاہتا ہوں، اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں، یہ میری بڑی قربانی ہے،

یہ سُن کر حضرت معاویہؓ سمجھ گئے اور یقین کرلیا کہ اگر عمرو واپس چلے گئے تو وہ کوئی گہری چال چلیں گے خیریت اسی میں ہے کہ ان سے سمجھوتہ کر کے اپنا بنالیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اور جس کے لئے بیتاب ہیں انھیں دے دیں، علاوہ ازیں وہ ایک لڑاکا اور چالاک کھلاڑی ہیں، انھوں نے فلسطین فتح کیا مصر فتح کیا، فاروق اعظمؓ اُن سے زندگی بھر مطمئن رہے اور ان سب باتوں کے بعد وہ عرب کے پختہ کار چالاکوں میں سے ایک ہیں، قریش کے شیوخ میں ان کی شخصیت ممتاز درجے کی مالک ہے

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے عمروؓ سے پوچھا کہ اپنے اس ساتھ دینے کی کیا قیمت لوگے؟

عمروؓ نے کہا —— زندگی بھر کے لئے مصر کی حکومت، حضرت معاویہؓ کی نگاہ میں یہ قیمت زیادہ تھی اس پر دونوں میں کچھ تلخی پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ عمرو غصے میں اُلٹے پاؤں واپس ہوجاتے لیکن عتبہ ابن ابی سفیان نے درمیان میں مداخلت کی اور اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کو عمرو بن عاصؓ کے مطالبے پر راضی کرلیا چنانچہ اس کے متعلق دونوں میں ایک تحریری معاہدہ ہوگیا،

اس کے بعد عمرو بن العاصؓ جب اپنے لڑکوں سے ملے تو وہ دونوں اس قیمت پر خوش نہیں ہوئے اور اسے بہت کم سمجھ کر اپنے باپ کا مذاق اڑایا، عبداللہ کے خیال میں باپ نے اپنا دین بہت کم دام پر فروخت کردیا، محمد کی رائے میں باپ نے اپنے دماغ کی قیمت بہت کم لی،

بہرحال حضرت امیر معاویہؓ کے گرد و پیش مشیروں کا اچھا خاصا مجمع ہوگیا جس میں قبائل کے شیوخ، شہروں کے رئیس، ابوسفیان اور بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شامل تھے، انھیں میں عمرو بن العاصؓ کا بھی اضافہ ہوگیا، یہ سب کے سب حضرت معاویہؓ کو جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرتے تھے، ان میں سے بعضوں نے تو دیر کرنے پر یہ الزام لگایا کہ حضرت معاویہؓ میں کچھ دم نہیں ہے،

جب سب کچھ ٹھیک ہوگیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سفیر جریر بن عبداللہ بجلی کو خالی ہاتھ کوفہ واپس کردیا، جریرؓ نے آکر حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہ شام کے حالات غیرمعمولی طور پر اہم ہوگئے ہیں، حضرت علیؓ غالباً جریرؓ کی سفارت سے مطمئن نہیں ہوئے اور آپ کے ساتھیوں نے جس میں اشتر پیش پیش تھے جریرؓ کو بعض ناگوار باتیں سنائیں جس پر خفا ہوکر وہ اپنے بال بچوں سمیت کوفہ سے نکل کر مضافات شام کے ایک مقام قرقیسیا چلے گئے اور غیرجانبدار رہے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گئے،

اب حضرت معاویہؓ بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے، لیکن انھوں نے بھی حضرت علیؓ کی طرح پہلے اپنا ایک سفیر بھیجا،

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

کی

خط وکتابت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو لڑائی پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ وہ اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے جائیں اور قاتلوں سے درگذر کی جائے، کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ جب جنگ کا مشورہ کر رہے تھے تو ایک شخص جس کا نام ابو مسلم عبدالرحمٰن یا عبداللہ بن مسلم خولانی ہے درمیان میں کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "آپ کس بنیاد پر حضرت علیؓ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں آپ میں نہ ان کے جیسی فضیلت ہے اور نہ ان کی طرح اسلام لانے میں آپ نے پہل کی ہے" حضرت معاویہؓ نے جواب میں کہا "میں اس دعوے پر لڑنا نہیں چاہتا کہ ان کی طرح فضیلت رکھتا ہوں یا اسلام لانے میں میں نے پہل کی ہے، میرا تو مطالبہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دیں، تاکہ میں ان سے قصاص لوں" ابو مسلم نے کہا تو اس کے متعلق ان کو خط لکھیئے اگر انھوں نے خاطر خواہ جواب دیا تو جنگ کی مصیبت ہم سے ٹل جائے گی، اگر انھوں نے اس سے انکار کیا تو ہم بصیرت کی روشنی میں ان سے مقابلہ کریں گے" حضرت معاویہؓ ابو مسلم اور اس قسم کے لوگوں کی بات پوری کر دینا چاہتے تھے اس لئے حضرت علیؓ کے نام ایک خط لکھا اور اسے ابو مسلم کے ہاتھ روانہ کیا، بلاذری کی روایت کے مطابق خط کی عبارت یہ ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کے نام، اما بعد اللہ نے اپنے علم سے محمدؐ کو برگزیدہ کیا ان کو اپنی وحی کا امین اور اپنی مخلوق کا پیغمبر بنایا اس کے بعد مسلمانوں میں سے آپ کے حامی پسند کئے جنہوں نے آپ کی تائید کی ان حامیوں کے درجات اسلام میں ان کی

فضیلتوں کے مطابق ہیں، ان میں اللہ اور رسول کے سب سے زیادہ مخلص خلیفہ اول ہیں، پھر ان کے جانشین، پھر تیسرے مظلوم خلیفہ عثمانؓ تم نے ان میں سے ہر ایک سے حسد کیا، اور ہر ایک کی بغاوت کی، ہم نے اس کا پتہ تمہاری غضبناک تیز نگاہوں سے، تمہاری سخت کلامی سے، تمہاری غم بھری لمبی سانسوں سے اور خلفاء کی بیعت میں تاخیر سے لگایا ہے ہر موقع پر تم کو نکیل پکڑ کر لاتے جانے والے اونٹ کی طرح لایا گیا تم کو سب سے زیادہ حسد اپنی پھوپھی کے لڑکے سے رہا، حالانکہ رشتہ اور فضیلت کے نقطۂ نظر سے وہ سب سے زیادہ حق دار تھا کہ تم اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے پس تم نے ان کو چھوڑ دیا، ان کی اچھائی کو برائی بتایا۔ ان کی دشمنی کا اظہار کیا، اور ان کے لئے دل میں کھوٹ چھپا رکھی ان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا، ہر طرف سے اونٹوں اور گھوڑوں پر قافلے آئے احرم پاک میں ان پر ہتھیار اٹھایا گیا پھر وہ اپنی جگہ پر تمہاری موجودگی میں قتل کر دیئے گئے تم دشمن کی آوازیں سنتے رہے اور مدافعت میں نہ زبان ہلائی نہ ہاتھ، قسم خدا کی اے ابن ابی طالب اگر تم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کو منع کرتے، ان کے متعلق غلط بیانوں کی مذمت کرتے تو ہماری نگاہوں میں تمہارا ہمسر کوئی نہ ہوتا تمہاری جانبداری اور بغاوت کی باتوں پر پانی پھر جاتا، دوسری بات جس کا حضرت عثمانؓ کے وارث تم پر الزام رکھتے ہیں، قاتلوں کو پناہ دینا ہے، یہی قاتل تمہارے دست بازو ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے کو حضرت عثمانؓ کے خون سے بری خیال کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو، ہم ان سے قصاص لیں گے پھر ہم تمہارے پاس دوڑتے ہوتے آئیں گے، اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے اور قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ریگستانوں میں پہاڑوں میں، بحر و بر میں قاتلوں کا پتہ چلائیں گے تاآنکہ ان کو قتل کر دیں یا پھر ہماری جانیں جان آفریں تک پہنچ جائیں''

ابو مسلم یہ خط لیکر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے، لوگ مسجد میں جمع ہو گئے حضرت علیؓ نے حکم دیا اور خط پڑھا گیا، مسجد کے گوشوں سے لوگ چلا چلا کر کہنے لگے "ہم سب نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے کام سے ناراض تھے" خود ابو مسلم نے محسوس کیا کہ حضرت علیؓ کے ساتھی حضرت عثمانؓ کے قتل کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی تصور کرتے ہیں، اور اس کے لئے تیار نہیں کہ قاتلوں میں سے کسی ایک کو بھی حوالے کریں ابو مسلم

نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علیؓ سب قاتلوں کو یا بعض کو اگر حوالے کر دینا بھی چاہیں تو اس کی کوئی صورت نہ تھی پس حضرت علیؓ نے ایک آدمی بھی حوالے کرنے سے انکار کر دیا، تو ابو مسلم نے کہا اب بات ٹھیک ہے،

حضرت معاویہؓ کے خط سے ناظرین کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ نہ صلح چاہتے ہیں نہ امن ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اپنے بعض شامی دوستوں اور خصوصاً تردد رکھنے والوں اور گناہ سے بچنے والوں کے سامنے اپنی معذرت پیش کریں، امن اور صلح چاہنے والا اپنے کسی حریف کو ایسی باتیں نہیں لکھتا جن سے اذیت پہنچے اور غصہ اور نفرت کے جذبات بھڑک اٹھیں،

حضرت علیؓ کے لئے برداشت کرنے جیسی بات نہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کے خط میں یہ الزام پڑھتے کہ آپ کو خلفاء سے حسد تھا، آپ نے ان کے خلاف بغاوت کی، ان کی بیعت کرنے میں تاخیر سے کام لیا پھر جبراً پکڑ کر لائے گئے،

اسی طرح یہ بھی حضرت علیؓ کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ خط میں اپنے پھوپھی کے لڑکے پر حسد کا الزام پڑھیں، اور یہ کہ ان کے خلاف بغاوت کی، ان سے ترک تعلق کیا، لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا، اور جب باغیوں نے تنگ کیا تو ان کی امداد سے باز رہے اور آخر میں یہ بات بھی آپ کے لئے معمولی نہ تھی کہ وہ کھلا ہوا چیلنج پڑھیں جس میں دعوت دی گئی ہے کہ قاتلوں کو حوالے کر کے اپنی بے گناہی ثابت کی جائے ورنہ ان کے اور معاویہؓ کے درمیان تلوار ہوگی

حضرت معاویہؓ اپنے چیلنج میں حد سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر علیؓ، عثمانؓ کے قاتلوں کو سپرد کر دیں گے تو وہ اور اہل شام ان کی بیعت اور اطاعت کے لئے دوڑتے ہوئے آئیں گے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؓ ان کا یہ چیلنج ہرگز منظور نہیں کریں گے اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو بھی ان کے حوالے نہیں کریں گے یہ تو حکومت کو دھمکی کا ایک ڈھنگ حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا تھا ورنہ ان کے لئے صحیح راہ تو یہ تھی اگر وہ امن پسند ہوتے کہ پہلے بیعت اور اطاعت کر لیتے، پھر خلیفہ کے سامنے آتے اور مطالبہ کرتے کہ میرا اور حضرت عثمانؓ کے لڑکوں کا انصاف کیجئے اور جن لوگوں نے میرے بھائی کو اور ان کے باپ کو قتل کیا ہے ان سے قصاص لیجئے،

پھر حضرت معاویہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پا لیتے تو یقیناً مدینے میں ان سے قصاص لے لیتے، جب بیعت کے موقع پر مہاجر اور انصار نے اس سلسلے میں آپ سے گفتگو

کی تھی، لیکن اب جبکہ آپ عراق میں ہیں اور انھیں لوگوں میں ہیں جن کی اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی، اور بالآخران کو قتل کر دیا پھر تو قصاص کی کوئی صورت ہی نہیں تھی،

حضرت معاویہؓ یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ شامیوں کو اور خصوصاً ان لوگوں کو جو لڑائی کے گناہ سے بچنا چاہتے تھے، یہ بتا دیں کہ یہ لڑائی جس کا ہونا یقینی ہے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کا مطالبہ مسترد کر دیا اور اسی سفیر کو خط کا جواب لکھ کر واپس کر دیا، جس کی عبارت بلاذری ہی کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اللہ کے بندے امیر المومنین علیؓ کی طرف سے، معاویہؓ ابن ابی سفیان کے نام، اما بعد خولان کے بھائی میرے پاس تمہارا خط لے کر آئے، جس میں تم نے محمدؐ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ نے ان کو ہدایت اور وحی کی عزت اور شرف سے نوازا پس سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اپنا وعدہ سچا کیا، اور ہر جگہ آپؐ کو قوت بخشی اور آپؐ کے قدم جمائے اور سب دینوں پر آپؐ کو غالب کیا، اور آپؐ کے ذریعے قوم کے ان افراد کا خاتمہ کر دیا جن کے دل بغض و عداوت سے بھرے ہوئے تھے، جنھوں نے آپؐ کو جھوٹا بنایا اور آپؐ کی مذمت کی، آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو شہر بدر کرنے کی کوشش کی اور بہت کچھ الٹ پھیر کیا تا آں کہ اللہ کی بات ان کے خلاف غالب آئی، جو لوگ سب سے زیادہ آپؐ کے لئے سخت تھے وہ آپؐ کی ہی قوم کے تھے اور آپؐ سے قریب تر تھے، مگر چند افراد جن کو اللہ نے بچا لیا تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مسلمانوں میں سے ایسے حامی پسند کئے جن سے آپ کی تائید ہوئی اور یہ حامی آپ کی نظر میں وہ درجات رکھتے ہیں جو اسلام میں ان کی فضیلتوں کے حساب سے ہیں پس ان میں سب سے افضل آپؐ کے خلیفہ ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین، بخدا اسلام میں ان دونوں کا بے شک بڑا مرتبہ ہے اور ان کی مصیبت بھی بہت بڑی ہے، جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

تم نے لکھا ہے، کہ حضرت عثمانؓ فضیلت میں تیسرا درجہ رکھتے ہیں اگر حضرت عثمانؓ نے اچھا کیا

ہے تو ▪ اپنے رب کو شکور پائیں گے جو ان کی نیکیاں دوچند کردے گا، اور اس کی جزا دے گا اور اگر اُن سے کچھ لغزشیں ہوتی ہیں تو وہ اپنے رب کو غفور اور رحیم پائیں گے جس کی جناب میں گناہ بڑا نہیں ہے، مغفرت بڑی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جب اللہ اعمال کے حساب سے نوازش کرے گا، تو مسلمانوں کے ہر گھر سے ہمارا حصہ زیادہ ہوگا۔ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپؐ نے ایمان اور توحید کی دعوت دی، اس وقت ہم اہل بیت نے سب سے پہلے دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے، ہمارے سوا عرب کی ایک چوتھائی میں اس وقت اللہ کی عبادت کرنے والا ایک بھی نہ تھا پھر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی ہمیں مصیبتوں میں مبتلا کرنا چاہا، ہمیں ہلاک کردینے کا ارادہ کیا ہمیں ایک تنگ گھاٹی میں چلے جانے پر مجبور کیا، جہاں ہم پر نگرانی رکھی جاتی تھی، ہم پر کھانا اور میٹھا پانی بند کردیا گیا، اور آپس میں ہمارے بائیکاٹ کا تحریری عہد و پیمان کیا گیا کہ کوئی ہمارے ساتھ نہ کھائے نہ پئے، نہ خرید و فروخت کرے نہ شادی بیاہ اور نہ ہم سے بات چیت کرے تاوقتیکہ ہم اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے یا ان کا ہاتھ پاؤں کاٹ لینے کے لئے ان کے حوالے نہ کردیں، لیکن خدا نے ہمیں ان کو بچانے اور ان کی طرف سے مدافعت کی قوت بخشی، قریش کے دوسرے مسلمان ہم سے بالکل فارغ تھے، ان کو حامیوں اور رشتہ داروں کی حمایت حاصل تھی چنانچہ ▪ عافیت سے رہے اور ان کا کچھ نہ بگڑا، ہم اسی حالت میں رہے، جب تک اللہ نے رکھا ▪ اس کے بعد خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، اور مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا تو جب ضرورت پڑی اور مقابلے کا موقع آیا، آپ نے اہل بیت کو آگے کیا اور اپنے ساتھیوں کو بچایا چنانچہ بدر کے معرکہ میں حضرت عبیدہؓ، اُحد کے معرکہ میں حضرت حمزہؓ اور مُوتہ کے معرکے میں حضرت جعفرؓ نے اپنی اپنی جانیں پیش کیں اور تم چاہو تو میں نام لے کر بتادوں کہ اس قسم کے مواقع پر کس کس نے اپنے کو پیش کیا، لیکن بعضوں کا وقت پورا ہوچکا تھا اور بعضوں کی مدت باقی تھی تم نے خلفاء سے میرے رکے رہنے اور ان سے حسد کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خلفاء سے میں نے خفیہ یا علانیہ حسد کیا ہو، رہ گیا میرا دیر کرنا تو میں لوگوں سے اس کی کوئی معذرت نہیں کرتا اور میرے پاس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی، تمہارے باپ آئے اور کہا خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو،

ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کروں گا، یہ بات تو تم کو اپنے باپ سے معلوم ہو چکی ہوگی، لیکن میں نے خود اس سے انکار کیا کہ مبادا لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے ابھی جاہلیت اور کفر کا زمانہ ان سے قریب ہے اگر تم میرا حق اتنا ہی جانتے ہو جتنا تمھارے باپ جانتے تھے تو تم نے راہ حق پالی ہے اور اگر تم باز نہ آئے تو خدا مجھے تم سے بے نیاز کردے گا، تم نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ میں نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جو کیا حضرت عثمانؓ نے جو کیا وہ تم نے دیکھا ہے اور جس طرح لوگ ان سے علیحدہ ہوئے تم کو معلوم ہے، اور میں ان باتوں سے بالکل الگ رہا، پھر بھی ایک بری کو مجرم بتلانے ہو تو بتاتے رہو، تم نے بزعم خود حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کرکے مطالبہ کیا ہے کہ میں ان کو تمھارے حوالے کردوں میں تو ان کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتا باوجودیکہ میں نے بہت تلاش کیا پس یہ میرے بس کی بات نہیں کہ جن لوگوں پر تم قتل کی تہمت رکھتے ہو اور جن پر گمان کرتے ہو، ان کو بھیج دوں اور اگر تم اپنی گمراہی اور دشمنی سے باز نہ آئے تو ان کو خود پہچان لوگے، تم کو ان کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، والسلام"

حضرت معاویہؓ نے اپنے خط کی ابتدا جیسا کہ تم نے پڑھا بہت سخت لب ولہجہ میں کی ہے حضرت علیؓ نے جواب اس سے زیادہ سخت اور تلخ دیا ہے، نبیؐ پر وحی وہدایت کے انعام خداوندی اور اہل بیت کی اطاعت کا ذکر کرنے کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی بغاوت اور مکاری کا اظہار کرتے ہیں پھر اہل بیت اور عبد المطلب کی اولاد کے ساتھ مکہ کی تنگ گھاٹی میں آپؐ کے جبراً محصور کئے جانے کا تذکرہ کرتے اور صحیفہ کے نام سے جو واقعہ ہے اس کی انتہا تک پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ ان تمام حالات کے بیان میں تعریض کرتے ہیں کہ بنی امیہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے نبیؐ اور اہلِ بیت میں سے جو آپ کے ساتھی تھے ان کے ستانے میں ستانے والوں کا ساتھ دیتے رہے، پھر حضرت علیؓ بتاتے ہیں، کہ اللہ نے اہل بیت کو یہ امتیاز بخشا کہ انھوں اسلام کی طرف سبقت کی اسی طرح ان کو گھاٹی میں محصور ہوتے کی مصیبت پر صبر کرنے کی خصوصیت بھی عطا فرمائی، جب کہ دوسرے مسلمان مطمئن اور خوش حال تھے ان کے قبیلے کے لوگ اُن کی حمایت کرتے تھے، تیم نے حضرت ابوبکرؓ کی عدی نے حضرت عمرؓ کی اور اُمیّہ نے حضرت عثمانؓ کی حمایت کی غیر قریشی مسلمانوں کو ان کے حلیفوں نے بچایا،

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی راہ میں اہل بیت نے جیسی مصیبتیں اٹھائیں کوئی نہیں اٹھایا خصوصاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے، چنانچہ ان لوگوں کا محاصرہ کیا گیا نہ مقاطعہ اور نہ ان پر رزق کی تنگی کی گئی، پس اہلبیت لوگوں میں سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا بیان کیا ہے اور بتایا کہ وقت پڑنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے اہل بیت کو پیش کر دیا کرتے تھے، چنانچہ بدر کے معرکے میں عبیدہؓ بن حارث بن عبد المطلب شہید ہوئے اور اُحد کے معرکے میں حمزہ بن عبد المطلب اور مُوتہ کے معرکے میں جعفرؓ ابن ابی طالب نے شہادت پائی، اور خود حضرت علیؓ نے شہادت کے لئے اپنی جان پیش کر دی تھی لیکن وہ دوسرے اہل بیت کے لئے مقدر تھی، پس اہل بیت نے ہجرت کے پہلے بھی اور بعد بھی جو جہاد اور سرفروشی کی وہ کسی اور نے نہیں کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے ساتھ خفیہ یا علانیہ حسد رکھنے سے بری بتایا اور بیعت میں تاخیر کی لوگوں سے کوئی معذرت نہیں کی اس کے بعد معاویہؓ کو یاد دلایا کہ ان کے باپ بیعت کے لئے علیؓ کا حق تسلیم کرتے تھے اور خود ہی اس کی طلب کی تھی اور کہا اگر میرے حق کے بارے میں تمہاری بھی وہی رائے ہے جو تمہارے باپ کی تھی تو تم نے ہدایت کی راہ پالی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو خدا تم سے مجھے بے نیاز کر دے گا، اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا، لوگوں سے ان کے اختلاف کا اور بغاوت سے اپنے علیحدہ رہنے کا بیان کیا، اور حضرت عثمان کے بارے میں اپنی رائے صاف صاف دے دی، کہ وہ کچھ نہیں کہتے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اچھا کیا ہے تو اللہ ان کو دوگنا اجر دے گا، اور اگر برا کیا ہے تو وہ ان کے گناہ معاف کر دے گا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کرتے ہوئے معاویہؓ کو مطلع کیا ہے کہ باوجود تحقیق و تلاش کے وہ کسی مقرر شخص کو حضرت عثمانؓ کا قاتل نہیں پاتے اور اس لئے وہ محض بدگمانی کی بناء پر کسی متہم کو سپرد نہیں کر سکتے۔ سزا کے معاملات میں قاضی کی حجت ثبوت اور شہادت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ بات بیعت اور اطاعت کے بغیر ممکن نہیں، اس کے بعد آپ نے معاویہؓ کو دھمکی دی کہ ان کو قتل کے ملزموں کی تلاش میں پہاڑوں میدانوں میں یا خشکی اور تری میں جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بہت جلد ان کو میدان جنگ میں معرکہ آرا دیکھ لیں گے،

اس طرح معاویہؓ کا سفیر بھی حضرت علیؓ کے سفیر کی طرح ناکام رہا، اور عراقیوں کی طرح شامیوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ لڑائی کے سوا چارہ نہیں۔ شامیوں کا نقطۂ نظر مظلوم خلیفہ کا بدلہ لینا تھا عراقی چاہتے تھے کہ پہلے شامیوں کو بیعت اور اطاعت پر مجبور کیا جائے، شامیوں کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی اطاعت ان کے لئے ضروری نہیں ہے کیونکہ لوگوں نے ان کی بیعت رضامندی سے نہیں کی ہے اور اس لئے کہ اللہ کے ایک حکم کو انھوں نے معطل کر رکھا ہے، یعنی مظلوم خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص، عراق کے لوگ اور ان کے مہاجر اور انصار ساتھی خیال کرتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعت حرمین میں، کوفہ اور بصرہ میں اور مصر میں کر لی ہے، اب ان کی اطاعت واجب ہے، اور اس نقطۂ نظر سے شامیوں کا پوزیشن ایک باغی جماعت کا پوزیشن ہے جس کے متعلق اللہ کا حکم ہے کہ اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے

سنہ ۳۶ھ کا ذی الحجہ کا مہینہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت علیؓ مقدمۃ الجیش کو روانہ کر چکے تھے اور حکم دیا تھا کہ شامیوں سے مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں پہل نہ کرنا تا آنکہ میں پہنچوں اس کے بعد آپ ایک لشکر عظیم ساتھ لے کر نکل پڑے اور مقدمۃ الجیش کے ساتھ مقام صفین تک پہونچ گئے۔ راہ میں بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں جن کا تذکرہ کر کے ہم بات کو بڑھانا نہیں چاہتے

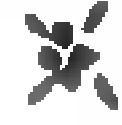
فریقین کا مقابلہ

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت علیؓ نکلنے کیلئے تیار ہو چکے ہیں، امیر معاویہؓ شامیوں کی ایک بڑی فوج لیکر نکل پڑے مقدمۃ الجیش کو پہلے بھیج دیا اور حضرت علیؓ سے پہلے ہی صفین پہنچ گئے اور اپنے آدمیوں کو نہر فرات سے قریب تر ایک اچھے کشادہ مقام پر اتارا، حضرت علی بھی اپنا بہت بڑا لشکر لے کر آگئے، اور اپنے آدمیوں کو حریف کے بالمقابل اتارا، لیکن ان کو فرات کی کوئی نہر نہ مل سکی جہاں سے پانی کا انتظام ہوتا، حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے پاس سفیر بھیجے اور مطالبہ کیا کہ پانی آزاد رکھا جاوے، تاکہ دونوں فوجیں پی سکیں، حضرت علیؓ کے سفیروں نے معاویہ سے گفتگو کی، لیکن انہیں کوئی جواب نہیں مل سکا اور وہ بلا جواب واپس ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ کے آدمیوں نے دیکھا کہ معاویہ نہر فرات پر پہرہ داروں کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں تاکہ حضرت علیؓ کے آدمیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کر دیں، وہ چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ پر محاصرے کے وقت پانی حرام کر دیا گیا تھا اسی طرح ان پر بھی حرام کر دیا جائے، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کا معاویہؓ سے اصرار تھا کہ پانی کی راہ میں مزاحمت نہ کی جائے ورنہ فوراً تصادم شروع ہو جائے گا، اسلئے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حریف سیراب ہوتا رہے اور حضرت علیؓ کے آدمی پیاسے رہیں لیکن اموی عصبیت عقلمندوں کے مشورے پر غالب آئی اور معاویہؓ کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑا، اب ضروری تھا کہ پانی کے لئے مقابلہ ہو، ہوا اور سخت ہوا قریب تھا کہ جنگ کی صورت اختیار کرلے لیکن حضرت علیؓ کے آدمی غالب آئے، اور پانی پر قبضہ کر لیا، اور چاہا کہ اب حریف کو پیاس پر مجبور کر دیں، جیسا کہ اس نے چاہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ان کو روکا، آپ نے چاہا کہ امن و امان رہے اور بلا اتمام حجت جنگ نہ چھڑ جائے، پھر آپ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ اللہ نے تو نہر اس لئے جاری کی ہے کہ تمام لوگ اس سے سیراب ہوں، اور ہم اپنے حریف کو پیاسا رکھیں،

اس طرح قوم کو موقع ملا کہ چند دن ایکدوسرے سے بے خوف ہو کر ملیں، پانی پر اکٹھا ہوں، ایکدوسرے کیلئے کوشش کریں، فریقین کے درمیان سخت اختلاف اور شدید دشمنی تھی، لیکن جنگ

نہ تھی اس کے بعد حضرت علیؓ نے چاہا کہ آخری بات کر لی جائے تاکہ کوئی عذر نہ رہ جائے چنانچہ سفیر آئے گئے لیکن نہ مفاہمت ہو سکی اور نہ مفاہمت جیسی کوئی بات بن سکی جب حضرت علیؓ مایوس ہو گئے تو اپنے آدمیوں کے ہاتھوں میں جھنڈے دے دیئے اور ایک ایک دستے نکلنے لگے حضرت علیؓ کی فوج کا ایک دستہ نکلتا اس کے مقابلے کے لئے معاویہؓ کی فوج کا ایک دستہ آتا اور دن بھر یا دوپہر تک معرکہ آرائی رہتی پھر دونوں رک جاتے، حضرت علیؓ ایک عام جنگ نہیں چاہتے تھے اس خیال سے کہ شاید حریف راہ پر آجائے خدا کے کلمہ کی طرف رخ کرے اور مسلمانوں کے امن و امان کا خواہاں بن جائے،

بات اسی طرح دس دن یا کم وبیش ذی الحجہ کے آخر تک چلتی رہی اس کے بعد محرم کا مہینہ آگیا جو حرمت کا مہینہ ہے تیس دن امن و امان سے گذرے لوگ ایک دوسرے سے مطمئن رہے اس اثنا میں سفیر مسلسل آئے گئے، لیکن پورا مہینہ گذار دینے کے بعد بھی صلح کی کوئی صورت نکل نہ سکی اب تو فریقین کو یقین ہو گیا کہ تصادم کے سوا چارہ نہیں،



جنگ

محرم گذر جانے کے بعد جنگ بدستور جاری رہی ایک ٹکڑی کے لئے دوسری ٹکڑی نکلتی، اور ایک قبیلہ کے لئے دوسرا قبیلہ اور بعض اوقات تو ایک آدمی کے مقابلہ میں دوسرا آدمی نکلتا، اور یہ لڑائی صرف تلوار کی لڑائی نہ تھی، بلکہ اس میں زبان بھی چلتی تھی اور افسروں میں تو خط و کتابت کی جنگ بھی جاری تھی، روایتوں میں ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ کے کہنے سے ابن عباسؓ کو لکھا کہ وہ لوگوں کو جنگ سے روکنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں، تاکہ عوام امن و عافیت سے رہیں اور لڑائی کی ہلاکتوں سے بچیں، ابن عباس نے اس کا نہایت سخت اور مایوس کن جواب دیا،

شام کو جب لڑائی بند ہوتی تو عربوں کی عادت کے مطابق قصہ گوئی شروع ہوتی، اشعار پڑھے جاتے جدید اور قدیم عہد کے کارنامے دہرائے جاتے اپنی یا حریف کی سرفروشی اور ثابت قدمی کا تذکرہ کیا جاتا اسی طرح ماہ صفر کے ابتدائی دن گذر گئے اور فریقین میں سے کوئی بھی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم اس تھوڑی تھوڑی اور رہ رہ کر شروع ہونے والی لڑائی سے اکتا گئی، اور حضرت علیؓ بھی اس طوالت سے اکتا گئے، جو کسی کے لئے مفید نہ تھی بلکہ اس سے فتنہ کی رسی دراز ہو رہی تھی اور برائی کی آگ پھیلتی جاتی تھی لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور کینے کے جذبات بڑھتے جا رہے تھے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے دن ایک ایسی لڑائی میں ضائع ہو رہے تھے جو نہ پیچھے ہٹتی ہے نہ آگے بڑھتی ہے اور اتحاد و اتفاق کی امیدیں غیر معلوم مدت کے لئے ٹلتی جا رہی ہیں، پس آپ نے ایک عام حملے کی تیاری کر دی، یہ دیکھ کر معاویہؓ نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ دونوں لشکر دن بھر لڑتے رہے، اور رات کا بھی ایک حصہ لڑائی میں گذارا، اور کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، دوسرے دن علی الصبح نہایت شدید مقابلہ رہا، اور فریقین بری طرح لڑتے رہے، جس میں حضرت علیؓ کے میمنہ میں ابتری اور تقریباً شکست کے آثار پیدا ہو گئے اور قلب سے متصل فوج کمزور ہو گئی، حضرت علیؓ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے، یہ میسرہ پر مشتمل تھا، ربیعہ کے لوگوں نے اپنے آپ کو جاں نثاری کے لئے پیش کر دیا، ان میں سے ایک نے کہا "تجھ

کے لوگو! اگر تمہاری موجودگی میں امیر المومنین پر کوئی مصیبت آئی تو نوح کے بعد سے عربوں میں تم اپنا کوئی عذر پیش نہیں کر سکو گے، چنانچہ ربیعہ نے موت کا عہد و پیمان کیا، اس کے بعد اشتر اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے میمنہ مضبوط ہو گیا، اور حضرت علیؓ کا لشکر دوپہر سے پہلے کی طرح منظم ہو گیا، اب رات آ گئی لیکن کچھ لوگ برابر لڑتے رہے اور باز نہیں آئے یہاں تک کہ تیسرے دن کی صبح نمودار ہوئی اور معاویہؓ کی فوج میں ابتری اور کمزوری پیدا ہو گئی اور ان کے آدمی فسطاط کے قریب پسپا ہو گئے، خود معاویہ بھاگنے کی فکر کرنے لگے تھے کہ ان کو ابن اطنابہ کے یہ اشعار یاد آ گئے ؎

ابت لی ھمتی و ابی بلائی	واخذ الحمد بالثمن الربیح
میری ہمت اور استقامت کی خودداریاں محاسن کے لئے میرا	گراں قدر معاوضہ ناگواریوں اور تلخیوں پر نفس کو آمادہ
واجشامی علی المکروہ نفسی	وضربی ھامۃ البطل المشیح
کرنا، دلیروں کے سروں پر میرا وار کرنا، اپنے نفس کو	گھبرایا ہوا دیکھ کر میرا کہنا فکر نہ کر تیرے لئے عزت
وقولی کلما جشأت وجاشت	مکانک تحمدی او تستریح
اور آرام ہے یہ سب کچھ اس لئے کہ میں اچھی اور اونچی	روایات کی حفاظت اور سچی عزت کی حمایت کروں
لادفع عن ماثر صالحات	واحمی بعد عن عرض صحیح

ان اشعار نے ان میں صبر و استقلال کا حوصلہ پیدا کر دیا، امن کے دنوں میں معاویہؓ اس واقعہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے، دن چڑھ گیا اور قوم جنگ میں مصروف تھی، نہ آرام کرتی اور نہ آرام کرنے دیتی حضرت علیؓ کے ساتھی اپنی فتح کا یقین کر چکے تھے، اتنے میں شامیوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن مجید اٹھائے گئے، اور ان کے منادی نے آواز دی کہ خدا کی کتاب اول سے آخر تک ہمارے درمیان ہے، عرب، اسلام اور سرحدیں، اہم مسائل ہیں، خدا کے لئے ان کو سامنے رکھو، اگر شامی ہلاک ہو گئے تو شام کی سرحدوں کا کیا ہوگا، اور عراق کی سرحدوں کی نگرانی کون کرے گا اگر عراقی فنا ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے آدمیوں نے نیزوں پر بلند قرآن مجید دیکھے اللہ کے حکم کی طرف بلانے والی دعوت اور امن و بقا کی پکار سنی سنتے ہی ان کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا، چنانچہ ہاتھ رک گئے دلوں میں تردد پیدا ہوا، پھر امن و صلح کا تصور آیا، پھر اس کی طرف رغبت ہوئی اور غیر معمولی خواہش حرکت کرنے لگی فوجی افسروں نے تیزی کے ساتھ حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ قوم جو کچھ پیش کر رہی ہے اسے مان لیں

حضرت علیؓ انکار کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ یہ قوم قرآن والی نہیں ہے، اس نے قرآن اس لئے نہیں اٹھایا کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف رجوع کرتی ہے، یہ تو ایک چال ہے جس میں ہم کو پھنسانا چاہتے ہیں ۔ اور پھر قرآن مجید اٹھانا ان کی کوئی جدت نہیں ہے، ان کو معلوم ہے کہ بصرہ میں جنگ سے پہلے قرآن مجید اٹھایا گیا تھا، تو یہ اسی تقلید میں لڑائی ہو جانے کے بعد مقابلے سے گھبرا کر اپنی شکست کا یقین کر لینے پر کرتے ہیں، حضرت علیؓ کی ان فہمائشوں کے بعد بھی آپ کے ساتھی اصرار کرتے رہے کہ درخواست منظور کرلی جائے، پھر اصرار میں اتنی شدت کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی، تو ساتھ چھوڑ دینے کی دھمکی بھی دیدی اور بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ وہ آپ کو معاویہؓ کے حوالے کر دیں گے،

ایک جماعت حضرت علی کی ہم خیال تھی، اور شامیوں کی چال میں نہیں آئی، اس نے کہا ہم نے تو کتاب اللہ کے مطابق ہی جنگ کی ہے اور ہمکو ذرا بھی شک نہیں کہ ہم حق پر نہیں، اور یہ کہ ہمارے ساتھی امیرالمومنین ہیں، اور مقابلہ کرنے والے باغی ہیں، اگر ہم کو اس میں ذرا بھی شک ہوتا تو ہم لڑائی نہ کرتے اور اپنا اور دشمنوں کا خون نہ بہاتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی کے آدمیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، ایک جماعت لڑائی سے رک جانا چاہتی تھی، اور دوسری چاہتی تھی کہ لڑائی جاری رہے پھر جب فوج کے افسروں میں اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے، تو خود فوج سے کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس وجہ سے حضرت علیؓ لڑائی روکنے پر مجبور ہو گئے، اشتر کو بڑی بڑی کوششوں سے روکا گیا، اس کے بعد حضرت علیؓ قریب ہوئے اور قاصدوں کے ذریعے پوچھا کہ قرآن مجید اٹھانے کی غرض کیا ہے؟ معاویہؓ نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ ہم دونوں اپنی طرف سے ایک ایک آدمی منتخب کریں اور ان کو حکم دیں کہ ہمارے اختلافات کا کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں،

قاصد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور معاویہ کے جواب سے مطلع کیا، اکثریت تو اس سے خوش ہوئی، لیکن اقلیت ناراض، حضرت علیؓ نے مجبوراً اکثریت کا ساتھ دیا،

فریقین کی حالت

صفین کے معرکے میں فریقین جس بری طرح لڑے، مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں اس کی کوئی مثال نہیں، اس جنگ میں فریقین کی فوجوں کی تعداد کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے ایک جماعت حضرت علی کی فوج ایک لاکھ اور معاویہ کی ستر ہزار بتاتی ہے، دوسری جماعت اس سے کم اندازہ کرتی ہے اسی طرح دونوں طرف کے مقتولوں کا شمار بھی مشکل ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ شامی مقتولوں کی تعداد ۴۵ ہزار تک جا پہنچی تھی اور عراقی ۲۵ ہزار کام آئے،

اس وقت یہ بات اہم نہیں ہے کہ ہم دونوں فوجوں کا بڑی باریکی سے حساب کریں، اہم بات یہ ہے کہ فریقین کی تیاری ہر پہلو سے بھرپور تھی، اور اس تیاری نے دونوں کو مجبور کردیا کہ اپنی اپنی سرحدوں کو جو دشمنوں کے بالمقابل تھیں کھلی چھوڑ دیں اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ رومیوں کو شام پہ حملہ کرنے کا حوصلہ ہوگیا تھا، لیکن معاویہ نے انہیں کچھ دے دلا کر مصالحت کرلی اور ان کو روک دیا مشرق میں عراقی سرحدوں کے مقابلے میں رومی سلطنت کی طرح کوئی طاقتور اور منظم حکومت تو نہ تھی لیکن پھر بھی فارس کے بہت سے شہر مسلمانوں سے کھنچ گئے تھے اور بغاوت کا ارادہ کرنے لگے تھے، اگر حضرت علیؑ کوفہ کی طرف نہ لوٹتے اور ان سرحدوں کا انتظام نہ کرلیتے، بہرحال دو بڑی فوجوں میں طویل اور شدید جنگ ہوئی، جس کی خرابیوں اور ذلت آفرینیوں کو مورخوں اور سوانح نگاروں نے لکھا ہے لازمی طور پہ فریقین کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے بہت سے قتل کئے گئے، ہاں یہ ضرور ہے کہ داستان سراؤں نے مقتولوں اور زخمیوں کی تعداد بتانے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔

لیکن اتنی بات قطعی ہے کہ اس لڑائی میں شام اور عراق کے بزرگوں اور بڑوں کی ایک جماعت قتل ہوگئی، ان بزرگوں کا مارا جانا دیکھنے والوں کے لئے دردناک تھا اور سننے والوں کے لئے بھی اور آج بھی جو لوگ تاریخ اور سوانح کی کتابوں میں ان کے واقعات پڑھتے ہیں، ان کے دل درد سے بھر جاتے ہیں، معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے فاروق اعظمؓ کے لڑکے عبید اللہ ابن عمرؓ جو ہرمزان کے قاتل تھے اسی لڑائی میں مارے

گئے اسی طرح معاویہؓ کے اور بہت سے ساتھی مارے گئے جو بڑی شان و شوکت اور غیر معمولی شجاعت اور بہادری کے مالک تھے، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں عمار بن یاسر جن کا قتل مسلمانوں میں ایک تاریخی روایت بن گیا ہے، اسی لڑائی میں مارے گئے، اسلام میں وہ سب سے پہلے شہید ہونے والے ماں باپ کے بیٹے تھے سب جانتے ہیں کہ ابوجہل نے ان کے ماں باپ کو مصیبتوں میں مبتلا کیا، یہاں تک کہ مار ڈالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر کو خطاب کرکے فرمایا تھا۔ افسوس ابن سمیہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، اور ابھی تم نے پڑھا ہے کہ زبیر کو جب معلوم ہوا کہ عمار حضرت علی کے ساتھ ہیں تو وہ ڈر گئے، خزیمہ بن ثابت انصاری صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ تھے، لیکن لڑتے نہ تھے، وہ عمار کی جستجو میں تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ مارے گئے تو انہوں نے کہا کہ اب گمراہی کھل گئی، چنانچہ لڑائی میں شرکت کی اور مارے گئے، خزیمہؓ نے دیکھا کہ شامیوں نے عمار کو قتل کیا ہے تو ان کو یقین ہوگیا کہ شامیوں کی جماعت ہی وہ باغی جماعت ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں کہا ہے، معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر بھی عمار کے قتل کا بڑا دردناک اور گہرا اثر ہوا، وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمار سے کہا تھا کہ تجھے باغی جماعت قتل کردے گی، لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس حدیث سے اپنی بے خبری کا اظہار کریں، لیکن جب اسکی کوئی صورت بن نہ پڑی تو تاویل کرنے لگے، چنانچہ معاویہؓ نے کہا، ان کو ہم نے قتل نہیں کیا، ان کے قاتل تو وہ ہیں جو ان کو یہاں لائے، حالانکہ عمار کو صفین میں [illegible]نے والا کوئی نہیں، حضرت علیؓ نے ان کو جنگ کیلئے یا لڑائی پر نکلنے کے لئے مجبور نہیں کیا، عمار تو بوڑھے تھے۔ نوے سال سے زیادہ ان کی عمر تھی، ان کا جسم ضرور بوڑھا ہوچکا تھا، لیکن ان کا دل، ان کی عقل، اور ان کی بصیرت بڑھاپے کی زد سے محفوظ تھی، چنانچہ وہ بولنے چالنے میں، بحث و مباحثے میں اور جہد کرنے میں جوان تھے، انہوں نے معرکہ جمل کے بعد حضرت عائشہؓ کو سلام کیا اور کہا:

کیف رأیت ضربنا یا امی — امی جان! ہمارا معرکہ کیسا رہا۔

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ "نہ میں تمہاری ماں ہوں نہ تم میرے بیٹے" عمارؓ نے ہنس مکھ بن کر کہا، "چاہے جتنا تمہارا جی نہ چاہے، لیکن مجھے بیٹا اور تمہیں ماں تو رہنا ہے، عمار کا مطلب یہ تھا کہ قرآن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو امہات المومنین کہا ہے، اب عائشہ قرآن کو تو نہیں بدل سکتی تھیں، عمارؓ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں لڑائی پر ابھارنے میں سب سے زیادہ سخت تھے، ایک دن لڑائی میں عمرو بن العاص

کے مقابلے میں تھے اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا،

نحن ضربناکم علی تنزیلہ	ہم نے تم کو اس کے نزول کے موقع پر مارا تھا
والیوم نضربکم علی تاویلہ	اب اس کے مقاصد کے تحت تم کو ماریں گے ۔
ضربا یزیل الهام عن مقیلہ	ایسی مار جو سر کو جدا کر دے گی ،
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کی یاد دوست سے بھلا دے گی
اویرجع الحق الی سبیلہ	تا آنکہ حق کے لئے راستہ صاف ہوجائے

عمارؓ اس دن عمرو بن العاص کے جھنڈے کی طرف اشارہ کرکے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے، خدا کی قسم اس جھنڈے والے سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین مرتبہ لڑ چکا ہوں، اور یہ چوتھی بار ہے، اور یہ موقع بھی پہلے سے کچھ اچھا نہیں ہے، عمارؓ ساتھیوں میں جب بھی کچھ ابتری اور انتشار محسوس کرتے تو کہتے، اگر حریف ہم کو مار مار کر ہجر[1] کے نخلستان تک بھی بھگا دے گا، تب بھی ہمکو یہی یقین رہے گا، کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر،

کہا جاتا ہے کہ عمارؓ نے اپنے آخری معرکہ میں جانے سے پہلے پانی مانگا تو ان کے سامنے دودھ پیش کیا گیا، جب آپ نے دیکھا تو تکبیر کہی اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ دنیا میں تیرا آخری توشہ دودھ کے چند گھونٹ ہوں گے، اس کے بعد پکر معرکہ میں ٹوٹ پڑے اور ساتھیوں کو آواز دی، کون جنت چاہتا ہے، جنت تلواروں کے نیچے ہے، آج گھاٹ کا دن ہے، کل دوستوں سے ملاقات ہوگی، یعنی محمدؐ اور ان کی جماعت سے، صلی اللہ علیہ وسلم

جس دستے کی کمان عمار ابن یاسر کر رہے تھے، اس کا جھنڈا ہاشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص کے ہاتھ میں تھا، یہ قریش کے بڑے شہسواروں اور بزرگوں میں تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ ان کو غیر معمولی اخلاص اور محبت تھی، وہ یک چشم تھے، عمارؓ کبھی ان کو یک چشم کہہ کر سختی کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیتے اور کبھی نرمی سے کہتے، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، میاں آگے بڑھو، ہاشم ابن عتبہ عمارؓ کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہتے ابو الیقظان ذرا ٹھہرو تم تو بھڑکتے ہو اور میں رینگتا ہوں شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں اس حالت میں بھی ابن عتبہ لڑتے تھے اور رجز پڑھتے تھے،

[1] کوفہ اور بصرہ کے درمیان کا علاقہ

اعور یبغی نفسہ محلا	یک چشم اپنی جگہ چاہتا ہے
قد اکثر القول وما اقلا	اس نے کمی نہیں کی بہت کچھ کہا
وعالج الحیاۃ حتی ملا	زندگی سلجھاتے سلجھاتے وہ تھک چکا
لابد ان یغل او یفلا	اب اس کا گرنا یا گرایا جانا ضروری ہے
اشلہم بذی الکعوب شلا	میں ان کو گرہ دار نیزوں سے بھگاتا ہوں

اسی طرح حضرت عمارؓ ان کو آگے بڑھاتے رہے اور وہ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ دونوں نے جان دے دی، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے علما اور صالحین کی ایک بڑی جماعت قتل کر دی گئی، یہ لوگ بصیرت کی روشنی میں لڑ رہے تھے لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے۔

امیر معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے بھی جو لوگ لڑائی میں کام آئے وہ بڑے درجے اور رتبے کے تھے، شامیوں کی نگاہ میں ان کی اہمیت اور وقعت اتنی ہی تھی جتنی عراقیوں کے دلوں میں حضرت علیؓ کے کام آنے والے فداکاروں کی دونوں طرف کے لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنہوں نے اس لڑائی کو دین سمجھا۔ اس کو اللہ کی قربت کا ذریعہ جانا، عراقی خیال کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کی کیا بات ہے نبیؐ کی نگاہ میں ان کا درجہ، اللہ اللہ! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال کیا، کیا میں ایمان والوں میں سب سے زیادہ بہتر نہیں ہوں اور انلوگوں نے جواب دیا یقیناً آپ سب سے بہتر ہیں تو آپؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں جس کا آقا ہوں علیؓ بھی اس کے آقا ہیں اے خدا علیؓ کے دوست کا دوست رہ اور اسکے دشمن کا دشمن رہ اسی طرح عراقیوں کی نگاہ قرآن کریم کی اس آیت پر تھی النبی اولی بالمومنین من انفسہم[1] اور اس آیت پر بھی قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا۔ احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین[2]

---

[1] ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ لگاؤ نبیؐ سے ہے

[2] آپ کہہ دیجئے کہ تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو اگر اللہ سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹ پر)

پس حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر جب وہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو ایسا محسوس کرتے تھے کہ اس لڑائی میں گویا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں ایسی حالت میں ان کا شوق شہادت، ان کا لڑائی کے لئے ٹوٹ پڑنا کوئی حیرت کی بات نہیں حیرت تو اس پر ہوتی کہ وہ رکے رہتے یا پیچھا دکھاتے یا ہچکچاتے ،

امیر معاویہ کے ساتھی خیال کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وہ پابند ہیں، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا ہے اسلام میں انہوں نے بڑا خطرناک رخنہ پیدا کر دیا، انہوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے خون کو حلال کیا اور خلافت پر دست درازی کی جس کے وہ مجاز نہ تھے، اور پھر انہوں نے خلیفہ کی بے حرمتی کی ،

امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی تھی کہ حضرت علیؓ دراصل اللہ کے ایک زبردست قانون قصاص کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں چنانچہ بہت سے شامی معاویہ کے لئے نہیں بلکہ دین کی حرمت کے لئے لڑے ، ان کو غصہ تھا کہ دین کی حدیں جاری نہیں کی جا رہی ہیں، دین سے متعلق جو الجھاؤ ہو گیا ہے اور لوگوں کی روش میں دینی حیثیت سے جو خرابی پیدا ہو گئی ہے حضرت علیؓ اس کو سیدھا اور درست نہیں کرتے، پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر دوسرے معاملات بھی پیش نظر رکھے جائیں جو دین سے وابستہ نہیں، بلکہ ان کا تعلق اس عربی عصبیت سے ہے جس کی آگ حضرت عمرؓ نے کچھ دن کے لئے بجھا دی تھی، اور جو روم اور فارس کے دشمنوں سے مقابلے کے دوران میں دبی رہی، لیکن فتنے کی ہوا چلتے ہی بھڑک اٹھی اور اپنی پہلی حالت پر آ گئی، اس نے بہت سے عربوں کو ان کے پرانے دنوں کی یاد دلا دی انہوں نے چاہا کہ ان کا قدیم ان کے جدید جیسا ہو جائے، چنانچہ فخر غرور اور خود بینی کی جن باتوں سے روکا گیا تھا ان کی طرف پل پڑے ، اسی طرح وہ معاملات جن کا تعلق دنیا کی طلب اور دنیاوی جاہ و جلال کی حرص سے ہے ، اب اس بات کو اگر ان دینی جذبات سے جوڑ دیا جائے جو قوم کو سخت جنگ کی طرف ڈھکیل رہے تھے تو اس خوفناک اور رسوا کن جنگ کی کوئی بات تم کو بری معلوم نہ ہو گی ،

ایک جماعت پر دین غالب آیا، اس نے دین کی حمایت میں سچے ایمان والوں کی طرح جنگ کی دوسری

اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

جماعت پر ان کی دنیا غالب آئی اور اس نے دنیا جمع کرنے کے لئے حریفوں اور بد لگاموں کی طرح مقابلہ کیا، اس مقابلے کے دوران میں سرحد بالکل یا تقریباً خالی ہو گئی اور مسلمانوں کے دشمنوں نے، وہ حوصلہ کیا جو وہ نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت علیؓ کے ساتھی

میرا خیال ہے کہ قرآن مجید نیزوں پر اٹھانے کی چال تنہا عمرو بن العاص کی ساختہ پرداختہ نہ تھی، اس لئے نہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے ایک عمل کی نقل تھی، بلکہ اس کا ایک اور سبب ہے، جو آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا، یہ بات پیش نظر رہے کہ بصرہ کی جنگ کے موقع پر قرآن مجید بلند کرنے کی کارروائی حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے کی تھی، مطلب یہ تھا کہ مقابل کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ طلحہؓ زبیرؓ، اور عائشہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو درجہ ہے اس کا تقاضا تھا کہ حضرت علیؓ احتیاط اور تدبیر سے کام لیتے، ان کو قرآن مجید اور اس کے احکام کی یاد دلاتے، اور اپنی دعوت کے جواب سے جب تک مایوس نہ ہو جاتے لڑائی کا آغاز نہ کرتے، چنانچہ جب بصرہ والوں نے اس قرآن اٹھانے والے نوجوان کو تیروں کا نشانہ بنا لیا تب حضرت علیؓ نے کہا اب کوئی چارہ کار نہیں۔

پس شام کے لوگ اگر واقعی فتنہ اور لڑائی سے بچنا چاہتے تھے تو یہ کام ان کو لڑائی شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہئے تھا، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بار بار ان کو قرآن اور احکام قرآن کی یاد دلائی گئی، اور انہوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، کتنے مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کے سفیروں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا۔ نہ صلح کی نہ صلح جیسی کوئی بات پیش کی، پھر لڑائی پر ہفتوں گذر جانے کے بعد بلکہ محرم کا ایک پورا مہینہ امن سے گذار لینے کے بعد اب قرآن مجید نیزوں پر بلند کرنا مکاری کے سوا کیا معنے رکھتا ہے، یہ تو فتنے سے بچنا نہیں شکست سے گریز کرنا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں بھی بعض افسر مخلص اور آپ کے سچے خیر خواہ نہ تھے، اسلئے کہ وہ دیندار نہیں دنیا دار تھے۔ وہ دل ہی دل میں ان عیش بھرے دنوں کی حسرت رکھتے تھے، جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں انعام و عطیات پاتے رہنے کی فضا میں گذارے تھے، اس قسم کے افسروں

میں سے میں صرف اشعث ابن قیس کندی کا تذکرہ کروں گا جو عہد نبوت میں مسلمان ہوا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا، اور اپنے قبیلے کو ابھار کر جنگ کی مصیبت میں مبتلا کر دیا، پھر قبیلے کے لوگوں کو حوالے کر کے خود توبہ کر لی، اور بڑی عجلت کے ساتھ مدینہ آیا، اور حضرت ابوبکرؓ سے نہ صرف اپنا خون بچانے میں کامیاب ہو گیا، بلکہ آپ کی بہن ام فروہ سے شادی بھی کر لی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں گمنامی کے گوشے میں رہا، اور عہد عثمانی میں باہر آیا، حضرت عثمانؓ نے اس کو فارس کے بعض مقامات کا والی بنا دیا، پھر جب حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس کو اس کے منصب سے معزول کر دیا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس سے مسلمانوں کے کچھ مال کا مطالبہ کیا بعد میں اپنے ساتھ رکھا اور اس کے اصلاح کی کوشش کی، پھر جب قرآن اٹھائے گئے اور ثالثی کی تجویز پیش ہوئی تو یہی اشعث بن قیس تھا جس نے حضرت علیؓ کو بڑی شدت کیساتھ مجبور کیا کہ تجویز منظور کر لیں

ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ شام پر اس حملے میں حضرت علیؓ کے ساتھ صرف کوفہ اور حجاز کے لوگ نہ تھے، بلکہ بصرہ کے بھی ہزاروں آدمی تھے، کچھ تو معرکہ جمل کے وفادار تھے، کچھ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اس دن کنارہ کشی اختیار کی تھی، اور بہت سے وہ لوگ تھے جو طلحہؓ اور زبیرؓ کے قتل کے بعد شکست کھا گئے تھے،

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب عثمانی تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ سچائی اور رضامندی سے نہیں، بادل ناخواستہ تھے، ان کے دلوں میں حضرت علیؓ کی طرف سے کدورت تھی۔ اس لئے کہ آپؓ نے ان کے لوگوں کو قتل کیا تھا، اور ان کو شکست کھانے پر مجبور کیا تھا،

پس حضرت علیؓ کے سب آدمی مخلص نہ تھے، کچھ مخلص تھے کچھ مطلبی، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ طرفین کے آدمی محرم کے دنوں میں پوری آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے تھے، اب ہم مزید کہتے ہیں کہ ایک دن جب مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو حضرت علیؓ نے ان کی تجہیز و تکفین کے لئے وقتی مصالحت کا مطالبہ کیا جو منظور کر لیا گیا،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شامی اور عراقی مختلف مواقع پر ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے، اور ان کے لئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی کہ باہم سرگوشیاں اور آزادانہ تبادلہ خیالات کریں، ایسی حالت میں یہ میں بعید نہیں سمجھتا کہ عراق کے چالاک سردار اشعث بن قیس کی ملاقات شام کے کھلاڑی عمرو بن العاصؓ سے ہوئی ہو اور دونوں نے مل جل کر یہ تدبیر نکالی ہو کہ لڑائی جاری رکھیں، اگر شامی غالب آجائیں تو ٹھیک

ہی ہے اور اگر خطرہ ہو اور اپنی شکست دیکھ رہے ہوں تو قرآن مجید بلند کریں اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا کر کے آپس میں ایک دوسرے کو خالف کر دیں، اگر ایسا ہوا ہو تو کہنا چاہئے کہ ان کی تدبیر کارگر ہوئی اور اشعث اور اس کے ماتحتوں نے حضرت علی کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کا کہا مانیں اور لڑائی روک دیں

میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ سازش یہیں آکر نہیں رکی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک میدان میں اس نے قدم بڑھائے یہ خطرناک میدان دو ثالثوں کا انتخاب تھا، اس لئے کہ اشعث اور اس کے یمنی آدمیوں کا کسی وجہ سے سخت اصرار تھا کہ ابو موسیٰ اشعری کو حکم چنا جائے، حضرت علیؓ کو اس بات کی آزادی نہیں دی گئی، کہ اپنے بھروسے کا آدمی ثالث بنا سکیں، حالانکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ابو موسیٰ نے لوگوں کو کوفہ میں حضرت علیؓ کی امداد سے باز رکھا تھا، اور اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے ان کو معزول کر دیا تھا، حضرت علیؓ کو ثالثی کے فیصلے پر مجبور کیا گیا، پھر ایک ثالث کے انتخاب پر مجبور کیا گیا یہ تمام باتیں اتفاقیہ ظہور پذیر نہیں ہوئیں بلکہ مکر و چال سے ہوئیں اور اس کے اندر حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں کے دنیادار ساتھیوں کا ہاتھ تھا،



اسلام کے سچے خلفاء : ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ

فریقین کے حَکَم

بہر حال فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دو حَکَم مقرر کئے جائیں، امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے یہ بات نہیں مانی کہ ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ اپنی طرف سے حَکَم بنائیں اسلئے کہ وہ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں، اور یہ بھی نہیں مانا کہ اشتر حَکَم ہوں، اسلئے کہ ان میں جنگ اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کی اسپرٹ بہت زیادہ تھی، احنف ابن قیس چاہتے تھے کہ وہ اس معاملے میں حضرت علیؓ کی نمائندگی کریں یا کم از کم ابو موسیٰ کے ساتھی رہیں، لیکن حضرت علیؓ کی مجبوری کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھیوں نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اور اصرار کیا کہ نمائندگی تو صرف ان کے پرانے حاکم ابو موسیٰ اشعریؓ ہی کریں گے، جنہوں نے ان کے لئے فتنہ پسند نہیں کیا نہ لڑائی میں کسی کی طرف سے حصہ لیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ عمرو بن العاصؓ نے تو جنگ میں حصہ لیا ہے اور اپنی زبان سے تلوار سے اور دماغ سے جنگی خدمت انجام دی ہے، خیال تو ان کو ضرور آیا ہو گا، لیکن ان لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی،

فریقین کی جانب سے گفت و شنید کرنے والے اکٹھا ہوئے اور ایک تحریر میں اس بات پر اتفاق کیا کہ طرفین لڑائی بند اور ثالثی منظور کرتے ہیں، دو حَکَم فیصلے کی جگہ اور وقت مقرر کرتے ہیں اور یہ کہ دونوں حکم جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے ان کی جان و مال بہر حال محفوظ رہے گی نیز معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف پوری قوم متحد ہو گی،

ان نکات کی بڑی باریک بینی کے ساتھ حد بندی کی گئی، لیکن ایک بات بالکل چھوڑ دی گئی، اور نزدیک و دُور کہیں سے اس کو بحث میں نہیں لایا گیا، یعنی جھگڑے کا موضوع جس کا فیصلہ دونوں حکم کو کرنا ہے، پہلے اس تحریر کو پڑھئے جو بلاذری کی روایت کے مطابق یہ ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ قرارداد ہے جس پر حضرت علیؓ اور معاویہؓ نے اپنے عراقی اور شامی حامیوں کے ساتھ اتفاق

کیا ہمیں اللہ کا حکم تسلیم ہے، ہمارے اختلافات کے لئے اللہ کی کتاب از اول تا آخر ہمارے درمیان ہے، اللہ کی کتاب نے جس کو زندگی بخشی ہم اس زندہ رکھیں گے جس کو اس نے مردہ کیا ہم بھی اسکو فناہ کے گھاٹ اتار دیں گے، دونوں حَکَم اللہ کی کتاب میں جو کچھ پائیں گے اس کی اتباع کریں گے، اور اگر اپنے اختلاف کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی راستہ نہ پا سکیں گے تو پھوٹ سے بچنے والا انصاف کا راستہ اختیار کریں گے، عبداللہ ابن قیس اور عمرو بن العاص حَکَم ہوں گے، ہم نے ان دونوں سے عہد و پیمان لیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے صاف اور صریح حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے اگر کوئی مقررہ حکم نہیں ملا تو پھوٹ نہ ڈلنے والی متفقہ راہ اختیار کریں گے، دونوں حَکَم حضرت علیؓ اور معاویہؓ سے اور دونوں کی فوجوں اور افسروں سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی وہ فیصلہ کریں اسے قبول کرنا ہوگا، یہ حَکَم بھی لوگوں سے اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی امان کا قول و قرار کرتے ہیں اور اس کا عہد کہ پوری قوم ان کے فیصلے کی حمایت کرے گی، دونوں حَکَموں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں صلح اور اتفاق کرائیں گے، پھوٹ اور لڑائی نہ ہونے دیں گے فیصلے کی مدت رمضان تک مقرر کی جاتی ہے اگر اس سے پہلے کرنا چاہیں تو ان کو اختیار ہے، طرفین کی مرضی کے بغیر اگر حَکَم فیصلے میں تاخیر کرنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے: فیصلے سے قبل اگر کسی حَکَم کا انتقال ہو جائے تو اس کے امیر اور اس کی جماعت کو حق ہے کہ وہ کوئی دوسرا آدمی اس جگہ مقرر کرے جو عادل اور مخلص ہو، فیصلے کی جگہ کوفہ، شام اور حجاز کے درمیان کا کوئی مقام ہو، جہاں ثالثوں کی اجازت کے بغیر کوئی نہ جا سکتا ہو، اگر دونوں حَکَم فیصلے کیلئے کوئی دوسری جگہ چاہیں تو پسند کر سکتے ہیں اور طرفین میں سے جس کو چاہیں گواہی کے لئے لے جا سکتے ہیں۔ پھر ان گواہوں کی اس معاہدہ میں یہ گواہی لکھی جائے کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور کہیں گے اے اللہ ہم اس شخص کے خلاف تیری مدد چاہتے ہیں۔ جو اس معاہدہ کے خلاف زیادتی سے کام لینا چاہے گا۔

عراق اور شام کی طرف سے دس دس آدمیوں نے یہ شہادت دی، عراق کی طرف سے

عبداللہ ابن عباسؓ، اشعث ابن قیس سعد ابن قیس ہمدانی، ورقا ابن سمی، عبداللہ بن طفیل حجر ابن عدی کندی، عبداللہ ابن حجل ارحبی بکری عقبہ بن زیاد، یزید بن حجیہ تیمی، مالک ابن ارجی نے اور شام کی طرف سے۔ ابو الاعور عمرو بن سفیان سلمی، حبیب بن مسلمہ فہری، مخارق بن حارث زبیدی، زمل بن عمرو عذری، حمزہ بن مالک ہمدانی، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مخزومی سبیع بن یزید حضرمی، علقمہ بن یزید الحضرمی، عتبہ بن ابی سفیان یزید ابن حر العبسی نے

بلاذری کے علاوہ، دوسروں نے بھی اس معاہدہ کی روایت کی ہے جس میں لفظوں کا معمولی ہیر پھیر ہے اور کچھ جملوں کی تقدیم و تاخیر ہے، لیکن اس میں کوئی اہمیت نہیں، البتہ اہمیت کے قابل جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ ہے کہ فریقین نے اختلاف کے اصل موضوع کو جس کا فیصلہ ثالثوں کو کرنا ہے چھوڑ کر باقی تمام باتوں کی اچھی طرح حد بندی کر دی تھی۔

(آخر اختلاف کس بات پر تھا، امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے تھے، اور چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ خلیفہ کے قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیں، حضرت علیؓ عثمانؓ کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتے تھے، اور تمام باغیوں کو حوالے کر دینا ان کے بس کی بات نہ تھی، پس فریقین ثالثوں کے ذریعے اس اختلاف کا فیصلہ چاہتے تھے، پھر یہ کیا بات تھی کہ معاہدے میں انہوں نے اس کی صراحت نہیں کی بلکہ عثمانؓ اور قاتلین عثمانؓ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔)

طلحہؓ اور زبیرؓ کے قتل ہو جانے پر اپنی قوت مضبوط اور معاملات منظم کر لینے کے بعد امیر معاویہؓ اس خیال کے ہو گئے تھے کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے مشورے سے طے ہونا چاہئے، حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا، کہ ان کی بیعت سابق خلفا کی طرح ہو چکی ہے،، حرمین کے لوگوں نے بیعت کر لی ہے جو ارباب حل و عقد ہیں، اور بجز شام کے تمام شہروں میں بھی ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بالعموم مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اور خصوصاً انصار و مہاجر کا آپ پر اتفاق ہو چکا تھا، اب امیر معاویہؓ کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے اور ان کے شامی ساتھی بھی یہی کرتے، اور اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو ان کی حیثیت ایک باغی جماعت کی ہے، جس سے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب تک یہ جماعت راہ راست پر نہ آ جائے اور صلح سے انکار کرتی رہے، اس سے جنگ جاری رکھو، پس فریقین کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے معاہدے میں اس کا اظہار

تک نہیں کیا اور خلافت اور شوریٰ کا تو نام بھی نہیں لیا، پھر حیرت تو یہ ہے کہ مورخین کا روایت کردہ یہ معاہدہ فریقین کے لئے اطمینان بخش تھا، کسی نے اس کے مبہم، عام اور غیر واضح ہونے پر اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ مسلمانوں کی اس قضیہ سے متعلق تحریروں میں سب سے زیادہ پیچیدہ، مبہم اور عام ہے اور ضرورت تھی کہ اسکو ہر پہلو سے اسطرح واضح کردیا جاتا کہ کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہ جاتی،

غالب گمان یہ ہے کہ فریقین میں سے جن لوگوں نے یہ معاہدہ لکھا انہوں نے باریک بینی اور ضبط نکات کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی وہ جنگ سے اکتا چکے تھے اور جلد سے جلد صلح کرلینا چاہتے تھے، امیر معاویہؓ کے حامیوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ جنگ کے بادل چھٹ جائیں اور عراقیوں میں پھوٹ پڑ جائے، اور عام عراقی صرف اس کے خواہاں تھے کہ کسی طرح امن و صلح کا دور آئے اور جس بات کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے اگر وہ برمحل ہے تو چالاکوں اور کھلاڑیوں کی کوشش یہ تھی کہ بات مبہم اور گول رہے ان کے خیال میں یہ بات امیر معاویہؓ کے حق میں مفید تھی اور حضرت علیؓ کے حق میں مضر اور اسی کے ذریعے وہ دنیا اور دنیا کا اقتدار حاصل کرسکتے تھے،

معاہدے کی تحریر کے بعد جو کچھ ہوا شامیوں میں جو اتحاد اور عراقیوں میں جس طرح پھوٹ پڑی وہ سب ہمارے اجمال کی تفصیل ہے، غالباً حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ ان کے ساتھی ان کی کوئی بات نہیں مانتے اور ان کا کوئی مشورہ قبول نہیں کرتے تو تنگ آکر ان کیلئے راستہ صاف کردیا کہ جو چاہیں کریں، گویا زبانِ حال سے آپ دُرید بن صمہ[1] کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے،

امرتهم امری بمنعرج اللوی — فلم یستبینوا الرشد الا ضحی الغد

میں نے منعرج اللوی میں اپنی بات بتادی تھی — لیکن یاروں کو ہوش دن چڑھے آیا،

فلما عصونی کنت منهم وقد اری — غوایتهم وانّنی غیر مهتد ی

جب انھوں نے میری نافرمانی کی تو میں بھی انھیں کی رائے کا ہوگیا میں ان کی گمراہی دیکھ رہا تھا لیکن غلط

وهل انا الا من غزیة ان غوت — غویت وان ترشد غزیة ارشد

راہ پر تھا اور میں تو غزیہ میں سے ہوں [illegible] گمراہ تو میں بھی گمراہ اگر وہ راہ پر میں بھی راہ پر،

ہم دیکھتے ہیں کہ اشعث ابن قیس جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا

[1] دُرید بن صمہ عہد جاہلیت کا مشہور شاعر ہے بڑا جری اور بہادر اسکی شاعری اور شجاعت دونوں کا عرب میں عام چرچا تھا، بقیہ ص ۱۸

اتنے پر اکتفا نہیں کرتا کہ خوش ہو بے، بلکہ وہ تحریر لے کر فوج میں جاتا ہے اور فوجیوں کو سناتا ہے، سناتے سناتے جب خود تھک جاتا ہے، تو دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ اس کو پڑھ کر سناؤ، فوجی اس تحریر کو سنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ لڑائی سے نجات ملی ایک بڑی جماعت اس سے ناراض بھی ہوتی ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں یہ ثالثی اور تحریر دین کے خلاف اور قرآنی احکام کے مخالف تھی، اس جماعت کے بعض لوگ کہتے تھے کہ کیا تم اللہ کے دین میں اشخاص کو حکم بناتے ہو، اور بعضوں نے صرف ایک جملہ کہا لاحکم الا اللہ اور یہی جملہ آگے چلکر خارجیوں کا نعرہ بنا، اور بعض تو غصے میں آپے سے باہر ہوگئے اور زبان کی جگہ تلوار سے کام لینے لگے، کہا جاتا ہے کہ ثالثی کے ایک مخالف نے اپنی جماعت کا ساتھ چھوڑ کر تلوار کھینچ لی اور لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامیوں میں گھس پڑا اور لڑنے لگا بالآخر مارا گیا۔

اور یہ تو واقعہ ہے کہ تاریخی خارجی مرداس ابو بلال کے بھائی عروہ بن اُدیہ نے جب اسکو تحریر پڑھ کر سنائی تو وہ اشعث کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، اور چاہتا تھا کہ اس کو قتل کردے لیکن اشعث کی سواری بھڑک اٹھی اور عروہ کی تلوار کا وار سواری کے پچھلے حصہ پر پڑا اور قریب تھا کہ اشعث کے ہم قبیلہ یمنیوں میں اور عروہ کی قوم تمیمیوں میں بات بڑھ جاتی لیکن تمیم کے بڑے بڑے لوگ دوڑ پڑے اور معذرت چاہی، جس پر اشعث راضی ہوگیا،

مناسب نہ ہوگا کہ ہم صفین سے حضرت علیؓ کی فوج واپس ہونے دیں اور ان لوگوں کا نقطہ نظر پیش نہ کریں جنھوں نے ثالثی کو اور اس تحریر کو بُرا سمجھا اور جو بعد میں اسلامی تاریخ میں بڑی شان کے

رتقیہ صد ۳۸۶) اس نے اسلام کا زمانہ پایا، لیکن وہ مسلمان نہ ہوسکا، غزوۂ حنین کے موقع پر اس کو تبرک کے طور پر مشرکین اپنے ساتھ لائے تھے اور یہی دن اس کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا،

ایک دن دُرید قبیلہ بنی غطفان پر حملہ آور ہوا اور اونٹوں سمیت مال غنیمت لے کر روانہ ہوا راستہ میں اس کے بھائی نے مقام منعرج اللوی میں بیٹھ کر مال کی تقسیم شروع کردی درید نے اس کو روکا کہ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں بنی غطفان تاک میں ہیں ان سے خطرہ ہے لیکن بھائی نے اس کی بات نہیں مانی نتیجہ یہ ہوا، کہ بنی عبس کے لوگ موقع پر آگئے اور اس کے بھائی کو قتل کردیا، درید نے بھائی کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا بلکہ زخمی ہوکر زمین پر اس طرح گرا کہ حریف نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا

درید اس حادثہ پر بہت رنجیدہ ہوا اور جب اس کی بیوی ام معبد نے اس کو طعنہ دیا اور اس کے بھائی کے حق میں برے بھلے الفاظ منہ سے نکالے تو اس نے اس کو طلاق دیدی درید نے اپنے بھائی کے غم میں جو مرثیہ کہا، اسی میں کے یہ چند اشعار ہیں،

مالک بنے،

ان کا نقطۂ نظر بالکل صاف اور ان کی دلیل بڑی زوردار ہے جیسے خود قرآن مجید نے اس وضاحت سے پیش کیا ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا،

وان طائفتان من المومنین	اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس
اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت	میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح
احدا ھما علی الاخری فقاتلوا	کردو، پھر اگر ان میں کا ایک
التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ فان	گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو
فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل	اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہو یہاں
واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین	تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو
انما المومنون اخوۃ فاصلحوا	جائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ اصلاح
بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم	کردو، اور انصاف کا خیال رکھو بلاشبہ
ترحمون۔	اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے

مسلمان تو سب بھائی ہیں اور اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردو تاکہ تم پر رحمت کی جائے

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی اور یہی مسلمانوں کی اکثریت بھی خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے بغاوت کی، حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ اور ان کے حامی شامیوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے انھوں نے سفیروں کو واپس کردیا اور کہدیا کہ ہمارے ان کے درمیان تلوار ہے اور صرف تلوار اس کے بعد امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی پانی پر پہلے پہنچے اور چاہا کہ خود ہی سیراب ہوں اور ان کے ساتھیوں کو پیاسا رکھیں اس پر دونوں میں لڑائی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کا پانی پر قبضہ ہوگیا، لیکن حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اجازت دی کہ سیراب ہوں یہ ہیں مسلمانوں کی دو جماعتیں جو آپس میں لڑیں،

اس کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس اپنے سفیر بھیجے جنھوں نے اطاعت کی دعوت دی اور مسلمانوں میں نفاق و شقاق کا باعث بننے سے ان کو روکنا چاہا لیکن سفرا کامیاب نہ ہوسکے چنانچہ

کچھ دنوں تک لڑتے رہے اس کے بعد محرم کا مہینہ خیریت سے گذرا پھر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے صلح کی کوشش کی لیکن شامیوں نے اسے منظور نہیں کیا اس کے بعد صفر کے مہینے میں جنگ شروع ہوئی ،

مذکورہ بالا آیت کے مطابق ضروری تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے تا آنکہ امیر معاویہؓ اور شامی اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں اور اس کے بعد ان سے جنگ روک دی جاتے ، پھر حریف بھائی بھائی بن جائیں اور دو بھائیوں میں صلح وصفائی ہو جائے ،

حضرت علیؓ کی فوج باغی جماعت پر غالب آ رہی تھی اور اس کو اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرنے میں کامیابی ہو رہی تھی ، کہ اتنے میں قرآن مجید بلند کیے گئے ، اور جنگ روک دی گئی اور قوم ایک ایسے فیصلے میں الجھ گئی جو بالکل مبہم اور غیر واضح تھا ، پس جن لوگوں نے لاحکم الا للہ کہا ان کا کوئی قصور نہیں اللہ کا حکم یہ ہے کہ لڑائی امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ ٹیک دینے تک جاری رہتی ، اور اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت علیؓ خود امام نے قرآن مجید اٹھانے کے فریب میں آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ معاویہؓ اور ان کے درباری قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں یہ تو تلوار سے بچنے کی ایک چال ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خود خلیفہ کی بھی یہی رائے تھی کہ حکم اللہ کے لئے ہے ، اور اللہ کے حکم کا راستہ لڑائی جاری رکھنا تھا تا آنکہ شامی سر تسلیم خم کر لیں ، لیکن اکثریت نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور حضرت علیؓ کو ان کی طبیعت کے خلاف مجبور کیا ، اس کے نتیجہ میں یہ ثالثی کا فیصلہ سامنے آیا ،

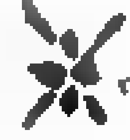
بلاشبہ اب تک ثالثی تسلیم نہ کرنے والوں نے کوئی غلطی نہیں کی انھوں نے قرآن مجید کا حکم مانا اور امام کی رائے کی بھی پابندی کی ، کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا امام سے سخت اصرار تھا کہ جنگ بہر تور جاری رکھی جائے تاکہ اللہ کا حکم نافذ ہو لیکن حضرت علیؓ نے دیکھا کہ یہ لوگ بہت تھوڑے ہیں اور یہ کہ ان کا مشورہ قبول کرنے کی صورت میں وہ ان کو ایک طرف شامی دشمنوں اور دوسری طرف عراقی ساتھیوں کے درمیان محصور کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال دیں گے اس لئے ان کا مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کو ٹھنڈا کیا پھر تسلی دی اور مشورہ دیا کہ وہ راستہ اختیار کریں جس میں ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے امن و عافیت ہو ،

یہاں پہنچ کر ثالثی کے مخالفین غلطی کرتے ہیں ، امام سے مشورہ کرنے تک صحیح راہ پر تھے امام نے ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کو جلد بازی سے روکا اور اعتدال پسندی کا حکم دیا ، پھر وہ حضرت علیؓ سے زیادہ

قرآن سمجھنے والے نہ تھے اور نہ سنت اور مصلحت کے ان سے زیادہ محافظ اور عالم تھے اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ امام کو اتنی آزادی دیتے کہ وہ رعایا کے لئے احکام جاری کرے، ایک طرف ساتھیوں کی بہت بڑی اکثریت صلح اور ثالثی کا مطالبہ کر رہی ہے، دوسری طرف ساتھ کے تھوڑے سے لوگ جنگ چاہتے ہیں، اور ثالثی کی تجویز کو مسترد کر دینے پر مصر ہیں۔ دونوں کے دونوں اپنے سرداروں کے سر ہو جاتے ہیں اور اپنی بات کی پچ کرتے ہیں، ایسی حالت میں امام کے لئے اس کے سوا کیا چارۂ کار کہ یا تو وہ اکثریت کا ساتھ دے، صلح اور ثالثی منظور کرکے ایک ایسی مصالحت کی امید کرے جس سے پراگندگی کا خاتمہ ہوگا، خونریزی بند ہوگی یا پھر اقلیت کا ساتھ دے اور جنگ کرکے ہلاکت آفریں یاس سے ہم آغوش ہو جائے حضرت علیؓ نے اکثریت کا ساتھ دینا پسند کیا، اب اقلیت کا فرض تھا کہ وہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے امام کا انتظار کرتی۔ اگر اطمینان بخش صلح ہو جاتی تو ٹھیک تھا اور اگر ایسی صورت نہ نکلتی تو سب کے سب جنگ میں شریک ہو جاتے،

لیکن اقلیت اور اکثریت دونوں اپنی ضد پر اڑی رہی حضرت علیؓ نے بادل نخواستہ اکثریت کا ساتھ دیا، ثالثی کی قرارداد لکھنے پر دو دن کی مدت گذری تھی جس میں قوم نے اپنے اپنے مقتولوں کو سپرد خاک کیا اس کے بعد حضرت علیؓ کے منادی نے اپنی جماعت کو صفین سے کوچ کرنے کا اعلان کیا اور لوگ بری طرح کوفہ واپس ہوئے نکلے تھے تو باہم کتنی محبت تھی کیسا اتحاد اور کیسی یگانگت تھی اور لوٹے ہیں تو کتنی گہری دشمنی کیسی نفرت اور کتنا بڑا اختلاف ہے کہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، کوڑوں سے مارتے ہیں، اقلیت، اکثریت سے کہتی ہے کہ تم نے دین کی مخالفت کی، قرآن کے حکم سے منہ موڑ لیا، اللہ کی جگہ اشخاص کو اس معاملہ میں حکم بنایا جس میں خدا کے سوا کوئی حق نہیں رکھتا، اکثریت جواب میں کہتی تم نے امام کی مخالفت کی، جماعت میں نفاق اور انتشار پیدا کیا، جماعت کو ٹیڑھی راہ چلانا چاہا، پھر جس طرح کوفے سے نکلے تھے، سب کے سب واپس نہیں آئے بلکہ کچھ لوگ حرورار جا کر مقیم ہو گئے جو فیصلے کا مقام تھا ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ بتانے والے اندازے میں بارہ ہزار تھی ۱۲۰۰۰ اور کم سے کم کا اندازہ کرنے والے چھ ہزار بتاتے ہیں، حروراء میں قیام کرنے کی وجہ سے وہ اسی طرف منسوب ہو گئے، پھر ان کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگو! جنگ کے افسر شیث ابن ربعی تمیمی ہیں نماز کے امام عبداللہ ابن کوا الیشکری اور اللہ عزوجل کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بیعت ہے،

اس دن سے اسلام میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جس کا اسلام کی تاریخ پر بہت گہرا اثر پڑا، حضرت علیؓ کوفہ میں داخل ہوئے تو اس کا نقشہ اسی طرح بدلا ہوا پایا جس طرح بصرہ سے واپسی پر پایا تھا اپنے آنے اور ملنے پر نہ پہلے لوگوں کو خوش دیکھا تھا، اور نہ اب ان کو شاداں پایا بصرہ سے جب آئے تھے تو لوگوں کو خستہ احسرت زدہ اور روتا ہوا دیکھا تھا، صفین سے واپسی پر بھی وہی عالم پایا، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خراب حالت نظر آئی اس لئے کہ بصرہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد سے صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی،



صفین کے سبائی

حیرت کی بات ہے کہ مورخین نے عہد عثمانیؓ کے فتنوں کے بیان میں ابن سودا عبداللہ ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا بہت کچھ تذکرہ کیا ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مدینے سے حضرت علیؓ کے نکلنے کے موقع پر، پھر اس وقت جب حضرت علیؓ نے طلحہؓ زبیرؓ اور ام المومنین کے پاس مصالحت کے لیے اپنے سفیر بھیجے مورخوں نے بار بار ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ کیا ہے، ان مورخوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے خلاف یکایک جنگ چھیڑ دینے کی سازش ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کی، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انھیں سبائیوں نے بصرہ کے نزدیک جب فریقین اکٹھا ہوئے تھے، دفعتہً جنگ کا آغاز کر کے مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا لیکن تعجب ہے کہ صفین کے معرکے کی روایت میں مورخین سبائیوں کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ شام کے لیے ابن سودا نہیں نکلتا، حالانکہ اس کے ساتھی حضرت علیؓ کے ساتھ نکلے ہیں، لیکن یہ سبائی حضرت علیؓ کے بڑے خیر خواہ تھے اور بڑے وفادار اور فرماں بردار بھی، انھوں نے نہ کوئی سازش کی اور نہ فریقین میں لڑانے کی کوشش بلکہ پوری طرح مطیع اور مخلص بنے رہے، پھر جب قرآن مجید اٹھائے گئے تو ان میں کے بعض ان لوگوں کے ساتھ جن کو ثالثی کی قرارداد سے اختلاف تھا نکل گئے جیسے حرقوص ابن زہیر، اور بعض حضرت علیؓ کی اطاعت پر قائم رہے اگرچہ ان کو قرارداد سے اختلاف تھا اور وہ ثالثی کو برا سمجھتے تھے جیسے اشتر،

صفین کے معرکے میں سبائیوں کے تذکرے سے مورخین کی پہلوتہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سبائیوں اور ان کے سردار ابن سودا کا افسانہ تصنع اور من گھڑت ہے اور یہ آخری دنوں میں جب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقوں میں معرکہ آرائی ہوئی تراشا گیا ہے، مخالفین شیعہ کا مقصد تھا کہ اس مذہب کے اصول میں یہودی عنصر داخل کر دیں تاکہ چال گہری ہو جائے اور اپنی غرض میں کامیاب ہوں، اگر ابن سودا کی بات کسی صحیح تاریخ حقیقت کی بنیاد پر ہوتی تو طبعی طور پر

اس کی چالبازی کے کچھ نشانات صفین کی اس پیچیدہ جنگ میں نظر آتے خصوصاً اس وقت جب ثالثی کے مسئلہ پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں اختلاف ہو رہا تھا اور اس نئے فرقے کی پیدائش کے موقع پر تو اس کے اثرات لازمی طور پر ظاہر ہوتے جو مصالحت سے متنفر تھا اور جو صلح کی رغبت یا شرکت کرنے والوں کو کافر کہتا تھا

لیکن ہم خارجیوں سے متعلق ابن سبا کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں پڑھتے، پس مورخین کی اس خاموشی کی کیا وجہ بیان کی جاسکتی ہے، اور کیا توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ ابن سبا معرکۂ صفین سے کس طرح غائب رہا اور لاحکم الاللہ کا نعرہ لگانے والی پارٹی کی تشکیل میں حاضر نہ ہوسکا،

میرے نزدیک تو دونوں کا سبب ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ ابن سودا ایک وہمی وجود ہے اور اگر وہ کوئی تھا تو بالکل معمولی اور ناقابل ذکر، نہ ایسی شخصیت جس کی تصویر مورخین نے عہد عثمانیؓ میں کھینچی ہے اور جس کی سرگرمیوں کا نقشہ حضرت علیؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں پیش کیا ہے ابن سبا کو تو مخالفین شیعہ نے صرف شیعوں کے لئے تراشا ہے، خارجیوں کے لئے نہیں، اس لئے کہ خارجی جماعت میں سے نہ تھے، اور نہ ان کو خلافت اور حکمرانی کی خواہش تھی، وہ تو ایک ایسا گروہ تھا جو ہر خلافت کی بغاوت اور ہر بادشاہ کی مخالفت میں ٹوٹ پڑتا تھا، اور جہاں تک ہو سکتا خلفاء اور بادشاہوں سے برسرپیکار رہتا،

پھر یہ کہ بنی امیہ کے خاتمے تک خارجیوں کی کوئی مستقل اور مسلسل خطرناک تنظیم باقی نہ تھی، بلکہ بنی عباس کا زمانہ آنے تک ان کی قوت کمزور اور ان کی تیزی ختم ہو چکی اور ان کا مذہب صرف متکلمین کے مباحث میں باقی رہ گیا، پھر بھی اس کے اثرات نے عملی زندگی میں اپنی خاص جگہ بنالی تھی جس کا تذکرہ ہم اس کتاب کے تیسرے حصے میں کریں گے،

پس خوارج کی جماعت نہ تھی، جس کے مقابلے کے لئے کسی سخت جنگ اور جدوجہد کی ضرورت پڑتی جس کی وجہ سے لوگ اس سے ناراض ہو جاتے یا جس کی بدولت اس میں متقی اور پرہیزگاروں کی کمی ہو جاتی جیسا کہ شیعہ جماعت کا معاملہ ہے وہ اب تک بادشاہوں اور خلفاء سے مسلمانوں کی سیاست سے متعلق برسرپیکار ہیں،

بلاذری جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے حصے میں بتا چکے ہیں حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابن سبا کا

کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس طرح وہ حضرت علیؓ کے سلسلے میں خاموش ہے، بجز ایک مرتبہ کے جب ابن سبا ایک معمولی بات کے لئے حضرت علیؓ کے پاس دوسروں کے ساتھ آیا اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں سوال کیا، حضرت علیؓ نے بڑی سختی سے سرزنش کرتے ہوئے اس کو جواب دیا کہ تم لوگوں کو اس کے سوا کوئی کام نہیں؟ اور یہاں حالت یہ ہے کہ مصر ہاتھوں سے نکل چکا اور وہاں کے حامی قتل کئے گئے،

حضرت علی نے ایک یادداشت لکھی جس میں بتایا کہ عراقیوں کی بے وفائی کے بعد حالات کا انجام کیا ہوا؟ اور حکم دیا کہ یہ تحریر عوام کو پڑھ کر سنائی جائے کہ اس سے مستفید ہوں،

بلاذری لکھتا ہے کہ اس یادداشت کا ایک نسخہ ابن سبا کے پاس تھا جس نے اس پر زبردز بر لگایا تھا، لیکن یہ ابن سبا ابن سوداء نہیں ہے بلکہ وہ عبداللہ بن وہب ہمدانی ہے،

بلاذری ان سارے واقعات کی روایت میں امکانی احتیاط اور صداقت پیش نظر رکھتا ہے وہ لبسا اوقات لکھتا ہے اور آخر میں اپنے شک کا اظہار کر دیتا ہے کہ شاید وہ عراقیوں کی اختراع ہو،

واقعہ یہ ہے کہ عباسیوں کی حکومت کے مضبوط ہو جانے کے بعد اہل جماعت اور شیعوں کی باہمی خصومت میں مقابلہ، پروپیگنڈہ اور تحریک چلانے کا رنگ پیدا ہو گیا، جس میں بڑی عیاری اور اختراع سے کام لیا گیا ہے پس منصف مورخ کا فرض ہے کہ ابتدائی عہد کے ان فتنوں کا بیان کرتے وقت انتہائی احتیاط پیش نظر رکھے ظاہر ہے کہ شامیوں کے لئے عراقیوں کے حق میں دروغ بیانی بالکل آسان ہے، اسی طرح عراقیوں کے لئے شامیوں کے حق میں غلط بیانی کوئی مشکل بات نہیں، اور پھر ایسی حالت میں جب کہ واقعات پر ایک عرصہ دراز گذر چکا ہو اور حالات کی تحقیق دشوار ہو چکی ہو،

اور جن لوگوں نے اپنے لئے نبیؐ اور صحابہؓ کے متعلق حدیثیں وضع کرنا مباح کر لیا ہے ان کو اس میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ عراقیوں اور شامیوں کے بارے میں اپنی طرف سے اضافہ کریں؟ جس زمانہ کے حالات کا نقشہ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں اس کا مورخ دو باتوں کی وجہ سے بڑے سخت امتحان میں ہے،

پہلی بات اُن قصہ گویوں کا ادب ہے جو بصرہ اور کوفہ میں اس فتنے کے داستانیں کہا کرتے تھے، یہ لوگ اپنی طبیعت کے مطابق خیال آرائی کرتے، اور عرب کے مختلف قبائل سے تعصب برتتے تھے اور

غالباً وہ ان سے کچھ وصول بھی کیا کرتے تھے، کہ ان کا ذکر اہمیت کے ساتھ کریں اور ان سے ایسے ایسے کارنامے وابستہ کر دیں جو ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں پھران کارناموں کے ساتھ اشعار کی بھی روایت کرتے جائیں چاہے وہ اشعار صحیح ہوں یا غلط طور پر منسوب کر دیئے گئے ہوں یہی وجہ تھی کہ صفین اور جمل کے میدان میں سبھی شاعر بن گئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایسے واقعات بیان کئے گئے جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی،

چنانچہ اس نوجوان کا واقعہ جس کو حضرت علیؓ نے یوم جمل میں بصرہ والوں کے لئے قرآن اٹھانے کا حکم دیا تھا جو اپنے داہنے ہاتھ میں قرآن لیتا ہے اور جب وہ کٹ جاتا ہے تو بائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر جب وہ بھی کٹ جاتا ہے تو دانتوں سے یا مونڈھوں سے قرآن اٹھالیتا ہے حتیٰ کہ قتل کر دیا جاتا ہے،

ایک دوسرے آدمی کا واقعہ جو پچھاڑ کھا کر گرتا ہے اور اسے مہلک زخم آتا ہے وہ نزع کی حالت میں ہے اور شعر پڑھتا ہے جس میں کسی کی تعریف اور کسی کی مذمت ہوتی ہے یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے واقعات اور اشعار جن میں تصنع بالکل نمایاں ہے۔

دوسری بات متکلمین اور اہل جدل کے مباحث ہیں اور وہ ذخیرہ جس میں احادیث اور روایات پیش کر کے ان کے مسلک اور خیال کی تائید کی گئی ہے یہ بات اس لئے اور بھی مشکل اور پیچیدہ ہے کہ اس کا تعلق دین سے ہے فرقوں کے باہمی جدال اور اختلافات کو قدما نے کبھی دنیوی حیثیت نہیں دی بلکہ انہوں نے اس کو دین کا اصولی مسئلہ تصور کیا یا اصول سے متفرع ہونے والی کوئی بات، ایسی حالت میں مناظرہ کرنے والوں کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنے حریف کو کافر، فاسق، زندیق اور ملحد کہہ دیں اور احادیث وسیر میں سے جو کچھ خود صحیح خیال کرتے ہوں اس کے پیش نظر، نیز ایجاد بندہ کے طور پر جیسا چاہیں خطاب دے دیں،

بہر حال بلاذری عثمانی اور علوی دور میں ابن سبا سے متعلق کوئی فتنے کی بات نہیں لکھتا طبری اپنے راویوں سے لیکر اور بعد کے مورخین خود طبری سے لیکر ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ عہد عثمانی میں اور حضرت علیؓ کی خلافت کے پہلے سال میں فتنے کے سلسلے میں کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کو بھول جاتے ہیں، محدثین و متکلمین طبری اور اس کے راویوں کے ہم خیال ہیں لیکن طبری اور اس کے راویوں سے محدثین اور متکلمین کو جو بات الگ کر دیتی ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ ابن سودا اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ میں الوہیت تسلیم کر لی تھی اور یہ کہ حضرت علی نے ان کو آگ سے

جلا دیا، یہ بات اگر آپ کسی تاریخی کتاب میں تلاش کریں گے تو نہ پاسکیں گے، ہم نہیں جانتے کہ حضرت علیؓ کی مختصر مدت خلافت کے کس سال میں ان غلو کرنے والوں کا فتنہ ہوا، اسلام کے ابتدائی عہد میں تو کسی جماعت کو آگ سے جلا دینے کا واقعہ اور وہ بھی صحابہؓ اور متقی مسلمانوں کی موجودگی میں کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کا مورخین کوئی تذکرہ نہ کریں نہ اس کا وقت بتائیں اور نہ اس پر توجہ دیں،

مورخوں نے جو لکھا ہے وہ وہی ہے جو بلاذری نے مختصراً بتایا ہے کہ کوفہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر دیا، مرتد ہو جانے والوں کے لئے اسلام کا کھلا ہوا حکم ہے کہ ان سے توبہ کرائی جائے اگر کرلیں تو ان کا خون محفوظ ہے، اور اگر نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو ان کے مرتد ہونے پر اور توبہ نہ کرنے پر قتل کر دیا ہو،

ہر چند کہ بلاذری نے ان میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور نہ اس حادثے کا کوئی وقت معین بلکہ بلا وقت اور نام کے واقعہ لکھ دیا ہے جس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا،

اب ہمیں ابن سودا اور سبائیوں کو جن کا وجود صرف وہمی رہا ہو خواہ معمولی چھوڑ کر حضرت علیؓ کے پاس آنا چاہیئے جو کوفہ میں مقیم ہیں، اور حروراء چلنا چاہیئے، جہاں ثالثوں کا فیصلہ ہونے والا ہے،

پہلا خارجی

حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی اس ٹولی سے مطمئن نہ تھے جو جماعت کا ساتھ چھوڑ کر حرورا چلی گئی اور یہ ٹولی بھی بجائے خود اپنے مستقبل سے مطمئن نہ تھی اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ اس نے جنگ کا افسر شبث ابن ربعی تمیمی کو بنایا تھا، جو چند دنوں کے بعد کوفہ واپس چلا آیا، اور جماعت کا ساتھی ہو گیا حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ یہ لوگ راہ پر آجائیں اور خود یہ لوگ بھی پُر امید تھے کہ ان کے اور قوم کے درمیان جو ایک مشکل حائل ہو گئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا،

چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس وفد بنا کر اپنے آدمی بھیجتے تھے جو آپ سے گفت و شنید کرتے بحث و مناظرہ کرتے اور دعوت دیتے کہ شامی دشمنوں کے ساتھ از سر نو جنگ جاری کر دیں، حضرت علیؓ جواب میں فرماتے ہیں نے لڑائی سے گریز نہیں کیا بلکہ تمہیں لوگ اس سے بیزار ہوئے اور گھبرا گئے اور یہ کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں سے اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پا چکا ہے ایسی حالت میں ہمیں عہد کا پاس رکھنا ضروری ہے، وفد کے لوگ حضرت علیؓ کی باتیں سن کر اپنی جماعتوں میں جاتے اور ان کو سناتے لیکن اس کے بعد قوم اور زیادہ اصرار کے ساتھ قطع تعلق اور دشمنی پر زور دیتی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے پاس عبداللہ ابن عباسؓ کو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا جن سے ان لوگوں کا وہ مناظرہ ہوا جو متکلمین میں زیادہ مشہور ہے، عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت کیا، امیر المومنین کی کیا بات آپ لوگوں کو ناگوار ہے انہوں نے جواب دیا —— دو آدمیوں کا حکم تسلیم کر لینا، ابن عباسؓ نے جواب میں کہا، اللہ نے خود شکار کرنے والوں کے سلسلے میں حالتِ احرام میں حکم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

یا ایھا الذین آمنوا لا	اے ایمان والو احرام کی حالت میں
تقتلوا الصید وانتم	جانوروں کو قتل نہ کرو اور جو
حرم ومن قتلہ منکم	شخص تعمداً کرے گا تو اس کو

متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیاً بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مساکین او عدل ذالک صیاماً لیذوق وبال امرہ عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذوانتقام

اس جانور کے مساوی پاداش دینی ہوگی، اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں، اب یہ پاداش خواہ چوپایوں میں سے ہو، بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ مساکین کو کفارہ دیا جائے اور خواہ روزہ رکھ لیا جائے تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں،

اسی طرح زوجین میں جدائی کے خطرے پر دو حکم بنانے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا :-

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیماً خبیرا

اگر تم کو میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم ایک آدمی مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق کروا دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے

پس اللہ تعالیٰ نے خود چھوٹے چھوٹے معاملات میں لوگوں کو حکم بنایا ہے تو پھر بڑے معاملات کی کیا بات ہے جن کا تعلق خون کی حفاظت یا قوم کے اجتماعی مسائل سے ہے،

خارجیوں کی طرف سے اس کا جواب بالکل مسکت تھا، انھوں نے کہا — اللہ نے جن احکام میں فیصلہ کر دیا ہے اس میں تو مخالفت کی گنجائش نہیں البتہ جس معاملہ میں اللہ نے غور و فکر کی اجازت دی ہے اس میں لوگوں کے لئے جائز ہے کہ سوچیں اور اجتہاد کریں، مثلاً زانی سارق اور خون کرنے والے کے متعلق اللہ کا حکم مقرر ہے اب خلیفہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ کے اس فیصلے کی مخالفت کرے یا اس میں کوئی تبدیلی کر دے، امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اللہ کا

حکم باغی جماعت والی آیت میں صاف ہے پس حضرت علیؓ کو کوئی حق نہ تھا کہ اس میں کوئی تبدیلی کرتے ان کا فرض یہی تھا کہ وہ باغیوں سے بدستور جنگ جاری رکھتے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ابن عباسؓ کے ایک ساتھی صعصعہ ابن صوحان آگے بڑھے ان کو وعظ و نصیحت کی اور فتنے سے ڈرایا، تو کہا جاتا ہے کہ ان میں تقریباً دو ہزار آدمی ابن عباسؓ کے ساتھ کوفہ چلے آئے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو روانہ کرتے وقت کہا تھا کہ جب تک میں نہ آجاؤں قوم سے بحث و مباحثہ نہ کرنا لیکن ابن عباسؓ نے جلد بازی سے کام لیا، اور مناظرہ شروع کر دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ پہنچے دیکھا کہ ابن عباسؓ مغلوب ہو رہے ہیں چنانچہ آپ آگے بڑھے اور بحث کر کے قوم کی صحیح رہنمائی کی،

میں بھی یہی ٹھیک سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ابتداء میں ابن عباسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجنا کافی خیال کیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان سے مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے تو آپ نے خارجیوں کو مطلع کیا کہ وہ اپنے بارہ آدمیوں کو مناظرے کے لئے نمائندے مقرر کریں میں بھی اتنے ہی آدمی لیکر آتا ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ نکلے اور یزید ابن مالک ارحبی کی کٹیا تک پہنچے جن کی خارجی بہت عزت کرتے تھے اور وہاں کا چکر لگایا کرتے تھے حضرت علیؓ نے کٹیا میں دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد آگے بڑھے اور بحث میں حصہ لیا، لوگوں سے ان کی دلیل سنی جو بالکل واضح تھی جیسا کہ ہم بار بار پیش کر چکے ہیں، حضرت علیؓ نے جواب میں وہی کہا جو اکثر کہا کرتے تھے کہ انھوں نے خود جنگ سے گریز نہیں کیا اور نہ جنگ بند کرنے کی تحریک کی بلکہ آپ کے ساتھی جنگ سے بیزار ہوئے اور انھوں نے لڑائی بند کرنے پر مجبور کیا، اسی طرح تحکیم قبول کرنے پر بھی انھوں نے ہی مجبور کیا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں نے حضرت علیؓ کی بات مان لی کہ ساتھیوں کے مجبور کرنے سے آپ نے لڑائی ترک کر دی لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ تحکیم قبول کرنے پر کس طرح ساتھیوں نے مجبور کیا، وہ اکیلے تو لڑ نہیں سکتے تھے، اور اپنے ساتھیوں کی اقلیت کو ساتھ لیکر بھی جنگ نہیں کر سکتے تھے جبکہ اکثریت نے ساتھ چھوڑ دیا ہو، لیکن حضرت علیؓ ایسا تو کر سکتے تھے، معلوم نہیں کس طرح، کہ تحکیم والی تجویز سے انکار کر دیتے اس پر ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا، اس بات کا جواب دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے کہا — میں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ میرے اس طرز عمل کی وجہ سے لوگ اللہ کے اس قول میں داخل ہو جائیں

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من	اے محمدؐ! کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں
الکتاب یدعون الی کتاب اللہ	دیکھے جن کو کتاب (تورات)

لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون کا ایک کافی حصہ دیا گیا، اور اسی کتاب کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر بھی ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہیں،

اسی طرح شکار والی آیت میں اور زوجین میں جدائی والی آیت میں لوگوں کو ثالث کی ضرورت پڑے، تب خارجیوں نے کہا کہ قرارداد میں آپ کو امیر المومنین کیوں نہیں لکھا گیا کیا آپ کو اپنی خلافت میں کچھ شک ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے صیغے سے لفظ رسول اللہ مٹا دیا تھا، حالانکہ آپ کو نہ اپنی رسالت میں شک تھا نہ نبوت میں

پھر حضرت علیؓ نے حَکَمین کی طرف توجہ کی اور کہا دونوں سے اس بات کا عہد لیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے اب انھوں نے اپنے عہد کی پابندی کی تو بلا شک وہ فیصلہ ہے، لیکن اگر انھوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا تو ان کا فیصلہ فیصلہ نہیں ہے، اس وقت شامیوں سے جنگ کے سوا چارہ کار نہیں، حضرت علیؓ کے ان دلائل سے قوم بہت زیادہ متاثر ہوئی اور اس نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں حضرت علیؓ نے بھی محسوس کیا کہ بات بڑی حد تک نزدیک ہو چکی ہے اور زیادہ نزدیکی کے خیال سے آپ نے فرمایا، اپنے شہر چلے چلو، اللہ تم پر رحم کرے اس کے بعد سب کے سب آپ کے ساتھ کوفہ چلے آئے۔ واپس تو چلے آتے لیکن ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان کہنا چاہئے کہ کچھ غلط فہمی باقی رہ گئی، حضرت علیؓ نے سمجھا کہ میں نے ان کو حَکَم قبول کرنے اور حَکَم کے فیصلے کا انتظار کرنے کے بارے میں مطمئن کر دیا ہے، ان لوگوں نے سمجھا کہ اب حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں اور یہ وقفہ فوج کے لئے استراحت کا وقفہ ہے جس میں سواریوں کو تازہ دم اور ہتھیار ٹھیک کر لینا ہے اور اس کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑنا،

کوفہ میں وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے، اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہوا، اور غالباً کوفہ میں مقیم شامی جاسوسوں کے ذریعے یہ باتیں شام تک پہنچ گئیں اس لئے کہ امیر معاویہؓ کا قاصد حضرت علیؓ کے پاس آیا کہ عہد و پیمان پر وفاداری کے ساتھ قائم رہیں، ایسا نہ ہو کہ بکر اور تمیم کے دیہاتی آپ کا رخ پھیر دیں، حضرت علیؓ نے غلط بیان خارجیوں کی تردید کی اور بتایا کہ وہ ثالثی کی تجویز پر قائم ہیں،

اس کے بعد ابو موسیٰؓ کو فیصلے کے مقام پر اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ بھیجا شریح ابن ہانی

کو ان کا امیر بنایا، ابن عباسؓ کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا، اس کے بعد خارجیوں سے آپ کے تعلقات میں خرابی پیدا ہوگئی یہاں تک کہ وہ خطبے کے دوران میں ہر طرف سے لاحکم الا للہ کہہ کر ٹوکتے تھے، حضرتؓ یہ سن کر فرماتے

کلمة حق ارید بها الباطل۔ — یعنی حق بات باطل مقصد کے لئے استعمال کی جارہی ہے،

بعض خارجیوں نے خطبے کے دوران میں یہ آیت پڑھ کر ٹوکا،

لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین ، [1]

حضرت علیؓ نے جواب میں دوسری آیت پڑھی

فاصبر ان وعد اللہ حق ولا یستخفنك الذین لا یوقنون [2]

اس کے بعد بات بگڑتی ہی گئی یہاں تک کہ وہ بالکل الگ ہوگئے، اور غیظ وغضب میں تک کر آپؓ کو اور معاویہؓ کو بھی کافر کہہ دیا اور آپ کے پاس سے نکل کر لڑنے والے حریف بن گئے، حضرت علیؓ نے فرمایا اگر وہ خاموش رہیں گے تو ہم ان سے درگذر کریں گے، اگر گفتگو کریں گے تو ان سے بحث کریں گے اور اگر فساد کریں گے تو ان سے مقابلہ کریں گے

تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے فساد کیا اور پھر جنگ ہوئی،

---

[1] اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب خسارہ میں پڑے گا،

[2] بس آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں،

ثالثوں کا اجتماع

دونوں حکم دومۃ الجندل یا اذرح میں یا پہلے دومۃ الجندل میں پھر اذرح میں جمع ہوئے مقام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے بہر حال اکٹھا ہوئے، جہاں حضرت علیؓ کے چار سو ساتھی جن میں عبداللہ ابن عباس بھی تھے حاضر ہوئے، امیر معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے بھی چار سو آئے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے ساتھیوں میں موجود تھے یا ان سے بہت قریب تھے،

فیصلہ کرنے والے ثالثوں نے ان حضرات کی ایک جماعت کو مدعو کیا تھا، جو شروع سے فتنے کی باتوں سے کنارہ کش تھے، جس میں عبداللہ ابن عمر تھے، اور ان لوگوں کی ایک جماعت کو بھی مدعو کیا تھا، جو آخری دنوں میں فتنہ سے دور رہے اور صفین کے معرکے میں حاضر نہیں ہوئے، جیسے عبداللہ بن زبیرؓ انہوں نے سعد ابن ابی وقاصؓ کو بھی دعوت دی تھی، لیکن انہوں نے اپنے ایک بیٹے کے بیحد اصرار کے باوجود دعوت منظور نہیں کی اسی طرح سعید بن زید بن عمروؓ بن نفیل کو مدعو کیا گیا تھا، لیکن وہ بھی شرکت پر راضی نہیں ہوئے

اب ثالثوں نے اپنا کام شروع کیا، ان دونوں کی باہمی گفتگو لوگوں کے رو برو نہیں ہوتی تھی، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو خلوت میں لیجاتا اور بات چیت کرتا، حیرت ہے کہ ثالث کافی قیام پذیر رہے، اور ان کی باہمی گفت وشنید کا سلسلہ بھی غیر معمولی بڑھا، لیکن مورخین اپنی روائتوں میں بہت مختصر کٹی کٹی باتیں کہتے ہیں، اور وہ بھی بڑے اختلاف کے ساتھ جس میں جگہ جگہ تضاد ہے،

اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قرارداد جو ثالثوں کو فیصلے کا مجاز بناتی ہے بالکل مبہم اور پیچیدہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثالث یہ احساس رکھتے تھے کہ انہیں لوگوں کے نقطہ ہائے نظر پہ بحث کرنی ہے، اور اس کے بعد ایک ایسا عادلانہ فیصلہ کرنا ہے، جو کتاب اللہ کے احکام کے مناسب اور سنتِ جامعہ سے میل کھاتا ہو، چنانچہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے اور یہ کہ معاویہؓ ان کے خون کے ولی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں کہ قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کریں، لیکن معاویہ کو یہ مطالبہ کس سے کرنا چاہیئے؟ کیا حضرت علیؓ سے، حالانکہ معاویہؓ کا حضرت علیؓ پر یہ الزام ہے کہ وہ عثمانؓ

کے خلاف لوگوں کو جمع کرتے تھے اور بھڑکاتے تھے تو کیا معاویہ خود ہی قصاص لے لیں پھر تو جنگ ہوگی، اور اسی کو روکنے کیلئے مسلمانوں نے تحکیم یعنی ثالثی کی صورت نکالی ہے، اسلیئے یہ ضروری ہے کہ ایک امام چنا جائے جسکو عام لوگوں کی رضامندی حاصل ہو اور معاویہ اس سے مطالبہ کر سکیں کہ اللہ کا یہ حکم جاری کرے

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ	جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو
سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ	اختیار دیا ہے پس اسکے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرے
مَنْصُوْرًا ۔	کہ وہ شخص طرفداری کے قابل ہے ،

مورخین کہتے ہیں کہ عمرو بن عاص کی تجویز تھی کہ یہ امام خود معاویہؓ ہو، لیکن میں یہ بات نہیں مان سکتا عمرو بن عاص یہ تجویز کس طرح پیش کر سکتے تھے جب کہ خود انہیں کا کہنا ہے کہ معاویہؓ عثمانؓ کے ولی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ معاویہ خلیفہ ہو کر اللہ کے حکم کے اجرا کا مطالبہ خود اپنی ذات سے کریں اور پھر عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیکر خود ہی منصف اور خود ہی مدعی بنیں ،

کہا جا سکتا ہے کہ اگر عمرو بن عاص کی یہ تجویز منظور ہو جاتی اور معاویہؓ امام ہو جاتے تو مظلوم خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ حضرت عثمانؓ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے ، اور خود ہٹ جاتے ، لیکن معاویہؓ کی طاقت کا سرچشمہ تو یہی مظلوم خلیفہ کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہونا تھا، اگر وہ اس سے الگ ہو جائیں تو پھر لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ امام کیوں بنیں اس وقت نبیؐ کے صحابہ میں جو لوگ زندہ تھے ان میں معاویہؓ سب سے برتر نہ تھے ، متعدد صحابیؓ تھے ، جو فضیلت میں اسلام کی طرف پہل کرنے میں اسلام کے لئے مصیبتیں برداشت کرنے میں اور نبیؐ سے قریب ہونے میں معاویہؓ سے بہت آگے تھے ،

سعد ابن ابی وقاص تھے جو مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کے علاوہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ، انہیں دس آدمیوں میں سے ایک سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل بھی تھے ، پھر عبد اللہ ابن عمرؓ بھی تھے ، بقول ابو موسیٰ کے اچھے باپ کے اچھے بیٹے ،

ان وجوہ کی بنا پر میں اسے بہت دور کی بات خیال کرتا ہوں کہ عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ کو خلافت کے لئے پیش کیا ہو ، واقعہ جو کچھ بھی رہا ہو ، جن راویوں نے یہ تجویز بیان کی ہے انہیں کی روایت یہ بھی ہے کہ ابو موسیٰؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا ، اور حضرت علیؓ کو معاویہ پر فضیلت دی کہ وہ سابق الاسلام ہیں ، اسلام کیلئے قربانیاں دی ہیں ، پھر نبیؐ کی نگاہ میں ان کا ایک درجہ ہے ،

کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی طرح ابوموسیٰ نے بھی ان کے خلاف ایک تجویز پیش کی اور اچھے باپ کے اچھے بیٹے، عبداللہ ابن عمرؓ کا تذکرہ کیا اور اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ ان کا خلیفہ بنانا عمرؓ کے ذکر کو زندہ کرنا ہے، لیکن عمرو بن العاصؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، اس لئے کہ عبداللہ اس بوجھ کے سنبھالنے کے اہل نہ تھے، نہ شاندار تھے نہ سخت گیر اور نہ طاقتور، غالباً عمرو بن عاصؓ نے ابوموسیٰؓ کو اس کی یاد بھی دلائی ہوگی، کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو مجلس شوریٰ میں حاضری کا موقع دیا، لیکن کسی اور بات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی اور یہ کہ ان کے بارے میں، حضرت عمرؓ کی رائے سب جانتے تھے، مشہور تھا کہ ان میں طلاق دیتے رہنے کی علت تھی،

عراقی راویوں نے بڑے غلو سے کام لیا، ان کا خیال ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی اور تخلیہ میں ان سے کہا کہ اگر آپ مصر میرے حوالے کریں تو میں آپ کے لئے خلافت پیش کرتا ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے دین میں یہ پستی گوارا نہ کی، اور رشوت دیکر خلافت لینے سے انکار کر دیا،

میرے خیال میں یہ ان عراقیوں کا غلو ہے، جن کو عمرو بن العاصؓ سے دشمنی تھی، اور حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں ثالث خلافت کے لئے کسی امیدوار پر متفق نہیں ہو سکے اور اسی لئے ابوموسیٰؓ کی ہئیے یا عمرو بن العاصؓ کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ خلافت سے حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور امت کو پوری آزادی دیدیں کہ باہمی مشورے سے وہ جسکو چاہے خلیفہ چن لے، لیکن اس مشورے کا انہوں نے کوئی دستور العمل یا دستور العمل سے مشابہ کوئی نظام مرتب نہیں کیا اور اس بات کا اندازہ نہیں لگایا کہ بات جب سامنے آئے گی تو امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، عراق کے لوگ حضرت علیؓ کی طرف جھکیں گے اور شام کے لوگ معاویہ کی طرفداری کریں گے، اور باقی مسلمان جس کو چاہیں گے اس کی اتباع کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ حجاز والے ٹکڑے ہو جائیں، اور سعد ابن ابی وقاصؓ کو یا سعید بن زیدؓ کو یا عبداللہ بن عمرؓ کو یا ان کے علاوہ مہاجر صحابہؓ میں سے کسی کو پسند کریں، ان باتوں کی طرف دونوں ثالثوں نے کچھ غور نہیں کیا، اور نہ احتیاط برتی بس اس نتیجے پر پہنچے کہ دونوں کو معزول کر دیں اور امت کا اقتدار امت کو واپس کر دیں،

اب وہ خطرناک مشکل درپیش آتی ہے، جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے، کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا، دونوں ثالث لوگوں کے سامنے آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر متفق ہو چکے ہیں

جس میں مسلمانوں کے لئے امن اور چین ہے۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰؓ کو آگے کر دیا کہ متفقہ بات کا اعلان کر دیں، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ ابو موسیٰؓ کو ان کی عمر اور نبی کی صحبت میں ان کی سبقت کے پیش نظر ہر بات میں مقدم رکھتے تھے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عباسؓ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی سے ڈرے اور ابو موسیٰؓ کو اشارہ کیا کہ تم بعد میں کھڑے ہونا تاکہ عمرو بن العاص کے بعد تم کہہ سکو، لیکن ابو موسیٰؓ نے ابن عباس کی بات نہیں سنی، بلکہ کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد اعلان کیا، کہ ہم دونوں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کو معزول کر دینے پر متفق ہیں، اور خلافت مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کرتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ معاملہ ہاتھ میں لیں اور خلافت کیلئے جسکو چاہیں انتخاب کر لیں، اس کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا، انہوں نے اپنے ساتھی حضرت علیؓ کو معزول کیا اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں، اور اپنے ساتھی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں، تب ابو موسیٰ نے کہا یہ کیا، خدا تیرا بھلا نہ کرے، تو نے بدعہدی کی اور جھوٹ کہا، تیری مثال کتے کی ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی بھونکتا ہے، اور درگذر کرو تب بھی، عمرو بن العاصؓ نے اس کے جواب میں کہا آپ کی مثال گدھے کی سی ہے، جس پر کتابیں لادی ہیں،

اب قوم میں بڑا ہیجان پیدا ہوا، حضرت علیؓ کے حامیوں کے رئیس الوفد شریح ابن ہانیؓ نے عمرو العاصؓ پر اور عمرو بن العاصؓ کے لڑکے محمدؓ نے شریح پر کوڑے برسائے، پھر لوگ دونوں کے درمیان حائل ہو گئے، ابو موسیٰ نکلے اور سواری پر چڑھ کر مکہ کی طرف چل پڑے، اور شامی معاویہؓ کے پاس خلافت کی مبارکباد دینے آئے

اگر مورخین کا یہ متفقہ بیان ٹھیک ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے کھلا ہوا فریب کیا، ابو موسیٰ کے ساتھ دونوں کو معزول کرنے پر اتفاق کیا اور اس کے بعد ایک ہی کو معزول کیا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے قرارداد میں جو عہد و پیمان کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی، بس ان کا اور ان کے ساتھی کا فیصلہ ساقط ہو گیا،

قوم بلا کسی نتیجے پر پہنچے منتشر ہو گئی گویا وہ جمع ہی نہیں ہوئی تھی اور معاویہؓ اس میں ہر طرح کامیاب رہے، ان کے ساتھیوں کے سر سے لڑائی کی مصیبت ٹلی، خود ان کو یہ موقع ملا کہ اپنے آدمیوں کو دم لینے دیں اور اپنے معاملے کیلئے بڑی شان و شوکت اور بڑی توند کے ساتھ تیاری کریں، پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کو پھوٹ اور باہمی اختلاف کا شکار بنا دیا، اور مجبور کر دیا کہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کیلئے خطرہ بن جائیں

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی چالبازی غداری کی اس حد تک نہیں پہونچی تھی، انہوں نے ابو موسیٰؓ کی طرح دونوں کو معزول کرنے پر اکتفا کیا اور دونوں کو مساوی درجہ دیا اور یہ بھی بڑی کامیابی تھی،

لیکن یہ شاذ روایت صحیح نہیں اگر عمرو بن العاص وہی کہتے جو ابو موسیٰ نے کہا کہ دونوں کو معزول کرتے ہیں تو شامی امیر معاویہؓ کو مبارکباد کیوں دیتے، اور عمرو بن العاصؓ خود مبارکباد دینے والوں میں سے تھے، نیز بہت سے عراقی معزولی کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت منظور نہیں کرتے جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ ثالثوں کی بات تسلیم کریں گے، پھر مکہ اور مدینہ میں طبعی طور پر سخت اضطراب و انتشار پیدا ہوتا یہاں کے لوگوں نے عہد کیا تھا کہ حکم اگر انصاف سے کام لیں گے، تو وہ ان کے حکم پر عمل کریں گے اور جب بے انصافی نہیں ہوئی تو کیوں انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور جاہلیت کی چال چلنے لگے پھر وہ ممتاز صحابہؓ جو کنارہ کش تھے اور جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی، کس طرح اس بدعہدی پر راضی ہو گئے،

اس روایت کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ پوری امت خود غرض تھی، نفس پرور تھی اور احکامِ خداوندی کی مخالف، اللہ کا حکم ہے،

وأوفوا بعهد الله إذا عاهدتم	اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو
ولا تنقضوا الأيمان بعد توكيدها	اپنے ذمے کر لو اور قسموں کو ان کے
وقد جعلتم الله عليكم كفيلا	مضبوط کر لینے کے بعد مت توڑو اور،
إن الله يعلم ما تفعلون ولا تكونوا	تم اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک
كالتي نقضت غزلها من	اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہو، اور
بعد قوة أنكاثا تتخذون أيما	تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے
نكم دخلا بينكم أن تكون	اپنا سوت کاتا، پھر توڑ ڈالا کہ اس
أمة هي أربى من أمة إنما يبلوكم	طرح تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد
الله به وليبينن لكم يوم	ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ
القيامة ما كنتم فيه	سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے
تختلفون	بڑھ جائے

پس اس سے اللہ تعالیٰ ہماری آزمائش کرتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن اس کو واضح کر دے گا،

یہ تو کوئی معقول بات نہیں کہ پوری قوم بدعہدی پر متحد تھی، ہدایت کی جگہ گمراہی اور وفاداری کی جگہ غداری کو پسند کرتی تھی، البتہ ہوا یہ کہ دونوں میں سے ایک ثالث یعنی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی ابو موسیٰ کو دھوکا دیا، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کچھ سادہ لوح نہ تھے جیسا کہ مورخوں نے لکھا ہے اگر وہ ایسے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو صوبوں کی گورنری کیلئے پسند نہ فرماتے۔ اور نہ کوفے والے عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں فتنے کی شدت کے دوران میں اپنے شہر کیلئے ان کا والی ہونا پسند کرتے، البتہ وہ متقی پرہیزگار، نرم دل اور خلیق تھے، اور خیال کرتے تھے کہ مسلمان اور خصوصاً وہ مسلمان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف رکھتے ہیں اپنے نفس اور اپنے دین کے معاملے میں اس سے بلند و بالا ہیں کہ بدعہدی کی پستی تک اتر آئیں عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کے خیال کو غلط ثابت کر دیا اس سے زیادہ کوئی اور بات نہیں یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اپنا دین لئے مکہ چلے آئے اور وہیں گوشہ نشین ہو گئے اور اس کا ہمیشہ افسوس کرتے رہے کہ انہوں نے ابن عباس کی بات نہیں مانی، اس کے بعد عراقیوں کا وفد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور جو کچھ ہوا تھا اس کی رپورٹ دی خبر تو شاید پہلے ہی پہنچ چکی تھی، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی، گویا جو کچھ ہوا ان کی توقع کے مطابق تھا، البتہ ان کو یاد آگئی کہ میں نے، صفین میں جب قرآن اٹھایا جا رہا تھا تو قوم کو روکا تھا، اور کہا تھا کہ یہ لوگ قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں،

کوفہ کے اچھے آدمیوں کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کو اس بدعہدی پر بہت غصہ آیا اور وہ پھر جنگ کی تیاری کرنے لگے، اور مکاروں نے جو دنیا کے طالب تھے، مکر و فریب کی بات دل میں رکھی اور ظاہر ایسا کیا کہ وہ بھی اوروں کی طرح لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں، لیکن خارجی درمیان میں حائل ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے حامیوں کے ساتھ شام پر حملہ نہ کر سکے،



علیؓ اور خوارج

بلاذری کی روایت کے مطابق ثالثوں کا فیصلہ آجانے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا: ہر چند کہ زمانہ ایک بڑی مصیبت اور بڑا حادثہ لے کر آیا ہے، لیکن میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ امابعد ایک مخلص خیرخواہ کی نافرمانی حسرت اور ندامت کا باعث بنتی ہے، میں نے تم کو ان دونوں آدمیوں کے متعلق اور ثالثی کے متعلق اپنی رائے بڑی باریک بینی سے بتادی تھی کاش قصیر[1] کی رائے مان لی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا، لیکن تم کو تو اپنے ارادے پر اصرار تھا، اب تمہاری اور میری حالت ہوازن کے بھائی دُرید ابن صمہ کے شعر جیسی ہے،

امرتهم امری بمنعرج اللوی — میں نے منعرج اللوی کے مقام پر تنبیہ کردیا
فلم یستبینوا الرشد الاضحی لسخعل — تھا، لیکن یاروں کو ہوش دن چڑھے آیا،

سن لو جن ثالثوں کو تم نے پسند کیا، انہوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی طرف سے باتیں بنائیں اور اس طرح قرآن نے جس کو زندگی دی تھی اس کو مار ڈالا، اور جس کو قرآن نے مار ڈالا تھا اس کو زندہ کیا، دونوں نے اپنے فیصلے میں خیانت سے کام لیا، اس سے نہ ضرورت پوری ہوتی ہے اور نہ کوئی رہنمائی ملتی ہے پس اس فیصلے سے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا صالح طبقہ بری ہے، اسلئے تم جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور چلنے کیلئے اٹھ کھڑے ہو، اور دوشنبہ کے دن لشکر میں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ امام کے مقررہ وقت پر لوگ اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے، حضرت علیؓ نے بصرہ والوں کو لکھا تھا وہاں سے بھی ایک مستعد فوج آگئی، اس مرتبہ ابن عباس نہیں آئے اور حضرت علیؓ کے پاس صرف فوج بھیج دینے پر اکتفا کیا، اور حضرت علی اپنے ساتھیوں کو لیکر شام کے ارادے سے نکل پڑے، لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ان کو ایسی خبریں ملیں جن سے ان کا سارا منصوبہ درہم برہم ہوگیا، ان خبروں کا تعلق

[1] قصیر نامی شخص نے جذیمہ ابرص کو مشورہ دیا جس نے اس کے مشورہ کا کچھ خیال نہیں کیا یا لآخر مارا گیا

خارجیوں سے تھا، خارجی جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت علیؓ کے ساتھ واپس چلے آئے تھے، انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت علیؓ میدان سے ہٹ گئے، پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنی ہی راہ چل رہے ہیں، تو لا حکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا اور چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر کوفہ سے باہر نکلنے لگے کچھ تو چھپ چھپا کر اور کچھ کھلے بندوں بلا کسی جھجک کے، انہوں نے بصرہ کے اپنے بھائیوں کو بھی لکھا، اور وہاں سے کچھ راستے میں ان سے مل گئے، اور سب کے سب نے نہروان کا رخ کیا،

حضرت علیؓ یہ سب کچھ جانتے تھے، اور جب لا حکم الا للہ کا نعرہ سنتے یا اس کے متعلق کوئی گفتگو کرتا تو فرمایا کرتے کہ یہ ایک کلمۂ حق ہے جس کا رخ باطل کی طرف کر دیا گیا ہے، اسی طرح خارجیوں کے بارے میں کہا کرتے تھے، کہ ہم ان کو غنیمت سے نہیں روکیں گے، نہ ان کو پریشان کریں گے، نہ ان کے لئے برائی چاہیں گے، جب تک وہ کوئی اقدام نہ کریں، یا زمین پر فساد نہ پھیلائیں، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ چپ بیٹھیں تو ہم ان سے چشم پوشی کریں گے، اور اگر وہ گفتگو کریں گے تو ہم ان سے بحث کریں گے، اور اگر وہ فساد پھیلائیں گے تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے،

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو خط لکھا کہ دونوں ثالث کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اب وہ شام کی جنگ کے لئے علیؓ حامیوں کے ساتھ آئیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا ہم نے تحکیم سے پہلے آپؓ کو اس کی دعوت دی تھی، اس وقت آپؓ نے انکار کر دیا، اور اب تو ہم آپؓ کا ساتھ نہ دیں گے آپؓ اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے لڑ رہے ہیں، آپؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ سے آپؓ کی رشتہ داری لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر دے گی کہ وہ آپؓ کو سب سے زیادہ ممتاز سمجھیں، لیکن جب آپؓ نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے رخ پھیر لیا تو اب دنیا حاصل کرنے کے لئے ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، پس ہمارا آپؓ سے اور اس دنیا سے جو آپؓ کو مطلوب ہے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ آپؓ پہلے اپنے کو کافر کہئے پھر توبہ کیجئے جس طرح کہ ہم نے توبہ کی، اگر یہ آپؓ کو منظور ہے تو ہم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے آپؓ کے ساتھ ہیں ورنہ ہمارے آپؓ کے درمیان تلوار ہے،

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کو پریشان کرنے کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ شام پہنچنے کی دھن میں لگے رہے اور ان کے متعلق فرمایا کہ شاید وہ اپنے معاملات پر غور کریں اور سیدھی راہ پر آجائیں، لیکن حضرت علیؓ تک یہ اطلاعات پہنچیں کہ ان لوگوں نے فساد مچا رکھا ہے، انہوں نے عبداللہ ابن خبابؓ کو قتل کر دیا ہے

خباب کا شمار ممتاز صحابہ میں ہے، اور چند عورتوں کو بھی قتل کر دیا ہے جو عبد اللہ کے ساتھ تھیں اور یہ کہ وہ لوگوں کو چھیڑتے ہیں، اور ان میں دہشت پھیلاتے ہیں، تب حضرت علیؓ نے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ ان سے اس فساد کی باز پرس کرے، اور مطالبہ کرے کہ جن لوگوں نے ناحق خون کیا ہے ان کو اس کے حوالے کریں، لیکن قاصد کے پہنچتے ہی اس کو بھی قتل کر دیا، جب اسکی اطلاع آپؓ کو ہوئی تو آپؓ کے ساتھیوں نے یہ بات پسند نہیں کی، کہ خود شام کی طرف روانہ ہوں اور اپنے پیچھے خوارج کو آزاد چھوڑ جائیں کہ وہ فساد پھیلاتے رہیں اور ان کے اہل و عیال اور مال و متاع کو مباح بنائے رہیں، پس انہوں نے حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ وہ خوارج پر حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور جب ان سے فراغت پالیں تو شامی دشمنوں کی طرف توجہ کریں، اور اس طرح لڑیں کہ ان کو اپنے گھر بار کی طرف سے اطمینان رہے،

حضرت علیؓ نے ان کی یہ بات مان لی، اور ان کے ساتھ نہروان کی طرف روانہ ہوئے اور جب ان سے مقابلہ ہوا تو مطالبہ کیا کہ وہ عبد اللہ ابن خباب اور ان کے ساتھیوں نیز اپنے قاصد کے قاتلوں کو حوالے کر دیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم سب کے سب قاتل ہیں، حضرت علیؓ نے خط و کتابت کر کے اور کبھی ان تک پہنچ کر وعظ و نصیحت کی جس کا اثر اچھا ہوا اور بہت سے خارجی چوری چھپے کوفہ واپس آگئے اور ان کی بہت سی جماعتیں فوج سے کنارہ کش ہو گئیں، اور کسی جماعت سے وابستہ نہیں رہیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ رئیس الخوارج عبد اللہ ابن وہب راسبی کے گرد و پیش صرف تین ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی رہ گئے، حضرت علیؓ جب ان سے مایوس ہو گئے، تو فوج کو حکم دیدیا، لیکن پھر بھی ہدایت کر دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پہل نہ کریں، خارجیوں نے یہ دیکھ کر اپنی بھی تیاری کی اور ایک دن دوپہر کے وقت جنگ کے میدان میں اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کوئی پیاسا پانی پر لوٹ پڑتا ہے، ان کے منادی نے بلند آواز سے کہا، ہے کوئی جنت میں جانے والا جس کا جواب سب نے چلا کر دیا، ہم سب جنت کے جانے والے ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ کی فوج پر ایسی شدت کا حملہ کیا کہ اس کے سوار دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے ایک جماعت میمنہ کی طرف چلی گئی اور دوسری میسرہ کی طرف اور خارجی دونوں جماعتوں کے بیچ میں پڑ گئے حضرت علیؓ کے تیر اندازوں نے تیروں سے ان کا ڈھیر کر دیا، اور تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہو گیا اور میمنہ اور میسرہ کے سوار پھر ایک ہو گئے ایک خارجی بھی بچ نہ سکا انہیں مقتولوں میں ان کا سردار عبد اللہ ابن وہب راسبی بھی تھا، اور وہ جماعت بھی جو ثالثی سے پہلے حضرت علیؓ کی سب سے زیادہ مخلص تھی اور ان کی

میں جہاد کرتی تھی اس لئے کہ وہ آپؓ کی راہ کو اللہ کی راہ خیال کرتی تھی ۔

حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ آپ کچھ پریشان سے ہیں ، اور اپنے قریب کے لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ ذالثدیۃ (چھاتی والے) کو تلاش کرو ایک پیدائشی طور پر ناقص ہاتھ والا آدمی جس کے بازو پر عورت کے سینے کی طرح ابھار تھا اور اس ابھار پر چند سیاہ بال تھے ، لوگ مقتولوں میں پچھاڑ کھا کر گرنے والوں میں تلاش کرتے ہیں ، اور واپس آ کر کہتے ہیں کہ تلاش کی گئی ، لیکن کامیابی نہیں ہوئی ، حضرت علیؓ کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے اور فرماتے ہیں بخدا نہ میں نے جھوٹ کہا ، اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ، دیکھو تلاش کرو وہ آدمی مقتولوں میں ہے اتنے میں ایک آنے والا آتا ہے ، اور اطلاع دیتا ہے کہ وہ مل گیا ، یہ سنتے ہی حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی سجدے میں گر جاتے ہیں ، اس کے بعد آپؓ سر اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں واللہ نہ میں جھوٹا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے ، تم نے بدترین انسان کو قتل کیا ہے ۔

مورخین ، محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ ناقص ہاتھوں اور چھاتی والا آدمی وہی ہے ، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ " اے محمد انصاف کرو تم نے انصاف نہیں کیا ، جب حنین کے موقع پر آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور جس میں بعض عربوں کی دلجوئی کی تھی ، اس کے کہنے پر آپ نے ایک مرتبہ دو مرتبہ کچھ خیال نہیں کیا ، لیکن جب اس نے تیسری بار کہا تو آپ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے " اور فرمایا ، میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا ۔

اس وقت بعض مسلمانوں نے چاہا کہ اس کا کام تمام کر دیں ، لیکن آپؐ نے ان کو روکا ، محدثین اور مورخین روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ، اس شخص کی اصل سے ایک قوم نکلے گی جس سے دین اس طرح دور ہو جائے گا جیسے کمان سے تیر دور ہو جاتا ہے وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ۔

اب حضرت علی خوارج کی لڑائی سے فرصت پا گئے اور سبھوں کو قتل کر دیا بجز ان کے جو چھپ چھپا کر کوفے چلے آئے تھے یا جو جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے ، حضرت علیؓ کو اس کامیابی کی بڑی خوشی تھی اور خصوصاً ذالثدیہ کے اس حشر پر یہ آپ کا بڑا لڑاکا ساتھی تھا اور آپؓ کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے زیادہ حریص ، حضرت علیؓ کو جس بات کی بڑی خوشی تھی وہ یہ کہ اب انکے خیال کے مطابق ان کو اس ملے ہوئے دشمن سے فرصت مل گئی جو ان کی فوج کے لئے خطرہ تھا اور عراق میں رہ جانیوالے مال و عیال کے لئے پریشانی اور پراگندگی کا باعث ، جو پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا ، اور واپسی میں عراق کا راستہ بھی روک سکتا تھا ۔

حضرت علیؓ نے خیال کیا کہ تمام معاملات ٹھیک ہو گئے ، اب ان کو اپنی اس فاتح فوج کو شامی دشمنوں پر حملہ آور کر دینا ہے ، لیکن ایک بات جس کی طرف حضرت علیؓ نے توجہ نہیں کی اور کسی کو ان دنوں اس کا خیال نہ آیا کہ یہ تین ہزار آدمی جن کا صفایا ہو گیا یہ زیادہ تر عراق ہی کے تھے اور کچھ تھوڑے سے بصرہ کے اور ان میں ہر ایک کا تعلق انہیں دونوں شہروں کے کسی خاندان سے تھا ،

حضرت علیؓ کی جس فوج نے ان کو قتل کیا تھا ان میں انہیں کے قبیلے کے لوگ تھے چنانچہ عدی ابن حاتم مثلاً حضرت علیؓ کے ساتھ نہروان میں تھے اور ان کا لڑکا زید ان خارجیوں کے ساتھ تھا جو قتل کر دیا گیا ، اسی طرح کتنے ہی چچا زاد بھائی تھے جو اس دن باہم ایک دوسرے کے قاتل بنے اس قتل و خونریزی کے ان اسباب کے متعلق آپ کا جو جی چاہے کہہ لیجئے جو طرفین کو ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ کر دینے کے باعث بنے ، لیکن یہ سب کے سب مخلص تھے جس بات کو حق جانتے تھے اس کی مدافعت اخلاص کے ساتھ کرتے تھے ، اور بلا شبہ یہ سب کچھ ان سے ایک سچے دینی شعور کے ماتحت صادر ہو رہا تھا ، پھر بھی وہ سب کے سب بہرحال انسان تھے ان کے دلوں میں رنج و قلق کی وہ سب کیفیتیں تھیں جو ایک انسان کے دل میں بیٹے بھائی یا دوست کے قتل ہو جاتے سے پیدا ہو جاتی ہیں ، وہ اپنے دلوں میں غصے اور کینے کے سارے جذبات پاتے تھے جو کسی عرب کے دل میں بیٹے بھائی یا دوست کے قتل کئے جانے پر موجزن ہو جاتے ہیں ، پس وہ عہد جاہلیت کے ایک بہادر شاعر کی طرح محسوس کرتے ہیں جو کہتا ہے ،

فان اک قد بردت بهم غلیلی	ان کو مار کر میں اپنی پیاس تو بجھا سکا لیکن
فلم اقطع بهم الا بنانی	یہ تو میں نے اپنی ہی انگلیاں کاٹ لیں ،

اور جیسا کہ ایک دوسرے جاہلی شاعر نے محسوس کیا

قومی هم قتلوا امیم اخی	میرے بھائی کو تو میری ہی قوم نے مارا ہے اے
فاذا رمیت اصابنی سهمی	امم اب اگر میں ان پر تیر چلاؤں تو مجھ کو ہی
فلئن عفوت لاعفون جللا	لگ کر رہیگا ، معاف کر دوں تو بڑی بات ہوگی
ولئن سطوت لاوهنن عظمی	اور اگر حملہ کروں تو اپنی ہڈی توڑوں گا

اور جس طرح خود حضرت علیؓ طرفین کے مقتولوں کو معرکۂ جمل کے موقع پر دیکھ کر احساس فرماتے تھے اور کہتے تھے،

اشکو الیک عجری وبجری　　　　شفیت نفسی وقتلت محشری

بصرہ والوں پر فتح پاکر کوفہ والے، اپنے غم میں بھی خوش تھے، اور اس فتح نے ان کو صفین تک پہنچنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا لیکن آج نہروان کے معرکے میں تو کوفہ والوں نے خود کوفہ والوں کو قتل کیا ہے، بصرہ والوں نے خود بصرہ والوں کی جان لی ہے ایسی حالت میں حیرت نہ ہونی چاہیئے، اگر دلوں پر رنج و ملال چھا جائے اور غم والم اس طرح گھیرے کہ خیریت نظر نہ آئے اور حیرت نہ ہونی چاہیئے کہ اگر علیؓ اس حالت میں شام پر چڑھائی کا حکم دیں تو سرداران قوم جس میں مخلص بھی تھے اور مکار بھی یہ جواب دیں کہ اب تو ترکش کے سارے تیر ختم ہو چکے تلواریں ٹوٹ چکیں، نیزے نکمے ہو چکے اب ہم کو اپنے شہر جانے دیجئے تاکہ کچھ آرام کریں اور اپنے ہتھیار درست کرلیں اس کے بعد آپ کے ساتھ ہم دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے

پھر جیسے ہی حضرت علیؓ ان کو کوفہ کے باہر نخیلہ کے پڑاؤ پر لے کر آئے اور حکم دیا کہ پڑاؤ نہ چھوڑیں اور شہر میں داخل نہ ہوں تاکہ وہ حالات پر غور کریں، لیکن وہ چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار ایک ساتھ نکل بھاگے، یہاں تک کہ پڑاؤ میں بہت تھوڑے رہ گئے جن سے کوئی بات بن نہیں سکتی تھی، پھر تو حضرت علیؓ خود کوفہ چلے آنے پر مجبور ہوئے تاکہ جنگ کی تیاری پر از سر نو غور کریں،

امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت علیؓ شام پر حملہ آور ہوں گے، چنانچہ وہ اپنے آدمی لے کر صفین تک آ چکے تھے، لیکن حضرت علیؓ نہیں آئے اس کے بعد جب ان کو معلوم ہوا کہ خوارج کا معاملہ ہے اور حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے ہیں اور ان کے ساتھی ابھی لڑائی میں تعاون کے لئے تیار نہیں ہیں تو وہ خوش خوش بلا زحمت اٹھائے دمشق واپس آ گئے،

علیؓ اور حامیانِ علیؓ

حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو جیسا کہ سرداروں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا، یہ موقع دیا کہ کچھ دنوں آرام کر لیں اور پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں، پھر جب آپؓ نے اندازہ کر لیا کہ آرام کا وقفہ پورا ہو گیا، تو ان کو جنگ کے لئے نکلنے کی دعوت دی، ابھارا اور جہاد پر آمادہ کیا، لیکن ساتھیوں نے سنا اور کچھ نہیں کیا، آپؓ نے مزید مہلت دی، اس کے بعد اپنے ساتھیوں کی نصرت سے مایوس ہو کر خطبہ دیا اور کہا۔ اللہ کے بندو تمہیں کیا ہو گیا ہے، جب تم کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو گراں بار ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر رضامند ہو چکے ہو کیا تم عزت اور شرافت کے بدلے ذلت اور خواری اپنا اخلاق بنا چکے ہو، جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تمہاری آنکھیں سروں میں چکر کھانے لگتی ہیں، گویا تم موت کی طرف سے مدہوشی میں ہو اور تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں، پس تم امن کے زمانے میں جنگل کے شیر ہو، لیکن جب بہادری کے لئے پکارے جاتے ہو تو مکار لومڑیاں بن جاتے ہو تمہاری سرحدیں کم کی جا رہی ہیں، لیکن تم ذرا چیں بجبیں نہیں، تمہاری وجہ سے دشمنوں کی نیند حرام ہے اور خود تم خواب غفلت میں ہو، مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ جب تک تم مخلص ہو، میری دعائیں نیک خواہشیں اور غنیمت کا اضافہ تمہارے لئے ہے، اور یہ کہ میں تمہیں تعلیم دوں اور ادب سکھاؤں تاکہ نادانی نہ کرو اور سکھائے نہ جاؤ، اب رہا میرا حق تم پر تو وہ یہ کہ بیعت پر وفاداری کے ساتھ قائم رہو حاضری اور غیر حاضری میں میرے مخلص اور ہمدرد رہو، جب میں آواز دوں جواب دو جب حکم کروں تعمیل کرو،

لیکن یہ تقریر صرف ان کے کانوں تک پہنچی دلوں میں نہ اتر سکی، چنانچہ وہ سن کر چلے آئے اور کچھ نہیں کیا، نہ لڑائی کی تیاری کی نہ لڑائی کے کیلئے نکلے، نکلنے کی بات تو الگ رہی، لڑائی کی خواہش کا بھی اظہار نہیں کیا، اپنے شہر میں مقیم رہے اور اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی کے کاموں میں لگے رہے، گویا انہوں نے شام پر حملے کا کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، اور نہ حضرت علیؓ سے لڑائی کی مکمل اور مضبوط تیاری

کے لئے شہر میں آنے کی اجازت چاہی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس بدلی ہوئی کیفیت کے مختلف اسباب تھے، نہروان کے معرکے میں فاتحین کے قلق اور کبیدگی کا ذکر کر کے اور یہ بتا کر کہ فتح پانیوالوں کے دلوں میں رنج وغم کے گہرے جذبات اس لئے تھے کہ اس دن دوست اور دشمن سبھی قتل ہوئے، اور یہ دوست دشمن باہم ایک دوسرے کے عزیز اور رشتہ تھے، ہم نے اس حالت کے بعض اسباب کی طرف اشارہ کر دیا ہے اب اگر ہم اس سلسلے میں اس حقیقت کا اضافہ کر لیں کہ حضرت علیؓ جب سے خلیفہ ہوئے اپنے ساتھی مسلمانوں کو اسی قسم کی شدید ہولناک لڑائیوں پر بھیجتے رہے، جن سے قرابت کے رشتے ٹوٹتے رہے، باہمی تعلقات میں کمزوری اور میل جول میں خرابی پیدا ہوتی رہی، باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے، دوست دوست سے، اور سرپرست سرپرست سے لڑتا رہا، تو معلوم ہوگا کہ عراق کے لوگ معذور تھے، اگر وہ اکتا چکے تھے، اور ان میں ایسے معرکوں سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی، جن کا انجام حسرت وغم کے سوا کچھ نہ ہو، امام پر بھی اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں، اور نہ کسی کو معترض ہونا چاہئے، وہ اس بات کا پکا اور سچا ایمان رکھتے تھے کہ مسلمانوں پر خواہ کیسی ہی مصیبت آوے اور کیسی ہی کوشش کرنی پڑے، لیکن ان کا فرض ہے کہ حق بات کے لئے خلیفہ کی مدد کریں، آپؓ کے ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر تھا، وہ اس کو دین وایمان سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جمل کے معرکے میں اپنی جانیں پیش کر دیں، اور صفین میں بھی یہی کیا، اور ایک بار پھر پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور اس کے لئے تیار ہو کر گئے تھے،

لیکن مجبوراً نہروان جانا پڑا، کہ پہلے پیچھے سے ہونے والے حملے کا انتظام اور اپنے بال بچوں اور مال ومتاع کی حفاظت کا سامان کر لیں، لیکن نہروان پہنچ کر صرف بربادی ہاتھ آئی، بڑی خونریزی ہوئی، غم پر غموں کا اور حسرت پر حسرتوں کا اضافہ ہوگیا وہ تو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے سے، یہ جانتے تھے کہ، فوجیں، فتوحات کی غرض، اور اسلام کا اقتدار بڑھانے کے لئے ہیں، اور غیر مسلم دشمنوں سے مقابلے کے لئے تیار کی جاتی ہیں، لیکن وہ ہیں کہ بار بار خود مسلمانوں سے جنگ میں مبتلا کئے جا رہے جس کا نتیجہ سوائے خرابی اور تباہی کے کچھ نہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو چکا، حکومت کا اقتدار سرحدوں پر اضطراب کی حالت میں ہے،

رومیوں کا یہ حوصلہ کہ وہ شام پر حملے کا ارادہ کر رہے ہیں، مشرقی سرحدوں کی یہ کیفیت کہ حضرت علی کے گورنر پریشان ہیں، اور انتہائی کاوش کے بعد حالات قابو میں آتے ہیں،

پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نبیؐ کے ممتاز صحابہؓ کی ایک جماعت فتنہ اور لڑائی سے الگ ہے اور اہل قبلہ سے مقابلہ ناپسند کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ اس قوم سے برسرپیکار رہے جو لا الٰہ الا اللہ کہتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں، جنھوں نے اپنی تلوار توڑ دی اس لئے کہ مسلمانوں کی تلوار دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہے نہ کہ دوستوں سے جنگ کے لئے۔

پھر ہر شخص اپنے یقین اور ایمان میں حضرت علیؓ کی سی قوت، ارادے میں ان کی سی پختگی رائے میں ان کے جیسا خلوص نہیں رکھتا تھا اس لئے حیرت نہ ہونی چاہیئے اگر یہ تمام باتیں لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح بیٹھ گئی ہوں کہ وہ پوری طرح مغموم اور مشکوک ہو گئے ہوں ان کے دلوں میں ایک گہری مبہم ندامت نے گھر کر لیا ہو جس نے آپ کے ساتھیوں کو حیرت زدہ بنا دیا ہو اور جس سے ان کی تیزی ختم اور ان کی ہمتیں پست ہو گئی ہوں

مزید براں حضرت علیؓ کے ساتھی عراق میں امن و صلح کی حالت میں پر امید راحت اور پر فریب سکون محسوس کرتے تھے، چنانچہ وہ اپنے شہروں میں مقیم لڑائی سے دور گھر بیٹھے مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ پاتے تھے، پھر حضرت علیؓ نے اس سلسلے میں ان میں ایک اور طریقہ جاری کر دیا تھا جس سے وہ پہلے سے آشنا نہ تھے، عہد فاروقی میں حضرت علیؓ نے چاہا تھا کہ حضرت عمرؓ یہ طریقہ جاری کریں لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، اب جب کہ اقتدار اپنے ہاتھ میں آیا تو طبعی بات تھی کہ حضرت علیؓ اس کو جاری کرتے، جب سرحدوں سے بڑی مقدار میں مال آنے لگا تو حضرت عمرؓ نے مشورہ چاہا تھا، حضرت علیؓ نے اس وقت یہ رائے دی تھی کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہو سب کا سب لوگوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جاتے کہ کچھ باقی نہ رہ جائے، حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان لوگوں کی بات مانی جنھوں نے مشورہ دیا تھا کہ ایک رجسٹر تیار کیا جائے اور لوگوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جائیں،

پھر جب معاملہ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آیا تو مال کے آتے ہی لوگوں میں اس کی تقسیم کرنے لگے

البتہ مصالح عامہ کے لئے خرچ بچا لیتے ،حضرت علیؓ کو بیت المال میں کچھ رقم رکھنے سے زیادہ کوئی بات ناپسند نہ تھی وہ یہ بڑے حرج کی بات تصور کرتے تھے یہاں تک روایت کی جاتی کہ آپ کو یہ بہت پسند تھا کہ بار بار حکم دیں کہ بیت المال کو جھاڑ دے دی جائے ، پھر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے ۔ اس کے بعد آپ اس میں داخل ہوں اور دو رکعت نماز پڑھیں ، آپ کو یہ منظور نہ تھا کہ یکایک موت آجائے ، اور بیت المال میں کچھ بچا رہ جائے ، جو حقداروں تک نہ پہنچ سکے چنانچہ بیت المال میں جب کچھ از قسم میوہ جات آجاتا تو چاہے تھوڑا ہوتا چاہے بہت ، آپ اس کو تقسیم فرما دیتے ، اسی طرح شہد اور تیل اور اس قسم کی چیزیں بھی تقسیم کرتے ایک مرتبہ توسوئی اور دھاگہ بھی آپ نے لوگوں میں تقسیم کیا پس ظاہر ہے کہ یہ لوگ امن وصلح کو پسند کرتے تھے ، جن کو مشرقی فتوحات کا خراج اور سرحدوں سے آیا ہوا مال غنیمت شہر میں پہنچتے ہی تھوڑا یا زیادہ مل جایا کرتا تھا ،

یہ امن کی زندگی ان کو بڑی محبوب تھی ، بہر حال اس بے نتیجہ لڑائی سے تو بہت اچھی تھی جس میں مال غنیمت تو کچھ نہیں ملتا تھا اُلٹے تاوان پڑتا وان ادا کرنا پڑتا تھا ، اور دوستوں اور سرپرستوں کا قتل مزید براں ، اس طرح حضرت علیؓ کے ساتھی آرام وراحت کی زندگی گذارتے رہے ، اور جنگ ومقابلے کی ہر دعوت اور تحریک کو ٹالتے رہے ،

پھر امیر معاویہؓ کی چال نے ان کی دولت اور فارغ البالی میں اور اضافہ کر دیا اور ان کے افسروں اور سرداروں کو امن وسلامتی کا گرویدہ بنا دیا ان کے افسروں اور سرداروں کو امیر معاویہؓ مسلسل خطوط میں سبز باغ دکھاتے رہے ، ساتھ ہی عطیات اور انعامات کی پیش کش بھی کرتے رہے جو ان کو آئندہ کی توقعات پر آمادہ کرتی رہی اور چھوٹی سی نقد رقم وعدے کی بڑی رقموں کا فریب دیتی رہی تا آنکہ ان افسروں اور سرداروں کو خرید لیا ، اور ان کے دل خلیفہ کی طرف سے خراب کر کے ان کو منافق بنا ڈالا جو زبان سے خلیفہ کی اطاعت کا اعلان کرتے تھے اور دلوں میں اس کے غدار اور نافرمان تھے ، اور یہی کیفیت یہ سردار اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے ،

حضرت علیؓ کو چالبازی ، مکاری اور حیلہ بازی پسند نہ تھی ، ان باتوں کی جگہ وہ راستی اور راستبازی پسند کرتے تھے وہ حق کے حامل تھے خواہ اس میں کتنی ہی گرانباری ہو ، بے محل وہ ہرگز عطیہ نہیں کرتے تھے دکسی کو کچھ دے دلا کر اپناتے تھے ، اور نہ وہ چاہتے کہ مسلمانوں کا معاملہ رشوت پر ٹھیک کریں اگر حضرت علیؓ

چاہتے تو مکر اور چال سے کام لے سکتے تھے، لیکن انھوں نے دین کو مقدم رکھا اور اس کے سوا کسی بات پر راضی نہیں ہوئے کہ اپنے اونچے اخلاق کی سطح پر کھڑے رہیں، کھلی اور صاف بات کہیں، سچائی اور خلوص رکھیں، اللہ کے مخلص اور بندوں کے خیر خواہ بنیں، اور یہ سب کچھ مکاری اور فریب کے پردے میں نہیں بلکہ دلی رضامندی اور استقلال کے ساتھ،

وقتاً فوقتاً حضرت علیؓ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیا کرتے زیادہ تر تو نرمی سے پیش آتے لیکن کبھی سختی بھی فرماتے ایک دن آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا، —— اے وہ لوگو! جن کے جسم متحد لیکن دل کی خواہشیں جدا جدا ہیں تمھارے رہنما کی تحریک کمزور اور تمھارے غمخوار کا دل بے چین ہے، تمھاری باتیں سخت چٹانوں کو شق کر دیتی ہیں، لیکن تمھارے کام دشمنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تم کہتے ہو بات یہ ہے بات وہ ہے، بہانے کی سب جھوٹی باتیں، تمھارا مجھ سے مہلتیں مانگتے رہنا، ٹال مٹول کرنے والے مقروضوں، اور میدان سے بھاگنے والوں کی سی حرکتیں ہیں ذلیل آدمی ظلم و زیادتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، حق تک پہنچنے کے لئے ضرورت ہے کوشش کی پختہ ارادے کی، اور صبر کو اپنا شعار بنا لینے کی تم اپنے گھر کے بعد کس گھر کی حفاظت کرو گے؟ میرے بعد کس امام کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے؟ بخدا مغرور وہ ہے جس کو تم نے فریب میں رکھا جس کے حصے میں تم آئے بخدا اس کا حصہ نامرادی کا ہے، اب تو میں تمھاری مدد کا خواہاں نہیں اور نہ تم کو سچا جانتا ہوں خدا تم کو مجھ سے جدا کر دے، مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے بہت جلد تم ذلت کے گڑھے میں گرو گے تمھارے سروں پر تلوار ہوگی، ظالم تم میں خود غرضی رائج کرے گا، تمھاری جماعتوں کو منتشر کرے گا، اور تم کو رلائے گا، تمھارے گھروں میں فقر و فاقہ ہوگا۔ تھوڑے دنوں بعد تم تمنا کرو گے کہ مجھے پاتے اور میرا ساتھ دیتے اس وقت میری بات کی صداقت تم کو معلوم ہوگی اور اللہ ظالموں کو ہی دور رکھتا ہے،

لیکن یہ سن کر سب ادھر ادھر ہو گئے، اپنی بے عملی سے حضرت علیؓ کو مایوس کر دیا، بعض راویوں نے ان روایت کرنے والوں کا بیان لکھا ہے، جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حضرت علیؓ سر پر قرآن اٹھائے فرما رہے ہیں! اے میرے خدا میں نے قرآن میں جو کچھ ہے اس کی طلب کی تھی، ان لوگوں نے مجھے اس سے بھی روکا اے خدا میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ بھی مجھ سے برداشتہ خاطر ہو چکے ہیں مجھے ان سے نفرت ہے اور ان کو بھی مجھ سے نفرت ہے، مجھے ان لوگوں نے ایسے طور طریقوں پر مجبور کیا جن سے میری

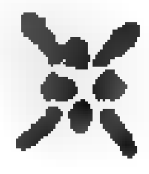
عادت و اخلاق کا کوئی تعلق نہیں، پس ان کے عوض مجھے ان سے بہتر آدمی دے اور میرے عوض ان کو مجھ سے کوئی بُرا بدل دیدے اور ان کے دلوں کو اس طرح گھول دے جس طرح پانی میں نمک۔

نہروان کے معرکے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی ایک مسلسل ابتلا اور انتہائی کوفت کی زندگی تھی وہ دیکھتے تھے کہ حق آفتاب کی طرح روشن ہے اور یہ کہ ان کے ساتھی قوت اور بہادری، تعداد اور تیاری میں ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ حق تک پہنچ جائیں، اور حق کا بول بالا کردیں لیکن انھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اپنے فرض سے غافل ہوگئے، بلائے جاتے ہیں تو جواب نہیں دیتے حکم پاتے ہیں تو اس کی تعمیل نہیں کرتے، فہمائش کی جاتی ہے تو نصیحت گیر نہیں ہوتے، انھیں زندگی سے محبت اور موت سے نفرت ہوگئی، وہ جنگ سے تنگ اور امن و عافیت کے خوگر ہوگئے، وہ راحت سے لذت گیر اور مشقت سے اکتا گئے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ معاویہؓ عراق میں ان کی سرحدیں ہضم کر رہے ہیں، عراق سے باہر کے علاقوں پر دھاوا کرتے ہیں، اور وہاں کے لوگوں کو لوٹتے ہیں اور جب حضرت علیؓ ان کو بلاتے ہیں تو جواب نہیں دیتے ہیں، حکم دیتے ہیں تو نافرمانی کرتے ہیں، ہاں کچھ تھوڑے سے آدمی آپ کی باتیں سنتے تھے، لیکن ان سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ حقدار اپنے آپ کو خیال کرتے تھے لیکن جب اس کا رُخ دوسرے خلفاء کی طرف کر دیا گیا تو آپ صبر سے کام لیتے رہے، پھر جب خلافت آپ کے پاس آئی تو آسانی اور اطمینان کی فضا میں نہیں بلکہ پریشانی کی حالت میں اور بعد از خرابی بسیار، آپ کو آپ کے ساتھیوں کو خلافت نے بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا کیا اور آخر میں آپ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جو کسی خوددار اور سچے ایماندار کے لئے قابلِ برداشت نہیں تھا، خلیفہ جس کی بات مانی نہیں جاتی، جو حق تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن پہونچ نہیں سکتا، اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی کمزوری ہے، یا اس کے حامیوں کی تعداد کم ہے یا اس کے ساز و سامان میں کوئی خامی ہے بلکہ اس لئے کہ ساتھی اس کا ساتھ دینا نہیں چاہتے، ساتھیوں کو ساتھ دینے اور جنگ کرنے کا پھل اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ رشتہ داریاں اور تعلقات ٹوٹ گئے، دوست اور آشنا قتل ہوئے، مصائب برداشت کرنے پڑے اور بلا مالِ غنیمت جان ہلاکت کے خطرے میں ڈالنی پڑی پس انھوں نے امن و سکون کو اچھا سمجھا اور اسی طرف جھک پڑے، پھر اس طرح جھکے کہ صرف

امن وسکون پر قناعت نہیں کی ، بلکہ بے نتیجہ بحث ومباحثے کے لئے فرصت نکالی اور اسی میں اپنا سارا وقت اور کوششیں صرف کرنے لگے ، انہی دنوں میں ان کے چند آدمی حضرت علیؓ کے پاس آتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں، اسی اثنا میں کسی سرحد سے رنج دہ خبریں آتی ہیں جن سے آپ کا دل غم سے بھر جاتا ہے اسی غم انگیز حالت میں آپ ان کو جواب دیتے ہیں

کیا تم کو یہی کام رہ گیا ہے ادھر شامیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے حاکم محمد ابن ابوبکرؓ کو قتل کر دیا ہے ■



علیؓ اور خوارج

حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے ہاتھوں جس کوفت اور مصیبت میں مبتلا تھے وہ یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ شدت اور خرابی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے چنانچہ بہت جلد آپ کو معلوم ہو گیا کہ نہروان میں آپ کی کامیابی بے فیض رہی جس کے لئے آپ نے بڑی مشقت اٹھائی تھی اور جس کے بعد آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا دل بڑا مغموم اور حسرت زدہ بنا رہا، اس لئے کہ نہروان میں تمام خوارج کا خاتمہ نہیں ہو گیا، البتہ ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی، لیکن ابھی وہ کوفہ میں تھے اور آپ کے ساتھ تھے بصرہ میں آپ کے گورنر کے ساتھ تھے علاوہ ازیں کوفہ اور بصرہ کے قرب وجوار میں پھیلے ہوئے تھے،

یہ خارجی نہروان کے معرکے میں کام آنے والے اپنے بھائیوں کا قصاص اپنے دلوں سے بھلا نہ سکے، اور یہ شکست ان کے فکر و نظر کے کسی گوشے میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی بلکہ اس سے ان کی قوتوں میں اور اضافہ ہوا اور ان کو وہ مذموم اور ہولناک طاقت بھی ملی جس کا سرچشمہ بغض، کینہ اور انتقام کے جذبات ہیں،

حالات اور واقعات نے ان خارجیوں کے لئے ایک محاذ اور ایک پالیسی بنا دی جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں کبھی منحرف نہیں ہوئے، وہ محاذ اور پالیسی یہ ہے کہ خلفاء کے ساتھ مکاری اور فریب کیا جائے، لوگوں کو ان کے خلاف ابھارا جائے کسی بات میں ان کا ساتھ نہ دیا جائے اگر اقتدار اور قوت نہ ہو تو اپنے مسلک کی دعوت دی جائے، پھر جب اکثریت حاصل ہو جائے اور حکومت سے ٹکر لینے کی طاقت پیدا ہو جائے تو چھپ چھپا کر یا کھلے بندوں شہر سے دور باہر نکل کر ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور مقابلے کی صورت میں اپنی نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلواریں بے نیام کر لیں۔

چنانچہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے گرد وپیش یہ لوگ مکر و فریب کی کارروائیاں کرتے رہے اور گھات میں لگے لوگوں کے خیالات اور دلوں کو پھیراتے رہے آپ کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے آپ کے خطبات اور آپ کی باتیں سنتے بعض اوقات خطبے اور گفتگو میں قطع کلام بھی کرتے لیکن اس کے باوجود

آپ کے انصاف سے مطمئن اور آپ کی گرفت سے بے خوف تھے خوب جانتے تھے کہ جب تک پہل خود ان کی طرف سے نہ ہوگی آپ نہ ان پر ہاتھ اٹھائیں گے نہ ان کی پردہ دری کریں گے اور یہ مال غنیمت میں حصہ پاتے رہیں گے، اور وقتاً فوقتاً جو کچھ ملتا رہے گا اس سے مقابلے کی تیاری کریں گے،

حضرت علیؓ نے طے کر لیا تھا اور لوگوں کو اور خود خارجیوں کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کریں گے آپ کی طرف سے کوئی مخالفانہ کارروائی عمل میں نہیں آئے گی آپ کے اس عدل اور درگذر نے اس نرمی اور احسان فرمائی نے خارجیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور آپ ان کے ارادوں سے پوری طرح واقف بھی ہو چکے تھے آپ کے دل میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ یہی خارجی آپ کے قاتل ہیں چنانچہ اکثر اپنی داڑھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان سے رنگین ہو کر رہے گی،

معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ باخبر کئے گئے تھے کہ آپ مقتول مریں گے، اور یہ کہ آپ کا قاتل اس اُمت کا بدبخت ترین شخص ہوگا،

چنانچہ ساتھیوں کی نافرمانی سے جب تنگ آجاتے اور اُکتا جاتے تو خطبوں میں اکثر فرمایا کرتے ——— "بدبخت نے کیوں دیر لگا رکھی ہے"

خوارج کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی کبھی آپ کے سامنے آجاتے اور علانیہ بلا کسی تردد کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے، چنانچہ ایک دن خریت بن راشد سلمی جو سامہ بن لوی کی اولاد میں ہے آیا اور کہنے لگا،

خدا گواہ کہ میں نے نہ آپ کی اطاعت کی اور نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے کہا خدا تیرا بیڑا غرق کرے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اپنا عہد توڑا اور اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا اور ایسا تو کیوں کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ آپ نے قرآن میں ثالثی منظور کی اور جب سرگرمی کا وقت آیا تو کمزوری دکھائی اور ان لوگوں پر اعتماد کیا جنھوں نے آپ پر ظلم کیا، پس میں آپ کو اور ان کو ملزم سمجھتا ہوں اور قابل نفرت،

اس پر بھی حضرت علیؓ نہ اس پر خفا ہوئے نہ اس کی گرفتاری کی بلکہ اس کو مناظرے کی دعوت دی کہ بات کا صحیح رُخ اس کے سامنے پیش کر دیں شاید وہ حق کی طرف لوٹ سکے، خریت نے کہا میں کل

آؤں گا، حضرت علیؓ نے یہ منظور کرلیا اور آزادی کے ساتھ اس کو جانے دیا۔ ایسا نہیں کیا کہ اس کو جیل میں رکھ کر سوال وجواب کرتے، پھر وہ اپنی قوم بنی ناجیہ کے لوگوں کے پاس آیا جہاں اس کا بڑا اثر تھا اور جن کو لے کر جمل اور صفین کے معرکوں میں شریک ہوا تھا ان کو حضرت علیؓ سے اپنے سوال وجواب کی کیفیت بتائی اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں کوفہ سے لڑائی کے ارادے سے نکل گیا راستے میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دو آدمی ملے جن سے انہوں نے ان کا مذہب پوچھا ان میں سے ایک یہودی تھا، اس نے اپنا مذہب بتادیا، اس کو ذمی خیال کر کے چھوڑ دیا، دوسرا عجمی مسلمان تھا۔ جب اس نے اپنا مذہب بتایا تو اس سے حضرت علیؓ کے بارے میں سوال کیا جب اس نے تعریف کی تو اس کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا، یہودی نے مضافات کے ایک حاکم کو واقعات کی اطلاع کی جس نے حضرت علیؓ کو لکھا پھر حضرت علیؓ نے ایک فوج بھیجی کہ ان کو تلاش کرے اور اطاعت کا حکم دے اگر انکار کریں تو مقابلہ کرے، چنانچہ فوج پہنچ گئی، فوج کے افسر اور خریث میں بحث ومباحثہ ہوا لیکن بے نتیجہ تب افسر نے مقتول مسلمان کے قاتلوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا خریث نے انکار کیا اس پر دونوں میں سخت مقابلہ ہوا جس میں کوئی بھی غالب نہ آسکا شام ہونے پر فریقین لڑائی سے رک گئے اور خریث اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ کی طرف بھاگ نکلا۔

حضرت علیؓ نے ایک دوسری فوج بھیجی جو بڑی تھی اور زیادہ طاقتور اور ان کے تعاقب کا حکم دیا اور اپنے بصرہ کے حاکم عبداللہ ابن عباسؓ کو لکھا کہ اس فوج کی امداد کریں۔ چنانچہ انھوں نے مدد کی اور فریقین میں مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ خریث کے ساتھیوں میں ابتری پیدا ہوئی لیکن وہ اس مرتبہ بھی رات کی تاریکی میں اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا،

تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص کی حقیقت کھلی کہ اس نے حکومت یا حق کی مخالفت میں خروج نہیں کیا، ایک جانباز دلیر تھا، خارجیوں پر ایسا ظاہر کرتا تھا کہ ان کا ساتھی ہے، اور عثمانیوں میں اپنے کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا طالب بتاتا، بہت سے مخلوط نسل کے لوگوں کی ٹولیاں اس کے ساتھ ہوگئیں اور وہ دریا کے ساحل پر بڑھتا گیا جتنا بھی وہ آگے بڑھا موٹے مسٹنڈے غریب عجمی مسلمان اور مخلوط لوگوں کی جماعتیں اس سے ملتی گئیں تاآنکہ اس کی فوج بہت بڑھ گئی اور وہ بڑی اہمیت کا مالک ہوگیا عیسائیوں کی ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہوگئی جس میں کچھ ایسے تھے

کہ مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی ہو گئے اور بعض اپنے دین پر قائم رہ گئے لیکن جزیے سے چھٹکارا پانے کی یہ صورت نکالی، حضرت علیؓ کی فوج خریت اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھی چنانچہ ایک دن ان کو گھیرے میں لے لیا اور معرکہ آرائی ہوئی جس میں خریت مارا گیا اور اس کے ساتھیوں کو حضرت علیؓ کے افسر نے قید کر لیا ان میں سے جو مسلمان تھے ان کو چھوڑ دیا اور جو مرتد ہو گئے تھے ان سے توبہ کرنے کے لئے کہا جو مسلمان ہو گیا اس کو چھوڑ دیا اور جو مسلمان نہیں ہوا اس کو قیدی بنایا،

افسر نے اس واقعے کی اطلاع حضرت علیؓ کو دی اور قیدیوں اور ساتھیوں کو لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوا، یہ قیدی پانچ سو کی تعداد میں تھے، یہ لوگ راہ میں فارس کے ایک علاقے سے گذرے جس کا حاکم حضرت علیؓ کا مقرر کردہ مصقلہ ابن ہبیرہ شیبانی تھا، قیدی چلا چلا کر اس سے فریاد کرنے لگے کہ ان کو اس قید سے نجات دلائے اور یہ زیادہ تر اسی کی قوم بکر ابن وائل ہی سے تھے، مصقلہ نے ان کو حضرت علیؓ کے افسر سے خرید لیا اور آزاد کر دیا لیکن جو قیمت دینی منظور کیا تھا اس کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا،

یہ لوگ کوفہ پہنچے اور حضرت علیؓ کو قیدیوں کے ساتھ مصقلہ کا واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے افسر کی تعریف کی اور اس کی رائے کی تائید اور انتظار کرتے رہے کہ مصقلہ اپنے ذمہ کی واجب الادا رقم بھیجے گا لیکن جب اس نے دیر کی تو آپ نے مطالبہ کیا اور اصرار اور پھر دھمکی دی، اس کے بعد ایک تقاضہ کرنے والے کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر ٹال مٹول کرنا چاہے تو بصرہ کے حاکم عبد اللہ ابن عباسؓ کے پاس اس کو پہنچا دینا،

مصقلہ کا یہ واقعہ پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اس ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جو حضرت علیؓ کی اطاعت کے بارے میں اس زمانے کے اکثر عراقی سردار رکھتے تھے، مصقلہ نے قرض ادا کرنے سے پہلوتہی کی اور ابن عباسؓ کے پاس لایا گیا، جب ابن عباسؓ نے قرض کی ادائگی کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا — اگر ابن عفان کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم کا آپ مطالبہ کرتے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوتا، اس کے بعد فریب دے کر بصرہ سے بھاگ نکلا اور امیر معاویہؓ سے جا ملا، انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ملاقات کی کھلایا پلایا اور خوش کیا، یہ دیکھ کر مصقلہ نے چاہا کہ اپنے بھائی نعیم بن ہبیرہ کو بھی اپنے پاس بلالے، چنانچہ

بنی تغلب کے ایک عیسائی جلوان نامی کے ہاتھ اس مقصد کے لئے ایک خط بھیجا لیکن جیسے ہی یہ نصرانی کوفہ پہنچا حضرت علیؓ کو حالات کا پتہ چل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ صرف خط پہنچانے نہیں آیا ہے بلکہ جاسوسی اور مخبری بھی اس کا کام ہے، چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اس کے بعد وہ مرگیا، نعیم اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہتا ہے

لاتامنن ھداک اللہ عن ثقہ ریب الزمان ولاتبعث ھجلوانا

خدا تم کو ہدایت دے زمانے کے فریب سے بےخوف ہو کر جلوان سے جیسے آدمی کو نہ بھیجا کرو

ماذا اردت الی ارسالہ سفھا ترجو سقاط امرا ماکان خوانا

اس کے بھیجنے کی بے وقوفی سے تمہارا کیا مقصد تھا تم کو ایک شخص سے گراوٹ کی امید تھی جو خائن نہیں

عرضتہ لعلی انہ اسد یمشی العرضنۃ من آسا و خفانا

تم نے اس کو علیؓ کے بالمقابل بھیجا وہ تو نرم پتھروں کے شیروں میں سے ایک شیر ہیں میدان میں چلتے ہیں

قد کنت فی منظر عن ذا و مستمع تاوی العراق و تدعی خیر شیبانا

عراق آتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے اور شیبان کے بہترین بزرگ کہے جاتے

لوکنت ادیت مال القوم مصطبرا للحق احییت بالافضال موتانا

حق پیش نظر رکھ کر اگر قوم کا مال پیش کر دیتے تو ہمارے مرحوم بزرگوں کو زندگی بخشتے

لکن لحقت باھل الشام ملتمسا فضل ابن ھند و ذاک الرای اشجانا

لیکن تم ابن ہند (معاویہؓ) کی مہربانیوں کے جویا بنے جو شام چلے گئے اور یہ بات ہم کو رنجیدہ بنانی ہے

فالآن تکثر قرع السن من ندم وما تقول وقد کان الذی کانا

اب تم ندامت میں دانت پیستے ہو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا،

وظلت تبغضک الاحیاء قاطبۃ لم یرفع اللہ بالبغضاء انسانا

تمام قبائل تم سے نفرت کریں گے، اللہ نے نفرت اور بغض سے کسی قوم کو سربلند نہیں کیا

پس حضرت علیؓ کے لئے معتقد کی اطاعت ایک ایسے آدمی کی اطاعت نہ تھی جو اپنے سب کاموں میں حق اور ایمانداری کو پیش نظر رکھتا ہو اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر صبر اور ثابت قدمی سے اپنے فرائض انجام دیتا ہو بلکہ اس کی اطاعت ایک خلیفہ کے لئے ایک معمولی آدمی کی اطاعت تھی ایسا آدمی

جو تن پرست، موقع پرست اور مطلبی ہے جو اپنی بھلائی چاہتا ہے جس طرح بھی بن آئے اور یہ مصقلہ اس معاملہ میں تنہا نہیں تھا بلکہ بصرہ اور کوفہ کے بڑے لوگوں میں اس کے جیسے بہت سے افراد تھے، خواص کا یہ حال تھا پھر عامی آدمی کس قطار اور شمار میں ہوں گے،

مصقلہ قیدیوں کو خریدتا ہے اور اُن کو آزاد کر دیتا ہے اس لئے نہیں کہ اللہ سے ثواب کا متمنی ہے یا کسی اچھے کام کا بڑا شائق ہے بلکہ قبیلے کی طرفداری کے جذبے سے اور خلیفہ کے ساتھ چالبازی کر کے اپنے جذبے کی تکمیل کرتا ہے جب حاکم کو اس کی مکاری کا پتہ چلتا ہے اور وہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے تو تعمیل نہیں کرتا بلکہ فرار ہو کر ان لوگوں سے جا ملتا ہے جو خلیفہ سے برسرپیکار ہیں، اور اس کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے ہیں، اس طرح مصقلہ دوستی کی حد سے نکل کر دشمنی کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ امیر معاویہؓ کا اس سے ملاقات کرنا، اس کو خوش آمدید کہنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اسی طرح برا فعل ہے جس طرح اس کا قرض کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا، اور شام بھاگ جانا، امیر معاویہؓ نے جو کچھ کیا اس کو چال اور مکر کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا ایک سچا مسلمان ہرگز وہ بدلا نہیں دے سکتا جو انہوں نے مصقلہ کو دیا، یہ تو اس وقت موزوں ہوتا کہ کوئی ان کے پاس بھاگ کر آتا کہ قیصر کے خلاف کوئی ریشہ دوانی کرنی ہے جس سے دشمن کے مقابلے میں ان کو مدد ملتی ہے لیکن اپنے خلیفہ کے ساتھ مکاری کرنے والے کو پناہ دینا اور وہ محض اس لئے کہ شاید اس سے عراق میں خرابیاں پیدا کرنے کا کام لیا جا سکے معاملہ کا یہ وہ پہلو ہے جو امیر معاویہؓ کی اس سیاست کے اہم رخ کو بے نقاب کر دیتا ہے جس پر وہ اپنے جدید اقتدار کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے یہ دنیاوی سیاست تھی جس کا دامن دنیاوی سازوسامان، دنیوی ضرورتیں، منفعتوں، خواہشوں اور ہوسناکیوں سے بھرا ہوا ہے۔

یہاں پہنچ کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے سیاسی مسلک کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے حضرت علیؓ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور امیر معاویہؓ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر،

حضرت علیؓ کو جب مصقلہ کے فرار ہونے کی خبر ملی تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، کام تو اس نے سرداروں جیسا کیا اور بھاگا غلاموں کی طرح اس کو کیا ہو گیا تھا، خدا اس کو ہلاک کرے، بعد میں اس کا گھر آپ کے حکم سے گرا دیا گیا

حضرت علیؓ کی حکومت

حضرت علیؓ آزمائش کے اسی تلخ دور سے گذرتے رہے، دوست غداری اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے لیکن آپ اس پورے دور میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے، نہ معاملات میں کوئی پستی گوارا کی، نہ ذہن میں کوئی کمزوری دکھائی، نہ اپنی کھلی ہوئی سیاست سے ذرا بھی انحراف کیا مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سدِ راہ بنتی رہیں، مگر آپ اپنی راہ چلتے رہے، دائیں بائیں کسی طرف جھکے نہیں شدید غصے کا عالم ہوتا زندگی کی انتہائی تلخیاں ہوتیں، لیکن کوئی بات آپ کے ارادے کی راہ میں حائل نہیں ہوئی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ آپ نے زیر لب کچھ فرما کر غصے کا اظہار کر دیا،

نہروان کی مہم سے فرصت پاتے ہی خود آپ کی حکومت میں آپ کی آزمائش کا دور شروع ہو گیا، امیر معاویہؓ نے آپ کی حکومت کی سرحدوں کو کاٹنا اور اطراف و جوانب کی آبادیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، شام کے لوگ دل سے ان کے فرمانبردار تھے، ان کے حکم پر چوں وچرا نہیں کرتے، بلانے پر دوڑ پڑتے، حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی امیر معاویہ کے دل میں مصر کا خیال پیدا ہوا تھا اس لئے کہ وہ ان سے نزدیک اور حضرت علیؓ سے بہت دور پڑتا تھا، اور اس لئے بھی کہ مصر والے تمام صوبوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے مخالف اور اُن پر حملہ کرنے میں پیش پیش اور سب سے زیادہ تیز تھے، امیر معاویہؓ نے مکر و فریب سے مصر پر قبضہ کرنا چاہا اور کہنا چاہئے کہ بڑی مشکلوں سے وہ اپنے ارادے میں پر فریب طریقے پر کامیاب ہو گئے،

حضرت علیؓ نے قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا وہ اپنے اندر اس منصب کی اہلیت اور اُس کی ذمہ داری سنبھالنے کی طاقت رکھتے تھے چنانچہ وہ مصر آئے اور مصر یوں کو حضرت علیؓ کا فرمان پڑھ کر سنایا، لوگ اُن کے پاس آئے اور حضرت علیؓ کے لئے بیعت کی اور تمام معاملات ٹھیک ہو گئے، البتہ ایک جماعت کنارہ کش رہی اس نے قیس کو لکھا کہ اس کے لوگ جنگ کرنا نہیں چاہتے، اور نہ خراج روکیں گے البتہ ابھی وہ حالات کے انجام کا انتظار کریں گے قیس نے ان سے مصالحت کر لی اور ان کے خلاف اقدام نہیں کیا اس کے بعد عمرو بن عاصؓ اور معاویہؓ نے قیس کو خط لکھا اور اپنی

طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ قیس نے خط کا ایک نرم جواب دے دیا جس میں ان کو اپنی طرف سے نہ مایوس کیا اور نہ متوقع رکھا البتہ ان دونوں کے شر سے اپنے صوبے میں بچنے کی کوشش کی، جو مرکز سے بہت دور واقع تھا، امیر معاویہؓ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور پھر لکھا اور صاف صاف معلوم کرنا چاہا کہ ان کی رائے کیا ہے اور وہ دوست ہیں کہ دشمن، پھر جب امیر معاویہؓ مایوس ہو گئے تو خط میں گالیاں دیں اور قیس کو یہودی ابن یہودی لکھا، قیس نے بھی گالی کا جواب گالی سے دیا اور امیر معاویہؓ کو بت پرست ابن بت پرست لکھا اور ان کے اور ان کے باپ کے متعلق لکھا کہ دونوں نے مجبوراً اسلام قبول کیا پھر دونوں بلا جبر اسلام سے خارج ہو گئے۔

تب امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا کہ قیس کا معاملہ نہ نرم چالبازی سے ٹھیک ہوگا اور نہ سخت دھمکی سے، چنانچہ انھوں نے مصر کو چھوڑ کر عراق میں قیس کے لئے دامِ فریب بچھایا، ایک جعلی خط قیس کی طرف سے عراقیوں کے نام بھجوایا کہ میں علیؓ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا ہوں اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتا ہوں، حضرت علیؓ نے اس خط کے مذکور کی تصدیق نہیں کی اور اپنے دوستوں سے کہا کہ میں قیس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ ان کی حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے خط کا یقین کرایا اور برانگیختہ ہو کر قیس کو معزول کر دینے پر اصرار کیا، حضرت علیؓ نے قیس کی طرف سے اطمینان کے باوجود توجہ کی اور قیس کو لکھ بھیجا کہ کنارہ کشی اختیار کرنے والوں سے مقابلہ کرو اور بیعت کے سوا ان کی کوئی بات نہ مانو، قیس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا اس خاموش جماعت سے لڑنے میں جلدی کیوں کی جا رہی ہے اور درخواست کی کہ صوبے کے معاملات میری صوابدید پر چھوڑ دیئے جائیں اس لئے کہ میں قریب ہوں اور آپ دور، اور پھر مجھے خطرہ ہے کہ اس جماعت کا اضطراب میرے انتظام میں خرابی کا باعث ہوگا، علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس جماعت کے کچھ لوگ اس کی امداد کے لئے کھڑے ہو جائیں یا پھر معاویہؓ سے امداد کے طالب ہوں جو اس کے لئے تیار رہوں گے، قیس کا یہ جواب معلوم کر کے کوفہ والوں کو یقین ہو گیا کہ اس کے دل میں برائی ہے اور اس نے خلیفہ کا حکم نہیں مانا، پس انھوں نے اس کی معزولی پر اصرار کیا اور کرتے ہی رہے تا آنکہ حضرت علیؓ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابو بکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا،

محمد ابن ابو بکرؓ اور قیس ابن سعد میں بڑا فرق تھا۔ محمد ابھی نوخیز جوان تھے قیس ایک تجربہ کار

زمانے کا نشیب و فراز دیکھے ہوئے، محمد حضرت عثمانؓ کے قضیے میں شریک رہ چکے تھے، قیس ابن سعد کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا، محمد جنگ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اپنے جذبات اور جوانی کے تقاضوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے، قیس غور و فکر کے آدمی تھے، معاملات کو تولتے تھے اور لڑائی اسی وقت منظور کرتے جب اس کے سوا چارہ کار نہ ہوتا،

محمد ابن ابوبکرؓ کے مصر پہنچنے پر قیس ابن سعد مدینہ چلے آئے جہاں سے کچھ دنوں کے بعد وہ حضرت علیؓ کے پاس کوفہ واپس آگئے اور صفین کے معرکے میں آپ کے ساتھ رہے، حاضری اور غیر حاضری میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے، محمد ابن ابوبکرؓ نے مصر پہنچ کر اس کنارہ کش جماعت کو اطاعت کی دعوت دی اور انکار کرنے پر ان سے جنگ شروع کر دی اور ان کے خلاف ایک فوج بھیج دی جس کو جاتے ہی شکست ہو گئی، اس کے بعد دوسری فوج بھیجی اور وہ بھی اسی وقت مغلوب ہو گئی، مزید برآں اس جماعت کی امداد پر ایک قوم آمادہ ہو گئی، اور مصر میں حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کی تحریک پیدا ہو گئی اور صوبے کا معاملہ گڑبڑ میں پڑ گیا، حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم مقرر کیا، اور محمد ابن ابوبکرؓ کو معزول کر دیا لیکن اشتر ابھی قلزم تک پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ قلزم کے افسر خراج کو امیر معاویہؓ نے بہکایا اور کہا اگر تم اشتر کی موت کی کوئی تدبیر کرو تو زندگی بھر تم سے خراج معاف، چنانچہ اس شخص نے شہد کے شربت میں زہر ملا کر اشتر کو دیا جس سے وہ اسی دن یا دوسرے دن انتقال کر گئے، عمروؓ بن العاص اور امیر معاویہؓ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کہتے تھے شہد بھی اللہ کی ایک فوج ہے،

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے مصر پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جس کا امیر عمرو بن عاصؓ کو بنایا، ادھر حضرت علیؓ مجبور ہو کے کہ محمد ابن ابوبکرؓ کو ہی گورنری پر باقی رکھیں آپ نے ان کو چوکنا رہنے کی تاکید کی —— اور وعدہ کیا کہ فوج اور مال بھیجتے ہیں آپ نے کوفہ والوں کو اپنے مصری بھائیوں کی امداد کے لئے متوجہ کیا لیکن کسی نے توجہ نہیں کی جب آپ نے بہت زور ڈالا تو ایک مختصر سی فوج پیش کی گئی جس کو آپ نے مصر بھیج دیا لیکن بہت جلد آپ کو معلوم ہوا کہ عمرو بن عاصؓ مصر میں داخل ہو چکے ہیں اور محمد ابن ابوبکر قتل کر دیئے گئے اور ان کی لاش آگ میں جلا دی گئی آپ نے اس چھوٹی سی فوج کو واپس بلا لیا اور کوفہ والوں کو عادت کے مطابق خطبے میں

سخت وسست کہا لیکن وہ سنکر منتشر ہو گئے،

اس دن سے اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک مغربی حصّہ جس کے حکمران امیر معاویہؓ تھے جس میں شام مصر اور افریقیا کے علاقے شامل ہیں جن میں سے کچھ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور کچھ کے فتح ہو جانے کی توقع تھی دوسرا مشرقی حصّہ جس پر حضرت علیؓ کا قبضہ تھا اور جس میں عراق اور فارس کے مفتوحہ علاقے اور جزیرۃ العرب کا حصّہ شامل تھا، لیکن امیر معاویہؓ مغرب کے مقبوضات پر قناعت نہ کر سکے، اسا تھیوں کی وفاداری اور فتوحات دیکھ کر نیز عراق میں حضرت علیؓ کے خلاف کامیاب چالوں سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا پھر حضرت علیؓ کے آدمیوں کو اپنا آلۂ کار بنا لینے کی کامیابی نے ان کو آگے قدم بڑھانے پر آمادہ کر دیا، چنانچہ انھوں نے عراقیوں سے اُن کے شہروں میں گھس کر جنگ کرنے کی ہمت کی اور حضرت علیؓ کے بقیہ مقبوضات میں دہشت اور اضطراب پھیلا دیا،

علیؓ اور ابن عباسؓ

انہیں دنوں حضرت علیؓ کے مصائب میں ایک اور مصیبت کا اضافہ اُس شخص کے ہاتھوں ہوا جو آپ کا سب سے زیادہ قریبی اور آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا یعنی آپ کے عزیز آپ کے چچا زاد بھائی آپ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبد اللہ بن عباسؓ یہ آپ کے حالات اور معاملات کے سب سے زیادہ واقف اور آپ کی مدد اور مشورے پر سب سے زیادہ قادر تھے اور اس کے اہل تھے کہ جب ساری دنیا حضرت علیؓ سے آنکھیں پھیرلے دشمن ان کے ساتھ مکر و فریب کرے دوست دشواریوں کا باعث بن جائے تو یہ اُن کے ساتھ اخلاص برتیں اور ان کے کام آئیں،

حضرت علیؓ نے اپنے بھائی کے لئے کوئی کمی نہیں کی، اس سے کوئی بات چھپائی نہیں، کوئی راز اس سے مخفی نہیں رکھا اس کو اپنا تصور کیا تو دکو فہ میں رہے اور اپنے وزیر کو بصرہ کا حاکم بنایا جو آپ کی حکومت کا سب سے بڑا اور اہم شہر تھا حضرت علیؓ کو سب لوگوں سے اپنے لئے مصیبت کا اندیشہ تھا اگر نہیں تھا تو اسی بھائی اور دونوں لڑکوں سے،

ابن عباسؓ دینی اور دنیاوی معاملات پر جو عبور رکھتے تھے بنی ہاشم میں خصوصیت کے ساتھ اور قریش اور تمام مسلمانوں میں عموماً ان کو جو امتیازی شان حاصل تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ بڑی سے بڑی اور کٹھن سے کٹھن مصیبت ٹوٹ پڑنے پر بھی بھائی سے انحراف نہ کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفین کے معرکے سے بہت شکستہ خاطر ہو کر آئے انھوں نے دیکھا کہ امیر معاویہؓ مکر کی چالوں اور اہل شام کی وفا شعاریوں سے

ابھرتے اور غالب ہوتے جارہے ہیں اور حضرت علیؓ کے ساتھی خود اپنے امام سے الگ ہو کر بہت سے تو خفیہ جنگ کی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے ہیں، اور بہت سے کھلم کھلا مقابلے میں شریک ہیں پھر وہ ثالثوں کی مجلس میں پہنچے وہاں بھی عراقیوں کی پھوٹ اور شامیوں کے اتحاد کا نقشہ دیکھا واپس آئے تو اس یقین کے ساتھ کہ دنیا بھائی سے منہ پھیر چکی ہے زمانہ ان کے خلاف ہو گیا ہے اور معاملات امیر معاویہؓ کے حق میں ٹھیک ہونا چاہتے ہیں، پھر بھائی کو دیکھا کہ ان حالات کے باوجود اپنی اسی سیدھی راہ پر چلے جارہے ہیں نہ خود کج رو ہیں نہ کسی کی کجروی گوارا کرتے ہیں، نرمی اور چشم پوشی کی سیاست چلا رہے ہیں، اور مسلمانوں کے ساتھ رحم و ہمدردی والی حضرت عمرؓ کی پالیسی پر عامل ہیں لیکن وہ فاروق اعظمؓ کی طرح لوگوں کے ساتھ شدت اور سختی کا برتاؤ نہیں کرتے بلکہ اپنا مقابلہ کرنے والوں سے شدت کے ساتھ لڑتے ہیں اور صلح کرنے والے سے بے احتیاطی کے ساتھ صلح کر لیتے ہیں مکر و فریب پر گرفت اور بدگمانی پر مواخذہ نہیں کرتے جب تک لوگ شرارت کی ابتدا نہ کر دیں اقدام نہیں کرتے

پھر ہم نے دیکھا کہ شام جانے کے لئے ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس نہیں آئے اور نہ نہروان میں ان کے ساتھ رہے بلکہ خود بصرہ ہی میں ٹھہرے رہے اور حضرت علیؓ کے پاس فوج روانہ کر دی گویا وہ اس بے سود جنگ سے اکتا گئے تھے اس لئے بیٹھ رہے اور انجام کا انتظار کرتے رہے، چنانچہ بہت جلد انہوں نے دیکھ لیا کہ اس لڑائی کا انجام خرابی پھوٹ اور بیزاری کی صورت میں نکلا حضرت علی نے خوارج کا مقابلہ کیا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا کہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کا خاتمہ کر دیا اور شام پھر بھی نہ جا سکے بلکہ کوفہ واپس آنا پڑا اور پھر نکلنے کی نوبت ہی نہیں آئی، ابن عباسؓ نے دیکھا کہ بھائی کا ستارہ گردش میں ہے اور امیر معاویہؓ کی قسمت جاگ رہی ہے تو بصرہ میں ٹھہر کر بھائی اور بھائی پر آنیوالی مصیبتوں سے زیادہ خود اپنے معاملے پر غور کرنے لگے اسی موقع پر شاید بیت المال سے اپنی ذات کے لئے انھوں نے کچھ رقم لے لی، ابن عباسؓ کا یہ عمل ان کی اور حضرت علیؓ کی اس روش سے کسی طرح میل نہیں کھاتا جس کے اپنے اقبال کے دنوں میں دونوں پابند تھے اس کے بعد یہ دیکھ کر بیت المال کے افسر ابوالاسود دؤلی اس پر معترض ہیں، ابن عباسؓ نے ان کو ایک دن نہایت سختی کا جواب دیا، جس سے ابوالاسود کو بڑی کوفت ہوئی اور انھوں نے حضرت علیؓ کو لکھا:۔

امابعد ـــ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذمہ دار نگران اور امانت دار والی بنایا ہے، ہم نے آپ کی آزمائش کی اور آپ کو زبردست امین اور رعایا کا خیر خواہ پایا رعایا کو آپ بہت کچھ دیتے ہیں اور خود ان کی دنیا سے اپنا ہاتھ روکتے ہیں چنانچہ آپ ان کا مال کھاتے ہیں اور نہ ان کے معاملات میں رشوت سے آپکا کوئی تعلق ہے آپکے بھائی اور آپکے گورنر آپکے علم و اطلاع

کے بغیر وہ رقم کھا گئے جو اُن کے ہاتھ میں تھی اور یہ بات آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا، خدا کا فضل آپ کے شامل حال ہے، ادھر توجہ فرمائیے اور مجھے اپنی رائے لکھئے ــ والسلام

بلاشبہ اس خط نے حضرت علیؓ کو سخت متوحش کر دیا اور ان کی غیر معمولی مصیبتوں میں ایک بڑی مصیبت، ایک تیر چھبنے والی خلش کا اضافہ کر دیا لیکن عادت کے مطابق آپ نے اس مصیبت پر صبر کیا اور ابو الاسود کو لکھا

اما بعد ــ میں نے تمھارے خط کا مطلب سمجھا تم جیسا آدمی اُمت اور امام دونوں کے لئے مجسم خیر خواہی ہے تم نے حق کی حمایت اور ناحق سے روگردانی کی ہے میں نے تمھارے صاحب کو اس بارے میں لکھا ہے اور تمھارے خط کا تذکرہ نہیں کیا، تمھاری موجودگی میں ایسی باتیں ہوں جن پر غور کرنے میں اُمت کی فلاح ہو تو مجھے ضرور مطلع کرنا تمھیں یہی کرنا چاہئے اور یہی تمھارا فرض ہے۔ والسلام

اور اسی وقت ابن عباسؓ کو لکھا،

اما بعد ــ مجھے تمھارے بارے میں ایک بات کا پتہ چلا ہے اگر وہ سچ ہے تو تم نے اپنے رب کو خفا کیا، اپنی امانت برباد کی اور اپنے امام کی نافرمانی کی، اور مسلمانوں کے خائن بنے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے زمین کو بنجر کر دیا اور جو رقم تمھارے قبضے میں تھی وہ کھا گئے پس میرے سامنے حساب پیش کرو اور جان لو کہ اللہ کا حساب لوگوں کے حساب سے زیادہ سخت ہے،

اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ ابو الاسود کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس کی حاضری میں ہونے والے معاملات کی اطلاع چاہتے ہیں اور ابن عباسؓ کے بارے میں جو کچھ لکھا اسکو منظور کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت علیؓ مال اور عمّال کے بارے میں بڑے محتاط اور بڑے سخت تھے اس معاملے میں ان کی شان حضرت عمرؓ کی سی تھی وہ حد درجہ اس کے خواہاں رہا کرتے کہ گورنروں کے بارے میں کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ رہے، جیسا کہ تم آئندہ صفحات میں پڑھو گے اور اس پر بھی تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ابن عباسؓ کو اس طرح کیسے لکھ دیا اس لئے کہ مالیات کے بارے میں نرمی اور مسلمانوں کے کسی معاملے میں مداہنت آپ کی عادت نہ تھی، تعجب تو اس پر ہے کہ حضرت علی کا خط ملنے پر ابن عباسؓ نے صرف اتنا لکھا

اما بعد ــ آپ کو جو اطلاع ملی وہ غلط ہے اور میں اپنے زیر تصرف رقم کا اوروں سے زیادہ منتظم اور محافظ ہوں خدا آپ پر مہربان ہو، آپ بدگمانوں کی باتوں میں نہ آئیں ــ والسلام

ایسا جواب جو نہ پڑھنے والے کو مطمئن بنا سکے، نہ لکھنے والے کو الزام سے بچا سکے، البتہ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کاتب اپنے آپ پر غیر معمولی اعتماد رکھتا ہے، اور دوسروں کو کوئی وقعت نہیں دیتا، حالانکہ ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور ان کی سیرت سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ گورنروں سے حساب لینے میں وہ کسقدر سخت تھے، ابن عباسؓ اپنے بھائی حضرت علیؓ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں، اور جانتے ہیں کہ مالیات کے بارے میں وہ نرم نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، جس سے کاتب اور مکتوب الیہ دونوں تشنہ رہتے ہیں، پس آپؓ نے سختی کیساتھ تفصیلی حساب پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے ابن عباس کو لکھا،

اما بعد - میں تم سے اس وقت تک درگزر نہیں کر سکتا جب تک تم مجھ کو یہ نہ بتا دو کہ تم نے جزیہ کی کتنی رقم لی؟ کہاں سے لی؟ اور کس مد میں اس کو خرچ کیا؟ اگر تم کو امانت سونپی گئی ہے تو اللہ سے ڈرو، میں نے تم سے اس کی حفاظت چاہی تھی، یہ دولت جس کا بڑا حصہ تم نے سمیٹ لیا ہے حقیر ہے، لیکن اسکی ذمہ داری بڑی سخت ہے والسلام

حیرت ہے کہ ابن عباسؓ یہ خط لیتے ہیں اور پڑھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ مسلمانوں کے مال کی حفاظت و انتظام کے ایک ذمہ دار گورنر کی طرح حساب و کتاب لیکر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضری نہیں دیتے، نہ ایک چچازاد بھائی کی طرح قرابت داخوت کی رعایت کا حق ادا کرتے ہیں، جو امام کو اس کا حقدار خیال کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال اور مفاد کی سپرد کردہ امانت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرے اور اس سلسلے میں والی کو اگر امداد کی ضرورت ہے تو پیش کرے، اگر کچھ بھول گیا ہے تو یاد دلائے اگر کچھ کوتاہی ہو گئی ہے تو نصیحت کرے،

ابن عباسؓ نے ایسی کوئی بات تو نہیں کی البتہ اپنے آپ کو امام کا مدمقابل اور خلیفہ کا ہمسر بنا لیا اور خیال کرنے لگے کہ وہ خلیفہ کی بازپرس اور اس کے احتساب سے بلند و بالا ہیں، الزام لگانے یا بدگمانی کی بات تو الگ رہی، حالانکہ ابن عباسؓ اور لوگوں سے زیادہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ شیخین ہر مسلمان کو اس کا حقدار جانتے تھے کہ وہ خلیفہ سے بازپرس کرے اور سوال کرے کہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا، اسی طرح امام بھی حقدار ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ والیوں اور حاکموں سے ان کے کاموں کا حساب

لیتا رہے اور اس سلسلے میں شدت سے کام لے تاکہ وہ کوتاہی اور غفلت نہ کریں اور رعایا کی بدگمانیوں سے محفوظ بھی رہیں، پھر وہ بے بس اور کمزور لوگ جو حاکموں کے ظلم و زیادتی سے بچے رہنے کی طاقت نہیں رکھتے خلیفہ کی سخت نگرانی نہ رہنے کی حالت میں اپنے حاکموں کے بارے میں بہت غلط خیال قائم کریں گے

ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کا معمول اچھی طرح جانتے تھے، کہ وہ رعایا سے ان کے حاکموں کے بارے میں الزامات اور شکایات خود حاکموں کی موجودگی یا غیر حاضری میں سنتے تھے، پھر جو کچھ بھی پیش کیا جاتا اس کی تحقیق کرتے تھے تاکہ عدل و انصاف کیا جا سکے، اور جو ذمہ داری اپنے سر لی ہے اللہ کے سامنے اور لوگوں کے سامنے اس سے عہدہ برا ہوں، ابن عباسؓ یہ بھی جانتے تھے کہ بارہا حضرت عمرؓ نے گورنروں کو معزول کرنے کے بعد ان کی دولت تقسیم کی ہے اور یہ کہ حاکموں کے تقرر سے پہلے وہ ان کی دولت کا تخمینہ کرتے تھے، اور معزول کرنے کے بعد جانچتے تھے اور ان کی یہ بات گورنر منظور کرتے تھے، نہ انکار کرتے تھے نہ ناگواری محسوس کرتے اور نہ اپنے کو اس سے اونچا خیال کرتے تھے، اور یہ حاکم کون لوگ تھے نبیؐ کے پسندیدہ متعدد صحابہؓ، ابن عباسؓ کو اس کا بھی علم تھا کہ بہت سے مسلمان اور غالباً وہ خود بھی حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے مالی حدود سے کچھ تجاوز کرتے تھے، ان کے حاکموں سے لوگ ناراض ہوئے کہ انہوں نے خود غرضی سے کام لیا، اور مسلمانوں کے مال کے بارے میں غیر معقول رویہ اختیار کر کے معاملات کو پیچیدہ کیا، خود حضرت عثمانؓ کا قتل اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ان کے چچازاد بھائی اسی لئے میدان میں آئے کہ نبیؐ اور شیخینؓ کی سنت زندہ کریں گے، بس حضرت علیؓ نے اپنے ایک ایک گورنر سے چاہے وہ ابن عباسؓ ہی کیوں نہ ہوں اگر یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے اس مال کا حساب پیش کریں جو ان کے پاس ہے تو یہ کوئی حد سے بڑھی ہوئی بات نہ تھی، اور ان تمام باتوں کے بعد ابن عباسؓ اپنے بھائی کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور ایک ایسا جواب لکھ سکتے تھے جس سے وہ رضامند ہو سکتے جس سے ان کو تکلیف ہوتی نہ خلش، نہ گرانباری، وہ نرم لب و لہجہ میں یہ لکھ سکتے تھے، کہ جزیہ میں سے انہوں نے کوئی رقم اپنی ذات کے لئے نہیں لی اور یہ کہ کوئی رقم کسی غلط مد میں صرف نہیں ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کوفے میں جا کر ان سے مل لیتے، اور صاف صاف اپنی باتیں ان کو بتا دیتے، لیکن انہوں نے ان سب باتوں سے گریز کیا اور نہیں چاہا کہ حضرت علیؓ اپنے دوسرے گورنروں کی طرح ان سے بھی بہ تاکید محاسبہ کریں، بس اپنا کام چھوڑ دیا ؛ نہ امام کو استعفیٰ دیا اور نہ منظوری کا انتظار کیا خود ہی کام چھوڑ کر ترک مستقر کر دیا

اور وہ بھی اس طرح کہ پھر کوفہ نہیں آئے، نہ عراق میں قیام کیا اور نہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے کہ امام حسابات کی پیشی کا مواخذہ یا معزولی سے پہلے کچھ باز پرس کر سکے، بلکہ مستقر چھوڑ کر سیدھے مکہ چلے گئے جہاں امام کا اقتدار اپنا کام نہیں کر سکتا، جہاں امام ان کو اگر وہ سزا کے مستحق ہیں سزا نہیں دے سکتا، اور حرم میں جا کر مقیم ہو گئے اپنے امام کی گرفت سے بھی آزاد اور اپنے حریف امیر معاویہؓ کے خطرے سے بھی بے خوف،

ابن عباسؓ نے اسی غلطی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے بھائیؓ کے حق میں ایسے الفاظ کہے، جن سے انکو حد درجہ تکلیف پہنچی، جو ان کے دل میں چبھنے والا غم اور بے چین رکھنے والا درد بنکر رہ گیا، ابن عباسؓ لکھتے ہیں اللہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ مسلمانوں کے کچھ مال کی ذمہ داری میرے سر ہو، مجھے زیادہ پسند ہے، اس بات سے کہ جمل، صفین اور نہروان کے معرکے میں بہے ہوئے خونوں کی ذمہ داری مجھ پر ہو، گویا ابن عباسؓ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو جنگ کی وہ اللہ کی راہ میں نہ تھی، اور اس سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں کا جتنا خون بہایا وہ سب کا سب ملک گیری کیلئے تھا، حضرت علیؓ کیلئے یہ بات کسقدر جگر خراش اور دلدوز ہے

بھائیؓ کیلئے یہ سب باتیں تو لکھیں، لیکن ایک بہت چھوٹی مگر بہت اہم بات لکھنا بھول گئے اور وہ یہ کہ ان خونریزیوں میں وہ خود بھی بھائیؓ کے شریک رہے، چنانچہ جمل میں صفین میں موجود تھے اور ان دونوں معرکوں میں بھائیؓ کی فوجوں کے سپہ سالار تھے، پس وہ اللہ سے ایسی حالت میں نہیں ملیں گے کہ ان کے ذمے صرف مسلمانوں کا کچھ مال ہے بلکہ اس ملاقات میں ان کے دامن پر اس خون کے داغ بھی ہوں گے جو اپنے بھائی علیؓ کی جماعت میں شریک ہو کر بہائے ہیں، اور علیؓ میں اور ان میں ایک فرق بھی ہو گا، علیؓ نے تو اس ایمان اور عقیدے کیساتھ یہ خونریزی کی ہے کہ وہ حق کی راہ میں لڑ رہے ہیں اور ان کی یہ ساری خونریزی ملک گیری اور اقتدار کی ہوس میں ہوئی ہے،

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اپنے بھائیؓ کا یہ خط پڑھا تو ایک جملے سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے جو دوست دشمن سبھی سے نہایت تلخ مایوسی کی ایک تصویر ہے، فرمایا گویا ابن عباسؓ ان خونریزیوں میں ہمارے شریک نہ تھے،

ابن عباسؓ کا خط پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ اس میں کتنی سختی اور کیسی سنگدلی ہے، خلافت سے قبل ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ سے جو اخوت تھی اور خلافت کے بعد جو خلوص اور خیر خواہی تھی خط پڑھ کر دیکھئے کہ اب اس سے کس درجہ انکار ہے، لکھتے ہیں،

اما بعد مال میں سے کچھ لینے کی اطلاع آپ تک پہنچائی گئی ہے، میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ اس کو بہت بڑھا چڑھا رہے ہیں، بڑی اہمیت دے رہے ہیں خدا کی قسم زمین کے اندر جو کچھ چاندی سونا ہے اور اس کے اوپر جسقدر مال و دولت ہے، سب کی ذمہ داری لیکر خدا کے پاس جانا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں امارت اور اقتدار کے لئے امت کا خون بہانے کی ذمہ داری لے کر جاؤں، جس کو آپ چاہیں اپنا حاکم بنا کر بھیج دیجئے،

ایک خلیفہ اور اس کے گورنر کے درمیان اس قسم کی غیظ و غضب کی بات پھر ایک شخص کے چچازاد بھائی کے درمیان ایسی سخت کلامی نہ ہوتی، اگر ابن عباسؓ شیخینؓ کی اور حضرت علیؓ کی سیرت پیش نظر رکھتے، اور اپنے آپ کو نظر انداز کر دیتے، لیکن انہوں نے اپنی ذات کو ذرا بھی نظر نہیں کیا، اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کے ایک شہر پر حضرت علیؓ کی طرف سے والی ہیں اور یہ کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کریں گے اور رعایا میں انصاف کریں گے،

ابو الاسود رعایا کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا حق رکھتے ہیں کہ وہ امام کے سامنے اپنے حاکم سے جھگڑا کریں، پھر یہ کہ وہ بصرہ کے بیت المال پر امام کی طرف سے امین ہیں، ان کے فرائض میں سے ہے کہ حکمران کے تصرفات میں جو بات ان کی نگاہ میں مشکوک ہو اس کی اطلاع امام کو دیں، لیکن ابن عباس نے نہ صرف غصے میں طیش کی باتیں کیں اور حیرت انگیز بے جا تصرف کیا بلکہ اس سے بھی بری ایک حرکت کی جس نے نہ صرف امام کو خفا کیا، بلکہ اس سے تمام رعایا اور خصوصاً بصرہ کے لوگ سخت ناراض ہوئے، واقعہ یہ ہوا کہ ابن عباسؓ، مکہ روانہ ہو گئے، لیکن اس طرح خالی ہاتھ نہیں جیسا تقرر کے وقت بصرہ آئے تھے، بلکہ بیت المال سے جتنا مال منتقل کیا جا سکتا تھا وہ سب ساتھ لیکر، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس مال میں ان کا جتنا حق ہے، اتنا ہی تمام بصرہ والوں کا بھی ہے ابن عباس کا اندازہ تھا کہ بصرہ کے لوگ اس مال کے لیجانے میں کسی طرح حارج نہیں ہونگے جس کا اندازہ مورخوں نے (۶۰) ہزار درہم لگایا ہے، اسلئے انہوں نے اپنے ماموؤں میں سے بنی ہلال کو بلوایا، اور کہا کہ اجرت لیکر اس کو محفوظ جگہ پر پہنچا دیں، چنانچہ انہوں نے ایسا کر دیا

اب وہ بصرہ سے نکلے ان کے پاس مسلمانوں کا مال تھا جس کی حفاظت ان کے ماموں کر رہے تھے یہ دیکھ کر بصرہ کے لوگوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اور انہوں نے چاہا کہ جو کچھ وہ لے جا رہے ہیں ان سے واپس لے لیں، اور قریب تھا کہ بنی ہلال کے آدمیوں میں اور بصرہ کے دوسرے عربوں میں آویزش ہو جائے۔ بنی ہلال اپنے بھانجے کی حمایت میں غصے سے بھرے ہوئے تھے اور قدیم عرب عصبیت تازہ کرکے، پوری قوت سے آمادہ ہو گئے تھے، کہ اپنے عزیز کی مدد ضرور کریں گے، چاہے وہ ظالم ہو چاہے مظلوم، بصرہ کے باقی عرب طیش میں تھے، کہ ان کا مال ان کی موجودگی میں غصب کیا جا رہا ہے، لیکن ہنوازد کے کچھ سنجیدہ لوگوں نے موقع کی نزاکت کا احساس کیا، اور اپنے پڑوسی بنی ہلال کو گھروں میں کر دیا، اسی طرح بنی ربیعہ کے کچھ حلیم الطبع افراد اور احنف بن قیس اور اس کے ساتھی تمیمیوں نے بھی ازدیوں کا ساتھ دیا، لیکن بنی تمیم کے باقی آدمیوں نے طے کر لیا کہ لڑیں گے اور یہ مال واپس لے کر رہیں گے۔ چنانچہ ان کے اور بنی ہلال کے درمیان جھڑپ شروع ہو گئی اور فریقین میں خون ریزی ہونے ہی والی تھی کہ بصرہ کے کچھ عقلمند بنی تیمم کے پاس پہنچ گئے، اور ان کو جھگڑے کی جگہ سے ہی واپس لا کر ہی ان سے علیحدہ ہوئے اس کے بعد ابن عباس اطمینان کے ساتھ ماموؤں کی حفاظت میں سارا مال لیکر بیت الحرام کے سایہ امن میں پہنچ گئے اور پہنچتے ہی خوشحالی اور عیش کی زندگی جینے لگے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ تین ہزار دینار میں تین خوردش لونڈیاں خریدیں حضرت علی کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے لکھا،

اما بعد۔ میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا تھا، میرے گھر والوں میں تم سے زیادہ بھروسے کے لائق کوئی آدمی نہ تھا، جو میری ہمدردی کرتا میری تائید کرتا اور امانت مجھے واپس کرتا، لیکن تم نے دیکھا کہ اب بھائی کے وہ دن نہیں رہے، دشمن حملہ آور ہے، لوگوں کی دیانت خراب اور امت فتنوں سے دوچار ہو چکی ہے، تو تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں، چھوڑنے والوں کے ساتھ تم نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور یہ ہی طرح اس کو بے یار و مددگار کر دیا، غداروں کے ساتھ تم نے بھی اس سے بے وفائی کی۔ نہ ہمدردی کی نہ امانت واپس کی، گویا جہاد میں تمہارے پیش نظر اللہ نہ تھا، تم کو اپنے خدا کی طرف سے کوئی رہنمائی

نہ تھی، یا پھر تم محمدؐ کی امت کے ساتھ ان کی دنیا حاصل کرنے کیلئے چال چل رہے تھے، گویا تم جزیہ کے مال سے لوگوں کی غفلت کے منتظر تھے۔ اور جیسے ہی موقع ملا دوڑ پڑے جست لگائی اور جسقدر دولت لوٹ سکے ایک لاغر بکری کو خون خون کر دینے والے تیز بھیڑیئے کی طرح جھپٹ لیا، سبحان اللہ! کیا قیامت پر تمہارا ایمان نہیں ہے، اور کیا بعد میں بُری طرح حساب نہیں ہوگا! اور کیا تم جانتے نہیں کہ حرام کھاتے ہو اور حرام پیتے ہو؟ کیا تم پر گراں نہیں کہ تم لونڈیوں کی قیمت لگانے پر اور عورتوں سے نکاح پر، یتیموں، بیواؤں اور ان مجاہدوں کا مال خرچ کرتے ہو جن پر اللہ نے شہروں سے غنیمت بھیجا ہے، اللہ سے ڈرو، قوم کا مال واپس کردو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو بخدا اگر مجھے موقع ملا تو میں تمہارا انصاف کروں گا۔ اور حق حقدار تک پہنچاؤں گا، ظالم کو ماروں گا اور مظلوم کا انصاف کرونگا والسلام

مذکورہ بالا الفاظ میں حضرت علیؓ نے، چبھنے اور چٹکیاں لینے والے غم و الم کا جس طرح بیان کیا ہے، لوگوں سے انتہائی مایوسی، ان کی وفاداری، ان کے پاس عہد اور ادائے امانت میں شک کی جو تصویر کھینچی ہے، حرص و ہوس کی اتباع اور صحیح مسلک پر باقی نہ رہنے کا جو نقشہ پیش کیا اور ان حالات میں بھی اللہ کے حق اور مسلمانوں کے مال کیلئے جسطرح غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بلیغ اور موثر تعبیر کسی اور نے کی ہے،

لیکن اس تلخ مکتوب کا جواب ابن عباسؓ جن الفاظ میں دیتے ہیں، ان سے ان سے اس کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا، کہ ان کو صرف اپنی ذات پر اعتماد ہے، دوسروں کی رائے ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی، چنانچہ لکھتے ہیں۔

اما بعد، مجھے آپ کا خط ملا، میں نے بصرہ کے مال سے جو کچھ لیا ہے، آپ اس کو میرے لئے بڑی اہمیت کی بات بتا رہے ہیں، بخدا میں نے جو کچھ لیا ہے بیت المال میں میرا حق اس سے کہیں زیادہ ہے، والسلام

اس حیرت انگیز جواب پر مجھے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں جس سے نہ کوئی حق ثابت

ہوتا ہے نہ ذمہ داری ساقط ہوتی ہے اور اس درد انگیز خط و کتابت کو حضرت علیؓ کے جواب پر ختم کرتا ہوں

اما بعد ۔ آپؓ کی یہ خوش فہمی حیرت انگیز ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے آپ کو ایک عام مسلمان سے زیادہ کا حق ہے، آپ کامیاب تھے اگر یہ باطل تمنا اور بے جا دعویٰ آپ کو گناہ سے بچا سکتا، خدا آپ کو سلامت رکھے ہر حیثیت سے آپ کی منزل کوسوں دور ہے ۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے مکہ کو اپنا وطن بنا لیا ہے، اور وہیں ڈیرا ڈنڈا ڈال دیا ہے اور مدینہ اور طائف کی جوان لونڈیاں اپنی نگاہوں سے پسند کر کے خریدیں ہیں ۔ اور دوسروں کا مال دیکر ان کی قیمت ادا کی ہے، لہذا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جو کچھ آپ نے مسلمانوں کے مال سے لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہو اور اسے ترکے میں چھوڑوں پس مجھے کیوں حیرت نہ ہو کہ آپ اس حرام کو خوشی خوشی کھا رہے ہیں، تھوڑے دن لطف اٹھا لیجئے اور اپنی جگہ رکے رہئے آپ کے لئے وہ منزل آگئی جہاں سے فریب خوردہ حسرت کو پکارتا ہے اپنی حد سے بڑھا ہوا توبہ کی تمنا کرتا ہے اور ظالم کے دل میں باز آجانے کی آرزو پیدا ہوتی ہے لیکن وہ وقت پکارنے اور تمنا کرنے کا نہ ہوگا، والسلام

بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کو بعض مقامات کی حکومت سپرد کرنے کا ارادہ کیا، پھر اپنے لئے اور ابن عباسؓ کے لئے خطرہ سمجھ کر باز آگئے ۔ اپنے لئے یہ خطرہ کہ غنیمت میں سے کچھ کھا لینے کی تاویل کریں گے، ان کے لئے یہ خطرہ کہ یہ حکمرانی ان کو گناہ سے آلودہ کر دے گی انہی راویوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے جب ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم بنایا تو جو کچھ انہوں نے اپنی ذات کے لئے مباح کر لیا تھا، اس کے لئے ذیل کی آیت کی تاویل کی،

واعلموا انما غنمتم من شئ	اور جان لو کہ جو کچھ تم کو بطور مال غنیمت
فان اللہ خمسہ وللرسول	ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کُل کا پانچواں حصہ
ولذی القربٰی والیتامٰی و	اللہ کا اور اس کے رسول کا اور ایک حصہ
المساکین وابن السبیل	آپ کے قرابت داروں کا اور ایک حصہ مسافروں کا ہے

ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں اسلئے ان کو خمس میں کچھ حصے کا حق ہے جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور ابن السبیل کیلئے مقرر کیا ہے، لیکن ابن عباسؓ میری نظر میں اپنے دین اپنے علم وعقل اور اپنی رائے کی صحت کے پیش نظر اس تاویل سے بلند و بالا ہیں، بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ ان کا حق اس خمس میں دوسرے قرابت داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے بڑھ کر نہیں، ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے لئے یہ مناسب نہیں، بلکہ حلال نہیں کہ اس خمس میں سے خود ہی اپنا حق لے لیں، انہیں اپنا یہ حق بھی اسی امام سے لینا چاہئے جو اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ان کا مال تقسیم کرے اور ان کے مصالح عامہ میں خرچ کرے اور اسی کو اس خمس میں سے رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کرنا ہے۔

ابن عباسؓ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا مسلمان یہ جانتا کہ بیت المال میں اس کا حق ہے اور وہ خود ہی لے لیتا تو چاہے وہ اپنے حصے میں کچھ بھی کمی بیشی نہ کرتا، لیکن حدود سے تجاوز کرنے والا ہوتا اور امام کا حق ہوتا، کہ اسے واجبی سزا دے،

علاوہ ازیں ابن عباسؓ جانتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت اور رشتہ داری کی بنا پر خمس کی مستحقوں میں تقسیم کے معاملے میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

تعجب ہے کہ بہت سے محدثین نے احتیاط کے پیش نظر اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ان کی نگاہ میں ابن عباسؓ کا نبیؐ سے جو تعلق ہے اور دین میں تفقہ کا جو درجہ ان کو حاصل ہے اس میں اس قسم کی زیادتی اور خلیفہ کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں،

لیکن دوسرے راویوں نے اس واقعہ کے بیان میں غلو سے کام لیا ہے ان کا خیال ہے، کہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کے آخری خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اگر آپؓ اپنی تحریروں سے مجھے معاف نہیں رکھیں تو یہ مال میں امیر معاویہؓ تک پہنچا دوں گا، جسے وہ آپ کے مقابلے پر خرچ کریں گے، میں خیال کرتا ہوں کہ ابن عباسؓ اس حد تک نہیں پہنچے تھے، اور اپنے بھائی کے خلاف انہوں نے ایسی کھلی مخالفت نہیں کی، لیکن اس واقعہ کے نتائج حضرت علیؓ کے اقتدار اور آپ کے ساتھیوں کے حق میں براہ راست بڑی مصیبت ثابت ہوئے

سنہ ۴۱ھ

بصرہ پر معاویہؓ کی نگاہیں

انتہائی مذموم قابل نفرت اور رسواکن صورت میں یہ نتائج ظہور پذیر ہوئے جن سے نہ صرف حضرت علیؓ اپنے رشتہ داروں، ساتھیوں اور اپنے اقتدار کے بارے میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے بلکہ اس سیاسی نظام کو بھی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کی حفاظت اور نگرانی کیلئے حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے تھے، یہ نظام خلافت کا نظام تھا، خود اسلام کا ایک پہلو بھی ان نتائج کی زد میں آگیا جس پر نبیؐ اور خلفاء کی توجہ حرص کے درجے میں تھی، یہ پہلو خاندانی عصبیت کے خاتمے کا پہلو ہے جس کے عرب، عہد جاہلیت میں بڑے خوگر تھے، امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ عراق میں حضرت علیؓ کمزور ہو رہے ہیں، ان کے ساتھی جو بجائے خود کمزور بے بس اور نا فرمان ہیں ان سے الگ ہو رہے ہیں تو مصر سے فراغت پاتے ہی بصرہ کی طرف توجہ کی، جس کی اہمیت مصر سے کسی صورت کم نہ تھی، اور جس کے مضافات میں فارس کے علاقے آجاتے ہیں، امیر معاویہؓ نے سوچا کہ بصرہ میں عثمانیت کا کافی زور ہے، بصرہ والوں نے حضرت عائشہؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے شورش بپا کی تھی، جمل کے معرکے کی یاد ابھی، ان کے دلوں سے فراموش نہیں ہوئی، ان کے انتقام کے زخم ابھی بھرے نہیں، پھر ابن عباس بھائی سے ناراض ہو کر بصرہ چھوڑ چکے ہیں، پس انہوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کو ابھاریں، اور انتقام کی یاد دلا کر قصاص کیلئے پھر سے آمادہ کریں،

چنانچہ عمرو بن عاصؓ نے اس خیال کی تائید کی، بلکہ عملی اقدام کے لئے زور بھی دیا، تب امیر معاویہؓ نے ایک سخت آدمی کو جس کا حضرت عثمانؓ سے رشتہ بھی تھا منتخب کیا، اس کا نام عبداللہ بن عامر حضرمی ہے، یہ مقتول خلیفہ کا خالہ زاد بھائی ہے، اسکو بصرہ بھیجا اور ہدایت کردی کہ بنی تمیم کے ہاں جانا اور بنی ازد سے دوستی اور تعلقات کا اظہار کرتے رہنا، البتہ بنی ربیعہ سے بچے رہنا اسلئے کہ وہ، حضرت علیؓ کے طرفدار ہیں، عبداللہ بن عامر بصرہ پہنچ کر بنی تمیم کو اپنانے میں تو کامیاب ہوگیا، لیکن احنف بن قیس کو وہ اپنے ساتھ نہ ملا سکا اسلئے کہ وہ معرکۂ جمل کے بعد سے اپنے چند ساتھیوں سمیت کنارہ کشی

اختیار کر چکے تھے ،

ابن عباس بصرہ زیاد کے حوالے کرکے وہاں سے نکل چکے تھے ۔ زیاد نے چاہا کہ ربیعہ کی پناہ میں چلا جائے ، لیکن اس کے بعض سرداروں کا تذبذب اور تمرد دیکھ کر بنی ازد سے درخواست کی ، ازدیوں نے اس شرط پر پناہ دی کہ قصر امارت چھوڑ کر ان کے قبیلے میں قیام کرے اور اپنے ساتھ بیت المال اور منبر بھی لائے ، چنانچہ زیاد نے یہ منظور کرلیا ، اور شرط پوری کردی ، اب بصرہ متعدد ٹولیوں میں بٹ گیا ایک ٹولی امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں کی بنی اور ان کے قاصد عبد اللہ ابن عامر کے ساتھ ہوگئی ، دوسری احنف ابن قیس کے ساتھ خانہ نشین ہوگئی ، تیسری ٹولی جس کی صفوں میں کچھ انتشاری کیفیت تھی واقعات کے انتظار میں تھی ، یہ بنی ربیعہ کے لوگ تھے ، چوتھی ٹولی ان لوگوں کی تھی ، جس کے پیش نظر نہ علیؓ تھے ، نہ عثمانؓ نہ معاویہؓ وہ معاملات کو صرف خاندانی حسب نسب کی عینک سے دیکھتی تھی ، چنانچہ وہ اپنی پناہ میں آنے والے کی حامی بن گئی ، جو اب ان کے قبیلے میں قیام پذیر ہو چکا تھا ، یہ بنی ازد کی ٹولی تھی اس کا دل غالباً عبد اللہ بن عامر کی طرف سے کچھ میلا ہو چکا تھا ، اسلئے کہ اس نے تمیم پر بھروسہ کیا اور انہی میں مقیم ہوا ، ان کے پاس نہیں آیا ،

اس طرح خاندانی عصبیت بہت بری صورت میں سامنے آئی ، جسکی وجہ سے بصرہ کے فوجی حکومت سے زیادہ اپنے اپنے قبیلے کی رعایت کرنے لگے ، امام سے زیادہ اہمیت ان کی نگاہ میں خاندانی حسب و نسب کی ہوگئی ، اب وہ دین سے زیادہ خاندان کی بنیاد پر غصہ اور اشتعال قبول کرنے لگے ، اور آپس میں مقابلہ کرنے لگے ، کہ کون اپنے پناہگیر کی حمایت میں ، اپنے حریف سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے ، اور ثابت قدمی بتاتا ہے ،

زیاد نے حضرت علیؓ کو واقعات کی اطلاع دی ، لیکن وہ جنگ کی طرف مائل نہیں ہوئے ، انہوں نے بنی تمیم کے پاس ایک تمیمی اعین بن ضبیعہ کو بھیجا تاکہ ان کو ہوش کی باتیں بتلائے ، لیکن جیسے ہی اعین نے گفتگو کا ارادہ کیا ، تمیمیوں نے اختلاف کیا اور اس سے علیحدہ ہوگئے ، پھر ایک رات اس پر حملہ کرکے اس کا خاتمہ ہی کردیا ، زیاد نے اس کا قصاص لینا چاہا کہ بنی تمیم پر حملہ آور ہو لیکن بنی ازد نے مزاحمت کی اور کہا عہد و پیمان میں یہ نہیں ہے کہ جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں ہم تو صرف اس کے پابند ہیں کہ تمہاری اور بیت المال کی حفاظت کریں ،

زیاد نے حضرت علیؓ کو اعین ابن ضبیعہ کے انجام کی خبر دی تو آپ نے ایک دوسرے تمیمی جاریہ ابن قدامہ کو بلایا اور اس کو اس قوم کی طرف بھیجا لیکن اب کے آپ نے اس کو تنہا نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ چھوٹی سی فوج بھی کر دی بصرہ پہنچتے ہی جاریہ نے زیاد سے تبادلۂ خیالات کیا پھر تمیمیوں سے ملا ان سے بھی باتیں کیں کچھ لوگ تو مطمئن ہو گئے اور مان لیا اور کچھ مخالف ہی رہے اس کے بعد جاریہ کوفے سے ساتھ آنے والوں اور بصرہ کے حامیوں کو لیکر عبد اللہ بن عامر سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بالآخر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو شکست دیدی عبد اللہ بن عامر اور اس کے ساتھ اس کے ستر آدمیوں نے بصرہ کے ایک گھر میں اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ بصرہ کے ایک پرانے قلعہ میں پناہ لی جاریہ نے انکو دھمکی دی اور اپنی مجبوری بتائی لیکن انھوں نے محصور رہنا گوارا کر لیا اور کوئی بات منظور نہیں کی تب جاریہ نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا اور گھر کے گنارے کنارے رکھکر اس میں آگ لگادی جس سے پورا گھر گھر والوں سمیت جل گیا، ایک بھی نہ بچ سکا، اس کامیابی پر ازدی عصبیت خوشی کے ترانے گانے لگی اور جب زیاد اور بیت المال حکومت کی کوٹھی میں واپس آ گیا اور منبر بھی جامع مسجد میں اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا تو ازدی شاعر عمرو بن ارندس عودی نے اپنی قوم کے حسب پر فخریہ شعر کہا:

ردنا زیاداً الی دارہ	وجار تمیم دخاناً ذھب
ہم نے زیاد کو اس کے گھر تک پہونچا دیا	اور تمیم کا پڑوسی دھواں بن کر اڑ گیا
لحی اللہ قوماً شووا جارھم	وللشاۃ بالدرھمین الشصب
اللہ اس قوم کو غارت کرے جو اپنے پڑوسی کو بھونتی ہے	حالانکہ دو درہم میں بھنی ہوئی بکری ہے
ینادی الخناق وخمانھا	وقد سمطوا رأسہ باللھب
گلا گھونٹنے کیلئے رسی اور خادم بلائے جا رہے ہیں	اور سر شعلوں سے جھلس رہے ہیں
ونحن اناس لنا عادۃ	نحامی عن الجار یعتصب
اور ہم لوگ ہیں جن کی عادت ہی یہ ہے	کہ پڑوسیوں کی طرح حفاظت کریں
حمیناہ اذ حل ابیاتنا	ولا یمنع الجار الا الحسب
زیاد جب ہمارے گھروں میں آیا تو ہم نے اسکی حفاظت کی	اور خاندانی حسب ہی پڑوسی کی حمایت کر سکتا ہے
ولم یجرفوا حرمۃ للمجوا	راؤ اعظم الجار قوم نجب
انہوں نے پڑوسی کی حرمت نہیں پہچانی	نجیب قوم کی نگاہ میں پڑوسی کی بڑی اہمیت ہے
کفعلہم قبلنا بالزبیر	عشیۃ اذ یزہ یستلب

زبیر کے ساتھ جب شام کے وقت ان کا اسباب لوٹا جا رہا تھا انہوں نے جو کچھ کیا وہی اب کر رہے ہیں

اس شاعر کو دیکھیے نہ وہ علیؓ کا ذکر کرتا ہے نہ عثمان کا نہ کسی دین اور رائے کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ اس کے نزدیک امام کی اطاعت اور اقتدار کی وفاداری کوئی اہمیت رکھتی ہے وہ تو صرف زیاد کا تذکرہ کرتا ہے جس نے اس کی قوم سے پناہ طلب کی اور قوم نے حفاظت کا حق ادا کر دیا، اور بنی تمیم کو ملامت کرتا ہے اور شرم دلاتا ہے کہ انھوں نے اپنے پناہ گیروں کی کچھ خبر گیری نہیں کی ان کے ساتھ غداری کی اور آگ میں جھونک دیا حالانکہ پناہ دی تھی اور امن کا ذمہ لیا تھا جس طرح اس کے پہلے زبیر کے ساتھ کہ ان کو قتل بھی کیا اور جو کچھ انکے پاس تھا چھین بھی لیا

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد جریر نے ازد کی مدح میں اور فرزدق کے ساتھی مجاشع کی ہجو میں کہا:۔

غدرتم بالزبیر فما وفیتم — وفاء الازد اذ منعوا زیادا

تم نے زبیر کے ساتھ غداری کی — تم نے ازد جیسی وفاداری نہیں کی

فاصبح جارھم بنجاۃ عز — وجار مجاشع امسی رمادا

ازد کا پڑوسی معزز رہا — اور مجاشع کا پڑوسی راکھ کا ڈھیر ہو گیا

فلو عاقدت حبل ابی سعید — لذاد القوم ما حمل النجادا

اگر ابو سعید کی رسی پکڑتے — تو قوم تلوار اٹھانے تک حمایت کرتی

وادنی الخیل من رھج المنایا — واغشاھا الاسنۃ والصعادا

اور گھوڑوں کو موت کے شور سے قریب کر دیتی — اور نیزوں سے اس کو ڈھانپ لیتی ہے

اگر ابن عباسؓ اپنے بھائی علیؓ کے وفادار رہتے تو امیر معاویہؓ کو ہمت نہ ہوتی اور ہرگز وہ اس علاقے کا حوصلہ نہ کرتے جس کو علاقہ والوں نے ضائع کر دیا اور لوٹنے والوں کے لئے چھوڑ دیا۔ علاوہ ازیں ——

اس خاندانی عصبیت اور اس مذموم اور یکایک پیش آجانیوالے مظاہرے کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے اور اپنے امام کو اس سخت مصیبت سے بچا لیتے جو ان کی دوسری شدید مصیبتوں میں ایک اضافہ ہوئی اور مزید خرابیوں کا باعث۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ یہ واقعات کوفہ میں ابن عباس کی موجودگی میں ہوئے جب وہ حضرت علیؓ کو محمد ابن ابو بکرؓ کے قتل پر تسلی دینے آئے تھے اور مصر پر عمرو بن عاصؓ کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن یہ خیال درست نہیں اگر ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس ہوتے تو ان خبروں کے ملتے ہی فوراً بصرہ واپس ہو جاتے اور ہرگز اس کا انتظار نہ کرتے کہ زیاد، اعین اور جاریہ ان کے فرائض انجام دیں گے

واقعہ یہ ہے کہ ثالثی کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے ڈھیلے پڑ گئے چنانچہ شام پر حملے کا جب حضرت علیؓ نے ارادہ کیا تو وہ ساتھ نہیں گئے اور نہروان کے معرکے میں بھی شرکت نہیں کی صرف بصرہ کے لوگوں کی ایک فوج بھیج دی اور بیٹھ رہے پھر جو کچھ ہونا تھا ہوا،

حضرت علیؓ کے ساتھ امیر معاویہؓ کی چال

امیر معاویہؓ مصر کی طرح بصرہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکے اور نہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی چال کر سکے نہ مصر کی طرح یہاں فتنہ و فساد کر سکے، البتہ عبداللہ بن عامر حضرمی کو بُری طرح موت کا شکار بنا دیا، لیکن پھر بھی بصرہ کی فضا بڑی حد تک خراب کر دی یہ بات ناقابلِ ذکر نہیں، کہ انہوں نے بصرہ میں ایک کشیدگی پیدا کر دی جو خواہ ہنگامی رہی ہو، یا عرصہ تک اس کے اثرات باقی رہے ہوں، اور یہ کہ زیاد کو مجبور کر دیا کہ اپنے آپ کو اور بیت المال کو جاہلیت کی رسم کے مطابق کسی عربی قبیلے کی پناہ میں دیدے، مزید برآں پوری آبادی میں اضطراب اور ہیجان پیدا کر دیا جس سے کینے اور دشمنی کے جذبات پھیلے، اور لوگ باہم فساد پر آمادہ ہو گئے۔ اِدھر امیر معاویہؓ نے ان باتوں سے اندازہ لگایا کہ عراق میں حضرت علیؓ سے کھلی جنگ کا ابھی وقت نہیں آیا، پس انہوں نے ایک دوسری راہ اختیار کی جو کھلی لڑائی سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ جس نے لڑائی سے زیادہ لوگوں کو خائف اور دہشت زدہ بنا دیا، جس نے عراق والوں کو پوری شدت کے ساتھ باور کرا دیا کہ وہ مسلسل خطرات اور مستقل مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، اور جس نے ان کو محسوس کرا دیا کہ حضرت علیؓ کا اقتدار کمزوری اور ابتری کی اس حد میں داخل ہو چکا ہے، کہ اب اس سے کچھ بن بگڑ نہیں سکتا، اور وہ لوگ ہر وقت امیر معاویہ کی زد میں ہیں، وہ جب چاہیں جس طرح چاہیں، ان کو لوٹ سکتے ہیں یا مار سکتے ہیں،

چنانچہ امیر معاویہؓ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر میدان جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کے حدود میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیج دیئے، اور ان کو لوٹ و غارت کا حکم دیدیا، بعض اوقات ان دستوں کو حدود میں کافی دور تک گھس جانے کا اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا جاتا، اس کے بعد یہ فوجی دستے الٹے پاؤں غنیمت کا مال ساتھ لیکر واپس آجاتے اور اپنے پیچھے پراگندگی اور دہشت کے اثرات چھوڑ آتے یہ اقدام تو ایک زہریلی سوئی کا سا تھا جو عراق میں مقیم جسموں میں تیزی کے ساتھ بار بار چبھائی جا رہی تھی جس سے خون کے ساتھ رگوں

میں زہر سرایت کرتا تھا بالآخر ناتوانی اور یاس کی منزل آجاتی جہاں پہنچ کر یہ جسم ذلت اور پستی کی نیند سو جاتے۔

ضحاک ابن قیس کو معاویہؓ ایک فوجی دستہ ساتھ کر کے شام سے متصل صحرائے عراق میں بھیجتے ہیں، اسی طرح سفیان ابن عوف کو ایک دوسری طرف روانہ کرتے ہیں، اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حدود میں گھستے گھستے مقام انبار تک چلا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تاراج کر کے کافی مال غنیمت ساتھ لائے، پھر نعمان بن بشیر کو تیسری سمت اور مسعد فزاری کو چوتھی سمت روانہ کرتے ہیں، حضرت علیؓ لوٹ مار کی یہ خبریں سنکر بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں لوگوں کو بلاتے ہیں لیکن کوئی سنتا نہیں حکم دیتے ہیں کوئی مانتا نہیں،

کوفہ والوں کے دل خوف اور ذلت سے بھر چکے تھے، وہ ایکدوسرے سے بے نیاز اور اسی پر قانع تھے کہ شہر اور شہر سے تھوڑی دور تک میں امن وچین کی زندگی جیتے رہیں ان کے پیش نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ کسی طرح زندگی کے دن کاٹیں، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کو انتہائی غصہ آیا اور ایک دن وہ دل ہلا دینے والا خطبہ دیا جو ساتھیوں سے آپؓ کی انتہائی مایوسی کی، آپؓ کے گہرے غیظ و غضب کی اور کسی وقت بھی جدا نہ ہونے والے آپؓ کے رنج و غم کی ایک سراپا تصویر ہے، آپؓ فرماتے ہیں،

اما بعد۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا، اللہ اس کو حقیروں کے ہاتھ ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا کرے گا، میں نے تم کو ان لوگوں سے لڑنے کی رات دن دعوت دی مخفی طور پر کہا اور علانیہ کہا کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے تم مقابلے میں آجاؤ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جس قوم کے گھر پر حریف چڑھ کر لڑنے آئے، وہ ذلیل ہوگی، تم سب نے ایکدوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا ہر آدمی دوسرے پر ٹھیلتا رہا۔ میری بات تم پر گراں گذری، تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ تم لوٹے جا رہے ہو، اخو غامد[1] اور اس کے

---

[1] یعنے سفیان ابن عوف جو یمن کے قبیلہ غامد میں سے ہے۔

سوار انبار تک گھس آئے اور حسان بن حسان اور بہت سی عورتوں اور مردوں کو قتل کر دیا خدا گواہ مجھے بتایا گیا کہ مسلم اور ذمی عورتوں تک یہ غارت گر پہنچتے ہیں، اور ان کے پازیب آویزے تک اتار لیتے ہیں ۔ اور کافی مال و متاع لیکر واپس چلے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو معمولی زخم نہیں آتا، اگر ان کے پیچھے کسی مسلمان کی جان چلی جائے تو میرے نزدیک ملامت کی بات نہیں بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیئے، حیرت اور سخت حیرت کی اور دلوں کو مُردہ، و ماغوں کو حیران اور غموں کو بڑھا دینے والی بات ہے کہ وہ اپنے باطل پر اس طرح متحد اور جمے ہوئے ہیں، اور تم حق پر ہو کر بھی اس طرح ناکام و نامراد ہو، حالت یہ ہے کہ تم تیر نہیں چلاتے، بلکہ دوسروں کے تیروں کے نشانہ ہو، تم حملہ آور نہیں دوسرے تم پر حملہ کرتے ہیں، تم پر دست درازی کی کے اللہ کی معصیت کی جاتی ہے اور تم گوارا کرتے ہو ۔ جب میں نے تم سے موسم سرما میں کہا کہ ان پر حملہ کردو تو تم نے کہا کہ یہ تو سردیوں کے دن ہیں اور جب میں نے گرمیوں میں کہا کہ ان سے لڑو تو تم نے جواب دیا ابھی شدت کی گرمی ہے، گرمیوں کے دن جانے دیجئے تو جب تم سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو بخدا تلواروں کے سامنے تمہاری گرد بھی نہ ہوگی ۔ اے مردنما لوگو! اے خواب کے بندو! اے پردہ نشینوں کی عقلو! خدا کی قسم تم نے اپنی نافرمانی سے میری تدبیریں غلط کردیں اور مجھے غصے سے بھر دیا اتنا کہ قریش نے میرے متعلق کہا، ابو طالب کا لڑکا بہادر ضرور ہے لیکن لڑائی میں صاحب تدبیر نہیں، ان نکتہ چینوں کے کیا کہنے مجھ سے زیادہ لڑائی کا ماہر اور مرد میدان کون ہوگا، بخدا میری عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ میدان جنگ میں کود پڑا اور آج ساٹھ سے آگے ہوں لیکن جس کا حکم نہیں چلتا اس کی رہنمائی کیا؟

یہ اور اس قسم کی تقریریں بعض ان لوگوں کے دلوں میں جذبات پیدا کرتی تھیں جو اب تک خاندانی حسب کی قدروں کا احساس رکھتے تھے انہیں میں سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں ترتیب دی جاتیں پھر حضرت علیؓ ان کے لئے امیر مقرر فرماتے اور ان غارت گروں کے تعاقب میں بھیجتے کبھی کبھی ان کو پالیتیں اور کبھی پیچھے رہ جاتیں ۔

بہرحال یہ واقعہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے عراق اور حضرت علیؓ پر حرص کی نگاہ ڈالی اور مسلسل حملے کرتے رہنا اپنی پالیسی رکھی اور حریف کو مجبور کر دیا کہ وہ کمزور سی مدافعت کرتا رہے جس سے نہ کوئی خرابی دور ہو سکتی تھی اور نہ کسی شر کو روکا جا سکتا تھا

لے یعنی حسان بن حسان بکری جو انبار میں حضرت علیؓ کے عامل تھے ،

معاویہؓ کی نگاہیں عربی شہروں پر

سرحد پر حملوں کے یہ تجربات امیر معاویہؓ کے لئے اطمینان بخش ثابت ہوتے اس لئے انہوں نے ارادہ کیا کہ اب قدم آگے بڑھائیں اور لوٹ وغارت کا سلسلہ عربی شہروں تک پہونچادیں، عربی شہر معاویہؓ کی زد میں تھے، مکہ بلد الحرام تھا جہاں خونریزی نہیں ہوسکتی تھی، اور جہاں طرفین سے کوئی بھی اس کے قرب وجوار میں لڑائی نہیں کرسکتا تھا، مدینے کے لوگ الگ تھلگ عافیت میں تھے ان کا خیال تھا کہ دار الہجرۃ میں ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ مسجد نبویؐ کے سائے میں ہیں، اور دار الحکومت کوفہ میں منتقل ہوچکا ہے اُن پر کوئی حملہ نہیں کرسکتا اور وہ ہیں کے نیز دانا بڑی تعداد میں حضرت علیؓ ساتھ ہیں اور کچھ تھوڑے سے امیر معاویہؓ کے ساتھ،

یمن میں حضرت عثمانؓ کے طرفدار ہیں، حضرت علیؓ کے حاکم عبیداللہ بن عباس کی مخالفت اور مقابلہ کرتے رہتے ہیں مگر اس مقابلہ کی حد لڑائی نہ تھی بلکہ یہ لوگ ایسی حرکتیں کرتے جس سے عبداللہ بن عباس سختی کرنے پر مجبور ہوجاتے پھر یہ لوگ اس سختی کی مذمت کرتے،

یمن کے ان عثمانیوں کی بات آگے چل کر اتنی بڑھی کہ حاکم کو حضرت کے پاس لکھنا پڑا حضرت علیؓ نے ان کی درستی اور اصلاح کیلئے آدمی بھیجا اور ان کو فوج طلب کرلینے کی دھمکی دی، تب لوگوں نے امیر معاویہؓ سے امداد کی درخواست کی اور ان کو آمادہ کیا، امیر معاویہؓ نے ایک سخت گیر، سنگدل اور اکھڑ قسم کے قریشی بُسر ابن ارطاۃ کو منتخب کیا اور حکم دیا، کہ اپنی فوج کے لئے افراد کا انتخاب خود کرلے چنانچہ اس نے کیا اس کے بعد اس کو روانہ کیا اور ہدایت کردی کہ دیہاتوں میں حضرت علیؓ کے جو حامی ملیں ان پر اتنی سختی کرنا کہ ان کے دل خوف و دہشت سے بھرجائیں اور مدینہ پہنچکر وہاں کے باشندوں کو اس طرح لرزہ براندام کردینا کہ ان کو موت نظر آنے لگے اس کے بعد مکہ آنا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا ان کو ڈرانا دھمکانا نہیں پھر یمن جانا اور علیؓ کے حاکم کو وہاں سے نکال کر عثمانیوں کی امداد کرنا،

بسر ابن ارطاۃ گیا اور امیر معاویہؓ کی ہدایتوں پر عمل کیا، بلکہ سختی، سنگدلی لوٹ مار اور بے حرمتی میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا چنانچہ دیہاتوں پر بری طرح جھپٹ پڑا اور زیادتیاں کیں، مدینہ آیا تو لوگوں کو اس طرح مرعوب اور خوفزدہ کیا کہ مصائب کی تصویریں ان کی آنکھوں میں پھر گئیں اس کے بعد امیر معاویہؓ کی بیعت ان کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے منظور کیا اس کے بعد مکہ آیا اور وہاں کسی کو ڈرایا دھمکایا نہیں، البتہ طائف والوں کو ڈرانے اور ان سے لڑنے کا ارادہ کیا، لیکن مغیرہ بن شعبہ نے اس کو سمجھایا بجھایا، جس سے وہ باز آگیا، اور یمن کی طرف روانہ ہو گیا، یمن سے حضرت علیؓ کا حاکم اور اس کے ساتھی نکل بھاگے، یہاں آکر بری طرح خوں ریزی کر کے لوگوں کو خائف بنا دیا، اور بعد میں امیر معاویہ کے لئے بیعت لیا، حضرت علیؓ کو جب اسکی خبر ملی تو انہوں نے جاریہ ابن قدامہ کو دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ بھیجا کہ بسر کو یمن سے نکال دے، جاریہ کے یمن پہنچتے ہی بسر وہاں سے بھاگا اور شام واپس آیا، راستے میں بہت لوٹ مار کی، لوگوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا، حد یہ کر دی کہ عبد اللہ بن عباس کے دونوں لڑکوں کو بھی ذبح کر دیا، حالانکہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے، جاریہ بن قدامہ یمن پہنچا تو عثمانیوں کو قتل کر کے خوں ریزی میں اور اضافہ کر دیا، اور یمن کو پھر حضرت علیؓ کے زیر حکومت کر دیا، اس کے بعد وہ مکہ پہنچا، جہاں اس کو خبر ملی کہ حضرت علیؓ قتل کر دیئے گئے، پھر وہ مکہ اور مدینہ والوں سے عراق کے جدید خلیفہ کے لئے بیعت لیکر کوفہ واپس چلا آیا،

بسر ابن ارطاۃ امیر معاویہؓ کے پاس بہت زیادہ مال غنیمت لیکر واپس آیا، لیکن اس نے حد سے زیادہ خونریزی کر کے لوگوں پر اور اپنی جان پر بڑا ظلم کیا، میرا تو خیال ہے کہ اس کی طبیعت لوگوں کو بہت زیادہ قتل کر دینے کی وجہ سے متاثر ہوئی اس کے دل کی گہرائیوں میں اس کے گناہوں اور برائیوں کے تاثرات اثر کر گئے، اور شاید کہ نیند میں قتل و غارت کی سفاکیوں کے یہی منظر ڈراؤنی اور خوفناک شکلوں میں اس کے سامنے ظاہر ہوتے تھے، پھر بوڑھے ہونے پر اسکو جنون ہو گیا چنانچہ مورخین کے بیان کے مطابق وہ تلوار تلوار کی رٹ لگاتا تھا اور اسی وقت خاموش ہوتا جب تلوار پا کر اس کو خوب پھرا لیتا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ گھر کے لوگ اس کو لکڑی کی ایک تلوار اور چنت تکئے دیدیتے اور وہ تلوار چلانے لگتا، جب چلاتے چلاتے تھک جاتا تو اس پر غشی کی کیفیت طاری

ہو جاتی اور جب ہوش آتا پھر وہی تلوار اور تکیہ اسی حال میں اس کو موت آتی تھی،

لوٹ اور مار کے جن حملوں کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، امیر معاویہؓ نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ بدستور ان حملوں کا سلسلہ جاری رکھا، اور حضرت علیؓ کے سرحدی حاکم ان حملوں کا مقابلہ کرتے، کبھی مدافعت میں کامیاب ہو جاتے اور کبھی ناکام، لیکن عراقیوں کو چین نہ مل سکا، راتیں بیداری میں اور دن پریشانی میں گذارتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس ماحول نے ان کو پہلے سے زیادہ امن و عافیت کا خواہاں اور موت سے گریزاں بنا دیا،

حضرت علیؓ اور خارجی

حضرت علیؓ کی کوفت اور قلق کا باعث اور عراق والوں کی نیند حرام ہونے کا سبب، صرف لوٹ و غارت کے یہ خارجی حملے نہ تھے، بلکہ اس میں بڑی حد تک عراق کی اندرونی معرکہ آرائیوں کا بھی دخل تھا، جو اگرچہ معمولی اور مختصر تھیں لیکن بڑی پریشانی کا باعث تھیں، طبعی طور پر اس قسم کی لڑائی بھی خارجی لڑا کرتے تھے، حضرت علیؓ نے نہروان کے معرکے میں ان کو قتل کر دیا تھا، لیکن اس قتل سے ان کا یا ان کے مذہب کا بالکل خاتمہ ہی نہیں ہو گیا، اور بڑے سے بڑے اقتدار یا خوف و ہراس پھیلانے والی بڑی سے بڑی قوت کے لئے کب یہ ممکن ہو سکا کہ وہ کسی مذہب یا خیال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے قوت اور اقتدار کی کارروائیاں تو شاید الٹی تقویت حمایت اور اشاعت کا سامان پیدا کرتی ہیں،

معرکے میں بچے ہوئے خارجیوں کے دلوں میں حضرت علیؓ نے انتقام کی ایک آگ جلا دی تھی، اسی طرح ان کے رشتہ داروں اور دوسرے بہت سے خارجیوں کو قصاص کیلئے بیتاب کر دیا تھا، چنانچہ وہ بلا کسی کوتاہی کے اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹولی ٹولی بن کر نکلنے لگے، ایک شخص نکلتا اس کے ساتھ سو دو سو آدمی ہوتے اور چل پڑتے پھر کسی مناسب مقام پر جا کر تھوڑے دن یا زیادہ عرصہ تک قیام کرتے اور اس دوران میں اپنے آپ کو لڑنے کیلئے تیار کرتے اور جب پوری تیاری ہو جاتی تو اعلان جنگ کر دیتے، گرد و پیش کے لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور امن عامہ کیلئے سخت خطرات پیدا کر دیتے، تو حضرت علیؓ مجبور ہوتے، اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کچھ فوجیوں کے ہمراہ بھیجتے جو ان سے جا کر

مقابلہ کرتا اور ان کو ختم کر کے یا ان کی جماعت کو منتشر کر کے، واپس آجاتا، اور جیسے ہی واپس ہوتا ایک دوسرا خارجی اپنے ساتھیوں کو لیکر نکلتا اور پھر وہی قصہ ہوتا، آشرس ابن عوف شیبانی نکلتا ہے اور جب وہ اور اس کے ساتھی قتل ہو جاتے ہیں، تو ہلال علّفہ[1] تیمی نکلتا ہے، اور جیسے ہی حضرت علیؓ اس سے فراغت پاتے ہیں، اشہب ابن بشر بجلی نکلتا ہے، جب اس کا کام بھی تمام ہو جاتا ہے تو سعید ابن قفل[2] تیمی نکلتا ہے، اس کو ختم کر کے حضرت علی کے ساتھی واپس آتے ہیں کہ ابو مریم سعدی[3] میدان میں آتا ہے، اس کے ساتھ صرف عرب نہ تھے، بلکہ بہت سے غیر عرب غلام بھی تھے،

اس کے یہ معنی ہیں کہ خوارج کا مذہب اب عربوں کے سوا مفتوحین میں بھی پھیل چکا تھا، جو فاتحین کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے تھے ان میں سے جو مسلمان ہو جاتا، وہ نیا مسلمان بن کر اپنے حقوق ادا کرتا، لیکن عربوں کے باہمی اختلاف میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نو مسلم اب ثالثی کو برا سمجھتے ہیں، اور امام کے خلاف میدان میں آرہے ہیں اور عرب خارجی اپنے حریفوں سے جنگ میں ان کی امداد لینے میں، کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک عربی عصبیت، مذہب اور رائے کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے مقابلے میں بہت سے غیر عرب غلاموں کو دیکھ کر ابو مریم کو یہ طعنہ دیا ایسے لوگوں کو ساتھ لیکر عربوں سے لڑنے آیا ہے؟ ابو مریم نے اس طعن کی طرف کچھ توجہ نہیں کی، لیکن پوری قوت کے ساتھ انہیں معمولی آدمیوں کو لیکر حملہ کیا ایسا سخت حملہ کہ حریف کو اپنی جگہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور پسپا کرتے کرتے ان کو کوفہ تک پہنچا دیا، صرف ان کا افسر اور ان کے چند ساتھی، امداد کے انتظار میں باقی رہ گئے

حضرت علیؓ خود ابی مریم سے مقابلے کے لئے نکلے جو کوفہ سے قریب ہو چکا تھا اور جب اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر کے واپس لوٹے تو آپ سخت مغموم تھے، آپ کا دل زخمی تھا اور کیوں نہ ہو زندگی دو مشکلوں کے درمیان تھی، اور دونوں کی خرابی ایکدوسرے سے کم نہ تھی اندرون ملک معرکہ آرائیاں جو ایک مستقل نظام کی طرح برقرار تھیں ایک سے فرصت ملی کہ دوسری سامنے آئی اور سرحدوں پر شامیوں کی طرف سے غارت اور لوٹ مار بھی ایکدوسرے مستقل نظام کی طرح جاری تھی، ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو دوسرا ہو جاتا ہے، ان حالات کے باوجود ساتھیوں کا یہ حال کہ

[1] قبیلہ تیم الرباب [2] تیم اللہ ابن ثعلبہ ابن عکابہ کے قبیلے کا [3] سعد مناۃ ابن تمیم کے خاندان سے

عافیت طلبی میں ڈوبے جا رہے ہیں، ان کی بے بسی بڑھتی جا رہی ہے، ان کی دھار مڑ چکی ہے، ان کی شان و شوکت خاک میں ملی جا رہی ہے، کوسوں دور کا دشمن اگر حرص کی نگاہیں ڈالتا ہے تو سامنے کا موجود مخالف، عداوت اور نفرت کے جذبات بھڑکاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارج اور شامیوں کے درمیان ایکدوسرے کے بلا علم و اطلاع ایک خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے، اور اس معاہدے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت علیؓ کی راہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اور ان کو مجبور کر دیا جائے۔

اور امیر معاویہ شام میں بیٹھے اپنے حریف کے وہ حالات اور واقعات سنتے ہیں، جن سے ان کا حوصلہ بڑھتا جا رہا ہے، لو دیکھو انہوں نے اپنے حوصلے کا ایک قدم اور بڑھایا اور حج کے موقع پر اپنی طرف سے ایک امیر الحج بھیجنے کی ہمت کی اور کیوں نہ کرتے جبکہ شامیوں نے ان کی خلافت کی بیعت کر لی ہے، مصر ان کا ہو چکا ہے، مصر کے علاوہ بہت سے دیہات ان کے زیر فرمان آچکے ہیں، پھر دشمن مقابل سے مجبور ہو رہا ہے، بلکہ خود اپنے حدود ملک میں اپنا اقتدار بچانا بھی اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے

امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو امیر الحج بنا کر بھیجا کہ لوگوں کا حج کرلے، یہ یزید عثمانی تھا، اور امیر معاویہ کا مخلص، لیکن وہ حرمت کے مقام اور مہینے میں خونریزی کا کسی طرح روادار نہ تھا، جب اسکو یقین ہو گیا کہ امیر معاویہؓ جنگ کے لئے نہیں بلکہ ایسے کام کے لئے اس کو بھیج رہے ہیں جس کا ظاہر دین ہے، اور باطن سیاست تو اس نے منظور کر لیا اور روانہ ہو گیا، جب وہ مکہ کے قریب پہنچا حضرت علیؓ کے گورنر قثم بن عباس اس سے ڈر گئے یزید نے پہلوتہی کی اور مکے میں داخل ہو گیا اور لوگوں کو امن و امان دی، اس کے بعد ابو سعید خدریؓ کو درمیان میں رکھا کہ وہ لوگوں کی مرضی سے حضرت علیؓ کے گورنر کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانے کیلئے مقرر کریں، تاکہ تمام مسلمان ایک ساتھ نماز ادا کریں تو لوگوں نے عثمان بن ابی طلحہ عبدریؓ کو پسند کیا، چنانچہ انہوں نے نماز پڑھائی اور حج کا موسم بخیر و خوبی گذر گیا، حضرت علیؓ کو جب یزید ابن شجرہ کے مکہ آنے کی اطلاع ملی تو لوگوں کو متوجہ کیا کہ اس کو مکہ سے نکال دو مگر کسی نے توجہ نہیں کی، آخر میں حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اپنے ساتھیوں کی چھوٹی سی جماعت کیساتھ بھیجا، لیکن یہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے اسلئے کہ یزید حج کرکے شام واپس جا چکا تھا، البتہ یزید کے کچھ ساتھی، پیچھے رہ گئے تھے، انہیں میں سے بعض آدمی کو قید کرکے کوفہ لائے،

حضرت علیؓ کی شام پر چڑھائی کی تیاری

ان حالات اور حوادث میں مشیت ایزدی نے حضرت علیؓ کے لئے ایک پختہ ارادے کا موقع پیدا کر دیا، جس میں بڑی مایوسی اور زبردست سرفروشی کا جذبہ کار فرما تھا، یہ ارادہ شاید مقصد کو پالیتا لیکن انسان تدبیریں کرتا ہے، مولیٰ کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے قطعی فیصلہ تقدیر کے ہاتھ میں ہے تدبیر کے بس میں نہیں، حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں اور خطبے میں فرماتے ہیں کہ شامیوں سے مقابلہ کی تیاری کریں، عادت کے مطابق بڑی شدت اور سختی سے ابھارتے ہیں اور آمادہ کرتے ہیں لیکن حاضرین نے بھی عادت کے مطابق سنا اور چلتے بنے اور کچھ نہیں کیا،

جب مایوس ہو گئے تو سرداروں، افسروں اور ان لوگوں کو مدعو کیا جو فکر و نظر رکھتے تھے ان کے سامنے صاف صاف باتیں کیں اور فرائض اور ذمہ داریوں کی تصویر اس طرح پیش کی کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ سکتے اور ہاتھوں سے چھو سکتے، آپ نے بتایا کہ لوگوں نے بغیر میری طلب کے مجھے خلافت دی، خود سے میری بیعت کی اور آج وہی لوگ میری اطاعت کا زبان سے تو اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بدعہدی اور بے وفائی ہے میں نے مہلت دی اور ٹالتا رہا، لیکن اب اس سے بھی اکتا گیا، سرگرمی اور توجہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، وعظ و نصیحت کی ساری باتیں بیکار رہیں، ابھارنے اور آمادہ کرنے کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں، اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ قوم اور قرابت داروں میں سے جتنے بھی ساتھ دے سکیں ان کو لے کر شام کے دشمن سے جنگ کے لئے نکل پڑوں اور اگر کوئی ساتھ نہ آیا تو اکیلے نکلوں، اور اللہ کی راہ میں اکیلے لڑتے ہوئے جان دیدوں

میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس موقع پر اس خطبے کے الفاظ پیش کر دوں جو بلاذری کی روایت کے مطابق ہیں، اس میں ان لوگوں کا دنداں شکن جواب ہے جنھوں نے اپنی نافرمانی سے آپ کی تدبیریں برباد کر دیں جس سے قریشیوں کو طرح طرح کی باتیں کرنے کا موقع ملا اور جس کی وجہ سے ایسا منظر سامنے آیا کہ اللہ کی نافرمانی ہو اور لوگ دیکھا کریں نہ غصہ ہوں نہ طیش میں آئیں

حضرت علیؓ خطبے میں فرماتے ہیں،

اما بعد لوگو! اس بیعت کی دعوت تم نے مجھ کو دی اور میں نے تمہاری بات ٹالی نہیں، پھر تم نے خلافت کے لئے میری بیعت کی، حالانکہ میں نے خلافت طلب نہیں کی تھی، اس کے بعد حملہ کرنے والے مجھ پر ٹوٹ پڑے، اللہ ان کی زیادتی کے لئے کافی ہوا، وہ منہ کے بل گرے خدا نے ان کو ہلاک کیا، اور انھیں پر بڑی گردش آئی اب ایک جماعت باقی رہ گئی ہے جو اسلام میں نئے نئے شاخسانے پیدا کرتی ہے، حق کو چھوڑ کر من مانے کام کرتی ہے جس کا دعویٰ کرتی ہے اس کی اہل نہیں، جب اس کے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ چند قدم آگے بڑھو، تو وہ بڑھتے ہیں جب آگے آتے ہیں تو حق اتنا نہیں پہچانتے جتنا باطل، جس طرح حق کی تردید کرتے ہیں، باطل کی نہیں کرتے بہرحال اب میں تمہاری باتوں اور تنقیدوں سے اکتا چکا ہوں، اب مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو، اگر تم کو میرے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے چلنا ہے تو میں یہی چاہتا ہوں اور یہی میری مرضی ہے، اور اگر ایسا کرنا نہیں چاہتے تو مجھے اپنا ارادہ بتادو تاکہ میں فیصلہ کر دوں بخدا اگر تم سب کے سب میرے ساتھ اپنے دشمن سے جنگ کے لئے اس وقت تک نہ نکلے کہ خدا فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، تو میں تمہارے لئے بددعا کروں گا اور پھر دشمن کی طرف چل پڑوں گا چاہے میرے ساتھ دس ہی آدمی ہوں، کیا شام کے آوارہ، اور ناسمجھ گمراہی کی امداد کرنے اور باطل کے لئے متحد ہونے میں تم سے زیادہ برداشت اور قوت کے مالک ہیں، حالانکہ حق اور صداقت تمہارے ساتھ ہے، تمھیں کیا ہو گیا ہے اور تمہارا علاج کیا؟ اگر تم مارے گئے تو قیامت تک تم جیسی قوم اٹھائی نہیں جاسکتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں اور افسروں کو حضرت علیؓ سے بڑی شرم اور رسوائی محسوس ہوئی اور ڈرے کہ کہیں اپنے ارادے پر عمل نہ کر بیٹھیں، اور اکیلے یا تھوڑے سے لوگوں کے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ان کے دامن پر بے غیرتی اور بے شرمی کے داغ لگ جائیں اور کیسے داغ؟ اور پھر اپنے دین اپنی جان اور اپنے تمام معاملات کے لئے مصائب میں مبتلا ہو جائیں چنانچہ ان میں سے جو بولنا جانتے تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے آپ کی خیر خواہی کے لئے اپنا خلوص پیش کیا، اور اپنے

اچھی باتیں کہیں، ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے اٹھ کر چلے آئے اور اس کی کوشش میں لگ گئے کہ حضرت علیؓ سے جو وعدہ کیاہے اس کو پورا کردیں،

ہر سردار نے اپنی قوم کو جمع کیا اوران کو نصیحتیں کرکے آمادہ کیا، اس طرح حضرت علیؓ کے لئے ایک معقول فوج تیار ہوگئی جس نے مرمٹنے کا عہد کیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو مضافات میں بھرتی کے لئے بھیجا تاکہ کوفہ کی تیار فوج کے ساتھ اس کا اضافہ کردیا جائے اسی طرح آپ نے عراق سے آگے مشرقی علاقے کے گورنروں کو لکھا کہ وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ ہوں، زیاد بن خصفہ کو اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش بناکر اپنے سامنے روانہ کیا اور حکم دیا، کہ شام کے قرب وجوار پر حملہ کرکے وہاں کے باشندوں میں خوف وہراس پیدا کرے،

حضرت علیؓ اپنی اس تیاری میں مصروف تھے، ان کی منزل ان کے سامنے تھی اتنے میں تقدیر کی ایک جنبشِ لب نے آپ کی اور اہلِ عراق کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا،

حضرت علیؓ کی سیرت

جنگ اور جنگ سے متعلق کام بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی کوفہ کے دوران قیام میں حضرت علیؓ کا پورا وقت اور ساری کوششیں صرف جنگی کاموں کے لئے وقف نہ تھیں بلکہ آپ نے اپنے اوقات تین شعبوں میں تقسیم کر دیئے تھے، جنگی، سیاسی اور مذہبی ان معاملات میں کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی ہو اور کوئی رکاوٹ خواہ وہ کتنی ہی وزنی ہو آپ کو اپنے فرض سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، جنگی کارروائیوں میں آپ کا انہماک اور سرگرمیاں تم دیکھ چکے ہو، دینی امور میں بھی آپ کی سرگرمیاں کم یا گاہ بگاہ کی بات نہ تھی بلکہ سابق خلفاء کی طرح آپ نے اپنا فرض سمجھا کہ نماز میں لوگوں کی امامت کریں، لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں، دین کی باتیں سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ اللہ کو مسلمانوں کی کونسی بات پسند ہے اور وہ خود ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کی کون سی بات اللہ کو پسند ہے اور خلیفہ مسلمانوں کیلئے کس بات کو ناپسند کرتے ہیں، کبھی منبر پر بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہو کر وعظ کہتے لوگوں کیلئے مسجد میں بیٹھ جاتے ان کی خیریت اور ان کا کاروبار پوچھتے اور جو آدمی اپنے دین یا دنیا سے متعلق کوئی ضروری بات پوچھتا اسکو بتاتے پھر گفتگو اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے بلکہ ان میں اپنی سیرت اپنا کردار پیش کر کے انھیں تعلیم دیتے آپ ان کے امام تھے ان کے معلم تھے اور ان کے لئے نمونہ اور رہنما بھی، کوفہ والوں کے لئے آپ کی روش وہی تھی جو مدینہ میں حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکھتے تھے، جس سے ملتے اپنے خوفناک دُرّے کے ساتھ ملتے جس طرح حضرت عمرؓ کا دُرّہ چھوٹے بڑوں سب کو مرعوب رکھتا تھا آپ لوگوں تک اس وقت بھی پہونچتے، جب وہ زندگی کی دوڑ دھوپ میں ہوتے چنانچہ بازاروں کا گشت لگاتے لوگوں کو اللہ سے ڈراتے ان کو حساب اور قیامت کے دن کی یاد دلاتے، خرید و فروخت کے مواقع پر ان کی نگرانی کرتے بازاروں میں چلتے ہوئے بلند آواز سے کہتے، خدا سے ڈرو، ناپ اور تول پورا کرو، گوشت پھلا کر نہ رکھو اگر لین دین میں یا گفتگو میں کسی کو بیہودہ یا بڑھا پاتے تو ڈانٹ ڈپٹ کر اور دُرّے سے ٹھیک کرتے آپ نے خیال کیا کہ آجکل کے لوگوں کو مرعوب رکھنے کے لئے عمرؓ کا دُرّہ کافی نہیں، حالات کے انقلاب

نے ان کے اخلاق میں سختی پیدا کر دی ہے، ان کی طبیعتیں بدل گئیں ہیں، ان میں فاروقی عہد کے مسلمانوں جیسی بات نہیں اس لئے دُرّہ چھوڑ کر خیزرانہ ہاتھ میں لیا اس کو دُرّے سے زیادہ مؤثر تصور کیا لیکن بعد میں ان کو پتہ چلا کہ لوگ خیزرانہ سے بھی نہیں ڈرتے پس آپ کوفہ کے عوام اور خواص سے کہا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس طرح درست ہو سکتے ہو لیکن خود بگاڑ کر میں تم کو بنانا نہیں چاہتا،

آپ نے دیکھا کہ ڈانٹ ڈپٹ خیزرانہ اور دُرّے سے بھی بڑی کسی سزا کی ضرورت ہے اور یہ آپکو ناگوار تھا کہ کوڑے زیب کریں، ڈرتے تھے کہ یہ سختی اور تشدد کہیں آپ کو دین اور اخلاق کی نامناسب حد میں نہ پہنچا دے، ایک خلیفہ راشد میں جو نرمی سنجیدگی، بردباری اور چشم پوشی ہونی چاہئے، کہیں آپ اس سے دور نہ ہو جائیں، ایک دن آپ اپنے گھر سے نکلے اور دیکھا کہ دروازے پر عوام کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے دُرّے سے چیرتے پھاڑتے کسی طرح نکلے اور اپنے بعض دوستوں سے ملے اور سلام کے بعد کہا یہ لوگ بڑے فضول ہیں میں سمجھتا تھا کہ امیر، لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں لیکن اب ایسا معلوم ہوا کہ لوگ امیر پر زیادتی کرتے ہیں،

علاوہ ازیں حضرت علیؓ خلافت کے رعب وداب سے بھی بڑی احتیاط کرتے تھے اور جب کوئی چیز خود خریدنا ہوتا تو بازار میں ایسے شخص کو تلاش کرتے جو آپ کو پہچانتا نہ ہو اور اس سے سودا لیتے یہ آپ کو پسند نہ تھا، کہ کوئی دوکاندار امیر المؤمنین جان کر سودے میں رعایت کرے،

لوگوں کی دینی خدمت کا فرض جب تک ادا نہ کر لیتے حضرت علیؓ مطمئن نہ ہوتے، چنانچہ لوگوں کو نماز پڑھاتے اپنے قول و عمل سے ان کو تعلیم دیتے، فقراء اور مساکین کو رات کا کھانا کھلاتے ضرورتمندوں اور مستحقوں کو تلاش کر کے ان کو سوال سے بے نیاز کر دیتے، پھر جب رات ہوتی تو لوگوں سے الگ ہو جاتے اور تنہائی میں اپنے معمولات عبادت میں مشغول ہو جاتے تہجد کی نماز ادا کرتے اور رات زیادہ ہو جانے پر آرام فرماتے پھر صبح اندھیرے ہی مسجد میں چلے آتے اور فرماتے رہتے، نماز، نماز، اللہ کے بندو نماز، گویا مسجد کے سونے والوں کو بیدار کرتے،

اس طرح دن رات میں کسی بھی وقت آپ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے، خلوت میں بھی یاد کرتے اور اس وقت بھی جب لوگوں کے مختلف معاملات کے لئے تدبیریں کرتے رہتے اور اس بات کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتے کہ آپ سے دینی مسائل دریافت کریں،

مسلمانوں کے مال کے بارے میں آپ کی سیرت کا حال تم نے کچھ پڑھ لیا ہے اور جان چکے ہو کہ صوبوں سے یا مضافات سے جو کچھ بھی پہونچتا آپ اس کو تقسیم کرتے رہتے چاہے تھوڑا ہو چاہے زیادہ، بڑی رقم ہو یا حقیر، اور اگر کوئی چیز بہت کم مقدار میں تقسیم ہوتی تو آپ لوگوں سے معذرت کرتے اور کہتے کہ چیز آتی ہے تو بہت معلوم ہوتی ہے لیکن تقسیم ہونے پر تھوڑی نظر آتی ہے

آپ کو اس کا بے حد خیال تھا کہ مال تقسیم کرتے وقت آپ اپنے قول و فعل میں اپنے ارادے اور تقسیم میں مساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ سوال کرنے پر جو کچھ آپ دیتے تھے اس میں بھی مساوات کا سخت لحاظ رکھتے، ایک دن آپ کے پاس دو عورتیں آئیں اور اپنی محتاجی کا اظہار کر کے سوال کیا، آپ نے مستحق جان کر حکم دیا کہ ان کو کپڑا اور کھانا خرید کر دیا جائے، مزید برآں کچھ مال بھی دے دیا لیکن ان میں سے ایک نے کہا اس کو کچھ زیادہ دیجئے کہ وہ عرب ہے اور اس کی ساتھی غیر عرب، آپ نے تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی اور اسے دیکھکر کہا مجھے معلوم نہیں کہ اطاعت اور تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی اللہ نے کسی کو کسی پر فوقیت دی ہے،

یہی سیرت حضرت علیؓ کی تھی اور یہی شیخینؓ اور نبیؐ کی، لیکن حضرت علیؓ نے جیسا کہ تم نے دیکھا ایک بات میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا اور وہ بیت المال سے متعلق ہے اور وفاداری کے ساتھ اس رائے پر قائم رہے، جس کا مشورہ آپ نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا، کہ جو کچھ بھی آئے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے بیت المال میں باقی نہ رکھا جائے،

حضرت علیؓ یہ رائے اس لئے پسند کرتے تھے کہ اس صورت میں خلیفہ ہر اس مال سے بری الذمہ ہو جاتا ہے جس کے باقی رکھنے یا جمع ہونے میں شاید کسی کا حق رہ گیا ہو، لیکن مصیبتیں آتی رہتی تھیں حادثات ہوتے رہتے تھے اور بیت المال کا کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہونا معقول بات نہیں، اس لئے حضرت عمرؓ اپنے مسلک میں زیادہ دور اندیش اور مصلحت بیں تھے اور حضرت علیؓ اپنی ذات کے لئے انتہائی احتیاط کے خواہاں تھے اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی خلیفہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ احتیاط برت سکتا ہے۔

حضرت علیؓ کا طرزِ عمل گورنروں کے ساتھ

اب رہا صوبے کے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؓ کا طرز عمل تو وہ بالکل حضرت عمرؓ کا سا تھا یعنی وہ طریقہ جو نبیؐ اور شیخینؓ نے جاری کیا تھا، عہد عثمانی کے آخری برسوں میں اس سے کچھ بے توجہی اور اس میں کچھ کمزوری دیکھ کر حضرت علیؓ نے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی،

حضرت علیؓ اپنے حاکموں پر کڑی نظر رکھتے تھے حساب کتاب میں ان سے بڑی سختی کا معاملہ فرماتے لوگوں کے حقوق کی جو ذمہ داری ان پر تھی اس کو پوری کرانے میں نہایت شدت سے پیش آتے، اُن کی عام اور خاص زندگی پر آپ کی توجہ غیر معمولی تھی، چنانچہ گورنر مقرر کرنے کے موقع پر ہر گورنر کو ایک تحریری اقرار نامہ دیتے جو وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتا، سننے کے بعد جب لوگ اس کو برقرار رکھتے تو وہ طرفین کے لئے ایک عہد و پیمان کی حیثیت اختیار کر لیتا، جس کی تاویل یا خلاف ورزی نہ رعایا کے لئے جائز ہوتی اور نہ حاکم کے لئے، اگر رعایا خلاف ورزی کرتی تو حاکم اس کو سزا دیتا اور اگر حاکم خلاف ورزی کرتا تو خلیفہ کی طرف سے سزایاب ہوتا،

علاوہ ازیں حاکموں کی روش کا پتہ چلانے کے لئے حضرت علیؓ کچھ سپروائزر اور انسپکٹر بھی روانہ کرتے رہتے جن سے آپ کو معاملات کی رپورٹ مل جاتی، ان میں سے بعض انسپکٹر تو لوگوں کو اپنی غرض بتا دیتے لیکن بعض اپنی مہم خفیہ رکھتے تھے یوں تو صوبہ کا ہر آدمی سپروائزر اور انسپکٹر تھا جو امام سے حاکم کی ہر خلافِ معاہدہ بات کی شکایت کر سکتا تھا،

بعض اوقات حضرت علیؓ لوگوں کی کسی مصلحت کے پیش نظر حاکم اور رعایا کے درمیان واسطہ بن جاتے ایک مرتبہ کسی صوبہ کے لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ان کے شہر میں ایک نہر تھی جو اب شکستہ اور خراب ہو چکی ہے، اگر وہ پھر سے کھود کر جاری کر دی جائے تو ان کو اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوگا، اور درخواست کی کہ اپنے حاکم کو لکھ بھیجیں کہ اس نہر کے کھودنے میں ان سے بیگار لی جائے آپ نے یہ تو منظور کر لیا، کہ نہر کھودی جائے لیکن ان سے بیگار لینے کی بات پسند نہیں کی اور اپنے حاکم قرظہ ابن کعب کو لکھا:-

امابعد ــــ تمہارے صوبے کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے ، انھوں نے بتایا کہ ان کی کوئی نہر تھی جو اب خراب اور شکستہ حالت میں ہے اور اگر وہ اس کو کھودیں اور جاری کریں تو ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوجائیں گی اور ان میں پوری لگان ادا کرنے کی قوت پیدا ہوجائے گی اور اس سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں تمھیں لکھوں کہ اس کام میں ان سے بیگار لی جائے اور ان کو جمع کیا جائے میں تو کسی کو مجبور کرنا پسند نہیں کرتا، پس تم ان کو بلا کر اگر نہر کی بات امر واقعہ ہے تو جو اپنی مرضی سے کام کرنا چاہے اس سے کام لو، نہر ان کی ہے جنھوں نے اس کی مرمت کی ہے ان لوگوں کا آباد ہونا اور طاقت ور ہونا مجھے کمزور ہونے سے زیادہ پسند ہے ، والسلام

ایک دوسرے صوبے کے لوگوں نے شکایت کی کہ اُن کا حاکم ان کے ساتھ سنگدلی سے پیش آتا ہے اور حقارت آمیز سلوک کرتا ہے، آپ نے ان کی شکایت پر غور کیا اور پتہ چلا کہ یہ لوگ ہتک اور تحقیر کے مستحق نہیں ہیں پس آپ نے ان کے متعلق اپنے عامل عمرو بن سلمہ ارجبی کو لکھا:-

امابعد ــــ تمھارے شہر کے سرداروں اور تاجروں نے شکایت کی ہے کہ تم ان کے ساتھ سختی اور حقارت کا سلوک کرتے ہو میں نے ان کی شکایت پر غور کیا، میں اُن کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان کو تحقیر کا مستحق خیال نہیں کرتا اور عہد و پیمان کی رو سے ان کو نہ نکالا جا سکتا ہے اور نہ ستایا جا سکتا ہے پس ان کے ساتھ ایسی نرمی کے ساتھ پیش آؤ جس میں سختی کی بھی آمیزش ہو مگر اس طرح کہ بات ظلم کی حد میں نہ پہونچ جائے، ان سے جو بات طے ہوئی ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرو، البتہ ان سے خراج لو اور ان کی مدافعت میں جنگ کرو، ان سے اتنا نہ لو جو ان کی طاقت کے باہر ہو، یہ میری تم کو ہدایت ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے والسلام

حضرت علیؓ کے حاکم آپ سے ڈرتے تھے اور ربسا اوقات سرزنش سے بچنے کے لئے بعض معمولی باتوں کو آپ سے چھپانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن جب آپ کو اس کا پتہ چل جاتا تو یہ سرزنش الزام، ڈانٹ اور دھمکی کا رنگ اختیار کرلیتی،

روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے زیاد کے پاس جب وہ بصرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا نائب تھا، ابن عباسؓ کے کام چھوڑ دینے سے پہلے یا بعد میں اپنا آدمی بھیجا کہ اس کے پاس بیت المال میں جو کچھ ہے اٹھا

لائے، تو زیاد نے قاصد سے باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ کُردیوں نے خراج میں کچھ کاٹ کسر کر دی ہے میں ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ کام لے رہا ہوں؟ اور درخواست کی کہ یہ بات امیر المومنین سے نہ کہنا، مبادا خیال کریں کہ ان کے حق میں تصرف کیا جا رہا ہے۔ قاصد اپنے آقا کا وفادار تھا، زیاد نے جو کچھ کہا تھا سب کہہ دیا، حضرت علیؓ نے زیاد کو لکھا،

میرے قاصد نے مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیا، جو تم نے کُردیوں کے بارے میں اس سے کہا تھا اور مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے تھے میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ اسی لئے کہا تھا کہ قاصد مجھے باخبر کر دے میں خدائے عزوجل کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں سے تم نے ذرا بھی خیانت کی ہے تو میں تم پر وہ سختی کروں گا کہ زمین پر تمہارا چلنا دشوار ہو گا،

اس خط سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اتنے بھولے نہیں تھے جتنا ان کے بعض مخالفین بتاتے ہیں اور نہ ایسے غافل جیسا کہ آپ پر بعض زیادتی کرنے والوں کا خیال ہے بلکہ عرب کے دوسرے پختہ کاروں اور مدبّروں کی طرح آپ بھی گہرے غور و فکر کے مالک تھے، دلوں کی تہوں تک پہونچ جانے والی بصیرت رکھتے تھے لیکن آپ بے لاگ اور سچ کہنا پسند کرتے تھے احقائق کا مقابلہ صحیح اور سچی راہ سے کرتے تھے اور اپنے آپ کو مکر و چال کی پستی سے بلند و بالا رکھتے تھے کہ دین کے خلوص اور اخلاق کی شرافت کا یہی تقاضہ ہے،

چنانچہ آپ نے سمجھ لیا کہ زیاد کم مال بھیجنے کی معذرت کرنا چاہتا ہے اور قاصد سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کو کُردیوں کا واقعہ بتاتا ہے اور خلیفہ کی طرف سے الزام کے خوف سے مخفی رکھنے کی تاکید کرتا ہے زیاد کو یقین تھا کہ قاصد اس کی توجیہہ کا تذکرہ امیر المومنین سے کر دے گا، تم نے دیکھا کہ حضرت علیؓ نے زیاد کو دھمکی دینے اور ڈرانے میں کیسی شدت برتی، غالب گمان تو یہ ہے کہ آپ نے صرف ڈرانے دھمکانے پر اکتفا نہیں کیا ہو گا بلکہ کسی کو اس کے لئے مقرر کیا ہو گا کہ وہ مخفی طور پر کُردیوں میں جا کر زیاد کے بیان کی تحقیقات کرے،

مُنذر ابن جارود کی طرف سے کچھ تھوڑا سا مال آیا جو اصطخر پر آپ کا حاکم تھا آپ نے اس کو معزول کرنے اور کوفہ آنے کے لئے خط لکھا،

تمہارے باپ کے تقویٰ طہارت سے مجھے تمہارے متعلق دھوکہ ہوا اور میں نے خیال کیا

کہ تم بھی انھیں کے اخلاق اور اعمال کے پابند ہوگے، لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ تم اسیر کمند ہوئے ہو اور کسی طرح اپنی خواہشوں کی بندگی سے باز نہیں آتے خواہ اس میں تمھارے دین کا دامن داغ دار ہو جائے اور کوئی کتنے ہی اخلاق سے تم کو نصیحت کرے تم نہیں سنتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر زیادہ تر سیر و شکار کے لئے نکل جاتے ہو اور تم نے اپنی قوم کے دیہاتیوں کے لئے اللہ کے مال میں اپنا ہاتھ آزاد کر دیا ہے، جیسے وہ تمھارے ماں باپ کی کوئی وراثت ہے، بخدا اگر یہ سچ ہے تو تم سے تمھارے گھر گھر کی رسی اور تمھاری جوتی کا تسمہ اچھا ہے، لہو و لعب سے اللہ خوش نہیں، مسلمانوں کے مال میں خیانت اور اس کی بربادی، اللہ کے غیظ و غضب کا باعث ہے ایسا شخص سرحد کی حفاظت کا اہل نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے ذریعے خراج کی رقم جمع کی جائے اور مسلمانوں کے لئے اس پر اعتماد کیا جائے تم میرا یہ خط پاتے ہی میرے پاس چلے آؤ۔

جب منذر آیا تو حضرت علیؓ نے اتہام لگانے والوں کی موجودگی میں حالات کی تحقیق کی اور ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں سے منذر کی طرف تیس ۳۰ ہزار باقی ہے پس آپ نے اس سے طلب کیا، منذر نے انکار کیا حضرت علیؓ نے اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا، منذر یہ بہادری بھی نہ دکھا سکا تب حضرت علیؓ نے اس کو جیل بھجوا دیا، لوگوں نے سفارشیں کیں جن میں صعصعہ بن صوحان بھی تھے، جو حضرت علیؓ کے بڑے دوست اور کوفہ کے ممتاز متقی بزرگ ہیں چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔

حضرت علیؓ نے ایک غلام کو زیاد کے پاس بھیجا کہ اس کے پاس جو کچھ مال ہے بھیجدے غالباً اس غلام نے زیادہ بہت زیادہ اصرار کیا جو زیاد پر گراں گذرا اور اس کو جھڑک دیا غلام، زیاد کے اس سلوک سے برداشتہ خاطر ہو کر واپس چلا آیا اور حضرت علی سے بہت کچھ کہا آپ نے زیاد کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا

سعد نے مجھے بتایا کہ تم نے زیادتی کرتے ہوئے اس کو گالیاں دی ہیں، اور مغرورانہ انداز میں اس کی پیشانی پر مارا ہے، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے عظمت اور بڑائی صرف خدا کے لئے ہے جس نے تکبر کیا اس نے اللہ کو غصہ دلایا، اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تمھارے کھانے پر قسم قسم کی چیزیں ہوتی ہیں اور تم روزانہ تیل لگاتے ہو، تمھارا کیا بگڑتا اگر اللہ کے لئے چند دن روزے رکھتے اور اپنی بعض چیزیں صدقہ کر دیتے، ایک مرتبہ کا کھانا بار بار کھاتے یا کسی فقیر کو بھی کھلاتے کیا تم چاہتے ہو کہ خود تو عیش و عشرت کے فرش پر لوٹو، اور مسکین پڑے سسکیں، کمزور فقیروں یتیموں اور بیواؤں سے بے نیازی برتو، اور پھر ثواب

تم کو صالحین کا ملتا رہے ۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ باتیں تو تم نیکوں کی سی کرتے ہو لیکن کام گنہگاروں کا کرتے ہو اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنا عمل برباد ، خدا سے توبہ کرو اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے معاملات میں اعتدال پر رہو اور اگر ایماندار ہو تو اپنی ضرورت کے لئے بچا رکھو ایک دن ناغہ دیکر تیل لگاؤ اور محض زیب وزینت کے لئے نہ لگاؤ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن بعد تیل لگاؤ اور بناؤ سنگار کی خاطر نہ لگاؤ ۔ والسلام

زیاد کو خلیفہ سے یہ چغلی بہت بری معلوم ہوئی اور چاہا کہ اپنے کو الزامات سے بری کرلے چنانچہ جواب میں لکھا :-

" سعد میرے پاس آیا اور بڑی عجلت کرنے لگا تو میں نے اس کو ڈانٹا ڈپٹا اور وہ اس سے بھی زیادہ مستحق تھا ، مال کے بارے میں یا میرے تعیش اور کھانوں کے متعلق اگر اس کا بیان سچا ہے تو خدا اس کو سچوں کا ثواب دے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو جھوٹوں کے عذاب سے محفوظ نہ رکھے ۔ اب رہی اس کی یہ بات کہ میں نیکوں کی طرح باتیں کرتا ہوں اور عمل اس کے خلاف کرتا ہوں تب تو میں ان لوگوں میں ہوں جن کے عمل میں ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے آپ اس سے مواخذہ کیجئے کہ میری ایک بات بھی ایسی بتائے کہ میں نے کہا تو ٹھیک لیکن عمل اس کے خلاف کیا شہادت لینے پر اس کا سچ جھوٹ آپ پر ظاہر ہو جائے گا ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ زیاد دیکھتا ہے کہ غلط الزامات لگا کر اس پر زیادتی کی گئی ہے پس حضرت علیؓ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اتہام لگانے والے کو ماخوذ کیا جائے اس سے ثبوت مانگا جائے اور اس کا انصاف کیا جائے ،

حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو آذربائی جان سے معزول کر دیا جو حضرت عثمانؓ کے زمانے سے وہاں کے حاکم تھے بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان نے ان سے خراج معاف کر دیا تھا معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے انکو لکھا

" اللہ کی نوازشوں نے تم کو مغرور کر دیا تم اس کا رزق کھاتے رہے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہے اور اپنی خوبیاں لطف زندگی میں کھوتے رہے پس خراج کی جو رقم تمھارے پاس ہے لیکر میرے پاس آجاؤ اور کوئی دوسری بات نہ کرو "

ظاہر ہے کہ اس خط کا اثر اشعث پر اچھا نہیں ہوا ہوگا اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے بعد اشعث کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا حضرت علیؓ ہر وقت اپنے حاکموں کو سخت وسست نہیں کہتے تھے اور نہ بدگمان رہتے بلکہ ان میں سے جو اچھے تھے ان کی تعریفیں بھی کرتے اور خوب کرتے ان کا حق پہچانتے امام کے ساتھ اخلاص پر اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں مصیبتیں اٹھانے پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے

ذرا وہ تحریر پڑھئے جو آپ نے عمر و سلمہ کو لکھا تھا جو بحرین میں آپ کے حاکم تھے اور جن کو معزول کر کے اپنے ساتھ شام لیجانا چاہتے تھے، فرماتے ہیں،

میں نے بحرین پر نعمان بن عجلان کو حاکم مقرر کیا ہے اس میں تم پر نہ تصرف کا کوئی الزام ہے اور نہ تمہاری کوئی مذمت ابخدا تم نے بہترین حکومت کی اور امانت کا حق ادا کر دیا، پس تم میرے پاس بلا کچھ خیال دل میں لائے چلے آؤ، میں شام کے ظالموں کا رُخ کر رہا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو، تم ان لوگوں میں ہو جن سے مجھے دین کے قیام اور دشمن کے مقابلے میں مدد ملیگی، خدا ہم کو اور تم کو حق کی راہ چلنے والا اور حق فیصلہ کرنے والا بنائے۔

اپنے حاکموں کے ساتھ حضرت علی رضی کا یہی مدبرانہ طرز عمل رہا، اچھوں کی حوصلہ افزائی کی اور بروں پر تشدد نہ کسی کے ساتھ بے جا امتیاز برتا اور نہ کسی سے دشمنی چھپائی نہ کسی سے بازی لگائی نہ کسی کے ساتھ مکاری کی آپ نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کی سر تا پا خیر خواہی تھی وہ رعایا کا انصاف تھا، اور دونوں میں حق کا پاس رکھا ناظرین نے دیکھا کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، زیاد کے ساتھ کیسی سختی کی، ٹھیک سے کام نہ کرنے والوں کو کیسی سزا دی جس کسی نے کسی کا حق دبایا اس کو کس طرح جیل بھیجا ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہیئے، اگر گورنر آپ سے اور آپ کے کاموں سے بہت چوکنا رہتے ہوں، احتیاط اور دوری میں خیریت سمجھتے ہوں اور ذرا بھی تعجب کی بات نہیں کہ آپ کا ایک گورنر مصقلہ بن ہبیرہ بدعنوانی کرنے کے بعد ڈر کر امیر معاویہ رضی کے پاس چلا جائے جہاں اس کی آؤ بھگت کا حال ابھی تم نے سنا،

گورنروں کے ساتھ آپ کی جو روش تھی عوام کے ساتھ بھی بعینہ وہی تھی، چنانچہ نہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے تھے اور نہ اپنی طرف سے مایوس، بلکہ اگر کوئی حق پر ثابت قدم ہے اور اپنا فرض ادا کر رہا ہے تو اس سے قریب ہو جاتے بالکل قریب، اور اگر راہ حق سے ہٹ گیا اور اپنے فرض کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا تو اس سے دور ہو جاتے بہت دور، پھر اس کے لئے خدا کی مقرر کردہ سزا میں کسی ترمی اور کمی کے روادار نہیں ہوتے،

مورخوں نے لکھا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی نے ان کو قتل کر دیا اس کے بعد آگ میں جلا دیا، ابن عباس رضی نے اس پر آپ کو ملامت کیا، میرا خیال ہے کہ یہی وہ قصہ ہے جس میں مخالفین شیعہ نے غلو سے کام لیا ہے اور خیال کیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی میں الوہیت تسلیم کر لی تھی،

لیکن مورخین اور خاص طور پر مستند حضرات اس سلسلے میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک تو وہ

جو اس واقعہ کو بلا کسی تفصیل کے بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں پیش کر چکا ہوں بلاذری اسی گروہ میں ہیں، دوسرا گروہ وہ ہے جو اس کا بالکل ذکر نہیں کرتا اور نہ اشارہ کرتا ہے جیسے طبری اور اس کے متبعین،

البتہ مخالفین شیعہ اور فرقوں سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ راویوں نے زیادتی سے کام لیا اور جتنا تھا اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بتایا جس طرح ابن سودا ابن سبا کے معاملے میں کہا گیا،

غالباً بنی طے کے ایک دیہاتی شاعر کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس ہیبت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا جو لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؓ سے متعلق اس وقت تھی یہ دیہاتی شاعر ایک لیٹرا تھا، راستے میں لوگوں کا مال زبردستی چھین لیا کرتا تھا، حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے کے لئے دو آدمیوں کو بھیجا لیکن یہ ان سے بھاگ نکلا وہ کہتا ہے،

ولمّا ان رأیت ابنی شمیط — بسکۃ طیی والباب دونی

جب میں نے شمیط کے دونوں لڑکوں کو دیکھا قبیلہ طے کا راستہ تھا اور دروازہ میرے پیچھے تھا

تجلّلت العصا[1] وعلمت انی — رھین مخیّس[2] ان یثقفونی

میں گھوڑے پر چڑھ گیا اور یقین کر لیا کہ اگر مجھے پا جائیں گے تو میری جگہ جیل میں ہوگی

فلو انظرتھم شیئا قلیلا — لساقونی الی شیخ بطین

اگر میں ذرا بھی انتظار کرتا — مجھے بڑے پیٹوں والے کے پاس لے جاتے

شدید مجامع الکتفین صلب — علی الحدثات مجتمع الشؤون

وہ سخت مونڈھے والا ہے حوادث اور مصائب کے لئے مضبوط اور مطمئن ہے،

یہ دیہاتی بڑے پیٹ اور بڑے مونڈھے والے اور حوادث میں بہت سخت اور بے خوف رہنے والے شیخ سے ڈرا جس طرح کہ عام لوگ اس قسم کے افراد سے ڈرتے ہیں، علاوہ ازیں دو باتوں کے لئے حضرت علیؓ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے ایک یہ کہ آدمی انہیں کی حدود حکومت میں قیام کرے چنانچہ کتنے لوگ تھے جو عراق اور حجاز سے امیر معاویہؓ کے پاس چلے جا رہے تھے ان کو معاویہؓ کی دنیا علیؓ کے دین سے زیادہ پسند تھی حضرت علیؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے آپ کا خیال تھا کہ لوگ آزاد ہیں

[1] اسی دیہاتی کا گھوڑا [2] ایک قید خانہ جس کی تعمیر حضرت علیؓ نے کی تھی،

جو گھران کے لئے مناسب ہو اس میں قیام کر سکتے ہیں چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہؓ سے جا ملا

حضرت علیؓ کو مدینہ کے گورنر سہل بن حنیف نے لکھا کہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر بھاگ کر شام جا رہے ہیں حضرت علیؓ نے جواب میں تسلی دی اور لکھا کہ ان جانے والوں سے تعرض نہ کیا جائے اور نہ اپنی اطاعت میں رہنے پر مجبور کیا جائے خوارج کے ساتھ بھی آپ کا یہی طرز عمل تھا ان کو مال غنیمت سے حصہ دیتے تھے اور جب تک وہ آپ کے ساتھ رہتے ان کو کوئی تکلیف پہونچنے نہیں دیتے اور اگر کوئی ساتھ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تو اس کو روکتے نہ تھے اور نہ راستے میں ان سے تعرض کرتے کی اپنے حاکموں کو ہدایت کرتے چنانچہ وہ دار السلام میں آزاد تھے جہاں چاہتے ٹھکانا بناتے اس شرط اتنی تھی کہ فساد نہ پھیلائیں، اور لوگوں پر زیادتی نہ کریں لیکن شرط کی خلاف ورزی پر آپ بلا کسی نرمی کے اللہ کا حکم جاری فرماتے پھر کوئی کوتاہی آپ سے نہ ہوتی بسا اوقات بعض گستاخ اس حد تک بڑھتے کہ آپ کے منہ پر کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوں گے اور نہ آپ کی حکومت مانیں گے جیسا کہ خریت ابن راشد نے کہا جس کا تذکرہ گذر گیا لیکن آپ نے اس کو پکڑا نہیں اور نہ اس سے کوئی باز پرس کی نہ اس پر کوئی پابندی عاید کی اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا تو اس کے اور خارجیوں کے درمیان حائل نہیں ہوئے لیکن اس کے بعد جب انھوں نے زمین پر فساد پھیلایا تو آپؓ نے اپنا آدمی بھیجکر ان میں انصاف کا تقاضہ پورا کیا۔

پس حضرت علیؓ جانتے تھے کہ گنجائش کے آخری حدود تک لوگوں کو آزادی کا حق ہے اور اسی لئے وہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرتے تھے اور نہ ہر اطاعت کیلئے ان پر جبر فرماتے البتہ جب وہ اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے اور زمین پر فساد پھیلاتے تو پھر آپ اُن پر سختی کرتے،

دوسری بات جس پر حضرت علیؓ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے وہ لڑائی ہے آپ کا خیال ہے کہ غداروں گمراہوں اور دین سے خارج ہو جانے والوں سے جنگ کرنا آپ کا اور مسلمانوں کا اسی طرح فرض ہے جس طرح اہل کتاب اور مشرک دشمنوں سے جہاد کرنا لیکن یہ فرض آپ نے لوگوں پر جبراً لادا نہیں اور نہ اقتدار سے کام لے کر اس پر زبردستی کی بلکہ آپ نے اس کی دعوت دی جس نے اس دعوت پر لبیک کہا اس سے خوش ہوئے اور اس کی تعریف کی اور جو بیٹھ رہا اس کو نصیحت کی، آمادہ کیا آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کی جمل اور صفین کے معرکوں کے لئے آپ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ خوارج کے ساتھ معرکوں کے لئے کسی پر زبردستی کی ان تمام لڑائیوں میں آپ کے ساتھی وہی لوگ تھے جو اپنی بصیرت سے آپکو جان کر آپ کا حق پہچان کر آپکے ساتھی بنے اور رضا کارانہ خدمت پیش کی اگر آپ چاہتے تو فوجی بھرتی

کر سکتے تھے لیکن فوجی خدمت کا یہ طریقہ جو لوگوں کو اس فرض پر مجبور کرے اب تک جاری نہ ہو سکا تھا اگر آپ چاہتے تو مال دیکر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر سکتے تھے جب کہ لوگ لڑائی سے گریز کرتے تھے لیکن آپ نے ایسا بھی نہیں کیا آپ کو گوارا نہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کا خلوص اور خیر خواہی دام دے کر خریدیں آپ تو یہ چاہتے تھے کہ دوست اور ساتھی ایمان اور بصیرت کی روشنی میں آپ کا ساتھ دیں بلکہ آپ نے تو اس سے بھی زیادہ کیا انھیں لڑائیوں میں انھیں ساتھیوں کے ساتھ گھس پڑے اور ان کو مال غنیمت بھی نہیں لینے دیا صرف دشمنوں کا گھوڑا اور ہتھیار پیش کر دیا، جس پر آپ کے ساتھی کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کر دیا لیکن مال مباح نہیں کیا جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو،

حضرت علیؓ کی رائے اس معاملے میں یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں اور کافروں کے ساتھ لڑائی میں فرق ہے مسلمانوں کیساتھ لڑائی میں اس سے زیادہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اپنے بھائی کو مجبور کر دیا جائے کہ اپنے رب کے حکم کی طرف رجوع کرے اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس نے اپنی جان اور مال بچا لیا نہ اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا مال مال غنیمت ہو سکتا ہے لیکن غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی کا پوزیشن یہ نہیں ہے،

لڑائی کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر معلوم کر لینے نیز آپکے طرز عمل کا تجربہ کر لینے کے بعد اگر شامیوں کیساتھ لڑنے سے آپکے ساتھی گریز کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ یہ تو ایسی جنگ ہے جو ان کو مصیبتوں میں گرفتار کر کے موت کے خطرات تک لیجاتی ہے اور پھر بے نتیجہ مال غنیمت تک کی بھی روادار نہیں اور ہم جانتے ہیں کہ عرب جب کبھی لڑائی کی سوچتا ہے تو اس کے ساتھ ہی مال غنیمت کا تصور کرتا ہے اور کسی خاص وجہ سے اللہ نے مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کریں،

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جس کو تم حاصل کرو

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنے اقتدار کے منوانے اور اپنے مسلم دشمن سے جنگ دونوں باتوں میں اپنے ساتھیوں کو وسیع ترین معنوں میں آزادی دیتے تھے،

بلاشبہ حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے امیر معاویہؓ نے بھی کوئی جبری فوجی بھرتی نہیں کی اور نہ قیام پسند کرنے والوں کو ہٹنے پر مجبور کیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خوب خوب عطیات دیتے تھے اور لوگوں سے اپنی اطاعت اور وفاداری خریدتے تھے اپنے مقابل سے لڑنے کیلئے لوگوں کو رقمیں دیتے تھے اور یہ سب کچھ بیت المال سے کرتے تھے اس کو اپنے لئے مباح خیال کرتے تھے اور حضرت علیؓ اس کو اپنے لئے حرام سمجھتے تھے،

نظامِ خلافت

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے، اور نہ صرف خود ناکام رہے بلکہ آپؓ کے ساتھ پورا نظام خلافت ناکام رہا اور ظاہر ہوگیا کہ یہ نئی حکومت بھی جس سے توقع تھی کہ سیاسی نظاموں اور حکومت کی قسموں میں ایک نئے قسم کا نمونہ ہوگی بالآخر پہلی حکومتوں کی راہ چلنے پر مجبور ہوگئی، اسکو بھی پہلی حکومتوں کی طرح اپنی بنیاد مفاد پرستی، اقتدار پسندی اور طبقاتی نظام پر رکھنی پڑی جس میں متعدد ملتوں کی بڑی اکثریت کو ایک ملت کے لوگوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت اپنا آلۂ کار بنا رکھتی ہے، مزید برآں حضرت علیؓ اور نظام خلافت کے ساتھ ساتھ وہ بغاوت بھی ناکام ہوگئی جو بقول باغیوں کے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلئے کی گئی کہ اسلامی خلافت کی پاکیزگی، رواداری اور خوبی کو محفوظ رکھا جائے اور اس کے دامن سے خود غرضی، بے راہ روی، سرکشی اور خرابیوں کے دھبے دھوئے جائیں،۔

ان باغیوں نے بزعم خود اسی لئے تو شورش مچا رکھی تھی، کہ حضرت عثمانؓ ان کے مفاد اور مال کا بہتر انتظام نہیں کر سکے اور یہ ٹھیک ہے کہ وہ انتظام کرنے سے قاصر رہے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی گردنوں پر بنی امیہ سوار ہوگئے، صوبوں میں گورنروں نے حکومت اور خراج کے سلسلے میں غیر معقول روش اختیار کی خلیفہ نے بیت المال پر دست درازی کی اپنے رشتہ داروں اور خاص خاص لوگوں کو نوازا یہ باغی چاہتے تھے کہ خلافت کا رخ پھیر کر شیخینؓ کے عہد کی طرف کردیں جس میں انصاف ہوتا تھا، خود غرضی اور مطلب پرستی کا نام و نشان تک مٹایا جا رہا تھا، لوگوں کے مال کی ٹھیک ٹھیک حفاظت ہوتی تھی، اور انہیں کے مفاد اور مصالح کیلئے خرچ ہوتا تھا، اور جتنا حق تھا اتنا ہی وصول کیا جاتا تھا،

لیکن بغاوت کے لیڈر اور رہنما کامیابی سے پہلے تحریک کے دوران ہی میں قتل کردیئے گئے، حکیم ابن جبلہ جمل کے معرکے سے پہلے بصرہ میں مارا گیا، اس کا بصری ساتھی تھا حرقوص ابن زہیر نہروان کے معرکے میں کام آیا محمد ابن ابی بکرؓ اور کنانہ بن بشر مصر میں مارے گئے، محمد بن ابو حذیفہ کا کام شام میں تمام ہوا،

اشتر کی موت مصر کے راستے میں زہر سے ہوئی اور عمار بن یاسرؓ صفین کے معرکے میں کام آئے،

یہ ہیں بغاوت کے لیڈر ان میں سے بعض تو حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ہی قتل کئے جا چکے تھے، اور بعض معرکوں کے دوران میں قتل ہوئے کچھ ایسے میں جو خلیفہ کے مخالف ہوئے اور اس کے مقابلے کیلئے نکلے، اور مارے گئے بعضوں کو معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے کھلم کھلا یا چھپ کر قتل کر دیا،

کھلی ہوئی بات ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی ان کا محاصرہ کیا اور ان کی جان تک لے لی، وہ سب کے سب قتل نہیں ہو گئے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ باقی رہ گئے جو ان قتل ہونے والے لیڈروں کے تابع تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو لیڈر بغاوت کی راہ میں مر گئے اور تحریک چھوڑ گئے ان کی موت سے تحریک ان دماغوں سے محروم ہو گئی، جو غور و فکر اور تدبیریں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ باقی ماندہ جماعت کے افراد نے ناکام اور نامراد ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور گوشہ عافیت میں جا بیٹھے، وہ اپنی بغاوت سے جس ماحول کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، اس کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی کہ وہ اس سے ہاتھ ملاتے اور مقابلہ کرتے،

ہاں یہ ماحول کا لفظ ذرا مبہم ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے اس کا سب سے زیادہ قابل توجہ پہلو اقتصادی ہے، خلافت کا نظام جیسا کہ شیخینؓ پیش کرتے ہیں ایک آسان روادار نظام ہے، جس میں کوئی دشواری نہیں ہے، اس کی خاص تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ وہ اسی وقت باقی اور صحیح رہ سکتا ہے، جب مسلمان اس پر گہرا اور پکا ایمان رکھیں گے، اس نظام پر یقین کا پہلا تقاضا ایک ایسا ایمان ہے جس کو دین کے ساتھ خلوص ہو، ایسا خلوص جو دلوں کی گہرائیوں تک جا پہنچے جو انسان کے باطن پر حاوی ہو جس کا اقرار انسانی عقلیں اپنے غور و فکر میں، انسانی اعضاء اپنے اعمال میں اور زبانیں اپنی جنبشوں میں تسلیم کرتی ہوں، ایسا ایمان جو شرک کو کسی رنگ میں قبول نہ کرے، اللہ پر ایمان اس طرح کہ اس کا کوئی شریک اور مقابل نہیں، دین پر ایمان کی یہ کیفیت کہ اس میں ذاتی مفاد اور خواہش کا کہیں لگاؤ نہیں، اس قسم کا ایمان اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اکثریت کو حاصل بھی تھا، تو اس میں کچھ نہ کچھ آمیزش ضرور ہی ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو آخر میں اسلام لائے ان سے بھی قطع نظر کیجئے جن کی نبی نے مال کے ذریعے دلجوئی کی ہے، اور ان بہت سے دیہاتیوں کو بھی درمیان نہ رکھئے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا

قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن
تولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی
قلوبکم -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ اور دوسرے مقامات کے منافقوں کو پہچانتے تھے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کی نشان دہی اور ان کے حالات کی اطلاع کر دیا کرتا تھا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتایا ہو کہ بعض ایسے منافق ہیں جن کو صرف میں جانتا ہوں، پھر جب نبی وفات پا گئے اور منافقین کے معلوم کرنے کا ذریعہ جاتا رہا تو مسلمان کالے بالوں میں سفید بال کی طرح تھے، جیسا کہ نبی کا فرمان ہے، قللۃ قلیلۃ یعنی چھوٹی سی اقلیت اور اس کا سب سے زیادہ روشن ثبوت وفات نبوی کے بعد عربوں کا مرتد ہو جانا ہے، اور صدیق اکبر کا اور آپؓ کے ساتھیوں کا ان سے جہاد کرنا اور ہم سب جانتے ہیں کہ کتنی مشکلوں سے ان کو راہ راست پر لایا جا سکا، اس کے بعد جب اسلام عربی حدود سے آگے بڑھا اور اپنے اقتدار کی بساط شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کے مفتوحہ علاقوں تک بچھاتا چلا گیا، تو ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، جو اس اقتدار کے سامنے جھک تو گئے، لیکن وہ ایماندار نہ تھے، اور نہ ان کو اقتدار سے اخلاص تھا بلکہ ان کی وفاداری کے مظاہرے کی بنیاد صرف خوف پر تھی،

اسی طرح یہ فتوحات اس نئی حکومت کے لئے بیک وقت قوت اور کمزوری دونوں کا سرچشمہ تھیں، قوت کا اس طرح کہ اس کے ذریعہ زمین کے بہت سے علاقے زیر فرمان ہو گئے اور کمزوری کا اس طرح کہ فتوحات ہی نے ایسے لوگوں کی اکثریت کو مطیع بنا دیا جو اس حکومت کے مخلص نہ تھے بلکہ اس سے خائف اور اس کی شوکت سے ہراساں تھے فتوحات کی قوت یہ کہ اس قدر مال و دولت کی فراوانی ہوئی جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، اور فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے ایسے مفاد اور اغراض کو جگا یا جو سو رہے تھے، ایسے ایسے مقاصد اور تقاضوں کو ہوشیار کیا جو محو غفلت تھے، ان افراد کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جن کی فکر و نظر کا گوشہ دین تھا، پھر تو ایسی ایسی ضرورتیں پیدا کر دیں، جن سے کبھی کا انس و آشنائی نہ تھی، دولت نے عربوں کے سامنے عیش و عشرت کے ساز و سامان پیش کر کے ان کو اولاً آمادہ کیا پھر دعوت دی اور آخر ان کو اس کا اس طرح عادی بنا دیا کہ فریفتہ ہو گئے، ہاں کچھ تھوڑے سے لوگ رہ گئے، جنہوں نے دنیا پر دین کو ترجیح دی اور اپنی توجہ دولت مفاد اور ساز و سامان سے ہٹا کر اللہ کی طرف کر لی

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں عربوں کو اپنی راہ چلانے میں کتنی مصیبتیں اٹھائیں خود بھی پریشان رہے ان کو بھی پریشان رکھا، عرب آپؓ کی سیاست سے سخت کوفت میں تھے، ان پر وہ انصاف بہت گراں تھا، جو کمزور اور قوی کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے، ان پر وہ خشک اور موٹی زندگی بڑی شاق تھی، جس پر حضرت عمرؓ ان کو مجبور کر دینا چاہتے تھے، چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی، تو ان کو خوشی ہوئی دنیا ان کی نگاہوں میں اور یہ دنیا کی نظر میں متبسم اور شگفتہ نظر آنے لگے، لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ یہ تبسم اور یہ شگفتگی آنسو اور افسردگی بن کر ایک بڑا فتنہ ثابت ہوئی

دولت کیلئے ہنس مکھ ہو جانا مزید دولت کی طلب پیدا کرتا ہے پھر مال کی طلب حرص و طمع کے دروازے کھولتی ہے، جس کے بند ہونے کی کوئی سبیل نہیں، اور جب حرص آئی تو ظلم و زیادتی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس کے سائے میں مقابلہ کرنے کا مادہ پرورش پاتا ہے، اور پھر باہم بغض و کینہ کی باتیں عام ہو جاتی ہیں، اور آدمی ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، یہاں تک پہنچنے پر حسد کا جذبہ جوان ہو چکتا ہے، اور ان لوگوں کے دل جلنے لگتے ہیں، جن کو دولت مندوں کی سی خوشحالی اور ثروت میسر نہیں، پھر یہ حاسد اپنے جذبات کی تشنگی بجھانا چاہتے ہیں اور خوش نصیب اپنی حمایت میں اقدام پر آمادہ ہوتا ہے، اور اس طرح دونوں میں چھڑ جاتی ہے،

یہی سب کچھ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا اور انہیں حالات نے شہر والوں کو پہلے گورنروں کی پھر خلیفہ کی بغاوت پر آمادہ کیا، پھر خلیفہ کے محاصرے اور قتل تک نوبت پہنچی،

حضرت علیؓ نے چاہا کہ عربوں کو پھر فاروق اعظمؓ کے دور میں پہنچا دیں، لیکن وہ دن جا چکے تھے، اور ان کا آنا ممکن نہیں تھا، دولتمندوں کے دلوں پر دولت کا قبضہ تھا، چنانچہ انہوں نے اسی بنیاد پر عراق میں اور شام میں جنگ کی، عراق میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی، لیکن ایسی کہ اس کو غالب اور مغلوب دونوں نے بہت جلد بھلا دیا، جمل کے معرکے کے بعد بصرہ والوں کو کسقدر جلد اپنی عثمانیت یاد آگئی، اس عثمانیت کا مطلب صرف حضرت عثمانؓ کی محبت اور ان کے قصاص کی طلب نہ تھی، بلکہ اس کا مطلب اس سے زیادہ عام اور وسیع ہے، اس کے معنیٰ وہ نظام جس کو وہ پہچانتے تھے، اور جس سے مانوس تھے شدید حرص و طمع اور مال میں مقابلے کا نظام، حضرت عمرؓ کی لادی ہوئی زندگی سے تنگ آجانے والا نظام جس کو حضرت علیؓ پھر سے عربوں پر لادنا چاہتے تھے،

ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بصرہ والوں کی شکایت کی کہ جمل کے معرکے کے بعد جب آپ یہاں سے چلے گئے تو لوگوں میں پھر انتشار سا ہو رہا ہے اور ان میں اطاعت اور سنجیدہ فرمانبرداری کی متوقع کیفیت نہیں ہے حضرت علیؓ نے جواب لکھا، اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے بصرہ والوں کی اصل حقیقت کا پتہ چلا لیا تھا، اور چاہتے تھے کہ ان کی اصلاح کی جو صورت بھی ممکن ہو نکالی جائے جواب میں فرماتے ہیں،

تمہارا خط پہنچا، میری واپسی کے بعد بصرہ والوں کے طرزِ عمل کا تم نے تذکرہ کیا ہے، وہ امید و بیم کے عالم میں ہیں، تم امید رکھنے والوں کو رغبت دلاؤ اور خائف رہنے والوں کا خوف عدل و انصاف سے دور کرو،

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ وہ امید و بیم کی حالت میں تھے، لیکن اس کے لئے حضرت علیؓ نے جو علاج تجویز کیا، وہ بہتر نہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ عدل و انصاف کے حدود میں رہ کر امید رکھنے والوں کو رغبت کا موقع دیا جائے اور ڈرنے والوں کو مطمئن کیا جائے،

انصاف ڈرنے والوں کا خوف تو دل سے نکال سکتا ہے، لیکن امید رکھنے والوں کو امید نہیں دلا سکتا، اور اس سے بڑھ کر اس کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابن عباس حضرت علیؓ کی سیاست کا منبا امید نہیں کر سکے، رغبت دلاتے ہوئے خود ہی امید رکھنے والوں کی صف میں کھڑے ہو گئے، اور جب ابوالاسود نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے ان کو ڈانٹ بتائی، تو بیت المال سے جس قدر بھی لاد سکے اپنے ساتھ لیکر مکہ بھاگ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے پھر بصرہ والوں نے چاہا کہ زیاد کے خلاف بغاوت کر دیں اور معاویہؓ کی طرف جھک پڑیں، لیکن حضرت علیؓ نے خوف و دہشت کی رسی میں ایک مزید گرہ ڈال دی، اور جاریہ بن قدامہ کو بھیج دیا جس نے آکر ان کی ایک جماعت کو نذر آتش کر دیا،

پھر جمل کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھ فتح پانے والوں کی حالت شکست کھانے والوں سے اچھی نہ تھی، فتح پانے کے بعد جب انہوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کے مال کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور حضرت علیؓ نے ان کو روکا تو دبی زبان سے کہنے لگے کہ ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کیا لیکن ان کا مال مباح نہیں کیا،

اسی طرح کوفہ والے حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کے معرکے میں گئے، اور قریب تھا کہ فتح پا جاتے، لیکن مال کے خیال نے ان کے سرداروں اور افسروں کے ہاتھوں ان کا کام چوپٹ کر دیا، قرآن اٹھائے گئے

اور حضرت علیؓ کو ثالثی کی منظوری پر مجبور کیا گیا،

اسی دن یہ بات ثابت ہو گئی کہ بغاوت ناکام رہی اور حضرت علیؓ فاروق اعظمؓ کا دور واپس لانے کے اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور حضرت علیؓ کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کی بھی نہ چلی جن کو یمن والوں نے اپنے خلیفہ کی مرضی کے خلاف حَکَم چنا تھا، اور صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے انتخاب کرنے والوں کے خلاف چاہتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی بیعت کی جاتی جو اچھے باپ کے اچھے بیٹے ہیں اور جن سے فاروق اعظم کا نام اور ان کی سیرت زندہ ہوتی، یمن کے لوگ نہ عمرؓ کو چاہتے تھے نہ ان کے بیٹے کو اور نہ کسی ایسے کو جو ان کے جیسا ہو، اگر یہی چاہتے تو حضرت علیؓ سے غداری کیوں کرتے، اور کیوں ان کو اس بات پر مجبور کرتے، جو وہ نہیں چاہتے تھے،

پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ حجاز کے لوگ کوفہ اور بصرہ والوں سے بہتر نہیں تھے، چنانچہ بہت سے حجازی چوری چھپے شام جا رہے تھے، ان کو معاویہ کی دنیا زیادہ پسند تھی۔ یہ دیکھ کر مدینہ کے حاکم سہل بن حنیف نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے جیسا کہ تم نے پڑھا سہل کو تسلی کا خط لکھا،

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ مکہ کے بہت سے لوگ مدینہ والوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے، بلکہ جو لوگ حرمین میں مقیم تھے اور شام چلے جانے سے زیادہ اچھا یہ خیال کرتے تھے کہ حجاز ہی میں رہیں ان کو معاویہؓ کی طرف سے تحفے اور عطیات ملتے تھے اور وہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے،

حیرت کی بات ہے جب ہم بلاذری کی روایتوں میں ان خطوط پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو حضرت علیؓ نے اپنے مشرقی علاقے کے گورنروں کو لکھے ہیں، ہمیں صرف دو خط ایسے ملتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنے گورنروں کی ایسی تعریف کی ہے جو اگر مگر سے خالی ہے، اور ان میں سے ایک خط جو عمر بن سلمہ کے نام کا ہے ہم نقل کر چکے ہیں، جو آپؓ نے بحرین سے ان کو معزول کرتے ہوئے لکھا تھا، دوسرا خط سعد بن مسعود ثقفی کے نام ہے جو مدائن میں آپ کے گورنر تھے، خط یہ ہے:

> اما بعد، تم نے مسلمانوں کے لئے خراج کی رقم میں کافی اضافہ کیا اور ایک پاکباز متقی کی طرح اپنے رب کے فرماں بردار اور اپنے خلیفہ کے خیر خواہ رہے، تمہارا کام قابل تعریف ہے، تمہارے اخلاق سے میں خوش ہوں، تم نے اپنی معقولیت ثابت کر دی خدا تم پر عنایت کی نظر رکھے، والسلام

لیکن ان دو کے علاوہ باقی تمام خطوط میں کسی عامل کو ڈانٹ ڈپٹ ہے کسی میں عتاب اور دھمکی کسی میں وعظ و نصیحت، تم پڑھ چکے ہو کہ مصقلہ ابن ہبیرہ اور منذر بن جارود نے کیا کیا، ایک نے مال میں تصرف سے کام لیا اور شام بھاگ گیا، اور دوسرا اسی سلسلہ میں گرفتار ہو کر قید کیا گیا اور گو ابن عباس کی بات تو ابھی بھولی نہ ہوگی،

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فتوحات کے بعد دولت کی فراوانی سے جو پستی مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ اتنی عام تھی کہ اس فتنے سے جتنے لوگ کنارہ کش تھے ان کے سب افراد بھی اس سے نہ بچ سکے، اگر ایک طرف سعد بن ابی وقاص رضؓ عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلمہ ہیں جو اپنا دین لئے فتنے سے دور رہے، فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کی، اللہ اور اس کے دین کے لئے گوشہ نشینی کے ارادے پر قائم رہے، تو دوسری طرف مغیرہ بن شعبہ اعتدال کی ایک مثال ہیں، طائف میں امن و عافیت کے دن گذارتے رہے لیکن یہ عافیت ان پر بڑی گراں تھی، وہ کسی کام کے شوق میں بیتاب تھے، اور غالباً عمرو بن العاصؓ کی کامیابی سے زیادہ ان کو کوئی چیز نہیں ستاتی تھی وہ اس جوان گھوڑے کی طرح اپنی لگام چباتے جس کو دوڑنے سے روکدیا گیا ہو۔ ابو ہریرہؓ مدینہ میں مقیم تھے، معاویہؓ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو عطیہ ملتا تھا، اس کے لینے میں ان کو کوئی تامل یا ناگواری نہ تھی، مغیرہ بن شعبہ نے تو جب معاویہؓ کیلئے میدان صاف ہو گیا تو بڑی سرگرمی ہو کھائی، البتہ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابن عمرؓ دونوں بزرگ اپنی گوشہ نشینی اور سکون پسندی پہ پوری طرح ثابت قدم رہے،

حرمین کے لوگ بھی حوادث میں مبتلا ہونے کے بعد جنگ پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے، جو کچھ بھی ان کو پیش کیا جاتا قبول کر لیتے، خواہ کہیں سے آیا ہو، اور جو بھی اقتدار اور شوکت کا مالک ہوتا اسکی بیعت کر لیتے، حضرت علیؓ کی اطاعت میں تھے، لیکن جب بسر ابن ارطاۃ نے ڈرایا دھمکایا، تو مدینہ والوں نے معاویہ کی بیعت کر لی، اور مکہ والوں نے بلا پس و پیش اس کا استقبال کیا، اسلئے کہ معاویہؓ نے حکم دیا تھا، کہ مکہ والوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، لیکن جب حضرت علیؓ کا افسر آیا اور بسر کو بھگا دیا تو مکہ والوں نے بلا کچھ پتہ چلائے اس طرح بیعت کی کہ کوفہ والوں نے جس کی بیعت کی ہے ہم بھی اسی کی بیعت کرتے ہیں، اور مدینہ والوں نے اس علم کے بعد کہ خلیفہ حسن بن علیؓ ہیں بیعت کر لی،

پس ہر بات سے پتہ چلتا ہے کہ طبیعتوں پر دین کے غالب رہنے کی وہ کیفیت جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھی، اب باقی نہ تھی تا دین کی جگہ اب دلوں پر دولت اور تلوار نے قبضہ کر لیا تھا، اور ہر بات سے معلوم ہوتا

کہ علیؓ اور ان کی راہ پر چلنے والے جو نبیؐ اور شیخینؓ کی سیرت کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، زمانے کے اس آخری دور میں، جب تمام باتوں پر دین غالب تھا، تو پھر بلا پس وپیش کہنا چاہیئے کہ نئے مسلمانوں میں دین کی قوت کا کمزور ہو جانا اور دنیاوی اقتدار کا ان پر غالب آجانا اس ماحول کا پہلا اثر تھا، جو حضرت علیؓ کی کامیابی کی راہ میں روکاوٹ ثابت ہوا،

عرب حضرت عمرؓ کے زمانے تک دوسروں کے حالات سے بہت کم واقف تھے، عرب تاجر جب تجارت کا مال بیکر واپس آتے تو روم فارس اور حبش کے متعلق، نیز شام و مصر اور خصوصاً عراق کے بارے میں ان سے باتیں کرتے، اسی طرح غیر ملکی تاجروں اور غلاموں میں سے کچھ لوگ جب ان کے پاس پہنچ جاتے، تو انہیں ان ملکوں کے بارے میں کچھ حالات سناتے، یہ بیان کرنے والے شاید باتوں کو صاف صاف بتاتے بھی ہوں گے، لیکن سننے والے عربوں کیلئے وہ باتیں مبہم اور پیچیدہ ہوتیں، چنانچہ ان ملکوں کے بارے میں عربوں کی جو معلومات تھیں انہیں صحیح حالات اور سچے واقعات کی بجائے عجائبات اور افسانوں کا رنگ دیا جاسکتا ہے، پھر فتوحات کا دور آیا اسلامی فوجوں نے ان ممالک کی بہت سی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا، اس کے بعد ان کو وہاں قیام کا موقع ملا اور بہت سے عرب آباد ہوئے، تب انہوں نے ان ملکوں کو ٹھیک طور پر پہچانا، اور ان کے بارے میں اور ان کے باشندوں کے بارے میں وہ وہ باتیں ان کو معلوم ہوئیں جن کا وہ یقین نہیں کرتے تھے، انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا شروع میں اُن پر ان کو کچھ حیرت سی ہوئی، لیکن پھر وہ اپنے مشاہدات اور معلومات سے مانوس ہوگئے اور رفتہ رفتہ ان کے اخلاق وعادات اور ان کی زندگی کے طور طریقوں میں سے جو بات اچھی سمجھتے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنے ذوق کے مطابق پاتے اس کو اختیار کرلیتے،

ابتدا میں طبیعتیں بہت آہستہ تغیر پذیر رہیں، لیکن جیسے جیسے ان اطراف میں ان کا قیام طویل ہوتا گیا تبدیلی کی رفتار میں قوت اور تیزی بڑھتی گئی، انہوں نے ایک دلکش تمدن کے ساتھ خوشحالی اور عیش و عشرت کا ایسا تنوع دیکھا کہ آنکھوں پر جادو ہوگیا زندگی میں وہ رنگینی اور لطافت پائی جس کا تصور ان کا دماغ اب تک نہ کرسکا تھا، پھر تو بہتوں کا دل ان بہاروں نے موہ لیا اور ان میں دانستہ یا نادانستہ آرزو پیدا ہوئی کہ اس زندگی سے بہرہ اندوز ہوں، ان تمام باتوں نے ان کے گوشۂ فکر و نظر کو متاثر کیا یہاں سے وہ زندگی کی قدروں کا اندازہ کرتے تھے، چیزوں کو دیکھتے اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے،

سب سے پہلی بات جس نے عربوں کو حیرت میں ڈال دیا وہ فارس کی شان وشوکت تھی جس کا انہوں

نے خاتمہ کر دیا تھا، اور جس کی سرحدوں کو رومی حادثے کاٹ دیا تھا، عرب کے شاطروں اور حوصلہ مند
نے اس مفتوحہ ملک کا جب اپنی اس سرزمین سے مقابلہ کیا جو مدینہ اور دوسرے عربی شہروں اور دیہا
میں چھوڑ کر آئے تھے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اس جدید کا درجہ ان کے قدیم سے اونچا ہے، اور اکثروں
نو اس فرق کے اظہار میں شرم محسوس کی اور باہم سرگوشیاں کرنے لگے، ان کے دل اس جدید کی طرف ما
ہو گئے، یہ اپنے سرپرست بوڑھے صحابہؓ کو بڑی عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن اس عزت
احترام میں ہمدردی اور غمخواری کا بھی پہلو ہوتا، عزت و احترام اسلئے کرتے تھے کہ ان صحابہ کا درجہ رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اونچا تھا اور پھر اسلام لانے میں سابق تھے، اور ہمدردی اور غمخواری
جذبات اسلئے تھے کہ اب وہ اس پرانی نسل کے نمائندے تھے جس کا دور ختم یا قریب الختم ہے،

ان میں جو بھی مدینہ آتا اور حضرت عمرؓ سے ملتا تصنع کے ساتھ آپؓ جیسی کیفیت بنا کر کہیں اصلی
کا پتہ نہ چل جائے، دنیا سے بیزاری کا خشک اور بے لطف زندگی کا مظاہرہ کرتا تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں
خوش ہوں، اور جب ان سے الگ ہوتا یا دوستوں میں پہنچتا تو اسی خوشحال زندگی سے ہم آغوش ہو جاتا
سے اب مانوس ہو چکا ہے اور حضرت عمرؓ کی سادہ اور خشک زندگی پر عزت و احترام کے پورے جذبات کے
اپنے درد کا اظہار کرتا،

پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا تو ان کو اس تصنع کی زندگی سے بھی نجات مل گئی، اس
کہ حضرت عثمانؓ دنیا سے بیزاری اور خشک زندگی پسند نہیں کرتے تھے، پس انہوں نے کھل کر وہ کیا جو ا
چھپا کر کرتے تھے، اور خود مدینہ میں زندگی کی لطافتوں کا آغاز ہو گیا، تنعم اور تعیش کا دور دورہ ہوا
مدینہ اور اس کے اطراف میں اونچے اونچے محل اور کوٹھیاں تعمیر ہونے لگیں نوجوان ایسے ایسے کھیل کھیل
لگے جن کا عربوں کے زمانے میں کہیں پتہ نہ تھا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود حضرت عثمانؓ اپنی رواداری او
پسندی کے باوجود مجبور ہوئے کہ باہر سے آنے والے نئے نئے فتنوں کو روکیں جو لوگوں کے دلوں میں گھر کر
رہے تھے، پھر عربوں نے دیکھا کہ بوڑھے صحابہؓ اور سابقین اسلام کی ایک جماعت دولت جمع کر کے کچھ خو
کی زندگی جی رہی ہے، تو وہ بھی اپنے ان رہنماؤں اور معلموں کی راہ چلنے لگے، اسی دوران میں فتوحات
حجاز اور دوسرے عربی شہروں میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد بھیج دی جو فتح سے پہلے اپنے اپنے شہروں میں
درجہ اور طبقہ کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کی زندگی گذارتے تھے، عربی حدود میں داخلے کے وقت مختلف

نے غلام اور لونڈیاں اپنا اخلاق اپنا ذوق اور اپنی طبیعتیں اپنے شہروں میں چھوڑ کر نہیں آئیں بلکہ یہ سب کچھ ساتھ لائیں اور اپنے مالکوں کو اپنی بہت سی باتیں بتا بھی دیں انھوں نے اپنی طبیعت اور اپنے ذوق کی بہت سی باتوں پر اپنے مالکوں کو اکسایا راغب کیا اور دیکھا کہ وہ بے چون وچرا ہاتھ بڑھاتے ہیں، اور خوش آمدید کہتے ہیں، پھر تو انھوں نے مالکوں کو اپنی پسندیدہ اداؤں میں پھانس لیا،

اور یہ کیفیت صرف انہیں غلاموں اور لونڈیوں کی نہ تھی جو عربی سرزمین میں آئیں بلکہ یہی حال ان سبھوں کا تھا جو اپنے مالکوں کے ساتھ مفتوحہ ممالک میں قیام پذیر تھیں ان تمام باتوں نے مل کر عربی طبیعت میں ایک مکمل جدت پیدا کر دی جو عربوں اور ان کی قدیم خشک زندگی کے درمیان ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو گئی،

اب حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جب چوتھے خلیفہ سریر آرائے خلافت ہوتے تو انھوں نے چاہا کہ قوم کو سیدھے راستے پر چلائیں اور مسلمانوں کو اس سیرت اور اس زندگی کی طرف لے جائیں جس کے وہ نبیؐ اور شیخینؓ کے زمانے میں خوگر تھے لیکن لوگوں نے کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا انھوں نے دیکھا کہ ایک قدیم خلیفہ ایک جدید نسل پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اور وہ بھی ایسی پالیسی کے ساتھ جو عیش اور خوش حالی کی زندگی کے سخت مخالف ہے،

اس کے بعد انھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ ایک دوسرا امیر ہے جس کا مستقر شام ہے جس نے اس نئی نسل کیلئے اپنے اندر جدت اور اپنی رعایا کے درمیان ایک مناسبت پیدا کر لی ہے، مزید برآں وہ اپنی رعایا کو جدت پر اکساتا ہے اور اس سلسلے میں مالی امداد بھی کرتا ہے پھر اپنے عمل پر توفیق کے مطابق دلائل بھی پیش کرتا ہے وہ رومی شہروں کے پڑوس میں مقیم ہے اور چاہتا ہے کہ رومیوں کو بتا دے کہ وہ ان سے شان و شوکت میں اور زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوزی میں کسی طرح کم نہیں اور یہ کہ اس کے ساتھی اس معاملے میں اسی کے جیسے ہیں! پھر وہ رومیوں سے برسر پیکار تھے تو ضروری تھا کہ ان کے ہتھیار بھی حریف کے جیسے ہوں دوسری طرف وہ عراق میں اپنے مدمقابل حضرت علیؓ سے لڑ رہے تھے اس سلسلے میں ان کے لئے ضروری تھا کہ چالبازی سے کام لیں حریف کو فریب دیں لوگوں کو ان کے تعاون سے روکیں ان کے گرد و پیش جمع ہونے والوں کو منتشر کریں پس اس کام کے لئے تمام تدبیریں مستحب بلکہ فرض ہیں اور ان کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے،

چنانچہ امیر معاویہؓ اس کے لئے خروج کرنے لگے انھوں نے دولت سے لوگوں کی دلجوئی شروع کر دی،

اور مخالفین کے خلاف داؤں پیچ میں مصروف ہو گئے ماحول کی یہ تمام باتیں اکٹھا ہو کر حضرت علیؓ کے دل میں
سکتی تھیں کہ وہ زندگی کے اس دور میں ایک اجنبی کی طرح جی رہے ہیں جس نسل کی زندگی کے معاملات کو
نظم کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کا کوئی میل نہیں ہے اور اس لئے وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی سبیل
یہ ابن عباسؓ آپ کے چچا زاد بھائی آپ کے مخالف بن کر مکے میں خوش حالی اور عیش کی زندگی لبسر
رہے ہیں یہ آپ کے گورنر بعضوں کو چھوڑ کر سب کے سب چوری چھپے مال لے لیتے ہیں اور یہ قوم کے سردار
چودھری امیر معاویہؓ سے رقمیں پاتے ہیں اور عراق میں ان کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں، اور یہ عوام جنگ
ہولناکیوں اور مصیبتوں پر امن وعافیت کو ترجیح دے رہے ہیں، حالات کا یہ نقشہ ہے اور حضرتؓ
بلاتے ہیں کوئی آتا نہیں، حکم دیتے ہیں کوئی سنتا نہیں پھر تو آپ کا کام بگڑ جاتا ہے آپ قوم سے اور
آپ سے گھبرا اٹھتی ہے پھر آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ خدایا ان سے اچھی مجھے رعایا اور مجھ سے برا ان
خلیفہ دے، پھر اس بدبخت کے لئے عجلت فرماتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو القا کیا گیا تھا کہ وہ آپ
قاتل ہے اور جس کے لئے آپ اکثر فرمایا کرتے "کمبخت نے کیوں دیر لگا رکھی ہے، بدبخت کو کس نے روک
ہے" پھر اپنے قتل کے انتظار میں بار بار یہ اشعار دہراتے،

اشدد حیا زیمک للموت	فان الموت لاقیک
موت کے استقبال کی تیاری کر لو	وہ تم تک پہونچنے والی ہے
ولا تجزع من الموت	اذا حل بوادیک
موت سے نہ گھبراؤ جب اس نے	تمہارے صحن میں قدم رکھ دیا ہے

پھر دونوں کے درمیان لبا اور فات اپنی ڈاڑھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ
سے یہ رنگین ہوگی، اگر حضرت علیؓ دل کی اندرونی آواز پر کان دھرتے تو اپنے ساتھیوں
بیعت سے مستعفی ہو کر زندگی کے باقی دن اللہ کی عبادت اور آخرت میں گذار دیتے، لیکن
یہ نہ ہو سکا آپ حق پر ایمان رکھتے تھے، اور حق کی امداد سے بیٹھ رہنا بزدلی اور معصیت
تھا، اور پھر آپ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بہت جلد مایوس ہو جائے اور دشمن کے مقابلے سے
جائے خواہ حالات کیسے ہی ہوں یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی اور کنارہ کشی
سے تنگ آ گئے تو صاف صاف ان کو کہہ دیا کہ تمہیں میرے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لئے چلنا پڑے

ورنہ میں خود چلا جاؤں گا چاہے میرے ساتھ بہت کم ساتھی ہوں ،

پس جدید زندگی کے حالات سراسر معاویہ کے حق میں تھے اور حضرت علیؓ کے خلاف، لیکن اس کے باوجود ماحول آپ کو کمزور نہیں بنا سکا اور نہ کسی دن آپ کو آپے سے باہر کر سکا، چنانچہ آپ زندگی بھر تمام حالات میں اعتدال کے ساتھ اپنی طبیعت، مزاج اور سیرت پر قائم رہے ،

آپؓ کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان ایک فرق اور ہے جو آپ کے خلاف لوگوں کو امیر معاویہؓ تک پہونچا دیتا، آپ اپنے ساتھیوں کے معاملات کی تدبیریں ان کی موجودگی میں کرتے تھے اپنے دباؤ اور جبر سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان سے مشورہ لیتے اور اپنی رائے پیش کرتے لیکن آپ کے ساتھی آپ کی رائے سے اختلاف کرتے اور آپ کو مجبور کرتے کہ ان کے مشورے پر عمل کیا جائے اور آپ اپنی رائے اپنے ساتھ رکھیں، آپ کا یہ طرز عمل ان کو آپ کے خلاف آمادہ کرتا تھا اور اس سے ان کا حوصلہ بڑھتا تھا ،

امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کی طرح اپنے ساتھیوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے نہ ان سے مشورہ لیتے تھے ان کے تو مقربین میں سے خاص خاص مشیر تھے نتیجہ یہ تھا کہ جب وہ حکم دیتے تو شامی بلاپس و پیش بجا لاتے اعتراض کی تو مجال ہی نہ تھی پھر یہ کہ امیر معاویہؓ اپنا بھید پوری طرح چھپا رکھتے تھے اسی کو بتاتے جس کو اپنے مقربین میں سے بتانا چاہتے، اور حضرت علیؓ کے تمام معاملات لوگوں کے سامنے طے پاتے بات خواہ کیسی ہی اہم ہوتی آپ کے تمام ساتھیوں کو معلوم ہو جاتی، حضرت علیؓ خلافت چلا رہے تھے اور معاویہؓ حکومت ۔ خلافت کے دن بیت چکے تھے اور حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا ، ×

سازش

حضرت علیؓ اپنی اس تلخ زندگی پر غالب آنے کی کوششوں میں مصروف تھے، ایک طرف وہ اپنے ساتھیوں کو شام کی لڑائی پر چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے، دوسری طرف عراق، حجاز اور یمن کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے دستے بھیج رہے تھے کہ امیر معاویہ کی طرف سے لوٹ و غارت کے حملوں کی مدافعت ہو سکے تیسری طرف ان خارجیوں سے برسرپیکار تھے جو دشمنی اور مقابلے کی دعوت دے کر لوگوں میں دہشت پھیلاتے تھے اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان خوارج کے ساتھ نرمی کا برتاؤ بھی جاری تھا، جو کوفہ میں آپ کے ساتھ تھے اور تاک میں رہا کرتے کہ کب موقع ملے اور نکل پڑیں پھر گوزنی کے لئے آپ کی یہ کاوش کہ وہ اپنے کاموں میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ دیں اس طرح آپ کی زندگی مختلف کوششوں اور کاوشوں میں گذر رہی تھی، انہی دنوں کچھ خارجی حج کے لئے نکلے انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے حامی حاجیوں میں باہم اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کے امیر کی اقتدا میں نماز تک پڑھنے کو تیار نہیں چنانچہ لوگوں کو ایک ایسے امیر کا انتخاب کرنا پڑا جو کسی جماعت کا نہ تھا، اور پھر نماز ادا کی گئی

یہ دیکھ کر ان خارجیوں کو بہت برا معلوم ہوا پھر ان کو نہروان اور دوسرے معرکے یاد آ گئے اور وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیوں نہ امت کو اس اختلاف کی بدبختی سے نجات دلائی جائے اور کیوں نہ ان تین آدمیوں کو قتل کر دیا جائے جو اس جھگڑے کی جڑ ہیں، حضرت علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ، اس طرح امت اختلاف سے بھی بچ جائے گی اور حضرت علیؓ سے اپنی جماعت کے خون کا بدلہ بھی لے سکیں گے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے حضرت علیؓ کو قتل کر دینے کے لئے اپنا نام پیش کیا، یہ عبدالرحمٰن ابن ملجم حمیری تھا، قبیلہ مراد کا حلیف دوسرے نے معاویہؓ کے لئے اپنا نام دیا، یہ حجاج ابن عبداللہ صریمی تھا جس کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے ہے تیسرے نے عمرو بن عاص کے لئے اپنے کو

اس کا نام عمرو بن بکر یا ابن بکیر ہے یہ بھی نسلاً یا ولا کے اعتبار سے تمیمی ہے، یہ تینوں اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک مقررہ دن اپنا کام پورا کریں گے، ان لوگوں نے قتل کا وقت اور تاریخ بھی مقرر کردی یعنے ۲۷ رمضان کی صبح کو نماز کے لئے نکلنے کے موقع پر،

یہ لوگ اس کے بعد چند ماہ مکہ میں مقیم رہے اور پھر رجب میں عمرہ ادا کرنیکے بعد الگ الگ نکلے کہ جو ارادہ کرچکے ہیں اس کو پورا کردیں،

امیر معاویہؓ کا حملہ آور مقررہ تاریخ میں ٹھیک اپنے وقت پر پہونچا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا اس لئے کہ معاویہؓ نے بقول مورخین اس دن ذرہ پہن رکھی تھی، وار بھرپور نہ پڑسکا اور حملہ آور قتل کردیا گیا،

عمرو بن عاص کا قاتل بھی ٹھیک وقت پر پہونچا لیکن وہ بھی ناکام رہا اس لئے کہ اس دن بیماری کی وجہ سے عمرو بن عاص نماز کے لئے نہیں آسکے تھے اور اپنے محافظ افسر خارجہ ابن حذافہ عدوی کو اپنا نائب مقرر کردیا تھا، چنانچہ حملہ آور کا وار اسی پر پڑا اور وہ مرگیا، بعد میں عمرو بن عاص نے حملہ آور کا کام تمام کردیا

اب رہا عبدالرحمٰن بن ملجم، تو اس نے کوفہ میں قیام کیا اور وقت اور تاریخ کا انتظار کرنے لگا وقت قریب آنے پر رات کے آخری حصے میں اپنے ایک معاون کی معیت میں موقع پر جا پہنچا اور حضرت علیؓ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا آپ نکلے اور نماز کے لئے لوگوں کو آواز دینے لگے اتنے میں دونوں نے اپنی تلواروں سے حملہ کردیا، ابن ملجم کی تلوار آپؓ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہونچ گئی اور ساتھی کی تلوار گھر کی دیوار پر پڑی وار لگتے ہی حضرت علیؓ گر گئے اور فرمایا، حملہ آور بھاگنے نہ پائے عبدالرحمٰن بن ملجم کو پکڑ لیا گیا لیکن اس کا ساتھی بھاگنے کی کوشش میں قتل کردیا گیا حضرت علیؓ کو لوگ گھر کے اندر لائے جہاں وہ دو دن اور ایک رات رہ سکے دوسری رات انتقال کرگئے، مورخین روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قاتل نے جب وار کیا تو وہ کہہ رہا تھا الحکم للہ لا لک یا علی[1] اور خود حضرت علیؓ الصلوٰۃ یا عباد اللہ الصلوٰۃ فرما رہے تھے

اسی طرح مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے گردوپیش والوں کو کہا کہ ابن ملجم کو اچھا کھانا کھلانا اور عزت کے ساتھ رکھنا اگر میں اچھا ہوگیا تو اس معاملے پر غور کروں گا، معاف کردوں گا یا قصاص لوں گا اور اگر جانبر نہ ہوسکا تو اس کو بھی مار ڈالنا اور کوئی زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے

---

[1] فیصلہ کرنا اللہ کا حق ہے اے علی تمہارا حق نہیں

والوں کو پسند نہیں کرتا،

مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ مرنے سے قبل حضرت علیؓ کی زبان سے آخری کلام جو سنا گیا وہ ارشاد خداوندی تھا، فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ [1]

اہل جماعت راویوں کا خیال ہے کہ حضرت علی نے کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر نہیں کیا، آپ سے آپ کے صاحبزادے حسنؓ کی بیعت کیلئے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، نہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں شیعوں کا خیال ہے کہ آپ نے حسنؓ کے لئے بیعت کا صریح حکم دیا، یہ ایک اختلافی بات ہے میں گفتگو بہت طویل ہے اور پھر اس سے بحث ہمارے پیش نظر ہے بھی نہیں،

لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وارثوں نے قاتل کے بارے میں حضرت علیؓ کی وصیت پر عمل نہ کیا، حضرت علیؓ نے حکم دیا تھا کہ اس کو بھی مار ڈالنا اور کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا لیکن وارثوں نے کو بری طرح کاٹا اور آگ میں جلا دیا،

اس کے بعد حضرت علیؓ کی قبر کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کوفہ کے مقام رحبہ میں ہے اور اس کو چھپا دیا گیا ہے تاکہ خارجی اس کی بے حرمتی نہ کریں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت حسینؓ اس کے بعد آپ کی لاش مدینے لے گئے اور فاطمہؓ کے بازو میں دفن کیا، مخالفین شیعہ میں سے کرنیوالوں کا بیان ہے کہ آپ کی لاش ایک تابوت میں رکھ کر اونٹ پر حجاز لیجا رہے تھے لیکن راہ میں گم ہو گیا چند دیہاتیوں کو وہ اونٹ ملا تو انھوں نے سمجھا کہ تابوت میں کچھ مال و دولت ہے پھر جب نے دیکھا کہ اس میں ایک مقتول کی لاش ہے تو اس کو جنگل میں ایک نامعلوم جگہ دفن کر دیا ان مختلف روایات پر گفتگو کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور پھر اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں،

مدینہ والوں تک یہ اطلاع پہنچی اور حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا

والقت عصاھا واستقرت بھا النوی	کما قر عینا بالایاب المسافر
اس نے اپنی لاٹھی ٹیک دی اور جدائی کو قرار مل گیا	جس طرح مسافر کی آنکھیں واپسی سے ٹھنڈی ہو

گویا آپ کہنا چاہتی ہیں کہ علیؓ اپنی موت سے خود بھی آرام پائے اور لوگوں کو بھی آرام پہونچایا، اس میں نہیں کہ موت سے حضرت علیؓ کو ایک بڑی مشقت سے آرام مل گیا لیکن اس میں تو شک ہی شک ہے

[1] جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہاں اسکو دیکھ لیگا، او جو ذرہ برابر بدی کریگا اس کو دیکھ لے گا

موت سے لوگوں کو آرام ملا بلکہ یقین کامل ہے کہ آپ کی موت نے کسی کو آرام نہیں پہونچایا اس نے تو مسلمانوں کو ایک ایسی مصیبت اور ایسے اختلاف میں مبتلا کر دیا، جس کا اثر آج تک باقی ہے، اور خدا ہی کے علم میں ہے کہ اس کی مدت کتنی ہے۔"

حضرت علیؓ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان

جہاں تک حضرت علیؓ کی تاریخ کا تعلق ہے یہاں پہنچکر ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد افسانہ نویسی اور داستان سرائی کا آغاز ہوتا ہے، قصہ کہنے والوں نے بڑھانے چڑھانے اور واقعات کو ہولناک اور ہمولناک بنانے کے لئے جو دست چاہا اختیار کیا، انہوں نے تاریخ کو اپنے اضافوں سے کچھ اس طرح جوڑا ہے کہ مورخ کو حضرت علیؓ سے متعلق کسی معمولی بات کو بھی ایک کھلی حقیقت کے رنگ میں پیش کرنا انتہائی دشوار ہوگیا ہے ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے رجحانات اور اپنے دلی جذبات سے الگ ہوکر حضرت علیؓ کے واقعات نہیں لکھے، خیال آرائی نے تاریخی حقایق سے ان کو دور رکھا اور جذبات نے ان کی فکر و نظر کی راہیں غلط کر دیں ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو حضرت علیؓ سے تعلق اور محبت میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اس بڑھی ہوئی محبت نے ان کو راہ سے بہت دور ہٹا دیا، ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے جو واقعات اور حالات بیان کئے اس میں عقل کی رہبری نہیں خیال اور جذبات کی ترجمانی ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو حضرت علیؓ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات اُن کی گمراہی کا باعث بنی، ان لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرا دیا انھیں لوگوں میں وہ عراقی اہل قلم ہیں جو نہ صرف حضرت علیؓ کے حامی اور محب ہیں بلکہ ان کے دلوں میں عام عراقیوں کے لئے عصبیت کا ایک جذبہ ہے اور وہ اپنی تمام تحریروں اور روایتوں میں پوری کوشش کرتے ہیں کہ عراق والے شامیوں سے ہر قول و فعل اور ہر معرکے میں بڑھ چڑھ کر رہیں، انھیں لوگوں میں وہ شامی ہیں جنھیں نہ صرف حضرت علیؓ سے بغض ہے بلکہ وہ شامیوں کے طرفدار بھی ہیں اور تفوق اور برتری کے سارے امتیاز صرف شامیوں کا حصہ تصور کرتے ہیں،

انقلابات کے ہاتھوں جب معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کے لئے میدان صاف ہوگیا تو شامیوں نے

زیادتی کی انتہا کردی تھی، لیکن جیسے ہی تاریخ کا دھارا بدلا، امویوں کے ہاتھ سے اقتدار نکل کر ہاشمیوں کے ہاتھ میں آیا، شامی زیادتیوں کا نشان تک باقی نہ رہا،

اسی طرح آخر آخر میں جب حکومت کے مالک بنی عباس ہوئے تو عراق والوں نے بھی زیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اپنے جدید اقتدار کے تقاضوں کے رنگ سے پوری تاریخ رنگین کردی،

پھر یہ بات بھی اگر پیش نظر رکھی جائے کہ شامی اور عراقی بہرحال عرب تھے ان کا دامن جاہلی عصبیت کے داغ سے کبھی پاک نہیں رہا، تو یہ پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ خاندانی عصبیت کی تاثیر کا کیا عالم ہے؟ اور جنگ ہو یا صلح دونوں حالتوں میں قبائل کی بہادری اور برداشت کے بیان میں عصبیت کتنا دخل رکھتی ہے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ امتیاز اور اولیت میں سب سے زیادہ حصہ اپنا بتائے،

اور ہاں ایک بات اور بھی تھی کہ اس زمانے میں فریقین سیاست اور مذہب میں فرق نہیں کرسکے، عراقی علیؓ کی محبت کو اللہ کی رضامندی تصور کرتے تھے، ان کی نگاہ میں علیؓ کی محبت دین کا درجہ رکھتی تھی اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بغاوت کی تحریک میں حصہ لینا بھی ان کے خیال میں ایک فی سبیل اللہ بات تھی چنانچہ باغی بن کر انھوں نے خدا کو خوش کیا، انھوں نے اس خلیفہ کو قتل کرکے اللہ کو راضی کیا جس نے خلافت کا کام ان کے خیال میں جیسا چلانا چاہئے نہیں چلایا، شامی حضرت علیؓ سے بغض رکھنے کو اللہ کی رضامندی خیال کرتے تھے اس لئے کہ ان کے رہنماؤں نے انکو بتایا تھا کہ حضرت علیؓ معصوم خلیفہ کے قتل میں شریک تھے انھوں نے حرمت کے مہینے میں اور حرمت والے شہر میں اللہ کا حرام کیا ہوا خون حلال کیا اور اس کے تو وہ بہرحال مجرم ہیں، کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے وارثوں کے حوالے کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس طرح باغی مجرموں کے حامی بنے ہوئے ہیں،

میں کہتا ہوں کہ اگر ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس فتنے کے معاملے میں مشتعل اور بے لگام جذبات نے تاریخ کو بری طرح مسخ کردیا ہے قبیلے، خاندان اور وطن سے عصبیت کا جذبہ دینی تاثرات کا جذبہ، پھر حرص وطمع کا جذبہ جو خلفا تک رسائی حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور تاریخ کے خلاف جھوٹے افسانے اور بے سروپا غلط بیانیاں کرکے حکومت سے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے

اس کے بعد معاملات حیرت انگیز طریقے پر پیچیدہ ہوتے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بات کی تہ تک پہونچنا نہ دشوار ہے نہ پیچیدہ حضرت علیؓ کے بعد عراق کے لوگ بڑی سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے

اموی خلفاء کا جب عراقیوں نے مقابلہ کرنا چاہا تو خلفاء نے اپنی زبردست قوت سے ان کو کچل کر رکھ دیا اور وہ مظلومیت اور بے بسی کے عالم میں زندگی کے دن گذارنے لگے۔

بے بسی اور مظلومیت جس سے دلوں میں خوف اور بے چینی پیدا ہوتی ہے اور جو آگے چل کر انسانی طبیعتوں کو بغض و کینہ سے لبریز کر دیتی ہے، پھر زبانوں اور قلموں سے وہ کچھ نکلنے لگتا ہے جس کا حق اور صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، بلاشبہ پروپیگنڈے اور بے بنیاد باتوں کیلئے اس بے بسی اور مظلومیت سے زیادہ موثر اور کوئی حربہ نہیں ہو سکتا،

اقتدار کی لگام جب عباسیوں کے ہاتھ میں آئی تو عراقیوں کی طرح شامی بھی سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے اور انھوں نے بھی وہ سب کچھ کیا جو عراقی اس سے پہلے کر چکے تھے، اس طرح تاریخی حقایق پر موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کی موجودگی میں ایک سچے مورخ کا کام انتہائی دشوار اور سخت پیچیدہ ہو گیا ہے،

کیا خیال ہے آپ کا اس قوم کے بارے میں، جو صفین کے معرکے کے بعد حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر بیٹھ رہی، جس نے آپ کی زندگی تلخ کر دی، جس نے آپ کی راہ میں مشکلات پیدا کر کے آپ کو مجبور کر دیا، لیکن جب موت نے آپ کو اور آپ کی رحمدل خلافت کو اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تو اب وہی قوم عشق کے درجے میں آپ سے شیفتگی کا اظہار کرنے لگتی ہے، جنون کے درجے میں آپ سے محبت کا دم بھرنے لگتی ہے آپ کی عظمت اور برتری کے اظہار کے لئے بڑی سے بڑی بات منہ سے نکالتی ہے بعضوں نے تو اس درجہ غلو کیا کہ آپ کی ذات میں ان کو خدائی عنصر نظر آنے لگا جس نے تمام انسانوں پر آپ کو ان کی نگاہوں پر فائق کر دیا۔

اور پھر کیا فرماتے ہیں آپ ایک دوسری قوم کے بارے میں جو عراق والوں کی یہ ساری حرکتیں دیکھتی ہے وہ دیکھتی ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ سے جو اوصاف منسوب کرتے ہیں وہ حدود اعتدال سے سر سر متجاوز ہیں پھر سب کچھ دیکھنے اور سن لینے اور دوسروں سے اس کی روایت کر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ ستم یہ کرتی ہے کہ ان حد سے بڑھے ہوئے اوصاف پر اپنی طرف سے اور اضافے کرتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام باتوں کی ذمہ داری خود حضرت علیؓ اور ان کے معاصرین پر ڈال دیتی ہے، چنانچہ بیان کرتی ہے کہ کوفہ والوں کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ کو خدا تصور کیا اور اپنے اس تصور کا خود حضرت علیؓ سے اظہار بھی کر دیا

پھر صالحین اور راستباز جو دوسرے صحابہ کی طرح حضرت علیؓ کیساتھ بھی حسن ظن رکھتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ اس جماعت سے حضرت علیؓ اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کو آگ میں جلا دیا،

جبرت کی بات ہے کہ حضرت علیؓ کی موت ہو چکی، انھوں نے اپنی زندگی میں خدا کہنے والوں کو آگ میں جلادیا، لیکن اس کے بعد بھی آپ کو خدا تصور کرنے کی بات باقی رہتی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حامیانِ حضرت علیؓ کی جماعت جانتی تھی کہ آپ اس سے ناراض ہوتے ہیں، اسکو مبغوض رکھتے ہیں اس پر آگ میں جلا دینے کی سزا دیتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ کو خدا تصور کرتی تھی،

اب اس کے بعد مخالفین شیعہ کا غلو ملاحظہ ہو ان کا خیال ہے کہ آگ میں جلنے کی سزا پانے والے، حضرت علیؓ میں خدائی تسلیم کرنے میں اور زیادہ پختہ ہو گئے، چنانچہ جب انھوں نے آگ کو دیکھا اور سمجھا کہ اب وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں تو کہنے لگے سچ ہے آگ کا عذاب آگ کا پیدا کرنے والا ہی دے سکتا ہے،

یہ سب کھینچ تان، بات کی پیچ اور بکواس ہے اور اس کا سبب حد سے بڑھا ہوا بغض اور گرہ پڑی ہوئی دشمنی ہے ورنہ حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے، تکلف اور تصنع سے خالی تم کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایسی لڑائیوں پر آمادہ کیا جو نباہ کن ہونے کے ساتھ ہی بے نتیجہ بھی پھر امیر معاویہؓ نے اپنی دولت اور چالبازی کے ذریعے حضرت علیؓ کے سرداروں کا دل آپ کی طرف سے خراب کر دیا تھا اور وہ آپ کا ساتھ چھوڑ بیٹھے تھے، اس پر حضرت علیؓ نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان کی بزدلی اور غداری ان کے لئے بڑے وبال کا سبب بنے گی، اور بہت جلد وہ ایسی ذلت اور خرابی کا شکار ہوں گے جس کی کوئی حد نہ ہوگی، لیکن ان سرداروں نے آپ کی ایک نہ سنی، پھر جب آپ شہید ہو گئے اور عراق کی حکومت کی لگام امیر معاویہؓ اور ان کے اموی جانشینوں کے ہاتھ میں آئی تو آپ کے بتائے ہوئے خطرات کا ظہور ہونے لگا آپ کی پیشین گوئیاں سچی ہونے لگیں، اموی حکمرانوں نے ان کو ذلت و خواری کے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا ان پر جو باتیں بڑی گراں تھیں ان پر ان کو مجبور کیا، ان کی جان و مال کے لئے، ان کے دین و دنیا کے لئے علانیہ اور پوشیدہ مصیبتیں پیدا کر دیں، تب ان کو حضرت علیؓ کے دن یاد آ گئے، آپ کے بارے میں اپنی زیادتی اور کوتاہی پر افسوس کیا اور نادم ہوئے پھر جو رخ پلٹا تو تعلق اور محبت کی حد کر دی اور حد سے بھی آگے بڑھ گئے حضرت علیؓ کی تعظیم و تکریم اور ان کی والہانہ عقیدت میں جنون کی سی کیفیت پیدا کر لی اور یہ سب کچھ اس لئے کہ زندگی میں حضرت علیؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کی یاد دلوں سے مٹا سکیں، اور اس رنج

کے لئے تسلی کا کچھ سامان فراہم کریں،

یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ عراق میں حضرت علیؓ کی زندگی سراپا ابتلا اور مصیبت تھی خیال کرو کہ حجاز میں حضرت علیؓ خود محسوس فرماتے تھے کہ وفات نبوی کے بعد سے ان کے دن مصائب اور آزمائش کے دور سے گذر رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق خیال کرتے تھے لیکن خلافت کا رُخ سابق تین خلفار کی طرف پھیر کر اُن کو آزمائش میں ڈالا گیا، آپ نے اس آزمائش پر صبر سے کام لیا تینوں خلفار کی باحسن وجوہ اطاعت اور خیر خواہی کرتے رہے، پھر جب تخت خلافت پر بیٹھے یا یوں کہیئے کہ خود خلافت آپ تک پہنچی تب بھی اُس کے ہاتھوں آپ مصیبت ہی مصیبت میں رہے جیسے جیسے دن گذر رہے تھے عراق میں آپ کی مصیبتیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں، قریب تھا کہ آپ مایوس ہو جاتے لیکن آپ نے حجاز کی طرح عراق میں بھی صبر سے کام لیا،

اپنی زندگی کے تیس سال تک حضرت علیؓ کڑی سے کڑی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انجام یہ ہوا، کہ ایک دن جبکہ نماز کے لئے نکل رہے تھے راستے میں ان کو تلوار سے قتل کر دیا گیا، قاتل کوئی عجمی اور قیدی غلام نہ تھا بلکہ ایک آزاد عرب تھا، جس نے اپنے جیسے آزاد عربوں کی ایک جماعت سے سازش کر کے یہ اقدام کیا، پس آپ کا اقدام حضرت عمرؓ کے قتل سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور رسوا کن ہے ۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادوں پر بھی مصیبتیں آئیں جیسا کہ تم آگے پڑھو گے پھر عراق والوں پر بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور یہ بھی تم آگے پڑھو گے، پس یہ سخت اور مسلسل مصیبتیں عراق اور عراق سے وابستہ لوگوں پر غیر معمولی شدت کے ساتھ اگر نازل ہو جائیں اور ان کو حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں میں وہ جلوے نظر آنے لگے جو اوروں میں نظر نہ آتے ان مصائب کی وجہ سے اگر وہ ان کو احترام اور امتیاز کے زینۂ بلند پر پہنچائیں یا پھر ان میں غلو کرنے والے یہودیوں عیسائیوں اور ایرانیوں کی دیکھا دیکھی اگر مبالغے سے کام لیں اور حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں سے تقدس کے لیے اوصاف وابستہ کر دیں جو عام طور پر لوگوں میں نہیں ہوتے، پھر مخالفین بھی تاک میں ہوں جو ان کے ہر قول و فعل پر کان آنکھ لگا رکھیں بلکہ اس پر اپنی طرف سے حاشیئے بھی چڑھائیں اور طرح طرح کے عجیب و غریب بیانات اور کارنامے ان سے منسوب کریں، تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اور تعجب کا کیا مقام ؟

اس کے بعد زمانہ آگے بڑھتا ہے قیل و قال کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے اور بحث و مباحثہ کرنے

والے جدال کے سبھی راستوں پر قدم بڑھاتے ہیں، اس طرح معاملہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوجاتا ہے، پھر واقعات سے زمانہ کی دوری اور بھی زیادہ الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے اور بحث و نظر کی بات خواص سے گذر کر عوام تک پہنچ جاتی ہے اب تو اس میں جاننے والوں کے ساتھ جاہلوں نے بھی حصہ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ بات بالکل مبہم رہ کر انتہائی تاریکیوں میں دب گئی اور پھر قدیم بجز بہت کم لوگوں کے ایک تیرہ و تار فتنے میں پھنس گئی،

جہاں تک میں سمجھتا ہوں فقہا متکلمین اور مورخین لفظ شیعہ سے جو ایک مقررہ جماعت مراد لیتے ہیں وہ حضرت علیؓ کی زندگی میں موجود نہ تھی، ہاں آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد ظہور میں آئی آپ کے زمانے تک اس لفظ کے وہی لغوی معنی تھے جس کا استعمال اللہ عزوجل نے قرآن مجید کی سورہ قصص میں کیا ہے،

ودخل المدینۃ علی حین	اور موسیٰ شہر میں کہیں باہر سے ایسے وقت
غفلۃ من اھلھا فوجد	میں پہنچے جب وہاں کے باشندے بے خبر پڑے
فیھا رجلین یقتتلان	سو رہے تھے تو انھوں نے دو آدمیوں کو لڑتے
ھذا من شیعتہ وھذا	دیکھا ایک ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا
من عدوہ فاستغاثہ الذی	مخالفین میں سے تھا برادری والے نے مخالف
من شیعتہ علی الذی من	کے لئے موسیٰ سے مدد چاہی تو موسیٰ نے اسکو
عدوہ فوکزہ موسیٰ فقضی	ایک گھونسا مارا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا،

اسی طرح سورہ صافات میں ہے،

وان من شیعتہ لابراھیم	اور نوحؑ کے طریقے والوں میں ابراہیم بھی تھے

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں میں شیعہ کے معنی معاونین اور متبعین کی کی ایک جماعت کے جو رائے اور مسلک میں متفق اور مشترک ہو، وہ شخص جو موسیٰ کی جماعت میں سے تھا بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اور وہ شخص جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا مصریوں میں سے ایک آدمی تھا، قدیم مفسرین نے یہی تصریح کی ہے جنھوں نے صحابی فقہا سے تفسیر سیکھی اور یہی مفسرین کہتے ہیں ابراھیم کان من شیعۃ نوح یعنی ابراہیمؑ نوحؑ کے طور طریقے پر تھے ان کے ہمخیال تھے اور ہم مذہب پس

علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ ان کی خلافت کے دوران میں آپ کے وہ ساتھی ہیں جنھوں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی اتباع کرتے رہے آپ کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، پھر یہ لفظ شیعہ حضرت علیؓ کے زمانے میں صرف آپ کے ساتھیوں کے لئے مخصوص نہ تھا، بلکہ یہی لفظ امیر معاویہؓ کے حامیوں کے لئے بھی تھا یعنی وہ شامی اور غیر شامی لوگ جو امیر معاویہؓ کے متبع تھے اور جو مطالبہ کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا قصاص لینا چاہیئے، اور ان سے لڑ کر قاتلوں پر حد جاری کرنا چاہیئے اور اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ثالثی کے معاہدے کی وہ تحریر ہے جو صفین میں قرآن مجید اٹھائے جانے کے بعد لکھی گئی اس تحریر میں ہے۔

قاضی علی اهل العراق ومن كان من شيعتهم من المومنين والمسلمين

وقاضى معاوية اهل الشام ومن كان من شيعتهم من المومنين والمسلمين،

یہاں لفظ شیعہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، علیؓ اور معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت اہل عراق اور اہل شام کی طرف ہے معاہدے کے کاتب کا مطلب ان لوگوں کا تذکرہ کرنا ہے جو عراق میں اور کل اسلامی بلاد میں حضرت علیؓ کے معاون تھے اسی طرح وہ لوگ جو شام اور کل اسلامی بلاد میں معاویہؓ کے حامی تھے، غرض یہ ہے کہ معاہدہ دونوں جھگڑا کرنے والے فریق کو پابند بنا دے البتہ وہ مختصر سی جماعت آزاد ہوگی جو اس کشاکش میں شرکت سے باز رہی اور نزدیک و دور کہیں سے اس میں حصہ نہیں لیا،

پس فقہا اور متکلمین کے نزدیک لفظ شیعہ کا وہ مشہور مفہوم حضرت علیؓ کے عہد سے نہیں ہے آپ کے عہد میں دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کا لغوی مفہوم تھا اور اسی معنی میں اس کا استعمال بھی ہوتا تھا یعنی دو بالمقابل فریق میں سے ایک، اور کوئی ایسی قدیم عبارت مجھے نہیں ملتی جس میں اس فتنے سے قبل اس لفظ کی نسبت حضرت علیؓ کی طرف کی گئی ہو، اس لئے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؓ کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جس کو عام امت میں کوئی امتیازی درجہ حاصل ہو،

اس کے برعکس راویوں کا بیان ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے جب حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ ہاتھ بڑھایئے کہ میں آپ کی بیعت کر لوں تو مسلمانوں میں گروہ بندی کا خطرہ محسوس کر کے حضرت علیؓ نے اس سے انکار کر دیا

اسی طرح راویوں کا بیان ہے اور خود حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ

ابوسفیان نے چاہا تھا کہ حضرت علیؓ خلافت کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ یہ منصب عبد مناف کی اولاد سے باہر نہ جانے پائے تو حضرت علیؓ نے اپنے چچا عباسؓ کی طرح ابوسفیان کی اس خواہش کو بھی مسترد کر دیا،

لیکن کسی نے عباسؓ یا ابوسفیانؓ کو علیؓ کے شیعہ نہیں لکھا، اسی طرح راویوں کا بیان ہے کہ مقداد ابن اسودؓ اور عمار ابن یاسرؓ اور شاید سلمان فارسیؓ بھی شوریٰ کے موقع پر حضرت علیؓ کے لئے تحریک کرتے تھے اور شوریٰ کے ارکان کو مسلمانوں میں پھوٹ کا خطرہ محسوس ہوا اس لئے انھوں نے عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے فیصلے میں جلدی کرنے کی تاکید کی، اس کے بعد جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی تو مقدادؓ اور عمارؓ نے بھی کر لی اور خود حضرت علیؓ نے بھی کر لی اس موقع پر بھی کسی نے مقدادؓ اور عمار ابن یاسرؓ کو علیؓ کے شیعہ میں سے نہیں بتایا، ان دونوں صحابیوں کا جو کچھ خیال تھا وہ ان کی رائے تھی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے کے پیش نظر اپنی رائے سے باز آ گئے،

ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؓ کی کوئی جماعت نہ تھی اور آپ کی خلافت کے دوران میں آپ کے حامیوں کا کوئی ایسا گروہ نہ تھا جو فقہا اور متکلمین بتاتے ہیں ہاں آپ کے حامی اور ہمنوا تھے اور مسلمانوں کی اکثریت آپ کے ساتھ تھی تا آنکہ صفین کا معرکہ پیش آیا، امیر معاویہؓ نے مصر فتح کر لیا اور عراق و یمن اور حجاز کی سرحدوں پر لوٹ اور غارت کے حملے شروع کر دیئے،

حضرت علیؓ قتل کر دیئے گئے اُس وقت بھی آپ کی کوئی منظم اور ممتاز جماعت نہ تھی، علوی جماعت کی تنظیم اور ایک ممتاز شیعہ جماعت اس وقت وجود میں آئی جب حکومت کی لگام امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آ گئی اور حسن ابن علیؓ نے ان کی بیعت کر لی، جیسا کہ تم آیندہ پڑھو گے،

حضرت حسنؓ

حضرت حسنؓ ایک راستباز آدمی تھے، پھوٹ اور اختلاف کی بات ان کو پسند نہ تھی وہ باہمی اتفاق کے خواہاں تھے غالب گمان یہ ہے کہ فتنے کی باتوں میں وہ اپنی طبیعت کے خلاف حصہ لیتے رہے ان سے جہاں تک ہو سکا انھوں نے عہد عثمانی کی کشمکش کا مقابلہ کیا نہ لوگوں کی طرح فتنہ و فساد کی باتیں کیں اور نہ شرارت بہت بڑھ جانے پر مخالفت کا ساتھ دیا، حسنؓ ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر دوڑے ہوئے آئے اور خلیفہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اس کے باوجود خلیفہ شہید ہوئے اس لئے کہ باغی دیوار چڑھ کر گھر میں اتر آئے، حضرت حسنؓ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ ان کے والد بزرگوار نزدیک یا دور سے فتنے کی کسی بات میں شریک ہوں، انھوں نے تو حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی کرلیں، اور مدینہ چھوڑ کر اپنی ینبع والی زمین پر چلے جائیں، لیکن حضرت علیؓ نے ان کی بات نہیں مانی اور خیال کیا کہ مدینہ ہی میں قیام کریں تاکہ نیکی کا حکم دیں یا برائی سے روک سکیں یا پھر لوگوں میں مصالحت کرادیں،

جب حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تو حضرت حسنؓ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ مدینہ میں رہیں اور نہ بیعت کے لئے پیش ہوں بلکہ اگر بیعت پیش بھی کی جائے تو قبول نہ کریں، اگر حسنؓ کے بس میں ہوتا تو وہ کنارہ کش صحابہ کی طرح اس کشمکش سے اپنے آپ کو دور رکھتے لیکن وہ جانتے تھے کہ باپ کا ان پر حق ہے اسلئے ان کے ساتھ رہے اور تمام معرکوں میں باپؓ کا ساتھ دیا،

پھر حسنؓ اس کے بھی خلاف تھے کہ حضرت علیؓ دار الہجرۃ یعنی مدینہ چھوڑ کر طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ سے ملاقات کے لئے عراق روانہ ہوں بلکہ وہ آپ کے لئے یہی بہتر سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار ہی میں رہیں اور مسافرت کی راہ ہرگز اختیار نہ کریں جہاں بے بسی کے عالم میں موت آجائے، لیکن حضرت علیؓ نے حسنؓ کی ایک نہ سنی ایک دن حضرت حسنؓ یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ عراق جانے کے لئے پابہ رکاب ہیں اشکبار ہو گئے جس پر ان کے باپ نے ان سے کہا۔ تم تو لونڈیوں کی طرح آہ وزاری کرتے ہو،

حضرت حسنؓ کے دل سے حضرت عثمانؓ کا غم نکل نہ سکا کہنا چاہیئے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے البتہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال نہیں کرتے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ ایک دن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ گذر رہے تھے اور حسنؓ وضو میں مصروف تھے حضرت علیؓ نے دیکھ کر کہا وضو اچھی طرح کرو حسنؓ نے کہا۔ کل ہی آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا، حضرت علیؓ یہ سن کر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے، خدا عثمانؓ سے غمخواری کا جذبہ اور بڑھائے

حضرت حسنؓ اپنے باپ کے ساتھ بصرہ صفین اور نہروان کے تمام معرکوں میں شریک رہے، لیکن اس کے باوجود میں یقین کرتا ہوں کہ - اور ان کے بھائی حضرت حسینؓ نے ان لڑائیوں میں عملی حصہ نہیں لیا اور ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار ان دونوں کو خطرات سے بچانے میں بڑے محتاط تھے اس ڈر سے کہ ان پر اگر کوئی زد پڑی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ خود آگے ہو کر یا محمدؐ بن حنفیہ کو آگے کر کے ان دونوں کو بچاتے تھے اور اگر لڑائی میں محمد بن حنفیہ سے کوئی کوتاہی یا کسر دیکھتے تو ان پر بڑی سختی کرتے اور اس سلسلے میں ساتھیوں تک بات پہونچتی

بس تعلق نبوی کے پیش نظر حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور آپ کے ساتھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح دونوں پر خصوصی عنایت اور توجہ کی نظر رکھتے تھے اور اپنے حسنِ سلوک سے نوازتے تھے۔

روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حسنؓ اور حسینؓ کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا اور محمد بن حنفیہ کو نظر انداز کر دیا، حضرت علیؓ نے جب یہ دیکھا تو اس کا ہاتھ محمدؐ کے کندھے پر رکھ کر کہا،

وما شر الثلاثة ام عمرو   بصاحبك الذى لا تصبحينا[1]

یہ سن کر وہ شخص محمد بن حنفیہ کے لئے بھی ویسا ہی تحفہ لا کر پیش کر گیا، حاصل کلام یہ کہ فتنے کے آغاز ہی سے حضرت حسنؓ کو جھگڑے کی بات پسند نہ تھی صحابہ میں سے ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت حسنؓ کو جب وہ صغیر سن تھے ایک دن اپنے پہلو میں منبر پر بٹھایا پھر ایک نظر حضرت حسنؓ پر ڈالتے اور دوسری لوگوں پر اسی طرح آپؐ بار بار کیا اور فرمایا، میرا یہ لڑکا سردار ہے اور شاید خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے

[1] مشہور معلقہ کا شعر ہے اشارہ اس طرف ہے کہ محمد بن حنفیہ حسن رضہ حسین رضہ سے کم نہیں ہیں،

اگر یہ حدیث صحیح ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ صحیح ہے تو کہنا چاہیئے کہ یہ لڑکا اس حدیث سے کس قدر متاثر تھا گویا فتنے کے بادل دیکھ دیکھ کر آپ کو یہ حدیث یاد آجایا کرتی تھی اور کہنا چاہیئے کہ مذکورہ بالا مختلف مواقع پر اپنے والد معظم کو مشورے دیکر آپ نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے ان دو بڑے گروہوں میں مصالحت کرادیں اور اپنے نانا کی پیشین گوئی پوری کردیں۔ اور آپ کا لڑ پڑنا صرف اپنے باپ سے ہمدردی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس غم میں بھی تھا کہ نانا کی فراست نے جو کچھ تاڑا تھا اس کے اظہار پر قدرت نہ پاسکے،

اور مسلمان جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مختلف خیالات رکھتے ہیں، اہل سنت مورخین اور محدثین کہتے ہیں کہ زخمی ہوجانے کے بعد جب لوگوں نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ اپنا جانشین مقرر کردیں تو آپ نے اس سے انکار کردیا، ایک جماعت کہتی ہے کہ لوگوں نے حضرت حسنؓ کو جانشین بنادینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا، میں اس سے تم کو نہ روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ لوگوں کی درخواست پر آپ نے انکار کیا اور فرمایا، میں تم کو اسی طرح چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا،

اب رہے شیعہ تو ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنا جانشین بنانے کا حکم دیا بات جو بھی رہی ہو، بہرحال حضرت حسنؓ نے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا اور نہ لوگوں سے اپنی بیعت کیلئے کہا، البتہ قیس بن سعد بن عبادہ نے آپ کی بیعت کی تحریک کی، لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو منظور کرلیا، حسنؓ کو لایا گیا اور بیعت کے لئے بٹھایا گیا، بقول زہری حسنؓ اپنی بیعت کے موقع پر اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنی یہ شرط بار بار دہراتے رہے کہ جس سے وہ لڑیں گے اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے وہ صلح کریں اس سے صلح کرنا پڑیگی صلح کا لفظ بار بار سن کر لوگوں کو شک ہونے لگا اور خیال کرنے لگے کہ حسنؓ صلح کرنا چاہتے ہیں، اور آپس میں کہنے لگے یہ اپنا آدمی نہیں یہ تو صلح کا آدمی ہے،

بیعت کے بعد حضرت حسنؓ دو ماہ یا کچھ کم بیٹھے رہے نہ لڑائی کا نام لیا اور نہ لڑائی کی تیاری کی کوئی بات ظاہر کی تا آنکہ قیس بن سعد اور عبیداللہ بن عباس نے زور دیا اور مکہ سے عبداللہ بن عباس نے ان کو جنگ پر آمادہ کرنے کا خط لکھا جس میں تاکید کی کہ اپنے باپ کی راہ چلنے کے لئے تیار ہوں، تب آپ لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے اور بارہ ہزار فوج جمع کی قیس بن سعد کو افسر مقرر کیا اور عبداللہ بن عباس کو ان کے ساتھ کیا ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس فوج کا افسر اپنے عم زاد بھائی عبیداللہ بن عباس کو بنایا اور ان کو ہدایت کی کہ قیس بن سعد

اور سعید بن قیس ہمدانی سے مشورہ لیا کریں اور ان کی مرضی کے خلاف نہ چلیں،

یہ فوج نکلی اور ان کے پیچھے حضرت حسنؓ بھی عراقیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ نکلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تو وہ جنگ کے ارادے سے نکلے لیکن اندرونی طور پر وہ اپنے مقربین اور مصاحبوں کے ذریعے صلح کا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگئے۔ جیسے مدائن پہنچے تو فوج میں بعض باتیں پہونچ چکی تھیں پھر تو لوگوں میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہوگیا، لوگ حضرت حسنؓ کے خیمے میں گھس پڑے اور ان کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے یہاں تک کہ ان کا سامان لوٹ لیا تب آپ نے مدائن کا رخ کیا،

اس وقت ایک شخص نے آپ پر نیزے سے حملہ کیا، لیکن یہ وار مہلک نہیں تھا، بعض مورخین کہتے ہیں کہ حملہ آور آپ کے ساتھیوں میں سے تھا اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کوئی خارجی تھا، حملہ کرتے ہوئے حسنؓ سے کہہ رہا تھا کہ اپنے باپ کی طرح تم بھی مشرک ہوگئے،

حسنؓ زخم کے اچھا ہونے تک مدائن میں ٹھہرے رہے اس دوران میں مصالحت کی رفتار تیز کردی اور کوفہ واپس آئے جہاں امیر معاویہؓ کے سفیروں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کے سارے مطالبات ان لوگوں کو مان لئے اسی طرح آپ کے تمام ساتھیوں کو امان دی، کوفہ کے بیت المال میں ۵۰ لاکھ درہم تھے وہ آپ کو عطیہ دیا اور زندگی بھر کے لئے بصرہ کے دو علاقوں کا خراج معاف کردیا،

ادھر حضرت حسنؓ صلح کی گفت و شنید میں مصروف تھے ادھر عبیداللہ بن عباسؓ اپنی مصلحت کے لئے صلح میں عجلت سے کام رہے تھے انہوں نے اپنی فوج بلا کسی افسر کا تقرر کئے حضرت معاویہ کیلئے چھوڑ دی، حضرت معاویہؓ نے دولت کی رشوت پیش کی اور وہ اس کا انکار نہ کر سکے، جس طرح عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بیوفائی کی عبیداللہ بن عباسؓ نے بھی حسن سے آنکھیں پھیرلیں دونوں نے بڑے نازک اور مشکل وقت میں اپنے اپنے صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا،

اب قیس بن سعد نے اس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اتنے میں حضرت حسنؓ کا حکم ملا کہ معاویہؓ کی اطاعت کرلو قیس نے لوگوں کو اس حکم سے باخبر کردیا اور ان کو اختیار دیدیا کہ چاہیں تو اپنے امام کی اتباع کریں اور چاہیں تو امام کے بغیر حق کے لئے دشمن کا مقابلہ کریں لوگوں نے عافیت میں خیر دیکھی اور لڑائی بند ہوگئی اب حضرت معاویہؓ کے لئے کوفہ تک کا راستہ صاف تھا چنانچہ وہ بڑی شان کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے لوگوں نے ان کی بیعت کی پھر قیس بن سعد نے بھی بیعت کرلی لیکن بڑی بڑی مشکلوں کے بعد،

صلح

یہ حضرت حسن اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح اور صلح کی گفت و شنید کا موقع ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کے چند لمحات صرف کریں تمام معاملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا رخ اس وقت دین سے کہیں زیادہ دنیا کی طرف ہو گیا تھا، حضرت حسنؓ ان کے باپؓ اور ان کے جیسوں کی مختصر سی جماعت مسلمانوں کی اس نئی نسل میں ایک اجنبی کی طرح زندگی گذار رہی تھی، پھر اس چھوٹی سی جماعت میں بھی کچھ تو وہ لوگ تھے جنہیں فتنہ و فساد ناگوار تھا، اور وہ ماحول سے مایوس اپنا دین اپنے ساتھ لئے گوشہ نشین ہو گئے لوگوں سے منہ موڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور کچھ وہ تھے جن کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا یہ حکم نہیں ہے کہ خرابیوں سے بھرے ہوئے سماج سے اپنی ذات کو الگ کر لیں اور علیحدہ ہو جائیں دین نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ لوگوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں، ان کو دور کیا جائے زندگی میں جو الجھاؤ اور پیچیدگی پڑ گئی ہے، اس کو سلجھایا جائے لوگوں کو صحیح راہ دکھائی جائے اور ان کو صحیح راہ پر برقرار رکھا جائے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے اس حکم پر عمل کیا، وہ غار حرا میں جا کر بیٹھ نہیں رہے اور نہ اہل مکہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی بلکہ قوم کے سامنے آئے اور ایسی باتیں پیش کیں جو قوم کو پسند نہ تھیں، آپؐ نے سختی برتی قوم نے بھی آپؐ کے ساتھ سختی کا سلوک کیا آپؐ نے زور دیکر ان کو بھلائی کی دعوت دی، انہوں نے آپؐ کو ستانے اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے میں کوئی کمی نہیں کی، یہاں تک کہ آپؐ کو آپ کے وطن سے نکال دیا، مگر اس پر بھی آپؐ نے ہمت نہ ہاری، تیزی اور سرگرمی میں کمزوری نہ آنے دی، دعوت دین کی راہ میں اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہ دی کہ آپؐ کے حریف اگر کر سکے تو آپؐ کے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب پیش کر دیں گے، نتیجہ آپؐ کے حق میں رہا، چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو نیکی پر آمادہ کیا، ان کو دین کا راستہ بتایا نہ کسی مصیبت سے ڈرے نہ انجام کی پرواہ کی،

حضرت علیؓ اور آپؓ کے جیسوں کی مختصر اقلیت نے دیکھا کہ اللہ کا حکم جاری کرنے اور لوگوں کو حق پر

آمادہ کرنے کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طریقہ بتایا ہے، پس وہ اسی پر گامزن ہوگئے، اور وہی راہ چلنے لگے، پھر اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا سب برداشت کیا، ہر قسم کی مصیبتیں آئیں، لڑائیوں کے معرکے رہے، نماز کیلئے نکل رہے تھے۔ کہ قاتلانہ حملہ بھی ہوا،

اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہوا، عربوں کا مقابلہ دوسری قوموں سے ہوا، عرب ان کے ملک کے وارث بنے، ان کی تہذیب و تمدن سے آشنا ہوئے، ان کی زندگی کی خوبیوں کو اور خرابیوں کو ان کے تلخ و شیریں کو آزمایا، پس قدرتی بات تھی کہ اس صورت حال کا دو میں سے ایک انجام ہو، یا تو غالب آنیوالے فاتح اپنی قوت سے ان قوموں کو عرب بنالیں یا پھر یہ مفتوح قومیں عرب فاتحین کو اپنا لیں، واقعہ یہ ہے کہ عرب فاتح اپنی بہت سی باتوں سے دست بردار ہوگئے، انہوں نے اپنی سنت راشدہ اور خلافت سے روگردانی کی، وہ شاہی کی طرف چل پڑے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سے زیادہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کی پیروی کی،

پھر میں نے ابھی ابھی جو کچھ پیش کیا، وہ آپ کے غور کیلئے کافی ہے، کہ عراق کے رئیسوں اور سرداروں کا حضرت معاویہؓ سے تعلق حضرت علیؓ کے زمانے ہی سے تھا، وہ حضرت معاویہؓ سے رقمیں پاتے تھے، اور ان کیلئے راستہ ہموار کرتے تھے، مزید یہ بھی پیش نظر رکھیئے کہ حضرت حسنؓ کی بیعت کے بعد ہی عراقی سرداروں کی ایک جماعت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچی، اس میں بعض ایسے تھے کہ شام جاکر ٹھہر گئے بیعت کرلی اور پھر ان کو ساتھ لیکر ہی عراق واپس ہوئے، اور کچھ عراقی ایسے تھے، جنہوں نے حضرت معاویہؓ کو خطوط لکھے کہ حضرت حسنؓ کا معاملہ بہت کمزور ہے اور ڈھیلا، لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بہت جلد عراق آجائیں، تب حضرت معاویہؓ نے کچھ حرج نہیں سمجھا کہ اپنے شامی ساتھیوں سے عراق جانے کی اجازت مانگیں۔

حالانکہ یہ رخ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے فوراً اپنی پالیسی میں تبدیلی کردی، تشدد اور سخت گیری کی جگہ نرمی اختیار کی اور نرمی کی بھی حد کردی، کہنا چاہئے کہ وہ حضرت حسنؓ کی عثمانیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کو بہت برا خیال کرتے ہیں، پھر اوروں کی طرح امیر معاویہؓ بھی جانتے تھے کہ نبی کی نگاہ میں حسنؓ کا کیا درجہ ہے اور یہ کہ حسنؓ بھلائی کی طرف مائل اور برائی سے گریزاں ہیں چنانچہ جیسے ہی حسنؓ نے جندب بن عبداللہ ازدی کو یہ خط دیکر بھیجا کہ لوگوں نے میری بیعت کرلی

ہے آپؓ بھی کر لیجئے تو حضرت معاویہؓ نے اس کا نہایت نرم جواب دیا، حضرت علیؓ کے جوابات کی طرح سختی اور تلخی سے کام نہیں لیا،

حضرت معاویہؓ نے اپنے جواب میں لکھا کہ اگر انہیں اس بات کا یقین ہوتا کہ آپؓ میں انتظامی قابلیت زیادہ ہے، اور لوگوں کو اچھی طرح کنٹرول میں رکھ سکیں گے دشمن کے لئے بڑے مدبّر اور مسلمانوں کیلئے بڑے محتاط ثابت ہوں گے مالیات اور سیاسیات میں آپؓ کی مقدرت مجھ سے زیادہ ہے، تو میں ضرور منظور کرلیتا اسلئے کہ آپؓ تمام خوبیوں کے اہل ہیں، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ میرا اور آپؓ کا معاملہ قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا نبی کی وفات کے بعد ابوبکرؓ اور آپؓ حضرات کا تھا، امیر معاویہؓ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور ان کے ساتھی صحابہؓ جانتے تھے کہ اہل بیت ہر بزرگی کے مستحق ہیں اور ان کا نبی کے نزدیک بڑا درجہ ہے لیکن پھر بھی انہوں نے خلافت ان کو سپرد کی جو ان سے زیادہ اس کا بار سنبھالنے کی طاقت رکھتا تھا،

آج پھر وہی نقشہ ہے جو نبی کی وفات کے بعد درپیش تھا، اہل بیت کا درجہ اتنا ہی بلند ہے اور وہ ہر بزرگی کے مستحق بھی ہیں، لیکن غیر اہل بیت یعنے امیر معاویہؓ اہل بیت سے زیادہ خلافت کے اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی طاقت رکھتے ہیں،

علاوہ ازیں امیر معاویہؓ نے وعدہ کیا کہ وہ عراق کے بیت المال کا کل اندوختہ پیش کر دیں گے، اور جو علاقہ بھی وہ پسند کریں گے ان کی جاگیر میں دیدیں گے تاکہ زندگی بھر معاش کی ضرورتوں سے بے نیاز رہیں،

جندب امیر معاویہؓ کا جواب لیکر حسنؓ کے پاس آئے اور بتایا کہ شامی بڑی تعداد میں ایک ساتھ آپ کی طرف چل پڑنے پر تیار ہیں، جندب نے مشورہ دیا کہ ان کی چڑھائی سے پہلے آپؓ ہی حملہ کر دیجئے، لیکن حسنؓ خاموش رہے، کسی قسم کی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی، تا آنکہ معلوم ہو گیا کہ امیر معاویہ نکل پڑے اور عراقی حدود کے قریب آچکے، اب حسن بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جو کچھ پیش آیا اس کو تم پڑھ چکے ہو،

۔ حضرت حسنؓ نے کسی بزدلی یا تفرقے کے پیش نظر جنگ سے پہلو تہی نہیں کی، بلکہ ایک طرف تو وہ خونریزی پسند نہیں کرتے تھے، دوسری طرف ان کو اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہ تھا اور مدائن پہنچنے تک لوگوں نے ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا اس سے واضح ہو گیا کہ وہ غلطی پر نہ تھے، خصوصاً جب انکو معلوم ہوا کہ کوفہ کے سرداروں کا ایک وفد امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچا اور جو لوگ وفد میں شرکت نہیں کر سکے، انہوں نے خطوط لکھے، حضرت حسن عراقیوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے، تمہیں نے میرے باپ

کو جنگ پر مجبور کیا اور تمہیں نے ان سے ثالثی قبول کروائی پھر تمہیں نے مخالفت کر کے ان کو بے یار و بے مددگار چھوڑ دیا، اور یہ تمہارے سردار اور چودھری امیر معاویہؓ کے پاس وفد لیکر پہنچتے ہیں، اور بیعت کے لئے خطوط لکھتے ہیں، تم مجھ کو اپنے فریب میں مبتلا نہیں کر سکتے،

اس کے بعد صلح میں عجلت کی گئی، امیر معاویہؓ نے عبداللہ ابن عامر کو جو بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے گورنر رہ چکے تھے حضرت حسن کے پاس بھیجا اور عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھی ساتھ کر دیا، دونوں نے آپؓ پر صلح کی بات پیش کی اور اس پر اصرار بھی کیا، پھر جس طرح دونوں نے آپؓ کو رغبت دلائی وہ سب کو معلوم ہے

تب آپؓ نے صلح کی تحریک سے اتفاق کا اظہار کیا اور امیر معاویہؓ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے، عمرو بن سلمہ ہمدانی اور محمد ابن اشعث کندی تاکہ وثوق کے ساتھ ان کی رائے معلوم کریں، امیر معاویہؓ نے ان سفیروں کو اپنا یہ خط دیا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط حسنؓ ابن علیؓ کے نام ہے، معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے میں نے آپؓ سے اس شرط پہ صلح کی کہ میرے بعد آپ ولیعہد ہوں گے اور آپ کے لئے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں عہد کرتا ہوں نہایت پختہ عہد کہ کسی فریب اور بدی کا خواہاں نہیں بنوں گا، اور یہ کہ آپؓ کو سالانہ بیت المال سے دس لاکھ درہم دوں گا اور نسبا اور دارب گرد کے دونوں علاقوں کا خراج آپؓ کے لئے ہے، اپنے عامل بھیج کر ان دونوں علاقوں کا جیسا چاہیں انتظام کر لیں، اس کے گواہ عبداللہ بن عامر، عمرو بن سلمہ کندی، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور محمد ابن اشعث کندی تاریخ تحریر ربیع الآخر ۴۱ھ،

ہم دیکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے اس خط کے آغاز میں اپنا نام مقدم نہیں کیا، جس طرح حضرت علیؓ کے جوابات میں کیا کرتے تھے، کہ معاویہؓ کی طرف سے علیؓ ابن ابی طالب کے نام، بلکہ حسن کا نام پہلے لکھا گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حسنؓ کی بڑی عزت کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ ان کا برتاؤ وہ نہیں ہے، جو ان کے باپ کے ساتھ تھا،

امیر معاویہؓ نے حضرت حسن کیلئے تین باتیں پیش کی ہیں، ان کو ولیعہد بنانا، بیت المال سے ان کے لئے سالانہ دس لاکھ درہم کا وظیفہ مقرر کرنا، فارس کے دو علاقوں کی جاگیر دینا، جہاں وہ اپنے عامل مقرر کر کے من مانا انتظام کر لیں،

علاوہ ازیں امیر معاویہ نے بڑی پختگی اور قطعیت کے ساتھ اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ وہ حضرت حسنؓ کی ہر طرح حفاظت کریں گے اور ان پر کوئی مصیبت نہیں آنے دیں گے، حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی ان پیش کردہ باتوں کو کافی نہیں سمجھا اسلئے کہ ان کے خیال میں ایک بات تو ایسی ہے، جس پر امیر معاویہؓ کو کوئی اختیار نہیں، یعنی ولی عہدی، اور دوسری باتیں ایک قسم کا فریب ہیں، اور ان کی کوئی وقعت نہیں، عراق کا بیت المال تو خود حضرت حسن کے قبضہ میں ہے، فارس کے کل علاقے بھی انہیں کے ہاتھ میں ہیں، پھر امیر معاویہؓ نے اس تحریر میں ایک سب سے اہم بات کا کچھ تذکرہ نہیں کیا، یعنی حضرت حسنؓ کے ان تمام ساتھیوں کو امان دینے کی بات جو حضرت علیؓ کے ساتھ امیر معاویہ سے لڑتے رہے، اور جو حضرت حسنؓ کے ساتھ رہ کر امیر معاویہؓ سے لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے، اس لئے حضرت حسنؓ نے یہ خط اپنے پاس رکھا اور امیر معاویہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا جو ایک طرف عبد المطلب کے خاندان سے متعلق تھا، اور دوسری طرف امیر معاویہؓ کا بڑا قریبی رشتہ دار بھی تھا، یعنی عبداللہ ابن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب جس کی ماں امیر معاویہؓ کی بہن ہے، حسنؓ نے اس سے کہلا بھیجا کہ اپنے ماموں سے کہو اگر وہ لوگوں کو امان دینا منظور کرلیں، تو میں بیعت کرلوں گا،

گویا حضرت حسن نے ظرافت کے رنگ میں ایک مزید اقدام کیا اور امیر معاویہؓ کی سابقہ پیش کش کو محفوظ رکھتے ہوئے لوگوں کی امان کا مطالبہ بھی کر دیا، لیکن امیر معاویہؓ کی ہوشیاری ان سے بھی دو قدم آگے تھی انہوں نے اپنے بھانجے کو ایک سادہ کاغذ نیچے دستخط کر کے دیدیا کہ جو چاہو لکھ لو،

عبداللہ بن حارث یہ سادہ کاغذ لیکر حضرت حسن کے پاس آئے آپؓ نے اس پر لکھا، یہ حسنؓ ابن علیؓ کا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ سے صلح نامہ ہے حسنؓ اس شرط پر معاویہؓ کو مسلمانوں کی حکومت سپرد کرتے ہیں، کہ وہ اللہ کی کتاب نبیؐ کی سنت اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے، اور یہ کہ معاویہؓ اپنی طرف سے کسی کو ولیعہد نہیں بنا سکتے بلکہ یہ بات شوریٰ کے حوالے ہوگی، اور لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو ان کے بال بچوں کو امان ہوگی، ان کے مال و دولت محفوظ ہوں گے، علانیہ یا خفیہ کسی طرح بھی حسنؓ ابن علیؓ کی بدخواہی نہیں کیجائے گی، ان کے کسی ساتھی کو ڈرایا دھمکایا نہیں جائے گا، عبداللہ ابن حارث وعمرو بن سلمہ اس کے گواہ ہیں، اس کے بعد عبداللہ ابن حارث نے یہ خط امیر معاویہؓ کو دیدیا، کہ اس پر اپنے جس آدمی سے چاہیں دستخط کرالیں، چنانچہ بعد میں دستخط ہو گئے، صلح تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اختلاف

رائے کا ایک پہلو باقی رہ گیا جس کو آجکل کی زبان میں غلط فہمی کہا جاتا ہے یعنی پہلا خط جو امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے نام لکھا تھا جس میں حضرت حسنؓ کو ولی عہدی کے علاوہ بعض اور حقوق دئے گئے تھے، وہ اپنی جگہ باقی ہے یا حضرت حسنؓ کے اس خط کے بعد کالعدم ہو گیا۔

حضرت حسنؓ اس خیال میں تھے کہ وہ پہلا خط اپنی جگہ باقی ہے، اور امیر معاویہ ان کا سالانہ وظیفہ اور زندگی بھر دو علاقوں کا خراج دینے کے پابند ہیں، اور امیر معاویہؓ خیال کرتے تھے کہ دوسرے خط نے پہلے خط کو منسوخ کر دیا، اور اب حسن کا ان سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ ان کی موت کے بعد حکومت شوریٰ کے حوالے کی جائے اور یہ کہ لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال کو امان دی جائے اور حضرت حسنؓ کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے اور مسلمانوں کے معاملے میں اللہ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفا کی سیرت راہ عمل ہو۔

اس غلط فہمی کی بنا پر حضرت حسنؓ نے معاملات ٹھیک ہو جانے پر جب امیر معاویہؓ سے مالی حقوق کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہدیا مجھ پر تو آپؓ کا بجز آپؓ کی حفاظت کے اب کوئی مطالبہ نہیں رہا تب حضرت حسن نے ثالثی سے اس کا فیصلہ چاہا، اور چاہا کہ سعد ابن ابی وقاصؓ حکم ہوں لیکن معاویہؓ نے یہ منظور نہیں کیا، پھر بھی مقررہ مال دیکر انہوں نے حسن کو راضی کر لیا۔

یہاں پہنچ کر مورخوں اور راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ کی تمام شرطیں پوری کر دیں، لیکن بصرہ والوں کو خفیہ طور پر ورغلایا اور انہوں نے دونوں علاقوں سے حضرت حسنؓ کے عاملوں کو ہانک دیا، اور خراج دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا، یہ تو ہمارا خراج ہے، ہمارے سوا اس میں کسی کا حق نہیں۔

حالانکہ بات جیسا کہ تم نے دیکھا بالکل سیدھی ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور مال و دولت دیکر ان کو اس طرح خوش کیا کہ بعد میں کوئی معاشی تنگی اور تکلیف پیش نہیں آئی، بلکہ وہ مدینے میں ایک دولت مند فیاض کی طرح فراخی اور سیر چشمی کی زندگی گذارتے تھے، ان کی نگاہ میں دولت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

بات کچھ ہی رہی ہو، امیر معاویہؓ بہر حال خوش خوش امن و سکون کی فضا میں کوفہ آئے، حضرت حسنؓ نے ان کا استقبال کیا، اور بیعت کی اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی، پھر امیر معاویہؓ نے چاہا کہ حسنؓ اس مجمع

سے اپنی رضامندی کا اعلان کریں، اور جدید نظام سے اپنے اطمینان کا اظہار فرمائیں،

یہ ایک طبعی تقاضا ہے اسکے سمجھنے کیلئے کسی تفتیش کی ضرورت نہیں جو مورخین پیش کرتے ہیں کہ عمرو بن عاصؓ نے امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا کہ اس موقع پر حسنؓ سے کچھ بلوانا چاہئے، تاکہ لوگوں پر عیاں ہوسکے کہ وہ کسقدر بے بس اور مجبور ہیں، اور اسلئے بھی کہ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے سامنے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوں لیکن حضرت حسنؓ نے یہ صلح چوری چھپے نہیں کی تھی، پھر انہوں نے لوگوں کے سامنے بار بار اپنے باپ کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد تقریریں کی تھیں، اور کبھی کسی کو محسوس نہیں ہوا کہ وہ رک رک کر بولتے ہیں یا بولنے پر قدرت نہیں رکھتے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس گھرانے کے ہیں، جہاں گویائی کے عیب کا گذر نہیں، جو انتہائی فصاحت بلاغت کا معدن ہے، جہاں بیان اور فصل خطاب کی حیثیت ان کے گھر کی لونڈی کی سی ہے، چنانچہ حضرت حسن نے تقریر کی اور حق و صداقت کی بہتر سے بہتر ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا،

لوگو! سب سے بڑا دانشمند متقی ہے اور سب سے بڑا احمق بدکار ہے، یہ معاملہ جو میں نے معاویہؓ کے سپرد کیا ہے، یا تو مجھ سے زیادہ حقدار کا حق تھا اور اب اس کو پہنچ گیا، یا یہ کہ وہ میرا ہی حق تھا، لیکن محمدؐ کی امت کی بہتری اور اس کو خونریزی سے بچانیکے لئے میں نے اپنا حق چھوڑ دیا، پس حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے تمہارے اگلوں کو ہماری وجہ سے معزز کیا اور تمہارے پچھلوں کو خونریزی سے بچا لیا،

راویوں کا خیال ہے کہ اس تقریر نے امیر معاویہؓ کو غضبناک کردیا، اور اس نے عمرو بن العاصؓ کو سرزنش کی، اسلئے کہ اسی نے اصرار کیا تھا کہ حضرت حسنؓ سے کچھ بلوایا جائے،

اس کے بعد راویوں نے حضرت حسن کی تقریر میں اضافے کئے ہیں جس کے صحیح ہونیکے ساتھ غلط ہونیکا امکان بھی ہے جو کچھ بھی ہو بہر حال حضرت حسنؓ سے ایسے دوستوں کی ایک جماعت ناراض ہو گئی جو ان کے اور ان کے باپ کے مخلص تھے اور جن کو خلوص کے ساتھ امیر معاویہؓ اور اہل شام سے بغض تھا، انہوں نے صلح میں ہتھیار ڈال دینے کی کیفیت محسوس کی جو ان قربانیوں سے میل نہیں کھاتی، جو وہ حضرت علیؓ کے زمانے سے کر رہے تھے اور نہ اس قوت کے مناسب تھی جس کے وہ مالک تھے، یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بعض حضرت حسنؓ کو "ایمانداروں کو ذلیل کرنے والا"، "عربوں کو ذلیل کرنے والا" کے الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے، اور بعض "عربوں کا منہ کالا کرنے والا"، کہا کرتے تھے،

لیکن حضرت حسنؓ نے ان الفاظ کا کچھ خیال نہیں کیا، وہ اپنی پالیسی سے بالکل مطمئن تھے، ان کو اس میں خون کی حفاظت اور جنگ کی بندش نظر آتی تھی، وہ خیال کرتے تھے کہ اس طرح امت میں اتحاد ہوگا اور مسلمانوں کو اس کا موقع ملے گا کہ اپنے معاملات کا مقابلہ کرتے وقت متحد اور متفق ہوں، منتشر اور پراگندہ نہ ہوں، پھر ان کو ایسی فرصت نصیب ہو کہ اپنی سرحدوں کیلئے دشمنوں کے حوصلے پست کر دیں، اور فتوحات کی حدیں اس جگہ سے آگے بڑھائیں جہاں سے فتنوں نے ان کا راستہ روک لیا ہے،

راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ خدا کی ان پر رحمت ہو۔ اپنے بھائیؓ کے ہم خیال نہ تھے، ان کا رجحان صلح کی طرف نہ تھا، انہوں نے اپنے بھائیؓ سے کہا اور اصرار سے کہا کہ ضبط سے کام لیں، اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائیؓ نے انکار کر دیا، اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں گے،

اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، خود حضرت علیؓ نے بعض باتوں کی اطلاع دیدی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ حسنؓ اس معاملے سے الگ ہو جائے گا، اور یہ کہ حسین مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور غالباً آپ نے حضرت حسینؓ کے حق میں یہ جملہ بہت سخت کہا، وہ نوجوانوں میں سے ایک نوجوان ہیں تلوار کے آدمی ہیں، اور دسترخوان کے بھی،

ان تمام باتوں سے فراغت پاکر حضرت حسنؓ اپنے گھر والوں کو لیکر مدینہ روانہ ہوئے، اور امیر معاویہؓ کو کوفہ میں چھوڑ دیا، کہ اپنی نئی حکومت جس طرح چاہیں منظم کریں، لیکن حضرت حسن ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ امیر معاویہؓ کا قاصد ان کو خارجیوں کی ایک حملہ آور جماعت سے مقابلے کے لئے بلانے آیا تو آپ نے جانے سے انکار کر دیا، اور کہا، میں نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی ہے، اور اس کا مقصد ہی خون کی حفاظت اور جنگ سے گریز ہے، حضرت حسنؓ مدینہ پہنچے تو یہ بھی ملا کوفہ والوں کی طرح سب نے اس صلح پر ان کو ملامت کیا، لیکن آپؓ نے ان کو جواب دیا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ سے اس حالت میں ملوں کہ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کے نرخروں سے خون بہ رہا ہو اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہو کہ اے خدا میں کس گناہ میں قتل کیا گیا ہوں،



امیر معاویہؓ کی سیاست عراق میں

ادھر حضرت حسنؓ نے کوفہ چھوڑ کر مدینے کی راہ لی، ادھر امیر معاویہؓ نے عراقیوں پر نرمی کے بعد سختی شروع کر دی۔ پہلے ہی اعلان کیا کہ جب تک وہ ان حملہ آور خارجیوں کو دفع نہیں کریں گے، اور جب تک اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آئیں گے، ان کی بیعت تسلیم نہیں کی جا سکتی، پھر تو کوفہ والے خارجیوں تک پہنچے اور ان سے اسی طرح جنگ شروع کر دی، جس طرح حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑتے تھے۔ اب ان کو پتہ چلا کہ ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پہلے وہ حضرت علیؓ کی اطاعت میں، اپنے بیٹوں بھائیوں اور دوستوں سے لڑتے تھے، اب وہی کام امیر معاویہؓ کی اطاعت میں کر رہے ہیں،

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عراقیوں کو بتایا کہ انہوں نے کام کا کیا نقشہ تیار کیا ہے اور وہ کس پالیسی پر عمل درآمد کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح اور درستی کیلئے تین باتوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اسلامی شہروں پر دشمنوں کے حملے سے قبل مسلمانوں کو خود دشمنوں کے شہروں پر حملہ کر دینا چاہیئے، اور اس کام کیلئے وقت پر اپنے وظیفے حاصل کر لیں دوسری یہ کہ قریب کی سرحدوں پر جانے والی فوجوں کو چھ ماہ قیام کرنا ہو گا۔ البتہ دور کی سرحدوں پر قیام کی مدت ایک سال ہو گی، تیسری بات یہ کہ شہروں کی درستی اور ذرائع آمدنی پر توجہ کی جائے کہ افلاس اور تنگدستی کی نوبت نہ آئے، اس کے بعد اعلان کیا کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ لوگوں کو فتنہ و فساد سے روکیں، لڑائی کا خاتمہ کر دیں، عوام ایکدوسرے سے بےخوف اور مطمئن ہو کر باہم متحد ہو جائیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ امیدیں دلائی تھیں، بہت کچھ وعدے کئے تھے، لیکن اس وقت وہ ان سب باتوں کو نظرانداز کرتے ہیں۔

آخر میں اعلان کرتے ہوئے کہا "تین دن کی مہلت ہے اس کے اندر جس بیعت کرنے والے نے یہ باتیں منظور نہیں کیں، میں اس کا ذمہ دار نہیں، پھر تو ہر طرف سے لوگ بیعت کیلئے دوڑ پڑے،

ان باتوں سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہی کہ عراقیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ نے نرمی اور اخلاق

کا برتاؤ اس لئے کیا تھا کہ صلح کی بات پوری ہو جائے حکومت پر اچھی طرح قبضہ ہو سکے، اور حسنؓ کوفہ سے نکل جائیں، اور جیسے ہی یہ سب کچھ ہو گیا، وہ سخت ہو گئے، تن گئے، پھر تو عراقیوں کو وہ مزہ چکھایا جس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہ تھے، ان کو چین اور سکون کی زندگی سے باہر نکالا، ان کو بتایا کہ امیر کی اطاعت وہ فرض ہے جس میں پس وپیش یا ٹال مٹول کی گنجائش ہی نہیں اور جو اطاعت نہیں کرنا چاہتا اس کیلئے امان کا سوال بے معنی ہے، اور وہ امیر کی ذمہ داری سے باہر ہے، اب عراقیوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی زندگیاں بدل چکی ہیں، اور مستقبل کی شدت ان کے لئے وہم وگمان سے بھی زیادہ ہے،

امیر معاویہؓ نے مغیرہ ابن شعبہ کو کوفہ کا اور عبداللہ ابن عامر کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا، اور خود دمشق آکر حکومت کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے،

اب عراقیوں کو حضرت علیؓ کے زمانے کی یاد آنے لگی، وہ مغموم اور غمزدہ ہوتے تھے اور پچھتاتے تھے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کے ساتھ بڑی زیادتی سے کام لیا، وہ شامیوں کے ساتھ صلح پر بھی ندامت محسوس کرتے تھے، جب کبھی ایکدوسرے کی ملاقات ہو جاتی باہم ملامت کرتے اور اس پر بحث کرتے کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ ابھی اس حالت پر چندہی برس گذرے تھے کہ ان کے وفد مدینہ جانے لگے کہ حضرت حسنؓ سے کہیں اور کچھ ان کی سنیں،

ایکدن کوفہ کے رئیسوں اور سرداروں کا ایک وفد حضرت حسنؓ کی خدمت میں آیا، ملاقات کے دوران میں سلیمان ابن صُرد خزاعی نے آپؓ سے کہا، اب تک ہماری حیرت اپنی جگہ باقی ہے، کہ آپؓ نے امیر معاویہ کی بیعت کرلی حالانکہ کوفہ کے چالیس ہزار برد آزما آپؓ کے ساتھ ہیں سب وظیفہ یاب اور پابہ رکاب اور اتنی ہی تعداد میں ان کے لڑکے اور ساتھی، پھر حجاز اور بصرہ میں آپؓ کے جو حامی ہیں وہ مزید برآں علاوہ ازیں حیرت کی بات یہ ہے کہ آپؓ نے معاہدے میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی اور نہ وظیفہ میں کوئی حصہ جو کچھ آپؓ نے کیا اگر اس میں مشرقی اور مغربی علاقوں کے ممتاز افراد کو اس کا شاہد بنالیتے اور یہ بھی لکھ لیتے کہ آپؓ ولیعہد ہیں تو بھی معاملہ ہمارے لئے آسان ہوتا، اور معاویہ نے تو جو کچھ آپؓ کے اور ان کے درمیان طے ہوا ہے اس کی بھی پابندی نہیں کی، اور کچھ ہی دنوں بعد برسر عام اعلان کر دیا کہ میں نے جو کچھ بھی وعدے اور شرطیں کی تھیں، لڑائی کی آگ بجھانے اور فتنے کا سلسلہ منقطع کرنے کیلئے کیا تھا، اب جب اللہ نے ہماری پراگندگی دور کر دی، اور پھوٹ اور تفرقے سے بے خوف کر دیا، تو میں ان وعدوں اور شرطوں کو ٹھوکر مارتا

ہوں، بخدا مجھے تو اس بات سے جو خدشہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ امیر معاویہؓ نے آپؓ سے جو قول و قرار کیا تھا اس کو توڑ دیا، پس اگر آپ چاہیں تو از سر نو لڑائی شروع کر سکتے ہیں، اور مجھے اجازت دیجئے کہ آپؓ کے کوفہ تشریف لانے تک کوفہ سے معاویہؓ کے گورنر کو نکال باہر کروں اور اس کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دوں اور آپؓ بھی اس کے عہد کو توڑ پھینکئے اللہ خائنوں اور غداروں کو دوست نہیں رکھتا،

وفد کے دوسرے ارکان نے بھی سلیمان ابن صُرَدؓ کی ہمنوائی کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مدینہ اس غرض سے آئے تھے کہ حضرت حسنؓ سے ملیں گے اور ان پر معترض ہوں گے قوت اور تیاری کے باوجود انہوں نے کیوں صلح کر لی؟ پھر یہ کہ جب صلحنامے پر دستخط کئے تھے تو ممتاز مغربی اور مشرقی افراد کو شاہد کیوں نہیں بنایا، اور اپنے لئے ولی عہدی کی شرط کیوں نہیں لکھوالی؟ اس کے بعد ان کو مطلع کریں گے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی ہے، اور ایک مجمع عام میں اس خلاف ورزی کا اعلان بھی کیا ہے، اس کے بعد ان سے درخواست کریں گے کہ لڑائی از سر نو جاری کر دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ وہ پہلے کوفہ جا کر معاویہؓ کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دیں، اور جب یہ سب کچھ ہو لے تو وہ خود بھی معاویہؓ کی طرح معاہدہ توڑ دیں۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا،

حضرت حسنؓ نے ان کی بعض باتیں مان لیں اور بعض سے انکار کر دیا، اور اس تسلیم و انکار میں وہ ان کے مخلص اور ہمدرد تھے، امن و صلح ان کی نگاہ میں مقدم تھا، پھر بھی انہوں نے ان کو مایوس نہیں کیا ان کی ڈھارس بندھائی، بلاذری کی روایت ہے کہ آپؓ نے ان سے کہا، "تم ہماری جماعت ہو ہم سے محبت کرتے ہو، اگر میں دنیا کیلئے شدت سے کام لیتا، اور میرے پیش نظر دنیاوی اقتدار ہوتا، تو معاویہؓ مجھ سے زیادہ شان و شوکت والے نہ تھے، اور نہ مجھ سے زیادہ خود دار اور ارادے کے پکے، لیکن میری نگاہ تم سے جدا ہے، میں نے جو کچھ کیا ہے اس سے میرا مقصد خونریزی روکنا تھا اور کچھ نہیں، پس اللہ کے فیصلے پر رضامند رہو، اور معاملہ اسی کے حوالے کرو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور رکے رہو، اور اپنے ہاتھ کو روکے رکھو تا آنکہ مرد نیک چین پائے یا پھر بد کار سے لوگوں کو نجات مل جائے،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت حسنؓ ان کو اہل بیت کا حامی اور محب مان کر ان سے اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایسی حالت میں ان کا فرض ہے کہ وہ آپؓ کی فرمانبرداری کریں، آپؓ کا حکم مانیں آپؓ کی مرضی کے تابع ہوں، اس کے بعد آپؓ نے ان پر واضح کیا کہ امیر معاویہؓ سے صلح کسی درماندگی اور کمزوری

کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ آپؓ کا مقصد اس سے خونریزی روکنا ہے، اور اگر آپؓ جنگ کا ارادہ کرتے تو مخالف کچھ زیادہ طاقتور اور سخت ثابت نہ ہوتے اس کے بعد آپؓ نے ان سے چاہا کہ اللہ کی مشیت پر راضی رہیں اقتدار کی اطاعت کریں، اس کی مخالفت سے اپنا ہاتھ روکیں، پھر ان کو بتایا کہ یہ روش آخر تک باقی نہیں رہے گی، اور نہ وہ بلا مقابلہ دشمن سے دبے رہیں گے، یہ تو ایک وقت کا انتظار ہے، جب اہل حق کو چین نصیب ہو گا، یا اہل باطل سے نجات مل جائے گی،

گویا حضرت حسنؓ ان کو تیار کر رہے تھے، کہ جب موقع آئے گا تو جنگ ہوگی، اور ابھی ایک ہنگامی صلح کے دن ہیں جس میں آرام کریں، اور تیاری، شاید اللہ معاویہؓ سے نجات دیدے پھر امت صالحین کی منشا کے مطابق اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے گی،

میرا ذاتی خیال ہے کہ جسدن کوفہ والوں کا وفد حسنؓ سے ملا، حضرت حسنؓ نے انکی باتیں سنیں ان کو اپنی سنائی اور ان کے لئے ایک پروگرام بنایا، وہ پہلا دن تھا جس میں حضرت علیؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے حامیوں کی ایک منظم سیاسی جماعت بنائی گئی، اسی مجلس میں مدینہ میں یہ جماعت بنی اور حضرت حسنؓ اس کے صدر ہوئے۔ کوفہ کے سرداروں نے واپس آکر اپنے متبعین کو ایک نئے نظام اور ایک مقررہ پروگرام کی اطلاع دی، اور اس ہنگامی صلح اور اس امکانی جنگ کیلئے لوگوں کو تیار کرنے لگے جو یثرب کے امام کے اشارے سے چھیڑی جا سکتی ہے،

پارٹی کا پروگرام اس کے ابتدائی دور میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، بالکل سیدھا سادا ہے حضرت علیؓ کے بیٹوں میں سے امام کی اطاعت، امن و اطمینان کے ساتھ انتظار، اور حکم پاتے ہی جنگ چھیڑ دینا،

پارٹی کا یہی حال رہا شیعہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اپنے معاملات کا تذکرہ کرتے، معاویہؓ اور ان کے حاکموں کی خلاف حق و انصاف باتوں کو ریکارڈ کرتے اور اس کا انتظام کرتے کہ امام حکم دے اور وہ نکل پڑیں،

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ

لیکن امامؓ نے جنگ کیلئے نکلنے کا حکم نہیں دیا، ہاں، امن و عافیت سے رہنے کی تاکید کرتے رہے اور

وقتاً فوقتاً جب ان کے وفود آتے رہے، ان کو یہی ہدایت کی کہ نیچے ہوئے لوگوں کو غنیمت جانو باہم حسن سلوک رکھو اور اپنے آپ کو حکومت کی گرفت کیلئے پیش نہ کرو،

اہل بیت کے حامی کوفہ تک محدود نہ تھے، بلکہ تمام شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، بعض جگہ کم اور بعض جگہ زیادہ، ان حامیانِ اہل بیت کی طبیعتیں حکومت کی مخالفت میں اپنی قلت اور کثرت کے اعتبار سے نیز حاکموں کے طرز عمل کے پیش نظر مختلف تھیں، لیکن اس بات میں سب متفق تھے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت ایک ایسی برائی ہے، جس پر سردست صبر کے سوا چارہ نہیں، تاآنکہ اس سے نجات کی صورت نکل آئے، خواہ اسطرح کہ صالحین کو دلجمعی حاصل ہو، اور وہ پوری طرح تیاری کرکے کامیاب بغاوت کردیں، یا پھر فاجروں ہی کو موت آجائے اور معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد ہو، شیعہ پوری سرگرمی کے ساتھ یہ دعوت پیش کررہے تھے کہ امام اہل بیت میں سے ہو تاکہ جب مسلمانوں سے مشورہ ہو تو خلافت حضرت حسن کے حصے میں آئے، وہ صلح کی حالت میں اپنے امام کیلئے تحریک کرتے تھے، کبھی نرمی سے کبھی شدت کے ساتھ اپنے مزاج وطبیعت اور اپنے حالات اور مواقع کے ماتحت، اور خود حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے وفادار تھے، ان کی بیعت اور ان کے عہد و پیماں پر قائم، اور جس قسم کی بھی امداد کی بھی ضرورت ہوتی ان سے حاصل کرتے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ امیر معاویہؓ کے مخالف تھے، اور اپنی مخالفت چھپاتے نہ تھے، اپنے مقام مدینہ میں جس طرح چاہتے اس کا اظہار کرتے، جب کبھی حج کے زمانہ میں مکہ آجاتے تو اس سے باز نہ رہتے، فرصت آپؓ کو آسانی کے ساتھ اس کے بہترین مواقع پیدا کردیتی، یوں بھی آپ بڑے شیریں کلام، شگفتہ طبع، ملنسار، محبتی اور لوگوں میں ہر دلعزیز تھے انہیں خوبیوں کی وجہ سے قریش اور انصار کے نوجوان آپکے گرویدہ تھے، اور بڑے بوڑھے صحابہؓ بھی آپؓ سے اسی لئے محبت کرتے تھے اور اسلئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں آپؓ کا ایک درجہ تھا،

پھر عام لوگ آپؓ سے اس لئے بھی محبت کرتے تھے کہ آپؓ بڑے دریادل اور فیاض تھے سوال کرنے پر اور بلا سوال بھی لوگوں کو عطیات دیتے تھے، صبح ہوتی تو نماز ادا کرکے اپنی جگہ بیٹھے رہتے، جب سورج کچھ اوپر چڑھتا تو امہات المومنین کی ملاقات کیلئے جاتے، ان سے باتیں کرتے، بطور تحفہ انہیں کچھ دیتے، کچھ وہ انہیں پیش کرتیں، اس کے بعد ضروری کاموں میں لگ جاتے، پھر جب ظہر کی نماز ہوجاتی تو مسجد میں لوگوں کی ملاقات کے لئے بیٹھ جاتے، اور دیر تک بیٹھے رہتے، ان کی باتیں سنتے، ان کو اپنی سناتے، جن کو پڑھانا سکھانا ہوتا ان کو سکھاتے پڑھاتے، پھر بوڑھے صحابہؓ سے علم وادب کی باتیں سنتے، اور ان تمام باتوں کے درمیان جہاں کہیں

حکومت کا ذکر آجاتا تو اس کی اچھائی یا برائی بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے، لیکن اگر کسی نے آپؓ کے والد کا تذکرہ خلاف طبیعت انداز میں کر دیا یا کسی ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی، جس نے حضرت علیؓ سے دشمنی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تو پھر آپؓ سخت ہو جاتے اور سنگدلی تک نوبت پہنچ جاتی، ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگوں کو نوازتے تھے، جس طرح اللہ نے ان کو نوازا تھا، اسی طرح وہ دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہیں کرتے، مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ آپؓ بہت زیادہ نکاح کرتے تھے، اور طلاق بھی بکثرت دیتے تھے، خود حضرت علیؓ نے اس بات سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور لوگوں کو رشتے سے روکا، لیکن ایسا نہ ہو سکا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور امیر المومنین کے لڑکے سے رشتہ جوڑنے میں اپنے لئے بڑا فخر شرف اور بزرگی خیال کرتے تھے،

امیر معاویہؓ حضرت حسن پر بڑی کرم کی نگاہ رکھتے تھے، ان کو عطیات سے نوازتے تھے، پھر بھی جب حضرت حسنؓ کی مخالفت کی اطلاعات ان کو پہنچتیں تو وہ ان پر کبھی نرم کبھی گرم نکتہ چینی کرتے تھے، لیکن حضرت حسنؓ کی طرف سے مطمئن نہ تھے، وہ بڑے دوربین تھے، جیسے ہی انہیں محسوس ہوا کہ خلافت اب ان تک پہنچ چکی ہے، انہوں نے اس کو ابو سفیانؓ کے خاندان کیلئے ایک وراثت بنالینے کی فکریں شروع کر دیں، ان کو اپنے بیٹے یزید کا ہر وقت خیال رہا کرتا تھا، یہ دیکھتے تھے کہ ان کے ارادے کی راہ میں حضرت حسنؓ حائل ہیں تو ان سے صلح کرنے میں جلدی کی، اور ان کیلئے ولی عہدی کا منصب بھی پیش کر دیا،

یہ صحیح ہے کہ حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی یہ پیشکش قبول نہیں کی، اور اپنی طرف سے یہ شرط رکھی کہ خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ سے طے ہو، جس کو چاہیں انتخاب کریں، حضرت حسنؓ غالباً یہ خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد لوگ کسی کو ان کی ہمسری کا درجہ نہیں دیں گے اور شیعہ تو اس بات کا پختہ یقین رکھتے تھے، اور اس کے لئے الحاح کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے

یہاں پہنچ کر مورخین اور راویوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اسلئے کہ حسنؓ ۵۰ھ میں وفات پا جاتے ہیں شیعہ خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو زہر دیدیا، تاکہ ان کے اور ان کے بیٹے کیلئے خلافت کا راستہ صاف ہو جائے، اہل سنت مورخین اسی خیال کی بکثرت روایت کرتے ہیں، لیکن یہ ان کا قطعی فیصلہ نہیں ہے، محدثین میں جو لوگ اس قسم کی روایت کرتے ہیں وہ اس کو محض اسلئے امر بعید خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے بعض وعدولؓ کا یہ کام کسی طرح ان کی شان کے شایاں نہیں

اہل سنت مورخین اس کے ساتھ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے اپنی آخری بیماری کے بعض عیادت کرنے والوں سے خود کہا،

"مجھے بارہا زہر دیا گیا، لیکن اس مرتبہ جو زہر دیا گیا ہے اس سے زیادہ شدید کسی وقت نہیں دیا گیا ابھی ابھی میرے کلیجے کا ٹکڑا میرے منہ سے نکلا ہے،"

یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپؓ کے بھائی حضرت حسینؓ نے ان سے پوچھا کہ زہر کس نے دیا ہے؟ تو آپؓ نے نام بتانے سے انکار کر دیا، مبادا بلا کسی قطعی دلیل کے اس سے قصاص لیا جائے، حضرت حسنؓ اپنی زندگی سے مایوس تھے، اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ خدا سے ایسی حالت میں ملیں کہ شبہ کی بنا پر ان کا قصاص لیا گیا ہو، اس لئے انہوں نے یہی مناسب جانا کہ اللہ ہی اس کا قصاص لے،

بعض مورخین خیال کرتے ہیں کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کو جو حضرت حسنؓ کی بیوی تھیں، امیر معاویہؓ نے تیار کیا کہ حضرت حسنؓ کے کھانے یا پینے کی چیز میں زہر ملا دیں اور اس کے لئے ایک لاکھ دینار کی رشوت پیش کی، بعضوں کا خیال ہے کہ معاویہؓ نے اس سے شادی کر لینے کا بھی وعدہ کیا تھا، پھر جب حضرت حسنؓ وفات پاگئے تو مال کا وعدہ تو پورا کر دیا، لیکن شادی نہیں کی، اس ڈر سے کہ کہیں میرے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش نہ آئے، اس روایت کا تصنع بالکل کھلا ہوا ہے، اس کے بیان کرنے والوں کے پیش نظر یہ ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت علیؓ کو فریب دیا تھا تو اس کی لڑکی نے حضرت حسنؓ کو موت کے گھاٹ اتار دیا

بعض مورخ کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کو حضرت حسنؓ کی بیویوں میں سے انتخاب کیلئے اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ اس نے ایک قریشی عورت ہی کو منتخب کیا اور وہ ہند بنت سہیل ابن عمرو ہے جو قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر آیا تھا،

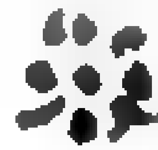
میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ معاویہؓ کے ہاتھوں حسنؓ کو زہر دیا گیا، لیکن اسی طرح قطعیت کے ساتھ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ امیر معاویہؓ نے ایسا نہیں کیا، اسلئے کہ ان کے زمانے میں زہر دیکر مار ڈالنے کی بات حیرت انگیز اور مشکوک طریقہ پر عام ہو چکی تھی، بقول مورخین، اشتر مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر دیکر مار ڈالے گئے، اس طرح مصر کی حکومت کا راستہ امیر معاویہؓ کے لئے صاف ہو گیا، پھر امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کا یہ کہنا، "بلاشبہ اللہ کی ایک فوج شہد کی بھی ہے"، علاوہ ازیں حمص بن عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید زہر دیکر مارے گئے جس کی ایک طویل داستان ہے، غالب گمان ہے کہ اسی طرح حضرت حسنؓ بھی امیر معاویہؓ

اللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان زہر دیکر مار دیے گئے جس سے ان کے بیٹے کیلئے خلافت کا راستہ صاف ہو گیا،

یہاں حسین رضی اللہ عنہ ابن علی کا تذکرہ ضروری نہیں اس لئے کہ انہوں نے نہ اپنے کو بیعت کیلئے مقرر کیا نہ وہ مسلمانوں کے امام تھے، اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی صلح کی تھی، نہ وعدہ نہ شرط، مگر پھر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ سے دور ہٹا دیں تاکہ فاطمہ کے دونوں بیٹوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں سے فرصت مل جائے چنانچہ ایک دن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مذاق کے رنگ میں حقیقت پیش نظر رکھتے ہوئے کہا، تو حسن رضی اللہ عنہ کے بعد اپنی قوم کے سردار آپ ہی ہیں؟ لیکن عبداللہ فریب میں نہیں آئے اور دو ٹوک جواب دیا کہ جب تک ابو عبداللہ زندہ ہیں ایسا نہیں ہو سکتا،

اس کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا پس و پیش جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے اپنے بیٹے یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینی شروع کر دی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے مہاجر نوجوانوں کو مجبور کیا کہ اس بیعت کے بارے میں خاموشی اختیار کریں، جس کو وہ اپنے دل سے بڑی مذموم حرکت خیال کرتے ہیں،

بالآخر شیعوں کی سربراہی بھائی کی وفات کے بعد حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی، اللہ ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے،



حضرت حسینؓ

دونوں بھائیوں میں طبیعت مزاج اور سیرت کے اعتبار سے کوئی میل نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے کوئی میل نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے، حضرت حسنؓ جیسا کہ تم نے دیکھا غور وفکر کے آدمی تھے، بامروت اور سنجیدہ، لڑائی اور خونریزی سے بیزار، ان کی اسی طبیعت نے ان کو آمادہ کیا کہ مصالحت کی راہ اختیار کریں، اور خلافت سے دست بردار ہو جائیں جو باپ کی طرح ان کو بھی ہولناک جنگ کے مصائب میں مبتلا کر دے گی۔

حضرت حسینؓ حق کے معاملے میں باپ کی طرح سخت تھے اور تیز، وہ کسی طرح غیر مناسب معاملات میں نرمی اور چشم پوشی پسند نہیں کرتے تھے، بھائی کی صلح سے وہ سخت ناراض تھے، اور چاہتے تھے کہ اس کی مخالفت کریں، لیکن حضرت حسنؓ نے صلح کی بات مکمل ہونے تک پاؤں میں بیڑی ڈال دینے کی دھمکی دے دی تھی،

حضرت حسینؓ اس صلح کو اس لئے بھی برا جانتے تھے کہ اس میں ان کے باپ کی سیرت مجروح ہوتی تھی، پھر یہ کہ وہ خود نہ بڑے شادی باز تھے نہ طلاق باز نہ بہت خوش حال، نہ بڑے بولنے والے نہ لوگوں میں ہر دلعزیز، وہ تو اپنی ذات کیلئے اور دوسروں کے لئے ایک سخت آدمی تھے، ناگوار باتوں پر صبر کے گھونٹ پیتے انہوں نے بھائی کی وفاداری کو اپنا فرض جانا، اس لئے ان کی اطاعت کرتے رہے جس طرح اس سے پہلے باپ کی اطاعت کرتے رہے، بلاشبہ بھائی کی صلح کے بعد مدینہ میں وہ جتنے دن بھی رہے میرے خیال میں ایسے موقع کے لئے بیتاب رہے جس میں باپ کے جہاد کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر شروع کر دیں،

شیعوں کی صدارت ملنے سے آپؓ کو کچھ موقع تو میسر آیا، میں نے کچھ کا لفظ کہا ہے اس لئے کہ حالات نے پورا موقع نہیں دیا، آپؓ اپنی قوم کے سردار اور پارٹی کے لیڈر تو بن گئے، لیکن ادھر امیر معاویہؓ کی بیعت بھی کر چکے تھے، پس ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ بیعت توڑ دیں، عہد و پیمان سے انحراف کریں،

حضرت حسینؓ بڑے مطمئن تھے معاملات پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی، انہوں نے دیکھا کہ حکومت

امیر معاویہؓ کی تابع فرمان ہے، بڑے بڑے شہر ان کے اشاروں پر چل رہے ہیں، ان کی پالیسی چشم پوشی، نرمی اور سخاوت کی پالیسی ہے، شہروں پر انہوں نے ایسے حاکم مقرر کر دیئے ہیں جو وہاں کے باشندوں کو تشدد اور دہشت آفرینی سے مرعوب کئے ہوئے ہیں، ایسی حالت میں آپؓ نے بغاوت کا ارادہ نہیں کیا، حالانکہ امیر معاویہؓ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی نے آپؓ کے لئے ایسا موقع پیدا کر دیا تھا کہ اس سے فائدہ اٹھاتے اور بغاوت کا اعلان کر دیتے،

امیر معاویہؓ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی میں کسی شک کی گنجائش نہیں، انہوں نے ایک بار نہیں دو بار خلاف ورزی کی، ایک مرتبہ تو کوفیوں کو قتل کر کے، جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، دوسری بار اپنے لڑکے یزید کو ولی عہد بنا کر اس طرح انہوں نے خلافت کو وراثت بنا دیا جو ان کی دولت کی طرح ان کے لڑکے کو ملے گی، حالانکہ خلافت خلیفہ کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے،

علاوہ ازیں مسلمانوں کے مال میں، امیر معاویہ کی فضول خرچی ان کا صوبوں پر ڈکٹیٹر قسم کے افراد کا تقرر، پھر ان ڈکٹیٹر حاکموں کا عوام کی جان و مال کے بارے میں حدود سے بڑھا ہوا تصرف، یہ تمام باتیں اس بیعت کے خلاف تھیں، جن کا امیر معاویہؓ نے عوام سے عہد کیا تھا اور جو حضرت حسینؓ کو بری الذمہ قرار دیتیں اگر وہ امیر معاویہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے،

خود حضرت عائشہؓ نے کوفیوں کا قتل دیکھ کر خروج کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن وہ ڈریں کہ کہیں پھر ایک بے نتیجہ فساد نہ ہو، جیسا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص طلب کرنے کے موقع پر ہوا تھا، چنانچہ وہ نکلنے سے باز رہیں،

حضرت حسینؓ نے دیکھا بغاوت کرنے سے معاملہ ان کے حق میں ٹھیک نہیں ہو گا، تو انہوں نے صبر سے کام لیا، لیکن اپنے بھائی کی پالیسی میں تبدیلی کر دی اور امیر معاویہؓ اور ان کے حاکموں کے بارے میں سخت تنقیدیں شروع کر دیں، جس پر امیر معاویہؓ نے دھمکی دی، لیکن آپؓ نے اپنے ہمنواؤں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حق کے معاملہ میں تشدد سے کام لیں اور امیر معاویہؓ کے حاکموں کی مذمت اور ان کی مخالفت کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت معاویہؓ اور ان کے گورنر زیاد کی شدید مخالفت کا مرکز کوفہ تھا،

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی دو مختلف سیاستوں کے اثرات ہم نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں،

حضرت حسنؓ جب تک زندہ رہے شیعوں کو کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان نہیں پہونچا اُن کے زمانے میں ان کی جماعت کے لوگ مخالفت اور ناگواری کا اظہار نرمی سے کرتے تھے، امیر معاویہؓ اور ان کے حاکم بھی ان کی باتیں سنتے تھے، اور ان سے درگذر کرتے تھے اور بسا اوقات اپنے قول و فعل سے ان کی اصلاح بھی کر دیتے تھے، لیکن جب شیعوں کا تعلق حضرت حسینؓ سے ہوا تو مخالفت میں شدت کا رنگ پیدا ہو گیا اور کوفہ میں بات بغاوت کی حد تک پہونچ گئی، تب معاویہؓ اور ان کے حاکموں نے شدت کا مقابلہ شدت سے کیا، ایسی شدت جس میں مخالفت کا قلع قمع کر دینے کے لئے کسی معقول بات کی پروا نہیں کی گئی۔

حضرت حسینؓ کی سیاست پارٹی کے لئے بیک وقت کمزوری اور قوت دونوں کا باعث تھی، کمزوری کا باعث اس طرح کہ اس کی وجہ سے اہل بیت کے بہت سے حامیوں اور ہمدردوں کی جانیں سخت مصائب کا شکار ہوئیں اور قوت کا باعث اس طرح کہ سیاست نے شیعوں کو حد درجہ مظلوم اور مقہور بنا دیا اور انسانی سیاست میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے اور اپنا پروپیگنڈہ کرنے کی خاطر مظلومیت سے بڑھکر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، مظلومیت ہی دلوں میں گرفتارانِ مصائب کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے اور حکومت کے اقتدار سے لوگوں کو متنفر بناتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت کے آخری دس سال میں شیعوں کے مسئلے نے بڑی اہمیت اختیار کر لی، اور ان کی تحریک اسلامی حکومت کے مشرقی حصوں میں اور عرب کے جنوبی حصوں میں بڑی قوت سے پھیلی، چنانچہ امیر معاویہؓ کی موت کے وقت لوگ عموماً اور عراق کے عوام خصوصاً اہل بیت سے محبت اور بنی امیہ سے بغض و عداوت اپنا دین و ایمان تصور کرنے لگے تھے۔

امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

(۱)

عراق میں شیعوں کو جو راحت اور مصیبت پہونچی اس کی وجہ صرف حضرت حسنؓ کی نرمی اور حضرت حسینؓ کی گرمی نہ تھی بلکہ اس میں امیر معاویہؓ کے گورنروں کا بھی ہاتھ رہا ہے، بصرہ اپنے خیالات کے اعتبار سے عثمانی تھا ناظرین وہاں کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا معاملہ بصرہ میں ناگواری اور بددلی کے ساتھ باقی رہ سکا، البتہ کوفہ شیعوں کا وطن اور ان کی تحریک کا مرکز بنا،

جب حکومت کی لگام پوری طرح امیر معاویہؓ کے ہاتھوں میں آچکی تو ان دونوں شہروں میں انھوں نے ایسے دو حاکم مقرر کئے جو جابر اور متشدد نہ تھے بصرہ پر عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا اس نے وہی پہلی روش شروع کی جس کا وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پابند تھا یعنی اپنے مفاد کو مقدم رکھا اور لوگوں کے مفاد سے بے توجہی برتی، چنانچہ اس نے اپنے لیے بھر دولت جمع کر لی اور لوگوں کے لئے ان کی لگام ڈھیلی کردی، کہ برائیوں اور آوارگیوں کی طرف چل پڑیں صورت حال یہ تھی کہ فتنہ وفسا دنے لوگوں کے اخلاق میں پستی پیدا کردی تھی، بصرہ اس وقت دیہاتیوں اور غلاموں سے بھر گیا تھا اور ایک نئی مخلوط نسل پیدا ہوگئی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ فسق وفجور پھیلا حکومت کے اثرات میں خرابی آئی، حکمران کا رعب اور وقار رعایا کی نگاہوں میں اس لئے گر گیا کہ اس کو اپنی اور اپنے باپ اور بھائی کی پڑی تھی اور اس لئے بھی کہ بزعم خود وہ نرمی اور دلجوئی کی پالیسی پر عمل کر رہا تھا، وہ چور کا ہاتھ کاٹنا پسند نہیں کرتا تھا اپنی اس روش پر قائم رہ کر وہ اللہ اور حاکم وقت کی کھلی ہوئی نافرمانی کرتا رہا، تا آنکہ بصرہ کے لوگوں نے گھبرا کر امیر معاویہ سے اس کی شکایت کی اور وہ معزول کر دیا گیا اور یہ ایک مستقل طویل داستان ہے،

امیر معاویہؓ نے بصرہ پر ایک دوسرا حاکم مقرر کیا لیکن وہ چند ماہ سے زیادہ کام نہ کرسکا اس کے بعد زیاد کا تقرر ہوا اس نے برائی کا مقابلہ برائی سے کیا یعنے برائی اس طرح دور کی کہ اسکی جگہ دوسری برائی لاکر رکھ دی کوفہ پر امیر معاویہؓ کی طرف سے مغیرہ ابن شعبہؓ ایک تجربہ کار اور چالاک حاکم تھے ان کی شخصیت

بھی عجیب و غریب اخیر و شر سے مرکب ، ایک عقدۂ لاینحل ہے ، اپنی جوانی کے عالم میں انھوں نے طائف کی ایک ٹولی سے بیوفائی کی ، ساتھیوں کو اتنی پلادی کہ وہ بیہوش ہو کر بے حس و حرکت ہو گئے اس کے بعد سبھوں کو قتل کر دیا ، یہ کل بارہ یا تیرہ آدمی تھے مصر سے بہت سا مال اپنے ساتھ لائے تھے مغیرہ ان سبھوں کی دولت لیکر اپنے وطن طائف تو نہ جا سکے ، البتہ مدینہ چلے آئے یہاں آکر اسلام قبول کر لیا ، اور ساری دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دی ، آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا ، اس لئے کہ وہ غداری سے حاصل کیا ہوا مال تھا ، اور غداری میں بھلائی نہیں ، تب مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے انجام کے بارے میں سوال کیا ، آپ نے فرمایا ، اسلام اپنے پہلے کی باتوں کا صفایا کر دیتا ہے ، مغیرہؓ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خیر خواہ ہوتے ، ردت کی لڑائیوں اور شام کی فتوحات میں بڑی جاں نثاری بتائی یرموک کے معرکے میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی ، اس کے بعد فارس کے معرکوں میں شرکت کی ، اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہے حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا حاکم بنایا ، شاید اسلام نے مغیرہ کے دل میں گہرا اثر نہیں کیا تھا اس لئے کہ ان کے خلاف کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس زنا کی شہادت دی حضرت عمرؓ حد جاری کر دیتے اگر ایک شاہد یعنی زیاد گواہی میں لٹ پٹا نہ جاتے ، اس بنا پر دوسرے گواہوں پر تہمت تراشی کی حد جاری کی گئی اور بصرہ سے مغیرہ کو معزول کر دیا گیا ، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو پھر کوفہ کا حاکم بنایا ، اور یہ حضرت عمرؓ کے قتل تک کوفہ کے حاکم رہے حضرت عثمان نے تھوڑے دنوں تک ان کو باقی رکھا ، پھر معزول کر دیا ، مغیرہ فتنہ سے دور رہے یا یوں کہنا چاہئے کہ ابتدا میں فتنہ سے کنارہ کش رہے ، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلاف نہ بغاوت میں شرکت کی نہ حضرت علیؓ کی بیعت میں اور نہ جمل اور صفین کے معرکوں میں حصہ لیا ، لیکن تحکیم کے موقع پر دونالثوں کے اجتماع میں شریک رہے اور بہت ممکن ہے کہ اس اجتماع میں کوئی پارٹ بھی ادا کیا ہو ، جب دونوں حکم جدا ہو گئے اور مغیرہ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا نے حضرت علیؓ سے منہ موڑ لیا ہے تو بظاہر کنارہ کشی کا اظہار کرتے رہے لیکن طبیعت کا رجحان نمایاں طور پر امیر معاویہؓ کی طرف تھا ، پھر جب حضرت علی رضؓ قتل کر دیئے گئے تو وہ سب سے پہلے امیر معاویہؓ کی طرف دوڑ پڑے پھر شام سے ساتھ ہی کوفہ آئے اور حضرت حسنؓ کے ساتھ صلح اور امیر معاویہؓ کے لئے بیعت کی تقریبات میں حاضر رہے اور جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں مغیرہ نے کوفہ کی حکومت اوپر ہی اوپر اچک لی ، راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے کوفہ پر عبداللہ ابن عمرو بن العاص کو

حاکم بنانے کا ارادہ کیا تھا، یا ۲ ابن عاصؓ کو کوفے کا اور ان کے لڑکے کو مصر کا حاکم بنا دینا چاہتے تھے اس پر مغیرہؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا "کیا آپ شیر کے دونوں جبڑوں کے بیچ میں رہیں گے یہ عراق میں اور وہ مصر میں۔ یہ سنکر امیر معاویہؓ نے اپنی رائے بدل دی اور مغیرہؓ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

راویوں کا خیال ہے کہ عمرو بن العاصؓ کو جب مغیرہؓ کی اس بات کا پتہ چلا تو انھوں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا امیر معاویہؓ سے کہا کہ آپ مغیرہؓ کو محاصل پر مقرر فرماتے ہیں، کیا کوئی اور نہیں ہے جو خراج کی وصولی اور اس کے نظم و اندراج پر اس سے زیادہ مقدرت کا مالک ہو، اس میں یہ تعریض تھی کہ مغیرہؓ مالیات کے سلسلے میں کمزوری رکھتے ہیں، چنانچہ امیر معاویہؓ نے جنگ اور امامت پر ان کو رکھا اور خراج پر کسی اور کا تقرر کر دیا، عمرو بن العاصؓ جب مغیرہؓ سے ملے تو کہا، اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے،

کوفہ والوں کے لئے مغیرہ کی پالیسی ایسی ہی تھی جیسی بصرہ والوں کے لئے عبداللہ ابن عامر کی مغیرہؓ نے بھی اول خواہش پر عمل کیا اور دوسروں کو نظر انداز کیا لوگوں سے چشم پوشی کی، رواداری برتی بنی امیہ کے مخالفین کو چاہے خارجی ہوں چاہے حضرت علیؓ کے حامی ایک حد تک آزادی کا موقع دیا،

حضرت معاویہؓ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ حضرت علیؓ کے حامیوں پر نظر رکھنا اور ان پر سختی کرنا، لیکن وہ اپنی امن پسندی اور امیر معاویہؓ کی خواہش کے بین بین رہا کرتے تھے ان کے اور عبداللہ ابن عامر کے متعلق مورخین کی خیال آرائیاں بے محل ہیں، سیدھی سی بات ہے کہ دونوں سابق خلفاء کی طرف سے ان شہروں کے حاکم رہ چکے تھے، اور اس کے عادی تھے کہ لوگوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور دانشمندی کا برتاؤ کریں پس یہ کچھ آسان نہ تھا کہ یکایک اپنی عادت بدل دیتے

علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ بھی صحابی تھے، قدرتی بات تھی کہ ان کی اور اُن کے گورنروں کی روش لوگوں کے روزمرہ کے معاملات میں بڑی حد تک سابق خلفاء اور ان کے حاکموں کے جیسی ہو، یہی کیفیت مصر میں عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ کے زمانے میں تھی اور یہی حالت عراق کے دونوں شہروں کی بھی تھی لیکن لوگوں نے طرح طرح کی جدتیں کیں، جیسا کہ زیادہ نے کہا، پس معاویہؓ اور ان کے حکمرانوں نے بھی ایسا جدید طرز عمل اختیار کیا جو حالات کے مناسب ہو، کوفہ کے خارجیوں کے متعلق مغیرہ کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ حضرت علیؓ کا سا سلوک کرتے رہے ان کو آزاد چھوڑ دیا وہ ایک دوسرے سے ملتے تھے اکٹھا جمع ہوتے تھے آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے اور جب تک وہ کوئی شرارت یا معاندانہ اقدام

نہ کرتے ان سے تعرض نہیں کرتے تھے

مغیرہؓ حضرت علیؓ سے بھی زیادہ محتاط تھے انھوں نے ایسے آدمی مقرر کئے تھے جو ان کو خوارج کی نقل و حرکت کی اطلاع کرتے تھے، چنانچہ خروج سے پہلے ہی وہ انسدادی کارروائی کر دیتے اور بعض اوقات تو وہ ان کی میٹنگ ہی میں گرفتار کر لیتے اور جیل بھجوا دیتے لیکن اس پر بھی اگر کوئی جماعت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتی اور مقابلے کی دعوت دیتی یا کسی شورش کا باعث بنتی تو کوفہ والوں میں سے کچھ آدمی بھیج کر ان کا خاتمہ کر دیتے،

شیعوں کے ساتھ ان کا طرز عمل اس سے بھی زیادہ نرمی اور درگذر کا تھا، ان کو کوئی تکلیف نہیں پہونچائی، بعض اوقات شیعوں نے ان سے سخت کلامی کی تو ان کو سمجھا دیا اور نرمی سے پیش آئے ان کو امن و عافیت کی طرف متوجہ کیا اور حکومت کی گرفت کا خوف دلایا نہ ایذا پہونچائی نہ دولت میں نقصان کا باعث بنے،

اس نرم اور رواداری پالیسی سے شیعوں نے فائدہ اٹھایا، انھوں نے اپنی تنظیم کی اور کھل کر بنی امیہ کی مخالفت کی۔ امیر معاویہؓ اس سے ناراض تھے لیکن وہ مخالفین پر قابو نہیں پاتے تھے، کوفہ میں مغیرہ دس سال تک امیر معاویہ کے گورنر رہے اس عرصہ میں شیعوں کو ان کی کوئی بات غیر معمولی طور پر ناگوار نہیں ہوئی سوائے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کے جس پر وہ جدید حکومت کے ماتحت مجبور تھے اس حرکت پر شیعہ کبھی چشم پوشی کرتے کبھی اظہار ناراضی،

مغیرہؓ شدید حرص کے درجے میں چاہتے تھے کہ امیر معاویہؓ کو راضی رکھیں تاکہ کوفہ کی گورنری ان کے لئے مستقل ہو جائے، چنانچہ وہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان واسطہ بنے زیاد کی طرف سے امیر معاویہؓ کو اطاعت کا اور معاویہؓ کی طرف سے زیاد کو امان دینے کا اطمینان دلایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیاد اور معاویہؓ کے درمیان رشتے کے اعلان میں بھی انھیں کا ہاتھ رہا ہو، اس طرح کہنا چاہئے کہ مغیرہؓ نے زیاد کے اس احسان کا بدلہ چکا دیا جو اس نے تردد آمیز گواہی دے کر ان پر کیا تھا، اور حضرت عمرؓ سزا دینے سے رک گئے تھے، بہرحال مغیرہؓ نے زیاد کی چالبازی اور چالاکی کا خطرہ دور کر کے ایک مکار اور قریبی دشمن کو مخلص خیر خواہ بنا کر امیر معاویہؓ کو رضامند کر لیا، پھر مغیرہؓ ہی نے امیر معاویہؓ کے دماغ میں ولی عہدی کا تخیل پیدا کیا اور نہ صرف اس طرف متوجہ کیا بلکہ اس کے اعلان پر امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا اور اس کی گارنٹی بھی کی کہ

کوفہ کے لوگ اس کو منظور کریں گے اس کے بعد مغیرہؓ ہی نے خود یزید کے دل میں بھی یہ تجویز آتاردی اور اس طرح انھوں نے یزید کے سامنے آرزوؤں کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

مغیرہ نے یہ دس سال اس طرح گزارے کہ خود بھی خوش رہے دوسروں کو بھی خوش رکھا، حکومت بھی ان سے راضی رہی اور رعایا بھی مطمئن، ہرچند کہ اپنے آپ کو مطمئن رکھنا ان کے لئے آسان نہ تھا اس لئے کہ وہ ایک لذت آشنا اور لطف اندوز آدمی تھے اس معاملے میں وہ اپنے لئے اور لوگوں کے لئے حد سے بڑھے ہوئے تھے، بڑے شادی باز اور بڑے طلاق باز تھے، ایک ایک شادی نہیں کرتے تھے اور نہ چاہ ہوجانے پر مزید کے لئے ایک کو طلاق دیتے تھے بلکہ بسا اوقات چاروں کو طلاق اور پھر چار سے بیک وقت نکاح، پھر مورخین نے بعد میں اس پر بڑا مبالغہ کیا، چنانچہ زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں نے لکھا ہے کہ مغیرہ نے اپنی طویل عمر میں ایک ہزار عورتوں سے شادیاں کیں اور کم سے کم اندازہ کرنیوالوں کا یہ ہے کہ انھوں نے ایک سو ننانوے عورتیں کیں درمیانی اندازہ کرنے والے کہتے ہیں کہ انھوں نے تین سو شادیاں کیں اس میں شک نہیں کہ مغیرہ ان عورتوں کو ان کی مہریں ادا کردیا کرتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ان میں سے بہتوں کو اس قدر جلد طلاق دینے پر راضی کرلیا کرتے تھے ایسا خیال ہے کہ ان کی ذاتی دولت اتنے بڑے مصارف کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی پس مغیرہؓ کی زندگی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اچھے اور برے اعمال کی ایک مرکب زندگی ہے ان کا اور ان کی زندگی کا معاملہ خدا کے حوالے ہے لیکن توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے حکمران جب وہ ہوئے تو شیعوں کے لئے ان کی پالیسی بڑی نرم رہی ایسی نرم کہ بعد کے حکمرانوں کے مظالم دیکھ کر کوفہ والوں نے مغیرہؓ کو کلمۂ خیر سے یاد کیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

(۲)

لیکن سنہ ۴۵ھ میں جب زیاد بصرہ کا والی ہوا تو وہاں کے حالات نے پلٹا کھایا اسی طرح جب سنہ ۵۰ھ میں مغیرہؓ کی موت کے بعد کوفہ بھی زیاد کی حکمرانی میں آگیا تو کوفہ کے حالات بھی بدل گئے جس طرح زیاد کی زندگی کی بوالعجبی مُغیرہؓ سے کسی طرح کم نہ تھی اسی طرح خود زیاد چالاکی اور چالبازی میں مغیرہ سے کم نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زیاد مغیرہ سے ہر بات میں دو قدم آگے تھا،

زیاد اپنے اندر دو مختلف شخصیتیں رکھتا ہے ایک وہ جو خلفائے راشدین کے عہد میں اس کی زندگی کی آئینہ دار ہے اور دوسری وہ جو امیر معاویہؓ سے مصالحت کے بعد اس کی زندگی کی نمائندگی کرتی ہے یہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف ہیں، جبتک وہ خلفائے راشدین کے لئے کام کرتا رہا، ہدایت کی راہ پر رہا، لیکن معاویہؓ کے ماتحت ہونے کے بعد وہ ایک سفاک اور جابر حکمران بن گیا، مگر وہ دونوں حالتوں میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخلص اور خیر خواہ تصور کرتا تھا، سفاکی کے دنوں میں وہ خیال کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ کی سیاست زندہ کر رہا ہے، حالانکہ فاروقی سیاست نے لوگوں کی اصلاح کر دی تھی اور زیاد کی سیاست نے امیر معاویہؓ کے دور میں لوگوں کے دلوں اور ان کی زندگیوں کو خرابیوں اور برائیوں سے لبریز کر دیا،

خلفائے راشدین کے دور میں زیاد بنی ثقیف کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا حارث ابن کلدہ کی ایک لونڈی سمیہ سے پیدا ہوا یہ سمیہ غالباً ایرانی یا ہندی تھی، اس کا باپ حارث بن کلدہ کی بیوی صفیہ بنت عبید کا ایک رومی غلام تھا جس کا عربی نام عبید ہے، پس زیاد حارث بن کلدہ کے خاندان کا ایک غلام تھا، وہ عہد نبوی میں بالکل نوخیز تھا اس لئے کہ اس کی پیدائش ہجرت کے سال یا ہجرت کے تھوڑے دنوں بعد بتائی جاتی ہے، اور بعض لوگ فتح مکہ کے سال میں بتلاتے ہیں۔

زیاد کی ابتدائی زندگی اور آغاز شباب کا حال ہمیں کچھ معلوم نہیں، وہ عتبہ بن غزوان کے ساتھ جس

نے حارث بن کلدہ کی لڑکی سے شادی کرلی تھی عراق آیا اور فتح میں شریک ہونے والے غلاموں کے ساتھ قیام کیا، اور جس طرح ہو سکا زندگی کے دن گذارے، البتہ ابوموسیٰ اشعریؓ جب بصرہ کے امیر تھے تو ہم نے زیاد کو ان کا منشی پایا، اور دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس بعض حساب کے کاغذات لے جارہا ہے، پھر ہم نے پڑھا کہ حضرت عمرؓ اس کی ذہانت اور فصاحت پر اعداد وشمار میں اس کے حافظے اور تصرف پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ تو نے جس طرح مجھے حسابات بتائے ہیں اسی طرح عوام کے سامنے بھی پیش کردے، چنانچہ زیاد ایسا کرتا ہے، صحابہ اس جری اور فصیح نوجوان سے حیرت میں تھے، جو اعداد کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جس کا ان کو کبھی زندگی میں سابقہ نہیں رہا، اور جس پر اظہار تعجب حضرت عمرؓ چھپا نہ سکے۔

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ابوسفیان نے اسی دن دبی زبان اس کا اظہار کیا کہ زیاد ان کا بیٹا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے خوف سے کھل کر نہ بول سکے لیکن غالب گمان یہ ہے کہ یہ بات بعد کی من گھڑت ہے،

مورخین ہم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے زیاد کو ایک ہزار درہم دیا اور دوسرے سال جب وہ واپس آیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اس ہزار کا کیا کیا؟ زیاد نے جواب دیا کہ اس سے اپنے باپ عُبید کو خرید کر آزاد کر دیا،

تب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ زیاد کا باپ ہے عُبید، لیکن وہ ایسا گمنام ہے جس کو لوگ جانتے نہ تھے اور اسی لئے اس کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا اضافہ کردیتے تھے، یعنی زیاد بن سمیہ اور بعض اوقات نہ باپ کا اضافہ کرتے اور نہ ماں کا صرف زیاد الامیر کہتے تھے، لیکن اس کے شیعہ اور خوارج دشمن، امیر معاویہؓ کی ماتحتی کے بعد زیاد بن اَبیہ کہا کرتے تھے یعنی اپنے باپ کا بیٹا زیاد،

بصرہ میں زیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اُن کے حاکموں کی محرری کرتا رہا پھر جب جمل کا معرکہ پیش آیا اور حضرت علیؓ نے فتح پائی تو انھوں نے زیاد کے متعلق دریافت کیا، بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے، تو اس کی بیمار پرسی کے لئے گئے اور باتوں سے یہ اندازہ کرکے کہ وہ آپ کا مخلص ہے آپ نے چاہا کہ اس کو بصرہ کا حاکم بنادیں، لیکن زیاد نے مشورہ دیا کہ اس شہر پر آپ اہل بیت کا کوئی آدمی مقرر کیجئے جس سے لوگ مرعوب ہوں اور مطمئن بھی، اور ابن عباسؓ کا نام لیا چنانچہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم مقرر کردیا اور ابن زیاد سابق حاکموں کی طرح ابن عباسؓ کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا، پھر جب ابن عباسؓ بصرہ سے روانہ ہوگئے جس کا قصہ ہم ابھی آپ سے کہہ چکے ہیں

تو زیاد ان کی جگہ بصرہ کا حاکم مقرر ہوا اور اپنے حسن تدبر اور ثابت قدمی سے امیر معاویہ کی چالوں کے باوجود اس شہر کو حضرت علیؓ کی حکومت سے نکلنے نہیں دیا،

پھر حضرت علیؓ کے قتل کے بعد جب یہ نظر آنے لگا کہ حکومت کا رخ معاویہؓ کی طرف ہے تو زیاد فارس چلا گیا جس کو اس نے بڑی ترقی دی تھی اور جہاں کے لوگ اس سے محبت کرتے تھے فارس پہنچکر وہ وہاں کے ایک قلعہ میں جا بیٹھا جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہو گیا، اور انتظار کرتا رہا تاآں کہ معاملات امیر معاویہؓ کے حق میں ٹھیک ہو گئے اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی، زیاد قلعہ میں تنہا بحالت انتظار نہیں چاہتا تھا، کہ امیر معاویہؓ سے پروانہ امان حاصل کئے بغیر عوام کی طرح اس کی بیعت کر لے یا اس کے سامنے سر جھکا دے، ادھر اس قلعہ میں زیاد کا قیام خود امیر معاویہ کے لئے بڑی کوفت کا باعث تھا، وہ جانتے تھے کہ یہ بڑا گہرا کھلاڑی ہے ان کو اس کا بھی پتہ تھا کہ زیاد کے پاس بہت کافی دولت ہے اور فارس کے لوگ اس کے حامی اور طرفدار بھی ہیں ان کو اندیشہ تھا کہ زیاد کہیں کسی اہل بیت کی بیعت کر کے ان کے خلاف ٹوٹ نہ پڑے کہیں وہ قوم کو ان سے برگشتہ نہ کر دے اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کو گوشہ عافیت سے میدان جنگ میں آنا پڑے پھر نوبت خونریزی تک پہنچے،

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں زیاد نے مغیرہ بن شعبہ پر ایک احسان کیا تھا یعنے ان کے بارے میں تردد آمیز گواہی دے کر ان کو سزا پانے سے بچا لیا تھا پس مغیرہ درمیان میں پڑے اور زیاد اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کرا دی زیاد کو معاویہؓ کی طرف سے مطمئن کیا اور معاویہؓ کو زیاد سے خراج کی کچھ رقم دلا کر سمجھا دیا کہ اس پر قناعت کریں اس کے بعد امیر معاویہؓ نے زیاد کو اجازت دے دی کہ اسلامی شہروں میں سے جہاں چاہے سکونت اختیار کرے چاہے تو عراق میں رہے اور چاہے تو شام چلا آئے اور کسی وجہ سے بھی کہئے زیاد کو یا امیر معاویہؓ کو یا مغیرہؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زیاد کا نسب بنی امیہ سے ملا دیا جائے خاص طور پر ابو سفیان سے اور وہ اس طرح کہ طائف کے بعض سفروں میں ابو سفیان کا سمیہ سے تعلق ہو گیا تھا،

کہا جاتا ہے کہ زیاد کی تدبیروں سے امیر معاویہؓ کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ عراق کے لوگ زیاد کو ابو سفیان سے منسوب کرتے ہیں، امیر معاویہؓ نے یہ موقع غنیمت جانا اور زیاد کو اپنے پاس پھر لوگوں کو جمع کیا اور گواہوں نے شہادت دی کہ ابو سفیان کے تعلقات سمیہ سے تھے، امیر معاویہؓ نے

اسی پر اکتفا کیا اور زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا

بالکل کھلی بات ہے کہ اس رشتے کے قیام میں کس قدر تصنع اور عیاری سے کام لیا گیا ہے، جب امیر معاویہؓ نے اس کا اعلان کیا تو نیک مسلمانوں نے اس کو بہت برا خیال کیا زیاد کی تو یہ دلی تمنا تھی لیکن بنی ثقیف کے غلام اس پر بڑے ناراض ہوئے،

بلاذری کا بیان ہے کہ صفیہ کے بھائی سعد بن عبید کو امیر معاویہؓ نے کچھ دے دلا کر اس نسبت پر راضی کر لیا تھا، لیکن یونس بن سعد نے یہ منظور نہیں کیا اور چاہا کہ امیر معاویہؓ سے مل کر اس رشتے پر بحث اور حجت کرے لیکن اس کو ملاقات کا موقع نہیں مل سکا پھر جب جمعہ کے دن نماز میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اس نے امیر معاویہ کو خطبہ میں ٹوکا اور کہا،

معاویہؓ! خدا سے ڈرو، اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے اور تم نے تو زانی کو لڑکا دلا دیا اور صاحب فراش کو سنگسار کر دیا، زیاد میری چچی کا غلام اور اس کے غلام کا لڑکا ہے، پس ہماری میراث ہم کو دیدو، اس پر امیر معاویہ نے جواب دیا۔ یونس! اب زبان بند کر لو ورنہ قسم خدا کی اس طرح اڑا دوں گا، کہ ٹھکانا لگنا دشوار ہوگا، یونس نے کہا تو کیا اس کے بعد ہم اور تم اللہ کے پاس اکٹھا نہ ہونگے

شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

وقائلة اما هلكت وقائل ... قضى ما عليه يونس بن عبيد

بہتوں نے کہا تو ہلاک ہوا اور بہتوں نے کہا کہ یونس ابن عبید نے اپنا فرض پورا کر دیا

قضى ما عليه ثم ودع ماجدا ... وكل فتى سمح الخليقة مودى

اپنا فرض ادا کر کے ایک صاحب مجد نے مجھ کو رخصت کیا اور ہر خلیق نوجوان جانے ہی والا ہے

یزید بن مفرغ امیر معاویہؓ کی برائی کرتے ہوئے کہتا ہے،

الا ابلغ معاوية بن حرب ... ایک یمنی آدمی کا پیغام معاویہ بن حرب کو پہنچا دو

مغلغلة عن الرجل اليماني ... کہ کیا تم اس بات پر غصہ ہوتے ہو کہ تمہارے باپ

اتغضب ان يقال ابوك عف ... کو پاکباز کہا جائے اور اس بات سے خوش ہوتے

وترضى ان يقال ابوك زاني ... ہو کہ اس کو زانی کہا جائے،

معاویہؓ زیاد کا بے حد خیال رکھتے تھے اس کی برداشت نہیں کرتے تھے کہ زیاد کو کوئی ناگوار بات کہہ دے ایک دن ان کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عامر نے اس کو کچھ کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں قریش کے پچاس آدمیوں کو جمع کروں جو سب کے سب گواہی دیں گے کہ ابوسفیان کا سمیہ سے کوئی تعلق نہ تھا، یہ سن کر امیر معاویہؓ کو بہت غصہ آیا اور اپنے دربان سے کہہ دیا کہ عبداللہ بن عامر جب آئے تو اس کی سواری کوٹھی سے باہر کردینا، اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ اس کو محل میں آنے سے روک دینا، دربان نے حکم کی تعمیل کی، عبداللہ اس زیادتی پر بڑا جز بز ہوا اور یزید سے اس کی شکایت کی پھر یزید بیچ میں پڑا لیکن امیر معاویہؓ عبداللہ سے اسی وقت راضی ہوئے جب اس نے زیاد سے معذرت کرکے اس کو راضی کرلیا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ کی نظر میں عبداللہ بن عامر کا کیا درجہ تھا،

امیر معاویہؓ سے کہیں زیادہ خود زیاد اس نئے نسب کا خواہشمند تھا مورخوں کا بیان ہے کہ ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ابوبکر اس کے پاس آیا اور درخواست کی کہ مجھے زیاد سے ایک ضرورت ہے آپ سفارش لکھ دیجئے، عبدالرحمٰن نے تحریر لکھی لیکن زیاد کو ابوسفیان سے منسوب نہیں کیا تو اس شخص نے تحریر لے جانے سے انکار کردیا اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور انھوں نے لکھا

اُم المومنین عائشہؓ کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کے نام —— جب زیاد نے یہ رقعہ دیکھا تو اس سے کہا کہ کل آنا۔ دوسرے دن جب وہ آیا تو زیاد نے لوگوں کے سامنے اس رقعے کو پڑھنے کا حکم دیا، اس سے زیاد کا یہ مقصد یہی تھا کہ بصرہ کے لوگ یہ جان لیں کہ ام المومنین نے اس کے نئے نصب کا اعتراف کرلیا،

ابوبکرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، ماں کی طرف سے زیاد کے بھائی تھے، حارث بن کلدہ سے پیدا ہوئے تھے لیکن حارث نے نفی کردی تھی اس لئے وہ غلام ہی رہ گئے، طائف کے معرکے میں غلاموں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے اور غلاموں کے ساتھ ان کو بھی آزاد کردیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں،

ابوبکرہ زیاد سے اسی وقت سے متنفر تھے جب اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دینے

میں تردد سے کام لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مغیرہؓ تو سزا سے بچ گئے خود ابوبکرہؓ تہمت تراشی کی سزا کی زد میں آگئے، جب ان کو معلوم ہوا کہ زیاد کی فرزندی کے لئے اس نسبت کی کوشش ہو رہی ہے اور معاویہؓ اور زیاد دونوں اس دوڑ دھوپ میں ہیں تو انھوں نے زیاد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ گناہ ہے لیکن زیاد نے ایک نہ سنی پھر جب یہ کام ہو گیا تو ابوبکرہ نے قسم کھالی کہ کبھی زیاد سے بات نہیں کریں گے چنانچہ مرگئے اور بات نہیں کی

راویوں کے خیال کے مطابق ابوبکرہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سمیہ زانیہ نہ تھی اور نہ اس نے کبھی ابوسفیان کا منہ دیکھا، بلاذری کی روایت ہے کہ ابوبکرہؓ کو جب معلوم ہوا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے کے بعد حج کرنے کی خواہش رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کو امیر الحج بنا دیا جائے چنانچہ اس نے امیر معاویہؓ سے اجازت چاہی، امیر معاویہؓ نے اجازت دے دی، تب ابوبکرہؓ زیاد کے پاس آئے اس وقت زیاد کے بعض لڑکے موجود تھے، ابوبکرہؓ نے ایک لڑکے کو مخاطب کرکے زیاد کو سنانے کے لئے کہا، تمہارا یہ احمق باپ اسلام میں نافرمانی کی تین باتیں کر چکا ہے، ایک بات مغیرہ کی گواہی میں حق کا چھپانا، اور خدا جانتا ہے کہ اس نے ہماری طرح واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا دوسری بات غلاموں سے اپنے کو الگ کرنا اور ابوسفیان سے غلط رشتہ جوڑنا، اور خدا گواہ ہے کہ ابوسفیان نے سمیہ کو کبھی نہیں دیکھا، تیسری بات یہ ہے کہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، اور ام المومنین ام حبیبہؓ وہاں ہیں، اب اگر انھوں نے اس کو اس طرح اجازت دیدی جس طرح ایک بہن بھائی کو دیتی ہے تو یہ ام المومنین کے لئے کتنی بڑی مصیبت اور ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بڑی خیانت ہوگی اور اگر انھوں نے پردہ کیا تو یہ زیاد کے خلاف کیسی زبردست دلیل ہوگی زیاد نے سنکر کہا آپ نے کسی حالت میں اپنے بھائی کی خیر خواہی میں دریغ نہیں کیا، اور اس سال حج کا ارادہ ملتوی کردیا، اور معاویہؓ سے معذرت کر کے حج کا انتظار کرتا رہا، اور حجاز اسی وقت آیا جب ام حبیبہؓ اللہ کی رحمت کو پہونچ گئیں،

٭

زیاد کی نسبت فرزندی

اس نئے رشتے کی راہ میں امیر معاویہؓ اور زیاد دونوں کو بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں امیر معاویہؓ کو اس کے تسلیم کرنے میں اپنی قوم بنی اُمیّہ کے ساتھ خصوصًا اور قریش کے ساتھ عمومًا بڑی سختی کا برتاؤ کرنا پڑا میرا خیال ہے کہ لوگوں نے امیر معاویہؓ کی گرفت سے ڈر کر یا پھر ان سے مالی منفعت کی لالچ میں اس کو منظور کر لیا، بہت سوں نے تو بظاہر قبول کیا لیکن دل سے انکاری رہے اور بہتوں نے بےخبر جانبداری برتی اس طرح کہ زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب نہیں کیا صرف اس کا نام لکھ دیا یا پھر اس کی سمیّہ کی طرف منسوب کر دیا،

جس دن دمشق کے مجمع عام میں اس نسبت کا اعلان کیا گیا، زیاد بھی حد درجہ حیران و پریشان رہا، امیر معاویہؓ نے اس کو منبر پر اپنے بازو میں بٹھایا، اس کے بعد گواہوں کو بلایا جنھوں نے شہادت دی کہ سمیّہ کا ابوسفیان سے ناجائز تعلق تھا، اس طرح زیاد نے اپنی ماں کے بارے میں وہ کچھ سنا جو ایک شریف آدمی کسی طرح سننا گوارا نہیں کر سکتا، اس وقت وہ آپے سے باہر ہو گیا اور گواہوں سے کہنے لگا دوسروں کی ماں کو گالیاں دو گے تو تمھاری ماں کو بھی گالیاں دی جائینگی، ایک گواہ سے اس نے کہا تم کو گواہی دینے کے لئے بلایا گیا ہے گالی دینے کے لئے نہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود زیاد اس رشتے سے پوری طرح خوش تھا بلکہ اس کے لئے اس نے کوشش کی تھی، اس نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا، اس خدا کی حمد جس نے گرائے ہوئے کو اونچا کیا، گویا اس نے اشراف قریش میں سے ایک کے ساتھ اپنی نسبت کو ایک رومی غلام کی نسبت سے بہت اہم اور ارفع تصور کیا اور پھر یہ قریشی بھی کون؟ ابوسفیان، جس کے بیٹے کے ہاتھ میں اس وقت مسلمانوں کی حکومت کی لگام ہے

زیاد کی سیرت میں یہ پہلی نمایاں تبدیلی تھی اور یہ اس کا پہلا اعلان تھا جس سے مسلمان ابتدائے اسلام سے آج تک مانوس نہ تھے، اس لئے کہ اسلام کی بنیاد جیسا کہ تم جانتے ہو آقا اور غلام کی مساوات پر ہے اور اس بات پر کہ لوگوں میں امتیاز اور فرق صرف تقویٰ کا ہے،

زیاد کی بات حیرت انگیز ہے اس نے اپنے خطبے میں جس کا نام تبرا ہے یعنی ناقص اس لئے کہ اس نے اس کا آغاز حمد و ثنا سے نہیں کیا تھا اور جس کو تم عنقریب پڑھو گے کہا ہے: میں جاہلیت کی تبلیغ کو برداشت نہیں کر سکتا، ایسا جو مدعی میرے پاس لایا جائے گا میں اس کی زبان کاٹ لوں گا حالانکہ وہ خود اس قسم کا پہلا مدعی ہے بلکہ وہ اور امیر معاویہؓ شاید ایسے پہلے دو شخص ہیں جنھوں نے اسلامی شریعت سے انحراف کیا، قرآن وسنت کے احکام روگردانی کی اور عہد جاہلیت کے طور طریقے جدید مسلک کے نام سے اختیار کر لیے،

یہ رشتہ جس کو معاویہؓ کے اقتدار نے مسلمانوں سے تسلیم کرایا، ہمارے لئے گہرے غور و فکر کا مسئلہ ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات جس پر ہماری نظر جاتی ہے وہ یہ کہ مورخوں اور محدثوں نے زیاد کی جو سیرت بتائی ہے اس میں کچھ نقص اور پیچیدگی ہے، زیاد حارث ابن کلدہ کا غلام پیدا ہوتا ہے جو اس کی ماں سمیہ کا آقا ہے یا یوں کہئے کہ زیاد کا باپ حارث کی بیوی صفیہ کا غلام تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، مگر تاریخ میں تو ہم زیاد کو کہیں غلام نہیں پڑھتے پھر یہ کب آزاد ہوا اور کس نے اس کو آزاد کیا اور یہ آزادی اس کو کہاں حاصل ہوئی؟ اس نے تو خود حضرت عمرؓ کو جب انھوں نے ہزار درہم دے کر دوسرے سال اس سے پوچھا کہ درہم کہاں خرچ کئے؟ جواب دیا اس رقم سے میں نے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کر دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ عبید بہت بعد میں آزاد ہوئے تو کیا زیاد اپنے باپ سے پہلے آزاد ہو چکا تھا، ان باتوں پر محدثین اور مورخین نے توجہ نہیں کی اور یہ باتیں زیاد کی سیرت پر ہلکا سا پردہ ضرور ڈال دیتی ہیں،

پھر زیاد کی سیرت میں واقعی اور سخت مشکل اس کے متبنیٰ ہونے کی ہے ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس رشتے کی بنیاد دین یا دنیا کے کس اصول پر رکھی گئی ہے؟ دین کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ فقہا نے تبنیٰ کے لئے متعدد شرطیں مقرر کی ہیں پہلی شرط تو یہ ہے کہ باپ بننے والے سے اس کی ولادت ہو سکے، یعنی باپ اور بیٹے میں عمر کی مناسبت ہو، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زیاد ابو سفیان سے چھوٹا تھا اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس بیٹا بننے والے کا کوئی مشہور باپ نہ ہو، اس لئے کہ آدمی کا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نام سے پکارا جانا بُرا ہے حدیث نبوی ہے کہ "جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت کا دعویٰ کیا اس پر جنت حرام ہے

اور زیاد کا تو باپ تھا اور لوگوں کو معلوم بھی تھا، یعنی وہی عُبید رومی، پھر خود زیاد نے اسی مجلس میں اس کا اعتراف کیا ہے جو اس رشتے کے اعلان کے لئے بلائی گئی تھی، چنانچہ زیاد نے مجلس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ۔۔۔ لوگو! تم نے امیر المومنین کی بات سُن لی اور گواہوں کے بیانات بھی سُن لئے میں اس میں حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتا، یہ لوگ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ عُبید بلاشبہ باپ اور قابل شکریہ مالک تھا،

پھر ابوبکرہؓ کی گفتگو سے جو ماں کی طرف سے زیاد کا بھائی ہے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو کہ زیاد نے ابوسفیان سے رشتہ جوڑ کر عبید کی نفی کر دی دوسری یہ کہ ابوبکرہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ابوسفیان نے سُمیّہ کو کبھی نہیں دیکھا،

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوسفیان سے نسبت کر کے زیاد نے اپنے معلوم باپ کا انکار کر دیا اور یہ کہ امیر معاویہؓ نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا، حالانکہ زیاد کو نہ اس انکار کا حق تھا نہ امیر معاویہؓ کو اس جبر کا،

اور ہاں تبنّی کے صحیح ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بننے والا اس کو قبول بھی کرے اور زیاد کا یہ حال ہے کہ گو اس نے رشتے کی کوشش کی بلکہ اس کے لئے امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا، لیکن جب اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی منظوری کا اعلان کر دے تو اس نے بڑے شرمیلے انداز میں تردد کیا تھا جیسا کہ اس کے الفاظ بتا رہے ہیں، پھر خود ابوسفیان کا ایسا کوئی قطعی اقرار نہیں جس میں زیاد کی فرزندی کا اظہار ہو، جو کچھ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے گمان کیا ہے وہ یہ کہ ابوسفیان نے اشاروں میں یہ بات کہی ہے وہ حضرت عمرؓ کے خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکے لیکن ابوسفیان تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک زندہ تھے کم از کم اندازہ لگانے والوں نے چھ سال بتایا ہے اور زیادہ سے زیادہ تخمینہ کرنے والوں نے دس سال کہا ہے ۔

پھر حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ نرم تھے اور بنی امیہ کے ساتھ ان کی نرمی قریش اور عام مسلمانوں سے زیادہ تھی اگر ابوسفیان سچائی کے ساتھ اس کا یقین رکھتے تھے کہ زیاد انہیں کا لڑکا ہے تو حضرت عثمانؓ کے دور میں وہ ضرور اس کا اقرار کر لیتے اِلّا یہ کہ وہ خود اس

اقرار کو جائز نہ تصور نہ کرتے ہوں اور حضرت عثمانؓ سے اس کی تصدیق کی توقع نہ رکھتے ہوں اس لئے کہ زیاد کے ایک باپ تھے جن کو سب جانتے تھے یعنی وہی عبید رومی،

شاید امیر معاویہؓ اس رشتے کے لئے زیاد کے باپ کے مرجانے کا انتظار کرتے رہے لیکن عبید کی موت کے بعد بھی انھوں نے یہ رشتہ نہیں جوڑا جب زیاد حضرت عثمانؓ کا مقرب تھا اور ایک شان کا مالک بلکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی یہ اقدام نہیں کیا جب زیاد بصرہ میں عبداللہ ابن عباسؓ کا نائب تھا، پھر اس وقت بھی جب وہ عبداللہ ابن عباس کی جگہ بصرہ کا گورنر ہو گیا، امیر معاویہؓ نے اس کی جرأت نہیں کی، حد یہ کہ حضرت حسنؓ کے دور خلافت میں بھی امیر معاویہؓ نے یہ نہیں کہا اور صلح کے لئے اس کا سہارا نہیں لیا ہاں اس رشتے کا خیال ان کو پا تو اس وقت آیا جب ایک طرف حضرت حسنؓ کی بیعت کے بعد اقتدار پر قبضہ ہو گیا اور دوسری طرف زیاد فارس میں اپنی جگہ محفوظ ہو گیا،

بہت ممکن ہے کہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان شرائط صلح میں سے ایک شرط اس رشتے کا اظہار بھی ہو، ایسی حالت میں اس کی حیثیت ایک سیاسی اتفاق کی ہوگی جس کی بنیاد دین یا دین کے کسی اصول پر نہیں ہوتی بلکہ اس سے دنیا اور سیاسی مصلحت کا حصول پیش نظر ہوتا ہے امیر معاویہؓ کی سیاسی مصلحت شاید بے نقاب ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں،

زیاد عراق والوں کو خوب جانتا تھا ان پر حکمرانی کرنے کی اور ان کو بہ جبر یا برضا بہر حال آمادہ اطاعت بنا رکھنے کی مقدرت رکھتا تھا، امیر معاویہؓ اس کی تیزی اور چالاکی سے واقف تھے اور لوگ بھی اس کو خوب جانتے تھے پس امیر معاویہؓ نے اس کو اپنی حکومت کے شرقی علاقوں کے لئے تیار کیا تاکہ وہ خود مغربی علاقوں کے لئے فرصت پا سکیں، اس سیاسی اتحاد کے لئے اس کی بھی ضرورت تھی کہ امیر معاویہ کے دوسرے بھائی اور ابوسفیان کے بقیہ وارثین اس کی منظوری دیتے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے تمام لوگ دل سے یا با دلِ ناخواستہ اس کے تسلیم کرنے پر مجبور تھے،

کسی دنیاوی مصلحت کے لئے اس قسم کے رشتے کا رواج عہد جاہلیت میں بھی تھا جس کو قرآن مجید نے سورہ احزاب کی حسب ذیل دو آیتوں سے حرام ٹھہرایا ہے،

ما جعل اللہ لرجل من قلبین — اور نہیں رکھا اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل

فی جوفہ وما جعل ازواجکم اللائی	اور نہیں کیا تمہاری بیویوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے
تظاہرون منہن امہاتکم وما	ہو، سچی مائیں تمہاری، اور نہیں کیا تمہارے پالکوں
جعل ادعیائکم ابنائکم ذالکم قولکم	کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری اپنے منہ کی بات ہے
بافواھکم واللہ یقول الحق وہو یہدی	اور اللہ ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی راستہ
السبیل ادعوہم لآبائہم ہو	دکھاتا ہے ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے
اقسط عند اللہ فان لم تعلموا	پکارا کرو یہی پورا انصاف ہے اللہ کے ہاں پھر
اباءہم فاخوانکم فی الدین	اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی
وموالیکم ولیس علیکم جناح	ہیں دین میں، اور رفیق ہیں، اور اگر تم سے
فیما اخطأتم بہ ولکن ماتعمدت	خطا سرزد ہو تو تم پر گناہ نہیں ہے، لیکن وہ جو
قلوبکم وکان اللہ غفورا رحیما ۵	دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انہیں دونوں آیتوں سے زید ابن حارثہ کی ابنیت رسول اللہ سے باطل ہوئی اور لوگوں نے زید بن محمدؐ سے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا، آپؐ نے نبوت سے قبل ان کو متبنیٰ کیا تھا جو ایک مشہور واقعہ ہے، اس رشتے سے آپؐ کسی دنیاوی مصلحت کے خواہاں نہ تھے، بلکہ محض مہربانی اور محبت کے جذبے سے ایسا کیا تھا، اسلئے کہ عربوں میں یہ رسم رائج تھی، انہیں دونوں آیتوں نے سالم کی ابنیت بھی ابو حذیفہ سے باطل کر دی، لوگ سالم کا کوئی باپ نہیں جانتے تھے، خود سالم کو بھی اس کا پتہ نہ تھا اس لئے عوام نے ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہنا شروع کر دیا، ابوبکرہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنا کوئی باپ نہیں جانتا، پس میں تمہارا دینی بھائی ہوں، کبھی کبھی وہ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ کہا کرتے تھے اور کبھی مولیٰ اللہ و رسولہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ طائف میں ثقیف کے غلاموں کے ساتھ آزاد کیا تھا،

متبنیٰ کرنے کی رسم رومیوں میں بھی رائج تھی، اور بہت سے قیاصرہ نے بہتوں کو متبنیٰ بنا کر ان کو اپنا ولیعہد بنایا، اور کون جانے شاید امیر معاویہؓ نے رومیوں کی اور باتوں کے ساتھ اس رواج کو بھی دیکھا ہو اور یہ پیوند اپنے ساتھ تو نہیں اپنے باپ کے ساتھ لگا کر زیاد کو اپنا ساتھی بنا لیا ہو اور عراق اور اس سے متصل علاقوں کی حکمرانی میں اس سے امداد حاصل کی ہو،

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ رشتے کی اس کارروائی سے خدا راضی ہے یا ناراض کہ یہ صرف اسی کے قبضۂ قدرت کی بات ہے، اس قسم کی بحثوں سے میں ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں، میں تو سیاست اور تاریخ کے حدود سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ یہی جانتے ہیں کہ حسن کے باپ کو لوگ جانتے ہوں اس کو متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا، یہی حکم قرآن مجید کا ہے، حضور نے بھی مسلمانوں کے لئے اس میں شدید حرج بتایا ہے، عبداللہ ابن عمرؓ اور ابو بکرہؓ کی روایت سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اپنے باپ کے سوا کسی اور کی نسبت کرنے والا جنت سے محروم ہے، پھر اس سلسلہ میں ایک پیچیدگی کا مزید اضافہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے اس کو یونہی گول رکھنا نہیں چاہا، بلکہ حروف پر نقطے لگا دیئے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زیاد ابو سفیانؓ کی صلبی اولاد میں ہے، چنانچہ گواہوں سے شہادت دلائی کہ ابو سفیان نے سمیہ کو گناہ کے موقع پر دیکھا، اور بعض گواہوں نے تو یہ بھی اضافہ کیا کہ سمیہ کو ابو سفیانؓ سے ملنے کیلئے در غلا گیا، جس پر اس نے کہا، عبید جب بکریاں چرا کر آجائیں گے اور سو جائیں گے تو میں آؤں گی، اس طرح امیر معاویہ نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ زیاد کو ایک بڑی برائی سے آلودہ کر دیا، یونس ابن عبداللہ نے امیر معاویہ سے یہ کہنے کی جرأت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا بستر والے کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہے، اور تم نے زانی کو لڑکا دیا اور فراش والے کو پتھر،

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ امیر معاویہؓ نے ایک دینی حکم کی جس سے مسلمان آشنا تھے، سخت مخالفت کی اور اس مخالفت میں زیاد کو بھی شریک کر لیا، مسلمانوں نے ان کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کتاب اور سنت کے مطابق عمل کریں گے، متبنیٰ کرنے کی یہ کارروائی انہوں نے اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف کی پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر نیک اور متقی مسلمانوں کی ایک جماعت اس خیال کی ہو جائے کہ ان کی بیعت اس کے لئے ضروری نہیں اور یہ کہ وہ رضامندی سے نہیں، بلکہ جبراً اطاعت کریں اور منتظر رہیں، اور جب موقع مل جائے ان کے خلاف نکل پڑیں،

⁂

زیاد بصرہ کا گورنر

بصرہ کا گورنر ہو جانے کے بعد زیاد نے لوگوں کے ساتھ اپنی وہ پالیسی جس پر حضرت علی کے زمانے میں کاربند تھا، سرے سے بدل دی اور ٹھیک اس کے مخالف سمت چلنا شروع کیا، اس نے اپنی سیاست کی بنیاد اب لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور خوفزدہ بنانے پر رکھی،

مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ پالیسی میں اس تبدیلی کا سبب صرف یہ نہ تھا کہ وہ اور امیر معاویہؓ عراق کو منظم اور اپنا وفادار علاقہ دیکھنا چاہتے تھے، بلکہ اس میں ایک نفسیاتی پیچیدگی کو بھی دخل تھا، جس کا زیاد شکار تھا اور جس نے رشتے کی انتسابی کارروائی کے بعد اس کا توازن بگاڑ دیا، زیاد جانتا تھا، کہ مسلمان اس کے اس جدید نسب کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اسے اس کی بھی خبر تھی کہ عرب غلط باپ کی طرف منسوب شخص کا جسقدر تمسخر کرتے ہیں اور کسی کا نہیں کرتے، یہ بات تھی جس نے اس کو ڈرانے اور خوفزدہ بنانے والی پالیسی پر آمادہ کیا، اور اس نے چاہا کہ اپنی تشدد آمیز کارروائیوں سے لوگوں کی زبانیں بند کر دے اور کوئی اس کے طور طریقوں اور اس کے نسب کے خلاف زیر لب بھی کچھ نہ کہے اسی طرح مسلمانوں کے معاملات میں امیر معاویہؓ کی روش کے خلاف بھی کوئی کچھ نہ بولے، زیاد کی یہ خواہش بری طرح پوری ہوئی، اس نے اس کیلئے خونریزیاں کیں، لوگوں کے حقوق پامال کئے، ان کی بے عزتی کی اور ایسے ایسے احکام جاری کئے، جن کا پہلے نام و نشان تک نہیں ملتا، زیاد کا خیال تھا جیسا کہ آپ اس کے خطبے میں پڑھیں گے، کہ لوگوں نے نئی نئی باتیں پیدا کر دی ہیں تو اس نے بھی ہر جرم کیلئے نئی سزا ایجاد کی اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کیلئے جن سزاؤں کا اعلان کیا ہے، اور خلفائے راشدین نے لوگوں کے معاملات کیلئے جو نظم پیش کیا ہے وہ بصرہ والوں کو ٹھیک راہ پر لانے اور چلانے کے لئے کافی نہ تھا،

ہمیں لوگوں کی بعض وہ حدیثیں معلوم ہیں جن کے لئے زیاد نے نئی نئی سزائیں تجویز کیں، اس نے لوگوں کو دیکھا کہ گھروں میں آگ لگا کر گھر اور گھر والوں کا خاتمہ کر دیتے ہیں، تو اس نے یہ تجویز کی کہ

جو کسی کو جلائے گا ہم اس کو جلا دیں گے، لیکن زیاد شاید اس آگ لگانے میں شریک تھا، جو بصرہ میں جاریہ ابن قدامہ نے اس گھر میں لگائی جس میں عبداللہ بن عامر اور اس کے ساتھی پناہ گیر تھے، اسی طرح اس نے دیکھا کہ بعض لوگ بعضوں کو غرق کر دیتے ہیں تو اس نے تجویز کی کہ، جو کسی قوم کو غرق کرے گا، ہم اس کو بھی غرق کر دیں گے، اس نے دیکھا کہ لوگ قبریں اکھاڑتے ہیں تو سزا مقرر کی کہ جو کوئی قبر اکھاڑے گا ہم اس کو اسی قبر میں زندہ دفن کر دیں گے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملات کیلئے جو سزائیں مقرر کی ہیں، اس پر عمل اور عمل درآمد میں شدت ان تمام شرمناک زیادتیوں سے بے نیاز کر سکتی تھی، لیکن زیاد نے ایسے ایسے ہنگامی قوانین جاری کئے جن کا اسلام میں نہ کہیں ثبوت ہے اور نہ مسلمان اس سے آشنا، اس نے اپنی جان پر اور لوگوں کی جانوں پر کیسی زیادتی کی کہ رات میں نکلنے پر موت کی سزا دیدی اور کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا، چاہے عذر کی سچائی اس پر ظاہر ہو چکی ہو،

جی چاہے تو اس کا وہ خطبہ پڑھ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک حاکم پہلی بار ایسی سزاؤں کا اعلان کرتا ہے کہ جس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں، بلکہ امیر معاویہؓ کے دوسرے گورنر بھی اس سے واقف نہیں، زیاد کا منادی جب کوئی تہدید آمیز اعلان کرتا تو لوگ اس کو واقعہ خیال نہیں کرتے اس خیال سے کہ یہ تو بڑی بات ہے، شاید ڈرانے کیلئے ایسا اعلان کیا جا رہا ہے، حالانکہ زیاد نے اس خطبے میں لوگوں سے کہدیا تھا کہ منبر کی غلطی (مقرر کی غلط بیانی) سفیدی پر سیاہ داغ ہے لوگوں میں پھیل جاتی ہے، اگر تم نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کر کے مجھے بدنام کیا تو یاد رکھو میرے پاس اس کا جواب ہے، بہرحال لوگوں نے دیکھا کہ زیاد اعلان کے مطابق عمل کر رہا ہے، رات میں نکلنے والوں کو سچی معذرت کے بعد بھی قتل کر دیتا ہے، پڑوسی کے ساتھ پڑوسی کو، دوست کے ساتھ دوست کو اور گنہگار کے ساتھ بےگناہ کی گرفت کرتا ہے، پھر قتل کرنے میں بڑی زیادتی سے کام لیتا ہے، حد ہو گئی کہ بعضوں نے بعضوں سے کہا، سعد بن کر جان بچالو، سعید تو ہلاک ہو چکا[1]

۵۰ھ ہجری میں مغیرہ کا انتقال ہوا تو زیاد کو مغیرہ کی جگہ کوفہ کا بھی والی بنا دیا گیا، اس نے کوفہ میں بھی بصرہ جیسی روش اختیار کی اور لوگوں کے دل خوف اور دہشت سے بھر دیئے، حیرت کی بات

[1] یہ جملہ ایک ضرب المثل ہے جو مسلسل مصیبت کیلئے کہا جاتا ہے بنیاد اس کی یہ ہے کہ سعد اور سعید دو بھائی اپنے گمشدہ اونٹ کی تلاش میں گھر سے نکلے سعد تو واپس آگیا، لیکن سعید واپس نہ آسکا،

یہ ہے کہ زیاد اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چل رہا ہے اس کی نرمی میں کمزوری اور اس کی شدت میں جبر نہیں ہے، حالانکہ بنی امیہ سے اپنا رشتہ جوڑ لینے کے بعد عراق والوں نے اس سے بجز سنگدلی اور شدت کے نرمی نہیں دیکھی اور اس نے حقوق اور خون کے بارے میں ایسی زیادتی کی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں،

پھر زیاد اپنے اعمال کا تنہا ذمہ دار نہیں بنا بلکہ اس نے بنی امیہ کے دوسرے گورنروں کے لئے خصوصاً حجاج کے لئے عراق میں شرمناک اور بدترین مثالیں قائم کردیں، اس کا وہ خطبہ جس کا میں بار بار نام لے رہا ہوں پڑھئے مورخوں نے اس کی مختلف روایتیں کی ہیں، اکثروں نے تو اس کے ادھر ادھر کے فقرے مختصراً نقل کردئے ہیں، لیکن جاحظ نے اس کو ایک ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے، جو تصنع سے تو خالی نہیں لیکن زیاد کی سیرت کا تمام کمال آئینہ دار ہے، جاحظ کا طریقہ اس خطبے کی روایت میں وہی ہے جو اس عہد کے بہت سے خطبات کی روایت میں تمام دوسرے عراقی راویوں کا ہے زیاد کہتا ہے،

اما بعد، تمہارے احمق اور عقلمند جن بڑے کاموں میں معروف ہیں وہ شدید ترین جہالت ہے اندھی گمراہی ہے، اور ایسی ہلاکت جو اپنے ساتھی کو آگ تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گی، اسی جہالت اور گمراہی میں چھوٹے، بڑے ہو رہے ہیں، اور بڑے اپنے آپ کو اس سے بچاتے نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں، اور نہ یہ سنا کہ اس نے اپنی اطاعت کرنیوالوں کو ثواب عظیم اور نافرمانی کرنے والوں کو ہمیشہ کیلئے عذاب الیم مؤخر کیا ہے، کیا تم وہ ہو جس کی دونوں آنکھوں کو دنیا نے بند کردیا ہے، جس کے کانوں میں نفسانی خواہشات نے روئی ٹھونس دی ہے، جس نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو پسند کیا ہے، تمہیں احساس نہیں کہ تم اسلام میں ایسی نئی بات پیدا کردی جو کوئی نہ کرسکا، تم نے کمزور کو چھوڑ دیا، اس پر زیادتی کی جارہی ہے اس کا مال لوٹا جارہا ہے، یہ برائی کے اڈے کیا ہیں، دن کی روشنی میں کمزور عورت لوٹی جارہی ہے، واقعات کی بہتات ہے، کیا تم میں ایسے روکنے والے نہیں جو سرکشوں کو رات کی گشت اور دن کی غارتگری سے باز رکھ سکیں، تم نے دین کو دور اور رشتہ داری کو نزدیک کر لیا ہے، بلا وجہ معذرت کرتے ہو، اور اچک لینے والے سے چشم پوشی، تم میں کا ہر آدمی انجام سے بے پرواہ کی طرح اپنے نادانوں کی حفاظت کرتا ہے، تم سنجیدہ اور عقلمند نہیں ہو، تم آوارہ اور احمق افراد کے پیچھے چل رہے ہو، تمہاری حمایت کی بدولت انہوں نے اسلام کی بے حرمتی کی، برائی کے اڈے قائم

گئے، جب تک میں ان لڈوں کو گرا، یا جلا کر زمین کے برابر نہ کردوں گا۔ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے مجھے یقین ہے کہ معاملے کا آغاز جن باتوں کی وجہ درست ہوا تھا، انجام بھی انہیں باتوں سے اصلاح پذیر ہوگا، یعنی ایسی نرمی جس میں کمزوری نہ ہو، اور ایسی سختی جس میں زیردستی نہ ملی ہو، میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ غلام کے ساتھ آقا کو، مسافر کے ساتھ مقیم کو، جانے والے کے ساتھ آنے والے کو، نافرمان کے ساتھ فرمانبردار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ آدمی اپنے بھائی سے ملکر کہے گا! سعد بن کر جیو سُعید تو ہلاک ہوگیا، یا پھر تم سب کے سب سیدھے ہو جاؤ، منبر کی غلط بیانی شہرت پاجاتی ہے وہ سفیدی پر سیاہ داغ ہے، اگر تم نے میرے خلاف کوئی حاشیہ چڑھایا اور میری نافرمانی کی تو یاد رکھو میرے پاس اس کے بہت سے جواب ہیں، جس کے گھر میں نقب لگائی گئی میں اس کے گئے ہوئے مال کا ضامن ہوں، خبردار راتوں کو گشت نہ لگانا، اگر اس کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی میرے پاس لایا گیا تو میں اس کی گردن اڑادوں گا، اس کے لئے میں تم کو اطلاع پہنچانے تک کی مدت دیتا ہوں، خبردار جاہلیت کے عہد کی خاندانی انگر ـ مت کرنا، جس نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نکالی میں اس کی زبان کاٹ لوں گا، تم نے نئی نئی باتیں پیدا کیں ہیں، تو ہم نے بھی ہر گناہ کی نئی سزا مقرر کی ہے، پس اگر کوئی کسی کو ڈبلئے گا تو ہم اس کو غرق کردیں گے، اگر کوئی کسی کو جلائے گا، ہم اس کو آگ میں جھونک دیں گے، جو کسی گھر میں نقب لگائے گا، ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے جو کوئی قبر اکھاڑے گا، ہم اس کو قبر میں زندہ گاڑ دیں گے، لہٰذا تم اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں مجھ سے روک لو میں بھی اپنا ہاتھ اور اپنی زبان تم سے روک لوں گا، جس نے بھی عوام میں شورش اور بے چینی کی کوئی بات پیدا کی میں، اس کو قتل کردوں گا، میرے اور متعدد قبیلوں کے درمیان بغض وعداوت کی بات تھی، لیکن میں نے ان سب پر لات ماردی ہے، پس تم میں سے جو بھلا ہو اس کو اپنی بھلائیوں میں اضافہ کرنا چاہیئے اور جو برا ہے اس کو برائی سے باز آجانا چاہیئے۔ اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں کا کوئی میری دشمنی کی وجہ سے سل کے مرض میں مبتلا ہوگیا ہے تو میں اس کا اظہار نہیں کروں گا اور نہ اس کی پردہ دری کرونگا تاآنکہ وہ خود اپنی بدگندگی کا اظہار کردے ایسا کرنے پر میں اس کا مقابلہ نہیں کروں گا، پس تم اپنے معاملات کو از سر نو شروع کردو اور اپنی مدد آپ کرو بہت سے مایوس ہماری آمد پر مسرور اور بہت سے مسرور مایوس ہوں گے اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں، خدا نے ہم کو جو اقتدار دیا ہے اس کی بدولت ہم تم پر حکمرانی

کرتے ہیں اور جس خراج کا خدا نے ہمیں حقدار بنایا ہے اس کے بدلے میں ہم تمہاری حمایت اور حفاظت کر رہے ہیں

ایسی حالت میں تمہارا فرض ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت اور وفاداری کرو اور ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کرنے میں تمہارے ساتھ انصاف کریں، لہٰذا ہماری خیر خواہی کر کے ہمارے انصاف اور عنایت کے مستحق ہو اور یاد رکھو مجھ سے اور چاہے جتنی کوتاہی ہو، مگر میں تین باتیں ضرور کروں گا، تمہارا کوئی بھی ضرورتمند چاہے وہ آدھی رات میں آئے میں اس سے ملاقات کروں گا، کسی کا وظیفہ اور روزی مقررہ وقت سے ٹلنے نہ دوں گا، اور تم کو مقررہ مدت سے زیادہ لڑائی پر رہنے نہ دوں گا، پس اللہ سے اپنے اماموں کے لئے خیریت کی دعا مانگو نگا، اس لئے کہ وہ تمہارے حاکم ہیں، تم کو تمیز سکھاتے ہیں اور تمہارے لئے پناہ کی جگہ ہیں، اگر وہ خیریت سے رہے تو تم بھی خیریت سے رہوگے، اپنے دلوں میں انکی طرف سے بغض رکھ کر غصے کی آگ تیز نہ ہونے دو، اس سے تمہارا غم بڑھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی، اور اگر لوگوں نے ان کے خلاف تمہارا کہنا مان لیا تب تو نتیجہ تمہارے حق میں بہت ہی خراب ہوگا، میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہر طرح مدد کرے، جب تم دیکھ لو کہ میں تمہارے لئے کوئی حکم صادر کرتا ہوں تو اس کی تکمیل کی راہیں نکال لو، قسم خدا کی تم میں میرے بہت سے شکار ہیں پس ہر شخص کو بچنا چاہیئے کہیں وہ میرا نشانہ بن جائے،

یہ دلکش خطبہ جو مناخرین نے مرتب کیا ہے اس میں جیسی بھی شاعری کی گئی ہے وہ باہم متضاد کیفیتوں کی تصویر پیش کرتا ہے، ایک تو وہ فن کے جمال کا مظہر ہے الفاظ نہایت خوبصورت اور زیاد کے مقاصد کے ٹھیک ٹھیک ترجمان، جن سے لوگ ایک طرف خوف و دہشت سے گھبرا اٹھیں اور دوسری طرف اپنے دلوں میں توقعات اور امیدوں کے جذبات محسوس کرنے لگیں، دوسری وہ قابل نفرت سیاست کا اعلان کرتا ہے، جس پر وہ آئندہ عمل کرنیوالا ہے جس کا نہ اسلام سے واسطہ ہے اور نہ مسلمان اس سے آشنا ہیں اور جس سے اگر کسی بات کا پتہ چلتا ہے تو اس کا کہ اس سیاست کا چلانے والا ایک ظالم اور حد سے بڑا سرکش ہے، جو دلوں کو مظالم سے مرعوب اور خوف زدہ بنا کر لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور اقتدار کیلئے عوام کی اطاعت زبردستی غصب کرنا چاہتا ہے،

چور گھر میں نقب لگاتا ہے، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ چور کے دل میں نقب لگائی جائے، کچھ لوگ مردوں کی قبریں اکھاڑتے ہیں، لیکن اسلام ان کو زندہ درگور کر دینے کا حکم نہیں دیتا

اسلام شبہے کی بنا پر سزائیں نہیں دیتا، بلکہ شبہے سے سزا کا تدارک کرتا ہے، اسلام شک کی وجہ سے لوگوں کو قتل نہیں کرتا اور نہ اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ دلوں کی سوچ اور دماغوں کی فکر پر سزا دیدے البتہ اسلام اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہاتھوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی سزا دے اور دلوں کا حساب اس خدا کیلئے چھوڑ دے جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہے جو نگاہوں کی خیانت جانتا ہے، اسلام کسی حاکم یا خلیفہ کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں پر اسلئے حکومت کر رہا ہے کہ اللہ نے اس کو طاقت اور خراج کا حقدار بنایا ہے، بلکہ اسلام تو اس سے یہ کہلانا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی اس طاقت کی بنا پر حاکم بنا ہوا ہے جو عوام نے اپنی رضامندی سے اس کو دی ہے اس میں زبردستی اور جبر کو کچھ دخل نہیں ہے، اسلام حاکم یا خلیفہ سے یہ کہلوانا چاہتا ہے کہ خراج اور غنیمت کی رقم امت کی ملکیت ہے، اس کے امین خلفاء اور اس کے گورنر ہیں، جو اس کو حفاظت سے رکھیں اور صحیح مصرف میں خرچ کریں

اسلام کسی خلیفہ اور حاکم کو یہ قسم کھانے کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں میں اس کے بہت سے شکار ہیں اس لئے کہ جب تک لوگ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کریں جس سے ان کے شکار ہونے کی نوبت آئے اسلام اس قسم کی باتوں کا بالکل روادار نہیں،

سننے والوں پر اس خطبے کے جو مختلف اثرات پڑے ذرا اس کا اندازہ کیجئے عبداللہ ابن اہتم نے زیاد سے کہا امیر! مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اللہ نے آپ کو حسن بیان کی نعمت سے نوازا ہے،

سنا آپنے ان حضرت پر خطبے کی دلکشی اور بلاغت کا جادو چل گیا، اور یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہ پا سکے کہ الفاظ کے جام میں انڈیلا کیا ہے؟ اور لوگوں کے لئے کیسی انوکھی سیاست پیش کی ہے یا کہنا چاہیئے کہ عبداللہ نے زیاد کی خوشامد کرنی چاہی، اور پسند و ناپسند سب پر رضامندی کا اظہار کر دیا، یا پھر دونوں باتیں ایک ساتھ جمع کر دیں، زیاد نے اس داد و تحسین کا بہت تلخ جواب دیا، اس نے کہا،

"تم جھوٹے ہو حسن بیان تو اللہ کے نبی داؤد کو عطا ہوا تھا"

احنف بن قیس نے ان غیر جانبداروں کا پارٹ ادا کیا، جو اپنی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے، جو حاکم کی ناگواری کا باعث بنے نہ حاکم کی بات دہرا لیتے ہیں نہ بے تکلفی میں فضول باتیں کرتے ہیں، چنانچہ خطبہ کے بعد احنف نے زیاد سے کہا،

"تعریف آزمائش کے بعد اور شکریہ نوازش کے بعد، ہماری تعریف اسی وقت ہوگی جب ہم آزمائے جائیں گے"

یہ ایک صلح جویانہ بات تھی جس کو سن کر زیاد نے کہا سچ کہتے ہو،

ابو بلال مرداس ابن ادیہ ایک دیندار بزرگ تھے، سختی کے ساتھ دین پر قائم رہنا چاہتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس راہ میں مر جانے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا، چنانچہ بعد میں دین کی راہ میں جان دیدی، وہ بصرہ میں خوارج کے لیڈر تھے، انہوں نے خطبہ سنکر زیاد سے کہا، ہمیں تو اللہ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے اس کا ارشاد ہے وابراھیم الذی وفی ان لاتزر وازرۃ وزر اخری وان لیس للانسان الا ماسعیٰ اور آپ تو گویا اس خیال کے ہیں کہ تندرست کو بیمار کے ساتھ فرمانبردار کو گنہگار کے ساتھ آگے بڑھنے والے کو پیچھے بھاگنے والے کے ساتھ گرفت کریں گے، زیاد نے کہا تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے بارے میں ہمارا مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب ہم باطل پر عمل پیرا ہوں گے، لیکن ابو بلال اور ان کے ساتھیوں پر اسی طرح حضرت علیؓ کے حامیوں اور دوسرے راستباز مسلمانوں پر زیاد کا کچھ بس نہ چل سکا، ہاں وہ باطل پر عمل کرتے ہوئے، ناحق طریقے پر خون کی ندیاں بہاتا رہا،

حُجر ابن عدی کا قتل

بصرہ میں زیاد نے جو سفاکیاں دکھائیں اور اس کے نائب سمرۃ بن جندب نے بصرہ کا امیر ہو جانے کے بعد جو خونریزیاں کیں، میں اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں سمجھتا اس لئے کہ یہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان کے تذکرے کی تفصیل غیر مفید ہے، لیکن ایک حادثے پر میں تھوڑا سا وقت ضرور لوں گا، جس میں زیاد نے اسلام اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا رکھا، اس حادثے میں امیر معاویہؓ کا بھی ہاتھ ہے، اور اس کا اثر اس وقت کے لوگوں پر بہت برا پڑا، اس زمانے میں جو بھی راستباز اور پرہیزگار لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو اس سے سخت صدمہ پہنچا یہ حُجر ابن عدی اور انکے کوفی رفقاء کا حادثہ ہے،

محدثین اور مورخین نے اپنی کتابوں میں اس دردناک ابتلا کی پوری تفصیل لکھی ہے، جس میں سے کچھ تو شائع ہو چکی ہے، اور کچھ اب تک شائع نہ ہو سکی میں اس کے اہم حصے کو بہت اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ یہ تفصیل سے زیادہ وقیع ہے،

حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت سے لیکر امیر معاویہؓ کے استحکام حکومت تک اس فتنۂ کبریٰ میں لوگ

بکثرت مارے گئے۔ پھر امیر معاویہ کے والی ہو جانے کے بعد اس فتنے کے نتیجے میں، نیز مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں بہتوں کی جانیں گئیں، لیکن حجرؓ کا دردناک سانحہ حکومت کی تصویر کا ایک نیا رخ پیش کر رہا ہے، جبکہ خلافت بادشاہی بن گئی، امراء اور عمال نے اپنی سیاست بدل دی، دین کے ساتھ خلوص اور مسلمانوں کی بقا سے کہیں زیادہ مقدم اور اہم کام ان کے لئے حکومت اور اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنا اور نظام کو قائم رکھنا قرار پایا،

ہم نے دیکھا ہے کہ خلفائے راشدین شُبہے کی بنا پر سزا دینے سے رکتے تھے اور اپنے حاکموں کو سخت تاکید کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو مالی اور جسمانی نقصان بھی نہ پہنچائیں، خونریزی اور قتل کی بات تو الگ رہی ہم نے فاروق اعظمؓ کو دیکھا، خدا کی ان پر رحمت ہو کہ وہ تردّد آمیز گواہی پر خود زیاد کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے، جب بعض لوگوں نے مغیرہ ابن شعبہ پر الزام لگایا تھا محض اس خوف سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ کہیں رسوا نہ ہو، اسی طرح ہم نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ ہرمزان کے قتل کے معاملے میں عبید اللہ ابن عمرؓ کو معاف کرنے کیلئے تکلفات سے کام لیا، جس پر بہت سے مسلمان اور بعض خاص صحابہؓ آپؓ سے ناراض ہوئے،

لیکن آج امیر معاویہؓ اور زیاد کے زمانے میں لوگ شبہے کی بنا پر ماخوذ اور گمان کی بنا پر قتل کر دئے جاتے ہیں، آج نظام کا درجہ گورنروں اور بادشاہوں کی نگاہ میں ان ایماندار انسانوں سے بڑا ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ناحق ان کا خون نہ بہایا جائے،

حجر ابن عدیؓ حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے ایک شخص تھے جنکو حضرت علیؓ کے ساتھ خلوص تھا، جمل صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک تھے، حضرت حسنؓ کی صلح ان کو ناگوار تھی، انہوں نے حضرت حسنؓ پر اس اقدام کے سلسلے میں اعتراض بھی کیا تھا، لیکن حجر اوروں کی طرح امیر معاویہؓ کی بیعت کر چکے تھے اور وفاداری کے ساتھ اس بیعت پر قائم بھی تھے، پھر ان کے نزدیک ضروری نہ تھا کہ حضرت علیؓ کی محبت چھوڑ دیں یا ان سے الگ ہو جائیں، بلکہ ان کے نزدیک تو یہ بھی ضروری نہ تھا کہ امیر معاویہؓ اور ان کے گورنر جو کچھ کریں وہ سب تسلیم کریں حجر ایک متقی مسلمان تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی ہانی ابن عدی کو لیکر اپنی قوم کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے، اس کے بعد شام کی جنگ میں شریک رہے اور مصائب برداشت کئے، کہنا چاہیئے کہ وہ اس مقدمۃ الجیش میں تھے، جو دمشق کے قریب مرج عذراء میں داخل ہوا تھا اس کے بعد عراق

کی طرف رخ کیا اور فارس کے معرکوں میں شریک رہے اور نہاوند کے معرکے میں بڑی ثابت قدمی دکھائی، اور فتح کے بعد کوفہ کے پڑاؤ میں قیام کیا وہ ایک آزاد منش اور دین کے سچے تھے، اچھی باتوں کی طرف بلاتے تھے، بری باتوں سے روکتے تھے، حاکم کی اچھی بات پسند کرتے تھے، بری بات پر برہم ہوتے تھے، حضرت حسنؓ کی صلح کے بعد سے امیر معاویہؓ اور ان کے گورنر مغیرہ ابن شعبہ کے مخالف ہو گئے تھے، لیکن بیعت نہیں توڑی تھی وہ کوفہ کے عام مسلمانوں کی طرح تھے حکومت کے فرمانبردار اور وقت کے منتظر جیسا کہ حضرت حسنؓ نے کہا تھا، "نیکو کار کے آرام کرنے اور فاجر کے مرنے تک آرام کرو"۔ حجر بنی اُمیہ کی اس بدعت کے سخت مخالف تھے کہ منبر سے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہا جائے۔ اور اپنی اس مخالفت کو چھپاتے نہ تھے بلکہ مغیرہ بن شعبہ کے منہ پر اس کا اظہار کرتے تھے۔ مغیرہ ان سے درگذر کرتے اور حکومت کی گرفت کا خوف دلاتے، کہنا چاہیئے کہ حضرت حسنؓ کی موت اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ میں معاملے کا پہنچنا ان دونوں باتوں نے کوفہ والوں کی مخالفت میں پہلے سے زیادہ شدت پیدا کر دی، حجر حزب مخالف کے لیڈر تھے، ایک مغیرہ نے خطبہ دیا، اور عادت کے مطابق حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا، حجر اپنی جگہ سے کود پڑے اور بڑی سخت کلامی سے پیش آئے اور مغیرہ سے کہا، آپنے لوگوں کا جو وظیفہ روک رکھا ہے، وہ دیدیجئے یہ آپ کے حق میں بزرگوں اور نیکوں کو برا بھلا کہنے سے زیادہ اچھا ہے، اس کے بعد حجر کے ساتھی بھی اپنی اپنی جگہوں سے کود پڑے اور چلا چلا کر حجر کی باتیں دُہرا دیں، اب تو مغیرہ مجبور ہو گئے کہ خطبہ ادھورا چھوڑ کر منبر سے اتر آئیں اور گھر میں چلے جائیں، اس کے بعد مغیرہ کو ان کے دوستوں کی ایک جماعت نے اس نرمی پر ملامت کی مغیرہ نے خیال کیا کہ انہوں نے اپنی سنجیدگی اور بردباری سے حجر کا کام تمام کر دیا، اسلئے کہ آنیوالے گورنر کے لئے بھی ان کی جرأت اسی طرح بڑھی ہوئی ہوگی اور وہ پہلی ہی بار میں انکو قتل کر دے گا، پھر مغیرہ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوفہ کے بزرگوں کو قتل کر کے امیر معاویہؓ کی دنیا سدھاریں اور اپنی آخرت بگاڑیں،

زیاد کوفے کا گورنر بن کر آیا وہ حجر کا دوست تھا، چنانچہ اس کو اپنا مقرب بنایا اور نصیحت کی کہ عافیت پسند بنو اور فتنے سے دور رہو، اور میری زد میں آنے سے خبردار رہو، لیکن حجر اور زیاد کی بنی نہیں اور بہت جلد تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی، اور بات اس طرح سامنے آئی کہ ایک مسلمان عرب نے ایک ذمی کو قتل کر دیا زیاد نے ذمی کے خون کا قصاص مسلم عرب سے مناسب نہیں جانا اور خونبہا ادا کرنے کا فیصلہ کر دیا، ذمی کے

رشتہ داروں نے خون بہا لینے سے انکار کر دیا، اور کہا ہمیں تو بتایا جاتا ہے کہ اسلام لوگوں میں مساوات کا قائل ہے، وہ عرب کی غیر عرب پر کوئی برتری تسلیم نہیں کرتا۔ حجرؓ زیاد کے اس فیصلے سے ناراض ہوئے اور اس کے نفاذ پر خاموش رہنے سے انکار کر دیا، لوگوں نے بھی حجرؓ کا ساتھ دیا، زیاد کو خطرہ ہوا کہ فیصلہ نافذ کرنے سے فتنہ ہو گا، تب اس نے قصاص کا حکم دیا اور امیر معاویہؓ کو حجرؓ اور انکے ساتھیوں کے طرز عمل کی شکایت لکھی امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ موقع کے منتظر رہو اور پہلی فرصت میں ان کا کام تمام کر دو،

مورخین کہتے ہیں کہ حجر اور ان کے تمام ساتھیوں نے زیاد کی بصرہ کو واپسی غنیمت جانا، اور اس کی غیر حاضری میں اس کے نائب عمرو بن حریث کی کاروائیوں پر اپنی شدید ناراضی کا مظاہرہ کرنے لگے، جب وہ خطبہ پڑھتا اور حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتا تو شور و غوغا کرتے، نائب نے جب دیکھا کہ معاملہ نازک ہوتا جا رہا ہے، تو اس نے زیاد کو لکھا کہ وہ جسقدر جلد ہو سکے کوفہ واپس آجائے، نائب نے اپنے خط میں مخالفین کی کاروائیوں کی تفصیل بھی لکھدی تھی، زیاد نے جب خط پڑھا تو اس کی زبان سے نکلا حجرؓ ذلیل ہو تیری ماں، تیری رات صبح کاذب سے ہم آغوش ہو چکی،

اس کے بعد زیاد بڑی تیزی سے کوفہ واپس آیا، اور لوگوں کو ڈرایا دھمکایا، لیکن حجر اور ان کے ساتھیوں سے تعرض کرنے میں جلدی نہیں کی، ایک دن جب وہ خطبہ دینے لگا تو اس میں بڑی دیر لگائی جس سے شیعہ اکتا گئے، حجرؓ نے چلا کر کہا الصلوٰۃ، لیکن زیاد خطبہ ہی دیتا رہا، حجرؓ دوسری مرتبہ چلائے، اور ان کے ساتھی بھی چلا اٹھے۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ، پھر بھی زیاد چاہتا تھا کہ خطبہ اور لمبا کرے لیکن حجر کھڑے ہو گئے اور چلا کر کہا الصلوٰۃ اب تو ان کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے اور حجرؓ کی طرح چلانے لگے تب زیاد خطبہ ادھورا چھوڑ کر منبر سے اترا اور نماز پڑھائی اور لوگ ادھر ادھر چلے گئے،

زیاد نے کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حجر کے پاس جائیں اور ان کے پاس جمع ہونے والے اپنے آدمیوں کو باز رکھیں اور خود حجر کو اس راستے سے ہٹائیں جس پر وہ چل رہے ہیں، لیکن کوفہ کے یہ بڑے لوگ حجرؓ کو باز نہ رکھ سکے، اور زیاد سے آکر ان کے بارے میں کہا، اور کچھ بقول مورخین سمجھدار تھا اور مشورہ دیا کہ معاملہ زیر غور رکھئے، لیکن زیاد نے ان کی بات نہیں مانی، اور حجرؓ کو بلانے کیلئے آدمی بھیج دیا حجرؓ نے آنے سے انکار کر دیا،

اب تو زیاد نے پولس کو ان کے حاضر کرنے کا حکم دیا، پولیس والوں اور حجر کے ساتھیوں میں مقابلہ ہوا،

ہوئی حجر روپوش ہوگئے اور زیاد کا کچھ بس چل نہ سکا، تب اس نے محمد ابن قیس ابن اشعث کو پکڑا جو بنی کندہ کا سردار تھا اور اس کو جیل بھجوا دیا، اور دھمکی دی کہ اگر حجر کو حاضر نہیں کیا تو قتل کر کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیگا، تو محمد ابن قیس نے اس شرط پر کہ حجر کو امان ہوگی اور زیاد حجر کو امیر معاویہؓ کے پاس فیصلے کے لئے بھیج دیگا، ان کو حاضر کر دیا، زیاد نے ان کو جیل بھیج دیا۔ اور ان کے ساتھیوں کا بڑی سرگرمی سے کھوج لگایا، چنانچہ بڑی بڑی دقتوں سے تیرہ آدمیوں کو قید خانے بھیج دیا،

اس کے بعد زیاد نے کوفہ والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بیان دیں، چنانچہ ایک جماعت نے کہا کہ، یہ لوگ علیؓ سے محبت رکھتے ہیں اور عثمانؓ کی برائی بیان کرتے ہیں، اور امیر معاذؓ کو برا بھلا کہتے ہیں، زیاد اس بیان پر مطمئن نہیں ہوا، اور کہا، یہ ناکافی ہے، اس کے بعد ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ابو بردہ نے یہ بیان لکھا کہ حجر اور ان کے ساتھیوں نے اطاعت چھوڑ دی ہے اور جماعت سے الگ ہوگئے ہیں، اور امیر معاویہ کی خلافت سے برائت کا اظہار کرتے ہیں، اور پھر سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، پس یہ لوگ کھلے کافر ہیں،

اب زیاد مطمئن ہوا اور حکم دیا کہ لوگ اس بیان پر دستخط کریں، چنانچہ بہت سے لوگوں نے دستخط کر دئے، بقول مورخین کے دستخط کرنے والوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی جس میں مہاجرین کے صاحبزادگان کے تین لڑکے سعد ابن ابی وقاصؓ کے بیٹے عمرؓ، ابن زبیر کے لڑکے منذر بھی تھے، زیاد نے اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا کہ بیان پر ایسے کچھ لوگوں کے نام بھی لکھا دے جنہوں نے خود دستخط نہیں کئے تھے اور نہ اس کاروائی میں حاضر تھے، بعضوں نے تو لوگوں کے سامنے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر دیا، اور بعضوں نے امیر معاویہ کو لکھ کر اس بیان سے اپنی برائت کا اعلان کر دیا، جیسے قاضی شریح انہوں نے لکھا کہ حجر ایک اچھے مسلمان ہیں صوم وصلوٰۃ کے پابند حج زکوٰۃ عمرہ سب ادا کرتے ہیں، ان کا خون حرام ہے، معاویہؓ نے جب یہ تحریر پڑھی تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، ان حضرت نے تو بیان سے اپنے آپ کو الگ کر لیا،

حجر اور ان کے ساتھی امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دئے گئے، امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ ان کو دمشق نہ لایا جائے بلکہ مرج عذرا میں مقید رکھا جائے، مورخین کا بیان ہے کہ حجر کو جب مقام کا نام معلوم ہوا تو انہوں نے کہا، خدا کی قسم میں پہلا مسلمان ہوں جس کو اس دیہات کے کتوں نے بھونکا تھا، اور میں پہلا مسلمان ہوں جس کے نعرۂ تکبیر سے مرج عذرا کی وادیاں گونج اٹھی تھیں،

امیر معاویہؓ نے زیاد کا خط اور دستخط کرنے والوں کا بیان پڑھا، اور حکم دیا کہ یہ لوگوں کو سنایا جائے اس کے بعد اعیان دولت میں سے جو شامی اور قریشی حاضر تھے، ان سے مشورہ لیا بعضوں نے قید میں رکھنے کا مشورہ دیا، اور بعضوں نے کہا کہ ان کو شام کے دیہاتوں میں منتشر کر دیا جائے، امیر معاویہ کچھ دنوں تک فیصلہ نہ کر سکے، اور زیاد کو لکھا کہ وہ اس معاملے میں کچھ توقف کرے تب زیاد نے امیر معاویہؓ کے تردد پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: اگر آپؓ کو عراق کی ضرورت ہے تو ان کو میرے پاس نہ بھیجنا،

اب معاویہؓ پر راہ کھل گئی اس نے ان قیدیوں پر اپنے آدمیوں کے ذریعے دو باتیں پیش کیں حضرت علیؓ سے برائت اور ان پر لعنت اور حضرت عثمانؓ سے محبت، جس نے یہ منظور کر لیا چھوڑ دیا اور جس نے ان سے انکار کیا اس کی گردن اڑا دی،

شام کے سربرآوردہ حضرات کی ایک جماعت نے ان قیدیوں میں سے بعض کی سفارش کی معاویہؓ نے ان کی سفارش منظور کر لی، اب ان میں سے صرف آٹھ آدمی رہ گئے، جن پر علیؓ سے بیزاری پیش کی گئی، اور انہوں نے اس سے انکار کر دیا، ان کے قتل کا ایک طویل قصہ ہے دونے دیکھا کہ تلواریں کھچی ہوئی ہیں قبریں تیار ہیں، اور کفن کی چادریں پھیلی ہوئی ہیں، جیسا کہ اپنی موت سے کچھ پہلے حجرؓ نے کہا تھا تو انہوں نے درخواست کی کہ ان کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے، وہ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں امیر معاویہؓ کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی اور باقی چھ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا، بہادری کے ساتھ قتل ہونے والوں میں یہ پہلے مسلمان ہیں،

اس کے بعد ان دونوں کو امیر معاویہ کے پاس لے گئے ایک نے اپنی زبان سے علیؓ سے بیزاری کا اظہار کیا اور کسی شامی نے اس کی سفارش بھی کر دی، معاویہؓ نے اس کو ایک ماہ جیل میں رکھا اور پھر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ شام کے کسی حصے میں بھی قیام کرے، عراق نہ جائے، چنانچہ اس نے موصل میں اقامت کی اور وہیں مرا،

دوسرے نے علیؓ سے برائت کا انکار کر دیا، بلکہ عثمانؓ اور خود معاویہؓ کے بارے میں ناگوار باتیں سنائیں معاویہؓ نے اسکو زیاد کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کو بری طرح قتل کیا جائے زیاد نے اسکو زندہ درگور کر دیا

اسی طرح یہ شرمناک المیہ اپنی انتہا کو پہنچا جس میں مسلمانوں کے ایک گورنر نے لوگوں کو ایسی مخالفت پر سزا دی جو گناہ نہ تھی، اور سربرآوردہ اور ممتاز لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ بہتان طرازی کریں اور جھوٹ

بیان پر دستخط کریں، پھر قاضی کے دستخط بغیر اس کے علم و خواہش کے ثبت کر دیئے اور جب حجرؓ کو ان کی گردن مارنے کیلئے لایا گیا تو انہوں نے کہا، ہمارے اور امت کے درمیان خدا ہے، عراق والوں نے ہمارے خلاف گواہی دی اور شام والوں نے ہماری گردن ماری،

ایک مسلمان حاکم نے اس گناہ کو مباح اور اس بدعت کو حلال سمجھا اور اپنے لئے جائز رکھا کہ ان لوگوں کو موت کی سزا دیدے جن کے خون کی اللہ نے حفاظت چاہی تھی اور پھر موت کا یہ حکم بھی امام نے ملزموں کو بلا دیکھے بلا ان کی کچھ سنے اور ان کو مدافعت کا بلا حق دیئے دیدیا، حالانکہ انہوں نے بار بار مطلع کیا کہ وہ بیعت پر قائم ہیں انہوں نے امام کی بیعت نہیں توڑی اور نہ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں،

اس سانحے نے دُور دور کے مسلمانوں کے دل ہلا دیئے، حضرت عائشہ کو جب معلوم ہوا کہ اس جماعت کو شام بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ ان کے بارے میں ان سے گفتگو کریں، لیکن عبدالرحمٰن جب پہنچے تو یہ جماعت قتل کی جا چکی تھی، عبدالرحمٰن نے امیر معاویہؓ سے کہا، ابو سفیان کی بردباری اور برداشت تم نے کب سے چھوڑ دی؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا، جب سے تم جیسے حلیم الطبع مجھ سے دُور ہو گئے اور اس کارروائی پر زیاد نے مجھے آمادہ کیا اور میں کر گذرا!،

اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر لوگوں سے اپنا رُخ پھیر لیا اور رونے لگے، لوگوں نے آپؓ کے رونے کی آواز سنی، معاویہ ابن خدیج کو جب افریقیا میں اس کی خبر پہنچی تو اپنی قوم بنی کندہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم تو قریش کیلئے لڑ رہے ہیں اور اپنی جانیں دیکر ان کی حکومت مضبوط کر رہے ہیں اور وہ ہمارے چچا زاد بھائیوں پر حملے کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں،

خراسان میں بھی اس حادثے کی صدائے بازگشت اس کے حاکم ربیع ابن زیاد تک پہنچی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کا ارادہ ہوچکا تھا کہ حجرؓ کے معاملے کیلئے میدان میں نکل آئیں لیکن اس بات سے ڈریں کہ کہیں جمل کا معرکہ تازہ نہ ہو جائے اور نادان پیش پیش ہو کر کہیں اصلاح کے مقصد کے خلاف کچھ اقدام نہ کر دیں اسلئے باز رہیں، کوفی شعراء نے اس حادثے سے متاثر ہو کر بہت کچھ اشعار نظم کئے ہیں جو ہم سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ حجرؓ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا صدمہ خود امیر معاویہؓ کو بھی ہوا

شروع شروع میں وہ ان کے قتل کے بارے میں متردد تھے، لیکن جب حکم دے چکے تو خیال کرنے لگے کہ ان کا بڑا کڑا امتحان لیا گیا، اور یہ کہ وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا انکو ندامت ہوتی ہی رہی، اور ان کا دلدوز قلق بڑھتا ہی گیا،

بلاذری کہتا ہے، امیر معاویہؓ نے زیاد کو لکھا کہ حجرؓ کے متعلق میرے سینے میں خلجان کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تم کوفہ سے کسی ایسے آدمی کو بھیجو جو فاضل دیندار و عالم ہو، اس نے عبدالرحمٰن ابن ابولیلیٰ کو بھیجا اور ہدایت کردی کہ حجر کے بارے میں ان کی رائے کی مذمت نہ کرنا ورنہ قتل کردیئے جاؤگے، ابن ابولیلیٰ کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہؓ کے پاس گیا تو اسنے مرحبا کہا اور کہا کہ سفر کا لباس اتار کر شہر کا لباس پہن لو، چنانچہ میں لباس بدل کر حاضر ہوا، انہوں نے کہا، بخدا میرے دل میں آتا ہے کہ کاش حجر کو میں قتل نہ کرتا اور کاش میں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پابند رکھتا، شام کے علاقہ میں انکو ادھر ادھر بھیج دیتا، میرے لئے کافی تھا کہ وہ میری اطاعت میں رہتے ان کو قبیلوں کے حوالے کردیتا، میں نے کہا قسم خدا کی میرے دل میں بھی یہی ہے کہ کاش آپ ان میں سے کوئی بھی بات اختیار کرتے، اس کے بعد معاویہؓ نے مجھے انعام سے نوازا اور میں واپس آیا، اس وقت میرے لئے زیاد کی ملاقات سے زیادہ کوئی بات مبغوض نہ تھی اور میں نے طے کرلیا کہ روپوش ہو جاؤں گا پھر جب میں کوفہ پہنچا اور کسی مسجد میں نماز پڑھی تو امام کی واپسی پر ایک شخص کو سنا زیاد کی موت کا ذکر کررہا تھا، میرے لئے اس وقت اس کی موت سے زیادہ خوش کن کوئی اور بات نہ تھی،

راوی تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ حجر کی موت کی صدا خود معاویہؓ کے گھر کے اندر تک پہنچ چکی تھی، بلاذری ہمکو بتاتا ہے کہ معاویہؓ نے ایکدن نماز پڑھی اور پڑھنے میں بڑی دیر لگائی، انکی بیوی ان کو دیکھ رہی تھی، جب نماز پوری کرچکے تو اس نے کہا، امیر المومنین تمہاری نماز کتنی اچھی ہے، اگر تم حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرتے،

پس حجرؓ کا قتل ایک زبردست سانحہ ہے، امیر معاویہؓ کے زمانے کے بزرگوں میں سے کسی نے اس بات پہ شک نہیں کیا کہ یہ حادثہ اسلام کی دیوار میں ایک شگاف تھا، خود معاویہؓ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ وہ اپنے آخری دنوں تک حجرؓ کو بھولے نہیں اور مرض الموت میں اسے سب سے زیادہ یاد کیا، مورخوں اور راویوں کا بیان ہے کہ معاویہؓ مرض الموت میں کہا کرتے تھے، "حجرؓ تمہارے ہاتھوں میرا برا ہوا اسی طرح کہا کرتے تھے، ابن عدی کے ساتھ میرا حساب بہت لمبا ہے"،

یزید کی جانشینی

امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک نئی بات پیدا کر کے سنتِ موروثہ میں بڑی تبدیلی کر دی یعنی مسلمانوں کی حکمرانی کے لئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا، حالانکہ صدر اوّل میں مسلمان خلافت میں وراثت بڑی بُری بات خیال کرتے تھے، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا اور کبھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اپنے کسی لڑکے کو مقرر کر دیتے، اس طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو ڈانٹا، جس نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے لڑکے عبداللہ کو خلیفہ بنا دیں، حضرت عثمانؓ کے دل میں بھی کبھی نامزدگی کا تصور نہیں آیا، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مصروفیتوں نے ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہیں دی، اس لئے کہ بارہ سال تک تختِ خلافت پر متمکن رہے، حضرت علیؓ نے بھی اپنا جانشین بنانے سے انکار کیا، اور جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح تم کو چھوڑا اسی طرح میں بھی چھوڑتا ہوں، لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا ہم حضرت حسنؓ کی بیعت کر لیں، آپ نے جواب دیا، نہ میں تم کو اس کا حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں،

مسلمان کسرویت اور قیصریت کا تذکرہ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مطلب قیاصرہ اور اکاسرہ کا طرزِ حکومت ہوتا تھا اور یہ حکومت کی وراثت بھی عجمی حکومت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے،

امیر معاویہؓ کا معاملہ اگر یہیں تک ہوتا تو شاید لوگ کہتے کہ انھوں نے اجتہاد کیا جس میں غلطی اور صحت دونوں کا احتمال ہے، لیکن زیادتی تو یہ ہے ایک طرف انھوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے نام سے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اس جنگ کا مقصد مسئلہ خلافت مسلمانوں کی شوریٰ کے حوالے کرنا ہے، لیکن جب اقتدار پر قبضہ ہو گیا تو بھول گئے کہ یہ لڑائی کیوں کی تھی؟ اور اپنی بات سے پلٹ گئے اور جب حضرت حسنؓ سے مصالحت کا ارادہ کیا تو حسنؓ پر یہ بات پیش کی کہ میرے بعد ولی عہد آپ ہوں، لیکن حضرت حسنؓ نے اس سے انکار کیا اور اپنے شرائط میں یہ

بات رکھی کہ امیر معاویہؓ کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ میں پیش ہو اور وہ جس کو پسند کریں اپنا خلیفہ بنالیں، چنانچہ امیر معاویہؓ نے دوسری شرطوں کے ساتھ اس کو بھی منظور کرلیا،

اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے لئے فضا ساز گار پانے سے پہلے خلافت کے لئے شوریٰ کے قائل تھے، اور مصالحت کے دوران میں بھی جب وہ اپنے لئے معاملات ٹھیک کر رہے تھے شوریٰ کی بنیاد تسلیم کرتے تھے، لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنا خیال بدل دیا، اور یہ سب کچھ بھول گئے، کہا جاتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے ان کے دل میں یزید کی ولی عہدی کا خیال پیدا کیا جس پر وہ متوجہ ہو گئے اور زیاد سے مشورہ لیا، زیاد نے چندے توقف کرنے اور یزید کی چال ڈھلن ٹھیک کرنے کا مشورہ دیا

یزید ایک قریشی نوجوان تھا، لہو ولعب کا دلدادہ، سیر و شکار کا شوقین، شوخ، بے باک اور ہوسناک، نمازوں سے یکسر غافل امیر معاویہؓ نے اس کو لگام لگائی اور رومی معرکوں میں بھیجا، امیر الحج بھی مقرر کیا، یہ سب ولی عہد ہونے کی تمہید تھی، جب دیکھا کہ اب یزید کی روش ٹھیک ہوگئی ہے تو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا، اور اطراف اکناف میں اس کے لئے خطوط لکھے سب جگہ سے حسب منشا جوابات آئے اور کس کی مجال تھی کہ اختلاف کرتا، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے صوبوں سے وفود طلب کئے، چنانچہ لوگوں کے وفود آئے اور یزید کی بیعت کا اعلان کردیا گیا، قریش کے صرف چار آدمی ایسے تھے جو بیعت سے رُکے رہے، حسین ابن علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ ابن زبیرؓ، عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ، تب امیر معاویہؓ عمرہ کرنے کی غرض سے حجاز آئے اور ان چاروں سے ملے لیکن ان پر امیر معاویہؓ کے وعدے اور وعید کا کچھ اثر نہیں ہوا بعضوں نے تو صاف صاف کہدیا اور بعضوں نے ٹال مٹول سے کام لیا پھر بھی امیر معاویہؓ نے انھیں سُنا دیا اور اُن سے کہہ دیا کہ اُن کے حکم کی اگر خلاف ورزی ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا،

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ خطبہ دینے سے پہلے امیر معاویہؓ نے ان چاروں کے پاس پولیس متعین کر کے اس سے کہہ دیا کہ جو کچھ میں کہوں ان میں سے جو بھی اس کی تردید کرنا چاہے اس کی گردن اُڑا دینا، اس کے بعد تقریر شروع کی اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا تذکرہ کیا اور کہا، میں نے لوگوں کے لئے جو تجویز پسند کی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے اور قریش کے یہ سردار اور یہ لوگ بھی لوگوں کے ساتھ اس تجویز سے متفق ہیں، اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی اور یہ چاروں اُٹھ کر واپس

چلے آئے اور اپنے معترضین کو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ انھوں نے نہ بیعت کی اور نہ بیعت کے لئے اپنی منظوری دی،

یہ روایت صحیح ہو یا غلط لیکن یہ بات بہر حال قطعی ہے کہ امیر معاویہؓ جب ان کو بیعت پر راضی نہ کر سکے تو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، اس کے بعد انھوں نے امت سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا، البتہ اپنے مصاحبوں اور جی حضوریوں سے مشورہ لیا سبھوں نے ان کی حوصلہ افزا تائید اور تحسین کی اور عوام وخواص میں سے ایک آدمی بھی ان کے اس اقدام سے ناراضی اور ناگواری کا اظہار نہ کر سکا،

اس طرح اسلام میں شاہی کے قدم جمے جس کی بنیاد دباؤ، دھمکی اور خوف و دہشت پر تھی اور وراثت میں باپ سے بیٹوں کو ملنے لگی، اور امت بادشاہ کی ملکیت بن گئی جس کو اپنے جس لڑکے کو بھی چاہے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی طرح منتقل کرنے لگا،

۵۶ھ میں یہ سب کچھ ہو چکا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی پورے پچاس سال بھی نہیں گذرے، اللہ کی رحمت ہو حسن بصری پر وہ بقول طبری فرمایا کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ میں چار باتیں تھیں جن میں سے ایک بھی ان کے لئے مہلک ہے،

(۱) بڑی عجلت سے امت کو نا دانوں کے حوالے کر دینا، بلا مشورہ امت کی لگام زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لینا، حالانکہ متعدد صحابہ اور اہل فضل موجود تھے،

(۲) اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنا دینا جو بڑا شرابی اور نشے باز تھا، ریشمی کپڑے پہنتا تھا اور طنبورا بجاتا تھا،

(۳) زیاد کو اپنا بیٹا بتانا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے،

(۴) حجر کو قتل کر دینا حجر اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے امیر معاویہؓ کا برا ہو،

میں حسن بصری کی تائید کرتے ہوئے ایسا نہیں کہنا چاہتا کہ ان چار باتوں نے یا ان میں سے بعض نے امیر معاویہؓ کو ہلاکت میں ڈال دیا اس لئے کہ یہ صرف اللہ کے قبضۂ قدرت کی بات ہے اور اس کا ارشاد ہے اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ

اور مجھے یہاں یزید کے کاموں سے بحث نہیں اس لئے کہ میں نہ یزید کی تاریخ لکھ رہا ہوں اور خلافت

کے لئے اس کی صلاحیت اور اہلیت سے بحث کر رہا ہوں مجھے تو یہ بتانا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک ایسی بدعت جاری کر دی جس کو پہلے سے بہت برا خیال کیا گیا یعنی حکمرانی کو موروثی بنا دینا اس بدعت کا انجام مسلمانوں کے حق میں کیسے ہولناک وبال کی شکل میں نکلا اور بادشاہوں نے ولی عہدی کے لئے کیسے کیسے حرام حلال کئے، کتنی خون ریزیاں کیں، کتنے حقوق پامال کئے اور قوم کی کیسی کیسی مصلحتوں کو خاک و خون میں ملا دیا، اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے بعض گورنروں نے بعض شہزادوں کے لئے انھیں کے بھائیوں سے کیسی کیسی مکاریاں کیں، مکر و فریب کے کیسے کیسے جال بچھائے اور پھر قرآن و حدیث سے اس وراثت کا کہیں ثبوت نہیں، متقی مسلمانوں کے معمولات میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔

امیر معاویہؓ اور ان کی حکمرانی پر تبصرہ تو وہ ہے جو فتنے سے دور رہنے والے ایک منتخب صحابی نے کیا ہے یعنی سعد بن ابی وقاصؓ اللہ کی ان پر رحمت ہو، بلاذری اپنے راویوں کی زبانی بیان کرتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ ایک دن امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور کہا بادشاہ سلامت السلام علیکم، امیر معاویہؓ ہنسے اور کہنے لگے، بادشاہ کی جگہ امیر المومنین کہہ دیتے تو کیا حرج تھا، سعد نے کہا۔ آپ مسرت کے عالم میں خوش ہو کر یہ کہہ رہے ہیں قسم خدا کی امیر المومنین بننے کے آپ کے جو جذبات ہیں انھیں کی بنا پر میں نے خلیفہ ہونا کبھی پسند نہیں کیا۔

زیاد اور خوارج

جس جوش اور سرگرمی کے ساتھ، خارجی حضرت علیؓ کے زمانے میں اپنا کام کر رہے تھے، امیر معاویہؓ کا دور آیا تو اس میں کوئی کمزوری اور کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ وہ بدستور اپنی راہ چلتے رہے، نہ خود آرام کیا نہ دوسروں کو چین سے رہنے دیا، حضرت علیؓ کے زمانے میں جب وہ کوفہ سے نکلتے اور جنگ کے لئے تیار ہو جاتے تو بصرہ کے خارجی، بصرہ کے حاکموں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے امیر معاویہؓ کے ابتدائی دور حکومت تک خارجی مسلسل اپنا کام کرتے رہے، اگرچہ ان کی سرگرمیاں حضرت علیؓ کے دور کی طرح مختصر اور معمولی رہیں، مغیرہؓ اور عبداللہ بن عامر کی پالیسی ان کے متعلق حضرت علیؓ کی طرح یہ تھی کہ اگر وہ سکون سے رہیں تو ان کو پریشان نہ کیا جائے اگر وہ غداری اور فساد کی باتیں نہ کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے، لیکن جب عراق کی لگام زیاد کے ہاتھ میں آئی تو اس نے شدت سے کام لیا اس نے ان کے خروج کا انتظار نہیں کیا بلکہ نکلنے سے پہلے ہی احتیاطی تدبیریں کر دیں چنانچہ ان کی کڑی نگرانی شروع کی ان کے افراد کا پتہ چلایا کہ کون، کون کہاں کہاں ہے پھر جن کو بھی پالیا، شبہے کی بناء پر ان کو گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کر دیا،

یہ دیکھ کر خارجی بچنے کی اور اس کے جاسوسوں اور مخبروں سے چھپنے کی تدبیریں کرنے لگے زیاد کی گرفت بہت سخت اور اس کی چال بہت گہری تھی، اس نے تمام لوگوں کو بری طرح مرعوب کر دیا لوگ بھی انتہائی تیزی کے ساتھ روپوش ہو گئے اور اس کے خلاف سخت خفیہ تدبیریں کرنے لگے

زیاد کے زمانے میں بہت سے خارجی لڑائی سے بیٹھ رہے ان میں باہمی اختلافات بھی پیدا ہو گئے لیکن ان کا مسلک بڑی تیزی سے اُن لوگوں میں پھیلا جن میں اب تک نہ پہنچ سکا تھا، خواتین میں بھی اس کا حوصلہ پیدا ہوا اور وہ اس طرف مائل ہوئیں اور شریک ہو کر بعض مواقع پر کوفہ والوں کے ساتھ خروج کیا اور بصرہ میں تو بعض عورتیں قتل کی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے گئے،

پھر خارجیوں کے انجام سے لوگ ناواقف نہ تھے سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوفہ یا بصرہ سے جب کبھی خارجیوں کی کسی ٹولی نے خروج کیا شہر کے حاکم نے اس کے مقابلے کے لئے اس سے بڑی اور قوی فوج بھیجدی، تھوڑی دیر مقابلہ رہا اس کے بعد فوج سبھوں یا اکثروں کا خاتمہ کر کے شہر واپس چلی آئی،

اس کے معنی یہ ہیں کہ خارجیوں کا نکلنا ان کا اپنی جانیں قربان کرنا تھا وہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ انجام کیا ہوگا اور پھر پورے شوق اور اطمینان کے ساتھ نکلتے تھے، انھوں نے اپنی جانیں اللہ کو جنت کے بدلے میں فروخت کر دی تھیں پس اُن کی پارٹی نہ فنا ہونے والی قربانی کی پارٹی تھی، وہ اپنے مقتولوں کو شہید جانتے تھے، حالانکہ ان کے حریف شیعہ اور اہل جماعت ان کو مذہب سے خارج تصور کرتے تھے، جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے متعلق ایک مشہور حدیث کا حکم سنایا تھا لیکن امیر معاویہؓ کے ظالم حاکموں نے بعض خارجیوں کو واقعی شہید بنادیا، صرف خارجیوں کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ دوسرے خیال کے لوگوں سے بھی انھوں نے اُن کو شبہے کی بنا پر گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کیا ان سے لڑائی میں غداری کی ایسی ایسی چالیں چلے جس کی اسلام نے بڑی شدت سے مخالفت کی ہے۔ مثال کے طور پر ابو بلال مرداس بن اُدَیّہ کا واقعہ ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قتل نہایت دردانگیز سانحہ ہے، صرف خارجیوں کے لئے نہیں بلکہ بہت سے غیر خارجیوں کے لئے بھی، چنانچہ مُبَرّد کہتا ہے کہ ابو بلال کو متعدد فرقے اپناتے ہیں، معتزلہ ان کو اپنے متقدمین میں شمار کرتے ہیں شیعہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے آدمی ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ ابو بلالؓ اپنے معاصر بزرگوں کی نگاہ میں ایک متقی اور قابل احترام مسلمان تھے،

ابو بلالؓ ایک زاہد دنیا سے بے رغبت بزرگ تھے، بھلائی کے خواہاں، مسلمانوں کے خیر خواہ اجنبی اور ملاقاتی سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے بڑے عبادت گزار، فضولیات سے دور، صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھی تھے، ثالثی کے مخالف بن کو نہروان جانے والوں کے ساتھ چلے آئے اس کے بعد جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے شہر بصرہ میں رہنے لگے۔ خارجی رجحانات رکھتے تھے ان کی بعض کارروائیوں پر تنقید بھی کرتے تھے اور زمین پر فساد پھیلانے کے سخت مخالف تھے، لوگوں سے تعرض اور بغیر گناہ ان کے قتل کو مذموم اور معیوب

جانتے تھے چنانچہ جب زیاد بصرہ کا والی ہوا اور وہ خطبہ دیا جو تبرا کے نام سے مشہور ہے تو ابو بلال ہی ایک مرد تھا جس نے اس کے اس کہنے پر ۔۔۔ کہ میں گنہ گار کے ساتھ نیکوکار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا ۔۔۔ اعتراض کیا اور اس کو اللہ کے قول ابراھیم الذی وفی ان لاتزر وازرۃ وزر اخری وان لیس للانسان الا ما سعی، کی یاد دلائی اور اس کے بعد بھی اپنے شہر میں قیام کر کے لوگوں کو اچھی باتوں کی ہدایت کرتے اور بری باتوں سے روکتے رہے اور اپنے حلقہ سے بھلائی پھیلاتے رہے تا آنکہ زیاد مر گیا اور اس کا لڑکا عبید اللہ بن زیاد بصرہ کا والی مقرر ہوا جس نے خارجیوں کا پتہ چلانے میں بڑی زیادتی سے کام لیا، ان کو ڈرایا، ان کے لئے جاسوس مقرر کئے، ان کو جیلوں میں بند کیا، جن پر قابو پایا ان کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے

ابو بلالؒ اپنے تقویٰ طہارت اور حسن سیرت کی بنا پر لوگوں میں بڑے ہردل عزیز تھے ایک مرتبہ خارجیوں کے ساتھ ان کو بھی جیل بھیج دیا گیا، جہاں ان کی عبادت اور قرآن مجید کی بہترین تلاوت کی وجہ سے جیل کا داروغہ ان کا بڑا گرویدہ ہو گیا، چنانچہ جب رات آتی تو وہ اُن کو چھوڑ دیتا بلکہ دن میں بھی جانے کی اجازت دے دیتا اور آپ گھر والوں سے مل جل کر جیل خانہ واپس آجاتے ایک دن آپ کو معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد جیل کے تمام خارجی قیدیوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر چکا ہے اور آپ جیل سے باہر تھے تو رات میں بھیس بدل کر قید خانے پہونچ گئے، اور اپنا قتل ہو جانا اچھا سمجھا، کہ داروغہ خائن بن کر حکومت کے غصے کا شکار ہو جائے،

ابن زیاد نے ان قیدیوں کو باہر نکالا کچھ کو تو قتل کر دیا، اور بعضوں کو سفارش کرنے والوں کی وجہ سے چھوڑ دیا، چھوٹنے والوں میں ابو بلالؓ بھی تھے جیل سے نکلنے کے بعد پھر اپنی اسی روش پر قائم ہو گئے، لیکن حاکم کے مظالم سے آپ کا غصہ اپنی حد کو پہونچ چکا تھا، پھر ایک دن یہ دیکھ کر کہ ابن زیاد نے ایک خارجی عورت کو پکڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بازار میں چھوڑ دیا، بے تاب ہو گئے اور ظالموں کے درمیان مزید زندگی گذارنے کی طاقت اپنے اندر نہ پا سکے، چنانچہ اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد تیس ۳۰ سے زیادہ نہ تھی بصرہ سے باہر نکلے اور اس خروج کا مقصد اپنے لئے اور ساتھیوں کے لئے اچھی طرح واضح کر دیا، کہ وہ ظلم و زیادتی سے بیزاری کا اعلان کریں گے، عدل و انصاف کی دعوت دیں گے، اور لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے لوگوں

کا مال نہیں لیں گے، نہ زمین پر لوٹ وغارت گری کریں گے، لڑائی میں پہل نہیں کریں گے البتہ کسی نے حملہ کیا تو مدافعت کریں گے، ان کے ساتھیوں میں دس اور بھی آکر مل گئے اب یہ سب چالیس ہو گئے اور بڑھے راستے میں خراسان سے ابن زیاد کے پاس کچھ مال آرہا تھا، ابو بلال نے اپنا اور ساتھیوں کا اتنا حصہ لے لیا جو بصرہ کے قیام کی حالت میں تقسیم کرنے پر ملتا، اس کے بعد مال لانے والوں کو بحفاظت بصرہ جانے کا راستہ دیدیا،

ابن زیاد کو جب ان کے خروج کا پتہ چلا تو اسلم بن زُرعہ کو ان کے پیچھے دو ہزار کا لشکر ساتھ کر کے بھیجا جس نے مقام آسک پر ان کو پالیا اور واپسی کی اور اطاعت پر باقی رہنے کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے ایک ایسے ظالم فاسق کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا جو شبہے کی بنا پر ماخوذ کرتا ہے اور گمان کی بنا پر قتل کر دیتا ہے اور لوگوں پر ان کی دولت اور عزت کے معاملے میں سختی کرتا ہے اس کے بعد وہ ابن زیاد کے لشکر سے الگ رہے، اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی تاآنکہ خود لشکر والوں نے لڑائی شروع کر دی پھر تو ابو بلال اور ان کے ساتھی بہادر باغیوں کی طرح حملہ آور ہوئے اور حریف کو شکست دیدی، اسلم بن زُرعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی رسوائی اور ذلت کی حالت میں بصرہ واپس آیا، یہ دیکھ کر ابن زیاد نے اس کو سخت ملامت کی اور لوگوں نے شکست کا طعنہ دیا، حد یہ ہوئی کہ سڑکوں پر لڑکے اسلم کو ابو بلال سے ڈرانے لگے ایک خارجی شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

أالفا مومن فیما زعمتم ویقتلکم بآسك اربعون

کیا تمہارا خیال ہے کہ دو ہزار ایماندار تھے جنکو آسک میں صرف چالیس آدمیوں نے قتل کیا

کذبتم لیس ذالك کما زعمتم ولکن الخوارج مومنون

تم غلط کہتے ہو واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو بلکہ خارجی ایماندار تھے

هم الفئة القلیلة قد علمتم علی الفئة الکثیرة ینصرون

وہ چھوٹی سی اقلیت تھے اور تم جانتے ہو کہ چھوٹی سی اقلیت اکثریت پر فتح یاب ہوتی ہے

شاعر اللہ عزوجل کے ارشاد کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ - کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بعد ابن زیاد نے عباد بن اخضر کو چار ہزار کی جمعیت کے

ساتھ روانہ کیا اور جب راہ میں مقابلہ ہوا تو فوج نے ان سے واپسی کا اور اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا ان لوگوں نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے اسلم کو دے چکے تھے، تب عباد نے ان سے جنگ شروع کر دی۔ بڑی سخت اور لمبی معرکہ آرائی رہی اتنے میں ابو بلال نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت فوت ہو رہا ہے تو انھوں نے حریف سے ایک وقفے کی اجازت مانگی کہ فریقین نماز پڑھ لیں، عباد نے اجازت دیدی چنانچہ فریقین نماز میں مشغول ہوگئے لیکن عباد اور اس کے ساتھیوں نے نماز میں جلدی کی یا توڑ دی اور خارجیوں پر حملہ کر دیا دیکھا کہ کچھ قیام اور رکوع میں ہیں اور کچھ سجدے میں، سبھوں کو قتل کر دیا، ابو بلال کے آدمیوں میں سے کسی نے حملہ آوروں کا رُخ نہیں کیا، نماز کو جنگ پر مقدم جانا، مٹھی بھر آدمیوں سے اتنی بڑی جماعت کی اس طرح غداری اور ان کو نماز کی حالت میں قتل کر دینا لوگوں کے دلوں پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا، خارجیوں میں تو اس حادثہ سے بڑا ہیجان پیدا ہوا اور انھوں نے اپنے بھائیوں کے انتقام میں اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ البتہ عام لوگ ناراض ہونے کے بعد یہ تلخ گھونٹ پی گئے۔

مسلمان امیر معاویہؓ کی سیاست سے خوش تھے یا ناراض؟ ہم کو اس سوال کا جواب مختلف فرقوں کے متاخرین کی زبان سے نہیں سننا چاہیئے کہ یہ لوگ تاریخی حقائق سے کہیں زیادہ اپنے مذاہب سے متاثر ہیں، پس قابل وثوق بات یہ ہے کہ حکومت کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے وہ مسلمان جو امیر معاویہؓ کے معاصر تھے اگر معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے لئے ایک امام کا انتخاب کریں اور یہ انتخاب بلا کسی جبر اور دباؤ کے بالکل آزادانہ ہو ان کے پیش نظر اپنے دین کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہ ہو تو وہ کسی حالت میں بھی امیر معاویہؓ کو اپنا امام منتخب نہیں کرتے اس لئے کہ انھوں نے ان کی سیاست کا تجربہ کر لیا ہے، اور ان کے گورنروں کو بھی آزما لیا ہے اپنی ماضی قریب کی تاریخ کے پیش نظر وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا حال بُرا ہو رہا ہے ان پر رضامندی کی نہیں، زبردستی کی حکومت کی جا رہی ہے، کتاب و سنت کی نہیں، ڈراتے دھمکانے اور امیدیں دلانے کی سیاست چلائی جا رہی ہے ان کی دولت عوام کی دولت نہیں بلکہ ان کے بادشاہ اور اس کے حاکموں کی ہے وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں اس میں حق اور انصاف اور بھلائی کے تقاضوں کا کوئی دخل نہیں۔

بڑی بڑی رقموں کے عطیے لوگوں کو اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ وفاداری پر ان کی حوصلہ افزائی ہو اور بہتوں کو حق بات کہنے اور حق کے لئے اٹھ کھڑے ہونے سے روکا جائے حجاز کے بڑے بڑے لوگ انھیں عطیات کی بدولت دولت سے مالامال ہیں جس سے کمزوروں کے ہاتھ اور طاقت والوں کی زبان خریدی جاتی ہے، شام کے لوگ ثروت سے ہم آغوش ہیں حکومت میں اقتدار کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اس لئے کہ وہ بادشاہ کی فوج اور اس کی حکومت کے طرفدار ہیں، عراق کے لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہیں اس لئے کہ وہ یا تو حضرت علیؓ کے حامی ہیں یا جماعت کے باغی اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن پر شامیوں اور حجازیوں کی سی عنایت کی نظر ہے اب رہے دوسرے علاقے کے لوگ تو وہ پامال اور آلۂ کار ہیں انھیں سے خراج اور مال وصول کیا جاتا ہے تاکہ شام بھیجدیا جائے اور بادشاہ جس طرح چاہے خرچ کرے ان کا خون بادشاہ اس کے حاکموں کے لئے حرام نہیں بلکہ بادشاہ اور اس کے کارندوں کو حق ہے کہ وہ اللہ کے حرام کو حلال سمجھیں اور وہ بھی دین قائم کرنے کے لئے نہیں، حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کیلئے

میں مانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ عرب کے چالاک مدبرین میں سے ایک تھے اور سیاست میں غیر معمولی دل و دماغ کے مالک تھے لیکن ان کے زمانے کے مسلمانوں نے ان سے پہلے کے امام بھی دیکھے تھے جنھوں نے سیاسی کمال میں دشمن کو بے بس کر دینے کا جوڑ ملایا اور اس طرح ملایا کہ لوگوں کا انصاف بھی ہوا، ان کی خیر خواہی بھی ہوئی، جان و مال بھی محفوظ رہا اور پھر دین کی راہ سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا،

اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ کے گرد و پیش کے حالات نے ان کی مدد کی اور ان کو اس سیاست پر مجبور کیا لیکن جیسا کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں میں معاویہؓ کی موافقت یا مخالفت کرنا نہیں چاہتا میں تو ان کے عہد کی زندگی کے حقائق تک پہونچنا چاہتا ہوں انھیں حقائق میں سے ایک بات جو قطعی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ فتوحات کے بعد جب مسلمان مفتوح قوموں کے ساتھ اچھی طرح گھل مل گئے تو اُن کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو ان مفتوح قوموں کی طبیعتوں کو پوری طرح بدل دیتے اور ان کے دل و دماغ کو عربی کر دیتے اور اس کی کوئی صورت نہ تھی انسانوں کے معاملات کا دھارا اس طرح نہیں بہتا، اور کسی

زمانے میں کسی وقت بھی ایسا نہیں ہوا یا پھر یہ مفتوح لوگ فاتحوں کا دل و دماغ بدل دیتے اور ان کی طبیعتوں کو متمدن طبیعتیں بنا دیتے، اور اس کی بھی کوئی صورت نہ تھی اور ہم نے ایسا بھی کبھی نہیں دیکھا،

پس اب صرف تیسری صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ان دونوں کی درمیانی منزل یعنی یہ کہ فاتح مسلمان مفتوحوں کو اپنی طبیعت کا کچھ حصہ دیں اور مغلوب قومیں اپنی طبیعتوں کا کچھ حصہ فتح کرنے والوں کو دیں اور اس لین دین سے دونوں طبیعتوں کا ایک ایسا توام تیار ہوتا جو نہ خالص اسلامی یا عربی اسلامی کہا جاتا اور نہ خالص رومی یا فارسی، بلکہ بیچ کی ایک چیز ہوتی،

اور یہ فتنۃ الکبریٰ جس سے ہم اس کتاب میں بحث کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کے حصے میں بحث کر چکے ہیں، درحقیقت اسی عربی اسلامی طبیعت اور مغلوب طبیعتوں کے درمیان ایک معرکہ آرائی ہے، اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں میں ایسی آزادی اور ایسا انصاف پیدا ہو جس کے بعد محتاجی کمزوری اور گمنامی کی وجہ سے کوئی مصیبت زدہ نہ رہ سکے اور نہ کوئی محض قوت دولت اور ناموری کی بنا پر اچھا بنا رہے بلکہ سب لوگ با عزت زندگی بسر کریں، سبھوں کے تقاضے عمدگی سے پورے ہوں، برتری اور امتیاز کی بات، دینداری، تقویٰ اور ثابت قدمی کی بنا پر ہو،

اسلام چاہتا تھا کہ خلفاء اور حکام لوگوں کے حقوق، ان کے مال اور ان کے مفاد کے امین ہوں لوگوں کے سامنے ان کے صلاح و مشورے سے ان کے معاملات کا نظم کریں پھر ان کی کارروائیوں میں جبر و غرور نہ ہو خود پسندی اور مفاد پرستی نہ ہو، اور یہ سب کچھ اس لئے نہ کریں کہ وہ سردار ہیں نہ ان کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس لئے کریں کہ وہ رہنما ہیں، لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہیں ان سے ان کی دل جمعی ہوتی ہے اور ان کو اپنے معاملات کی نگرانی کا اہل سمجھتے ہیں اور اس لئے اپنی مرضی سے بلا کسی زبردستی اور دباؤ کے ان کو یہ سب کام سونپتے ہیں اور جب ان میں سے جس کا جی چاہے گا ان کی کارروائیوں کے بارے میں باز پرس کر سکے گا اور اگر پتہ چلا کہ خلفاء نے یا حکام نے غلطی کی ہے تو ان کو درستی کرنی ہوگی، اسلام اس قسم کی حکومت

کا اور عالم و محکوم میں اس قسم کے تعلق کا خواہاں تھا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے اسی راہ پر چلتے رہے اور جب خدا نے آپ کو اپنے جوارِ رحمت کے لئے پسند کر لیا، تو آپ کے خلفاء آپ کے طریقے پر چلتے رہے اس سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا ہاں حضرت عثمانؓ کی تھوڑی سی بات ضرور ہے خدا ان کو اپنی رحمت سے نوازے جب بنی امیہ ان کی رائے پر غالب آگئے پھر بھی آپ نے لوگوں کے کہنے پر اُن کی مرضی کے مطابق رجوع کیا اور بار بار اپنا اور اپنے اعمال کا انصاف کیا اور اپنے توبہ اور استغفار کا اعلان مسلمانوں کے مجمع میں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بھی کیا،

پس حضرت عثمانؓ حق کے خواہاں تھے کبھی کر گذرتے اور کبھی آپ کے گورنر اور خواص آپ کو مجبور کر دیتے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قصداً نہ زبردستی کی نہ خود پسندی اور برتری جتائی، نہ خود غرضی سے کام لیا، زیادہ سے زیادہ اُن کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ اُن سے غلطی ہوئی لیکن ان کا ارادہ غلطی کرنے کا نہ تھا، لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف بغاوت کی اور مطالبہ کیا کہ جب وہ اپنے گورنروں اور خاص آدمیوں کی سرکشی کا ٹھیک طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے تو خلافت سے دست بردار ہو جائیں اس پر جب آپ نے انکار کر دیا تو اس نے آپ کو قتل کر دیا،

حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی راہ اختیار کی اور شاید بعض معاملات نے سابق خلفاء سے کہیں زیادہ آپ کے لئے نزاکت پیدا کر دی، آپ پوری شدت کے ساتھ بیت المال میں آنے والی چیزوں کو تمام و کمال تقسیم کر دینے پر اڑے رہے اور چاہا کہ لوگ دیکھا کریں کہ ان کا بیت المال چاندی سونے سے خالی پڑا ہے بلکہ جھاڑو دے کر صاف کر دیا گیا ہے اور اس میں ان کے امین نے دو رکعت نماز بھی پڑھی ہے ان کا امین کوئی چیز بچاتا نہیں، اور نہ اپنی ذات کے لئے کچھ رکھتا ہے

خلافت کے والی ہونے سے پہلے آپ کے قبضے میں ایک زمین تھی جس سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی آپ نے اس کو صدقہ کر دیا اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ چند درہم کے سوا کچھ نہیں چھوڑا اور یہ درہم بھی اس لئے بچائے تھے کہ اس سے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے جیسا کہ حضرت حسن نے اپنے باپ کی موت کے بعد والے خطبے میں ظاہر کیا ہے،

اور ہم نہیں جانتے کہ چاروں خلفاء میں سے کسی نے شبہے اور بدگمانی کی بنا پر کسی مسلمان کو قتل کیا ہو، البتہ اس کا ہم کو علم ہے کہ یہ خلفاء اپنے گورنروں سے قصاص لیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ نے ولید ابن عقبہ پر جو آپ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، جب گواہوں نے گواہی دی تو اس پر شراب کی حد جاری کی، حضرت عمرؓ نے اپنے ایک لڑکے پر شہادت ملنے پر شراب کی حد جاری کی، حضرت عمرؓ نے مغیرہ ابن شعبہ رضہ کو سنگسار کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا اگر زیاد شہادت دینے میں متردد نہ ہو گیا ہوتا، چنانچہ شبہے کی وجہ سے آپ رک گئے،

یہ اور اس سے بھی زیادہ باریکی پر خلفاء کی نظر تھی پھر کہاں ... اور کہاں ہم؟ راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک دن اپنے بیٹے یزید سے سوال کیا کہ تمھاری پالیسی کیا ہو گی؟ یزید نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمرؓ کی پالیسی اختیار کرنا چاہتا ہے، امیر معاویہؓ ہنسے اور کہا میں نے تو عثمانؓ کی چال چلنا چاہی اور افسوس وہ بھی نہ چل سکا تو عمرؓ کی راہ کا کیا ذکر؟

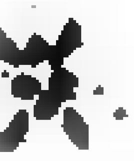
یہ واقعہ ہے کہ سابق خلفاء میں سے کسی نے تلوار سے اقتدار حاصل نہیں کیا کسی نے حجر اور حجر جیسوں کو قتل نہیں کیا، کسی نے اپنے بیٹے کو خلافت کا وارث نہیں بنایا، کسی نے زیاد اور زیاد جیسوں کو متبنٰی نہیں کیا کسی نے امیر معاویہؓ کی طرح صعصعہ ابن صوحان کی موجودگی میں یہ نہیں کہا، "زمین اللہ کی ہے میں اللہ کا خلیفہ ہوں میں جو کچھ لے لوں میرا ہے جو کچھ چھوڑ دوں وہ میرے طفیل میں دوسروں کا ہے" —— ہاں حضرت عثمانؓ نے منبر پر اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ بیت المال میں سے جتنا چاہیں گے لے لیں گے کوئی ناراض ہوتا ہو تو ہوا کرے اس کے جواب میں عمار بن یاسرؓ نے کہا تھا کہ سب سے پہلا ناراض میں ہوں، اور حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ آپ کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا، صعصعہ ابن صوحان نے امیر معاویہؓ کو جو جواب دیا وہ حضرت علیؓ کے جواب سے ملتا جلتا ہے، انھوں نے کہا اس معاملے میں تو آپ کی اور کوسوں دور کے ایک اُمتی کی حیثیت ایک ہے لیکن بات یہ ہے کہ جو مالک بن جاتا وہ دوسروں کو نظر انداز کرتا ہے، امیر معاویہؓ نے غضبناک ہو کر کہا ۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے، صعصعہ نے کہا ہر ارادہ پورا نہیں ہوتا، امیر معاویہؓ نے کہا میری راہ میں کون حائل ہو سکتا ہے، صعصعہ نے کہا وہ ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے، یہ کہا اور اُٹھ کر چلے گئے،

جاتے ہوئے ان کی زبان پر یہ شعر تھا،

اریغولی ارا غتکم فانی وحذفة کالشجا تحت الورید[1]

شیعہ اسی سیاست سے ناراض تھے اور انھوں نے بہت کچھ شورش کر کے مقابلہ کیا تا آنکہ حُجر اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے، خوارج کو اسی سیاست پر غصہ تھا اور انھوں نے اپنی زبانوں اور تلواروں سے مقابلہ کیا، چنانچہ قتل کیا اور قتل کئے گئے، اسی سیاست پر صحابہ اور تابعین برہم تھے لیکن یہ لوگ دلوں میں ناراضی کے جذبات رکھتے تھے، البتہ اوقات زیرلب کچھ کہتے بھی تھے، عام مسلمان، صحابہ اور تابعین کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سُنکر انھیں کے ہم خیال تھے، اور دبی زبان کچھ نہ کچھ کہتے بھی تھے اور کون جانتے شاید خود امیر معاویہؓ سنجیدگی کے عالم میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کی سیرت پر غور کرتے ہوں اور پھر اپنی سیرت کا مقابلہ کرتے ہوں تو اپنی بہت سی باتوں کو پسند نہ کرتے ہوں،

مورخوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ اپنی موت کے وقت مطمئن نہ تھے اور درد اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے تھے، وہ حُجر کا اور مسلمانوں کے مال میں اپنے تصرف کا بار بار ذکر کرتے تھے لیکن اس پر بھی مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے بادشاہوں سے پالا پڑا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش امیر معاویہؓ ان کے لئے آخری زمانے تک زندہ رہتے، ان کا بیٹا یزید اس قسم کے بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا،



[1] یعنی: بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم،

یزید

امیر معاویہؓ تو عہد جاہلیت کی قریشی آب و ہوا میں پل کر بڑے ہوئے تھے جس میں زیادہ تر تنگدستی کا دور دورہ رہا اور جو قوم بھی بے آب وگیاہ چٹیل وادیوں میں سکونت رکھتی ہے وہ نفع بخش تجارت کے باوجود زندگی کے دن تنگی ترشی ہی میں گذارتی ہے اس کے بعد وہ اسلام لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے کاتب بنے، آپ کی اور دوسرے متقی مسلمانوں کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے پھر حضرت عمرؓ کے عامل بن کر ان سے بہت کچھ ادب و اخلاق سیکھا جب قوم کی لگام آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ کی زندگی ان صحبتوں کے فیض سے ایک حد تک متاثر تھی لیکن بعد میں لوگوں کو آپ پر انگلی اٹھانے کا موقع ملا اور بتایا گیا کہ آپ کے قدم مسلمانوں کی جانی بوجھی سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔ لیکن آپ کے بیٹے یزید کی نشو ونما ٹھیک آپ کے مخالف ماحول میں ہوئی وہ شام میں پیدا ہوا اور گورنر کی کوٹھی میں پیدا ہوا جہاں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا، خدمت کے لئے بہت سی لونڈیاں اور غلام حاضر تھے ماں کی طرف سے اس کو قبیلہ بنی کلب کی کچھ سختی اور بدویت ملی تھی، لیکن باپ کی طرف سے وہ ایک حد تک قریش کی خصوصیات کا وارث تھا، یعنی ذہین، چالاک، چالباز، اور دولت واقتدار کے لئے سرگرم، اور وسائل میسر آجانے پر لطف ولذت اندوزی کے لئے وقف ہوجانے والا اس فضا میں یہ قریشی نوجوان بڑا ہوا نہ تنگدستی دیکھی نہ کبھی روکھے پھیکے کی نوبت آئی زندگی کے لئے نہ کبھی دوڑ دھوپ کی نہ اس راہ میں کبھی کوئی مشقت اٹھائی، ہاتھ پاؤں مارا تو طبیعت بہلانے کے مشاغل میں اور دوڑ دھوپ کی تو جی خوش کرنے کی خاطر،

اس ماحول میں جب مسلمانوں کی لگام یزید کے ہاتھ میں آئی تو اس کی سیرت اس کے باپ سے بالکل جدا تھی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سیرت سے بھی اس کو کوئی نسبت نہ تھی،

اپنے باپ کے زمانے میں ولی عہد ہونے سے پہلے کی زندگی میں یزید عیش کوشی اور بوالہوسی میں حدود سے متجاوز تھا، اتنا کہ لوگوں میں بات عام ہوگئی اور زیاد کو احتیاط کا مشورہ دینا پڑا، اور معاویہؓ کی توجہ مبذول کرانی پڑی کہ لڑکے کے چال چلن پر نظر رکھیں، اس کے لئے زندگی میں رہنمائی کا وہ سامان فراہم کریں جو ولی عہدی کی امیدواری کے مناسب ہو اور جو اس میں ایسی اہلیت پیدا کردے کہ بعد میں اتنی بڑی حکومت وہ سنبھال سکے، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور رومیوں سے معرکوں میں اس کو مقابلے کے لئے بھیجا اور اس پر نگرانی رکھی، لیکن جیسی اصلاح وہ چاہتے تھے نہ کرسکے، ادھر حکمرانی کے معاملات نے ان کو مصروف رکھا اور ادھر بے لگام ہوس رانی سے خود صاحبزادے فرصت نہ پاسکے۔

باپ کا انتقال ہوا تو وہ کہیں کسی دور مقام پر تھا، اور ضحاک ابن قیس کو امیر معاویہؓ کی قائم مقامی کرنی پڑی جس نے بعد میں امیر کی موت کا اعلان کیا اور بتایا کہ اب حکومت کی لگام ان کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں ہوگی۔

اب یہ نوجوان آتا ہے اور ایک طویل عریض سلطنت پاجاتا ہے جس کا دامن تو دولت سے مالامال ہے لیکن اس کی سیاست پیچ در پیچ ہے اس عظیم الشان سلطنت کے بنانے میں اس نوجوان کا کوئی حصہ نہیں، اس نے اس کے قیام اور استحکام میں نہ کوئی محنت کی نہ مشقت اٹھائی، حاکم بن گیا، لیکن حکومت کی خاطر نہ اس نے لطف و لذت کے مشاغل چھوڑے نہ لہو ولعب کی بیہودگیوں سے باز آیا، تخت حکومت پر بیٹھ جانے کے بعد یقین کرلیا کہ دنیا اس کی تابع فرمان ہے اور تمام کام بدستور چلتے رہیں گے، اس نے یہ حقیقت اپنے دل سے بالکل بھلادی کہ باپ نے اس کی حکومت کے لئے دنیا کو ہموار کرنے میں کیسی کیسی محنت برداشت کی اور کن کن مشکلات کا مقابلہ کیا۔

یزید کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ اس کی اطاعت میں کوئی پس وپیش کرے، وہ خیال کرتا تھا کہ اس کی اطاعت تمام لوگوں کا فرض ہے، ٹال مٹول کرنے والا تو اس کے نزدیک گردن زدنی تھا، ناظرین ان چار آدمیوں سے واقف ہیں، جن کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے لئے رضامند نہ کرسکے پر امیر معاویہؓ نے خاموشی پر مجبور کردیا تھا، ان میں سے ایک

عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ تو امیر معاویہؓ سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے، باقی تین مدینے میں موجود تھے، حسین ابن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور عبداللہ بن عمرؓ،

ولید بن عتبہ نے جب یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تو حسینؓ اور ابن زبیرؓ نے معذرت کی اور ٹالتے رہے، تاآنکہ رات میں مکہ بھاگ آئے، اب رہے عبداللہ بن عمرؓ تو وہ جماعت سے علیحدگی پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے انھوں نے مدینہ والوں کے ساتھ بیعت کرلی اس کے بعد یزید اور ابن زبیرؓ میں سخت کشمکش اور طویل آویزش رہی جس کا سلسلہ یزید کی موت کے بعد تک جاری رہا، اور اس وقت تک ختم نہیں ہوا جبتک مسلمان پوری طرح مشکلات کے پنجے میں پھنس نہیں گئے، لیکن اس واقعہ کا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں اس لئے ہم اس سے بحث نہیں کرسکتے،

حسین ابن علیؓ مکہ میں ٹھہرے اور یزید کی بیعت سے انکار کرتے رہے اس دوران میں حسینؓ اور کوفہ کے حامیانِ اہل بیت کے درمیان جن کی کوفہ میں اکثریت تھی قاصدوں کی آمد و رفت برابر ہوتی رہی، اہل بیت کے حامیوں نے حضرت حسینؓ کو لکھا، مورخوں کا بیان ہے کہ انھیں حامیوں نے ابتدا کی اور حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ یزید کی بیعت توڑ دینے کے مقصد کی رہنمائی کریں، اسی طرح یزید کے گورنر نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کرنے کی کارروائی میں سربراہی کریں، یہ خطوط بڑی تعداد میں آئے، اور کوفہ کے علاوہ سرداران قبائل اور سربرآوردہ لوگوں میں سے بہتوں نے ان خطوط پر دستخط کئے، اب تو حضرت حسینؓ نے بھی اس دعوت کو غیر معمولی اہمیت دی اور چاہا کہ ان لوگوں کی بات کو اچھی طرح جانچ لیں، چنانچہ اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے ملیں اور ان کے خیالات معلوم کریں، اگر وہ نیت کے سچے، ارادے کے پکے اور اولاد علیؓ کے مخلص معلوم ہوں تو ان سے خفیہ طور پر بیعت لے لیں پھر جب اتنے لوگوں کی بیعت کا یقین ہوجائے جن سے یزید کی بیعت توڑ دینے کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے تو خط سے مطلع کریں وہ کوفہ آجائیں گے، مسلم بادل نخواستہ نکلے، راستہ میں بعض دشواریاں پیش آئیں اور حضرت حسینؓ کو لکھا، کہ اب ان کو معذور رکھیں لیکن آپ نے ان کو معاف نہیں کیا،

چلتے چلتے مسلم کوفہ پہنچے اور اپنی بات بعضوں سے راز میں رکھی اور شہر کے سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے لگے اور جب ان پر اعتماد ہوگیا، تو حضرت حسینؓ کے لئے بیعت لینے لگے،

نعمان ابن بشیر کو اس کی کچھ بھنک لگی لیکن انھوں نے مسلم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور لوگوں کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں برتی بلکہ ایک صحابی کا سا طرز عمل اختیار کیا، جیسا حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ اور مغیرہ ابن شعبہ نے خوارج اور شیعہ دونوں کے ساتھ اختیار کیا تھا، انھوں نے لوگوں کو سمجھایا بجھایا امن و عافیت کی ترغیب دی، ان کے ساتھ نرمی برتی یزید کی بیعت کے وفادار رہنے کی تاکید کی اور اپنے ان خواص کی بات بھی مانی جو دور اندیشی اور محتاط رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے یزید کو سارے معاملات کی اطلاع کر دی، جیسے ہی یزید کو اس کا پتہ چلا اس نے باپ کے غلام سرجان سے مشورہ لیا، اس نے کہا کہ کوفہ بھی بصرہ کے حاکم ابن زیاد کی نگرانی میں کر دو اور اس کو فوری کوفہ پہونچنے کا حکم دیدو، یزید نے ایسا ہی کیا، عبید اللہ ابن زیاد کوفہ آیا آتے ہی شہر میں سخت ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی، نعمان بن بشیر کوٹھی میں بیٹھ رہنے پر مجبور ہو گئے، ابن زیاد نے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی اور پھر ایسی شدت سے کام لیا جس میں تامل، رحم اور تردد کا کہیں گذر نہ تھا، مسلم بن عقیلؓ اب تک اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی بیعت لے چکے تھے اور اس کی اطلاع کے ساتھ حضرت حسینؓ کو کوفہ پہنچنے کی سخت تاکید بھی لکھ دی تھی

نئے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی ابن زیاد نے خفیہ اور علانیہ مسلم کی تلاش شروع کر دی اور بڑی جد و جہد کے بعد پتہ چلا لیا کہ مذحج کے ایک رئیس کے ہاں مسلم موجود ہیں جس کا نام ہانی بن عروہ ہے پس ہانی کا پیچھا کیا تا آنکہ وہ حاضر ہوا بالآخر اس کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلم اس کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں، اس کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو قید کر دیا، لوگوں نے اس پر بڑی شورش بپا کی لیکن بات کچھ بن نہ پڑی،

آخر مسلم مشتعل ہو کر نکلے اور اپنا نعرہ بلند کیا جس کے بعد ہزاروں کوفی مشتعل ہو کر نکل پڑے اور مسجد تک گئے، لیکن ثابت قدم نہ رہ سکے، جیسے جیسے رات بڑھتی گئی سب چھنٹ گئے اور مسلم کو کوفہ کی گلیوں میں اکیلا چھوڑ دیا، وہ جگہ تلاش کرتے پھرے کہ باقی رات کسی طرح کاٹ لیں بالآخر ان کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا، جس نے کوٹھی کی چھت پر قتل کر کے ان کا سر نیچے پھینک دیا اور لاش لوگوں کی طرف ڈال دی اس کے بعد ہانی کو بھی قتل کر دیا، اور دونوں کی لاش لوگوں کی عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دی،

حسینؓ

حضرت حسینؓ کو مُسلم کا خط مکے میں ملا اور وہ کوفہ جانے کی تیاری کرنے لگے، لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں، لوگوں نے ان کو یزید کے خوف سے ڈرایا، ابن زیاد کی گرفت اور کوفہ والوں کی غدّاری کا تذکرہ کیا، ابن عباسؓ نے نصیحت کی کہ کوفہ کی جگہ یمن چلے جائیں، اور اس کی ایک گھاٹی میں حکومت کے اقتدار سے دُور اپنی جماعت کے درمیان قیام کریں، عبداللہ ابن جعفرؓ نے بھی آپ کو سمجھایا، خود سعید ابن عاص نے بھی کہا سُنا، جو یزید کی طرف سے مکّہ کے گورنر تھے، اور آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کر کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ اصرار کے ساتھ سمجھا بجھا کر واپس لائیں، ان کی جان و مال اور ان کے اہل بیت سب امن و امان کے ساتھ محفوظ ہوں گے، عطیات اور وظیفوں کی رغبت دلائی لیکن حضرت حسینؓ نکل چکے تھے اور تنہا نہیں بلکہ گھر والوں کے ساتھ جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے ابن عباسؓ کا یہ مشورہ بھی نہیں مانا کہ جانا ہی ضروری ہے تو گھر والوں کو محفوظ چھوڑ جائیے اور جب معاملات آپ کے حق میں استوار ہو جائیں تو بلوا لیجیئے لیکن آپ نے ایک نہ سُنی، میرا خیال ہے حضرت حسینؓ نے ضد میں ایسا نہیں کیا نہ اپنے ہاتھوں اپنی جان مصیبت میں ڈالی وہ جانتے تھے کہ یزید بیعت کے لئے ان پر تشدّد کرے گا اگر بیعت کرتے ہیں تو اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں، اپنے ضمیر کی خیانت اور دین کی مخالفت کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ کے خیال میں یزید کی بیعت گناہ کی بات تھی، اور اگر بیعت نہیں کرتے تو یزید ان کے ساتھ من مانی کارروائی کرے گا،

حضرت حسینؓ کا اندازہ غلط نہ تھا وہ دیکھ چکے تھے کہ ابن زبیرؓ جب بیعت سے رکے رہے تو ان پر یزید کی غضب ناکی کا کیا عالم تھا، یزید نے قسم کھا لیا تھا کہ اب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ابن زبیر کو ایک مجمع کے ساتھ قیدیوں کی طرح لایا جائے، حضرت حسینؓ کی یہ بات بھی غلط نہ تھی کہ انھوں نے گھر والوں کو حجاز میں نہیں چھوڑا اس لئے کہ حکومت کے باغی بن کر عراق چلے جانے پر

یزید ان کے گھر والوں کو امن سے رہنے نہیں دیتا،

حضرت حسینؓ کے ساتھ ان کے بعض بھائی اور بھائی حسنؓ کے لڑکے تھے، عبداللہ ابن جعفر کے دو لڑکے اور آپ کے چچا عقیل کے بعض لڑکے بھی تھے، اور کچھ دوسرے لوگ جو دل سے آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے اور بہت سے دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ آپ یزید کی مخالفت میں عراق جارہے ہیں تو آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ سے اپنی بھلائی کی امیدیں وابستہ کر کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت حسینؓ عراق کے قریب پہونچے، ابن زیاد راستوں پر اپنے آدمی مقرر کر چکا تھا، اس نے کوفہ کے سر برآوردہ لوگوں میں سے ایک شخص حُرّ ابن یزید کو ایک ہزار کا افسر بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ حسینؓ کو راستے ہی میں روکو اور کسی طرف جانے نہ دو، اور جب تک دوسرا حکم نہ پہونچے ان کو چھوڑ و مت، دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ یہ تو لڑائی کی بات ہے، تو وہ سب کے سب چھنٹ گئے ایک بھی باقی نہ رہا،

حُر بن یزید اور اس کے ساتھیوں سے ملنے کے بعد حضرت حسینؓ کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو آپ نے چاہا کہ ان کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں تو انھوں نے آپ کی باتیں سُنیں اور خوش بھی ہوئے، لیکن اطاعت آپ کی نہیں کی بلکہ اپنے امیر ابن زیاد کا کہنا مانا، اس کے بعد ابن زیاد نے حسینؓ سے لڑائی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جو ان سے بہت زیادہ قریب تھا یعنے عمر ابن سعد ابن ابی وقاصؓ، عمر نے معذرت چاہی لیکن ابن زیاد نے منظور نہیں کیا چنانچہ تین یا چار ہزار کی فوج کے ساتھ ان کو بھیجا، عمرؓ نے آکر حسینؓ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلوایا ہے وہ میری مدد کرنا چاہتے ہیں، آپ نے لکھنے والوں کے خطوط پیش کئے، عمرؓ نے بعض ایسے لوگوں کو وہ خطوط دکھائے جنھوں نے لکھا تھا اور اس وقت حاضر تھے، سبھوں نے انکار کر دیا، اور قسم کھا کر کہا ہمیں ان خطوط کا کوئی علم نہیں،

حضرت حسینؓ نے عمرؓ کے سامنے اپنی تین باتیں پیش کیں یا تو وہ ان کو حجاز جانے دے تا کہ، جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں یا پھر ان کو یزید کے پاس شام لے چلے یا ان کو مسلمانوں کی کسی سرحد پر جانے دے تا کہ وہ سرحد کے ایک فوجی بن جائیں جہاد کریں، اور وظیفہ پائیں۔ عمر نے منظور کر لیا، اور کہا میں اس کے متعلق ابن زیاد سے مشورہ کرتا ہوں،

عمر نے ابن زیاد کو حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتیں لکھیں لیکن ابن زیاد اس کے سوا کسی بات پر تیار نہ تھا کہ حضرت حسینؓ کو مجبور کرے ۔ چنانچہ اس نے جواب لکھ کر شمر بن ذی الجوشن کو دیا اور کہا یہ خط عمر کو پڑھ کر سنانا اور دیکھنا وہ کیا کرتا ہے اگر حضرت حسینؓ سے لوٹنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو تو تم بھی اس کے ساتھ رہو اور حسینؓ سے فرصت پا لینے تک اس کی نگرانی کرتے رہو اور اگر لڑنے سے انکار کرے یا تاخیر کرنا چاہے تو اس کی گردن مار کر تم اس کی جگہ فوج کے افسر بن جانا ، عمر بن سعد نے جواب پڑھنے اور ابن زیاد کا حکم معلوم کرنے کے بعد ہی حضرت حسینؓ سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی اس نے حضرت حسینؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ ابن زیاد کی اطاعت قبول کر لیں ، حضرت حسینؓ نے انکار کیا اور کہا اس سے تو موت اچھی ، اس کے بعد عمر نے فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا ، حسینؓ کے ساتھ کل بہتر آدمی تھے ، دوپہر تک جنگ جاری رہی ، حضرت حسینؓ کو ان کے بھائیوں اور بھتیجوں کو اور مٹھی بھر ساتھیوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور اکثر قتل کر دیئے گئے ، حضرت حسینؓ نے جگر خراشی کے انتہائی مناظر دیکھے انھوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹے ، بھائی اور بھتیجے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جا رہے ہیں اور آزمائش کی ساری تلخیاں برداشت کر لینے کے بعد قتل ہونے والوں میں وہ آخری مقتول ہوں گے ۔

عمر بن سعد کے کچھ تھوڑے سے ساتھی جو ابن زیاد کی یہ روش برداشت نہ کر سکے کہ اس نے حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتوں کو ٹھکرا دیا ، اپنی فوج سے الگ ہو کر حسینؓ کے ساتھی بن گئے تھے ، انھوں نے بھی حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی اور ان کے سامنے قتل ہوئے اب مسلمانوں نے آنکھ اٹھائی تو انہیں نظر آیا کہ انھیں کی قوم ہے اور اس کا سردار ایک قریشی ہے ، مہاجر کا بیٹا ہے اس کا باپ اسلام کی راہ میں پہلا تیر انداز جنت کی بشارت پانے والے دس جنتیوں میں سے ایک ، فارس کی فتوحات میں مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار اور فتنے کی باتوں سے دور رہنے والا محتاط مسلمانوں نے دیکھا کہ انھیں سعد بن ابی وقاص کے بیٹے کی ماتحتی میں لڑنے والی فوج ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے ، علیؓ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے ، غزوۂ موتہ کے شہید عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب طیار کے دونوں لڑکوں کو قتل کر رہی ہے اور ان کو لوٹ رہی ہے ، حضرت حسینؓ کو لوٹتی ہے اور اس طرح کہ آسمان کے نیچے انھیں ننگا چھوڑ جاتی ہے ، یہ فوج ان کے ساتھ وہ

سلوک کرتی ہے جو مسلمان مسلمان کے ساتھ نہیں کر سکتا، اس کے بعد عورتوں کو غلاموں کی طرح قید کرتی ہے، ان عورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی زینب بھی ہیں، پھر ان کو ابن زیاد کے پاس لایا جاتا ہے جو شرم اور رسوائی کے مارے صرف اتنی رواداری کرتا ہے کہ جب علی ابن حسینؓ نے جو ابھی چھوٹے تھے اور جن کو ابن زیاد قتل کر دینا چاہتا تھا، اس سے کہا۔" اگر تمہارے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی رشتہ ہے تو کسی متقی آدمی کے ساتھ ان کو شام بھجوا دو" تو اس کو یاد آیا کہ اس کا باپ ابوسفیان کا بیٹا بنتا تھا، پھر تو بڑا شرمندہ ہوا اور اس لڑکے کے قتل سے باز رہا، اور حسینؓ کے گھر والوں کے ساتھ اس کو بھی یزید کے پاس بھجوا دیا، اس کے بعد مقتولوں کے سر جس میں حضرت حسینؓ کا سر بھی تھا یزید کے سامنے پیش کیا، یزید نے حضرت حسینؓ کے دانتوں پر اپنی ہاتھ کی بید رگڑی اور کہا،

یفلقن ھاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق واظلما[1]

وہ تلواریں بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں کے سر توڑ دیتی ہیں جو ہم پر بہت گراں ہیں

راویوں کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابوبرزہؓ اس مجلس میں حاضر تھے انھوں نے یزید سے کہا ——— ایسا مت کرو میں نے ان دانتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا ہونٹ رکھتے دیکھا ہے، یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور مجلس سے چلے گئے،

قیدیوں کو یزید کے سامنے پیش کیا گیا، ابتدا میں تو اس نے سختی برتی لیکن پھر نرم ہو گیا اچھا سلوک کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا، اس کے بعد انکو عزت واحترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا راویوں کا خیال ہے کہ یزید اس طرح حضرت حسینؓ کے قتل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے گناہ کا سارا بوجھ مرجانہ کے لڑکے عبید اللہ ابن زیاد پر ڈال دیتا ہے، لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے ابن زیاد کو برا بھلا کہا ہو، اس کو سزا دی ہو، یا اس کو معزول کر دیا ہو اسی طرح اس سے پہلے امیر معاویہ نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اور اس کی ذمہ داری زیاد پر ڈال دی، اور کہہ دیا کہ سمیہ کے لڑکے نے یہ سب کچھ مجھ سے کروایا۔

---

[1] یہ شعر حصین ابن الحمام کا ہے اس سے پہلے کا شعر یہ ہے،

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت قواضب فی ایماننا تقطر الدما

قوم نے ہمارا انصاف کرنے سے انکار کر دیا تو ہماری تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون ٹپکتا تھا،

حسینؓ کے بعد

(۱)

شیعہ، خارجیوں سے اس لیے برہم تھے اور اُن سے قصاص کے خواہاں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور خارجی شیعوں کے خلاف اس لئے انتقامی جذبات رکھتے تھے کہ نہروان اور دوسرے معرکوں میں حضرت علیؓ نے ان کو تہ تیغ کیا تھا، پھر شیعہ بنی اُمیّہ سے دو انتقام لینا چاہتے تھے ایک حُجر اور ان کے ساتھیوں کا جن کو امیر معاویہؓ نے قتل کر دیا تھا۔ دوسرا حسینؓ کا ان کے اہل بیت کا اور ان کے حامیوں کا جن کو یزید نے قتل کیا تھا،

بنی اُمیہ کے دماغ میں یہ بات تھی کہ ان کو شیعوں سے یا شیعوں اور خارجیوں دونوں سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا ہے، جن کو باغیوں نے قتل کیا ہے جو حضرت علیؓ کے وفادار تھے ان میں سے بعضوں نے خود حضرت علیؓ سے بغاوت بھی کی، علاوہ ازیں بنی اُمیّہ عام مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کے جذبات رکھتے تھے اس لئے کہ بدر کے معرکے میں ان کے آدمی قتل ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض راویوں کا خیال ہے ایک دوسرے موقع پر حرّہ کے معرکہ کے بعد یزید کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات کی یاد آئی اور اس نے یہ شعر پڑھا،

لیت اشیاخی ببدر شھدوا	جزع الخزرج من وقع الاسل
کاش میرے بڑے بوڑھے معرکہ بدر میں حاضر ہوتے	جب نیزوں کے وار سے خزرج کے لوگ چلا اٹھے

بہر حال ان جماعتوں میں صرف اس لئے اختلاف نہیں تھا کہ دینی باتوں میں ایک دوسرے سے دور تھے بلکہ انتقامی جذبات اور باہمی دشمنی بھی ان کے اختلافات کی بنیاد تھی،

ان میں سے ہر جماعت دوسری دونوں جماعتوں سے قصاص اور انتقام کی خواہاں تھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خاندانی عصبیت فتنے کا ایک عنصر بن چکی تھی جس نے مسلمانوں کو بہت سی خرابیوں کی طرف دھکیل دیا، جس کا سلسلہ نہ قتل حسینؓ سے منقطع ہوا نہ مرگ یزید سے رُکا بلکہ برابر جاری رہا

اور آج بھی مسلمانوں کی زندگی میں ان خرابیوں کے اثرات موجود ہیں،

یہ واقعہ ہے کہ قرابت کی طرف جھک پڑنے اور دین کو دور رکھنے کے مجرم صرف عراق کے لوگ نہیں، جیساکہ زیاد نے اپنے خطبے میں عراقیوں پر اس کا الزام عاید کیا ہے بلکہ یہ مصیبت عام ہوئی اور اس میں عراقیوں کے ساتھ شامی، مصری، حجازی سبھی شامل ہیں، جیساکہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے

کہا جاتا ہے کہ حسینؓ نے یزید کی بغاوت کی، اس کی بیعت کو ٹھکرا دیا اور کوفہ چل کر آئے، کہ یہاں کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کریں اور جماعت میں تفریق ڈال کر مسلمانوں میں جنگ وجدال کی وہی کیفیت پیدا کر دیں جو ان کے باپ کے زمانے میں تھی، پس یزید نے اور اس کے عراق کے حاکم نے نہ کوئی فتنہ جگایا نہ خرابی پھیلانے میں پہل کی البتہ انھوں نے اپنے اقتدار کی مدافعت کی اور امت کے اتحاد کی حفاظت

یہ بات صحیح ہوتی اگر حضرت حسینؓ جنگ پر اصرار کرتے، اور کسی قسم کی گفت وشنید اور واپسی پر تیار نہ ہوتے، لیکن حضرت حسینؓ نے جو کچھ کہا اس میں تین باتیں پیش کی تھیں اور ہر ایک ان میں سے اپنے اندر امن وعافیت کی راہ رکھتی تھی اگر ان کو حجاز واپس جانے کی اجازت دیدی جاتی تو مکہ چلے آتے جہاں خوں ریزی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے کہ وہ حرمت کا مقام ہے اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کی اجازت دن میں صرف ایک گھنٹہ کے لئے مل سکی، اور اگر ان کو یزید تک پہونچنے کی اجازت دیدی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ یزید ان کو کسی طرح راضی کر لیتا یا ان کو کسی وزنی دلیل سے ساکت کر سکتا، اور پھر بحث وشک کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اور اگر ان کو کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے کی اجازت دیدی جاتی تو وہ عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتے دشمنوں سے جنگ کرتے، فتوحات میں شریک ہوتے نہ کسی کو تکلیف پہونچاتے نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچاتا لیکن یزید کے آدمیوں کو تو اس کی ضد تھی کہ آپ کو نیچا دکھایا جائے اور آپ کو ایک ایسے شخص کی حکومت پر راضی کیا جائے جس کو آپ اپنا مقابل یا برابری کا نہیں جانتے تھے، پس وہ کچھ ہوا جو انتہائی جبر اور سنگدلی کا نتیجہ ہو سکتا تھا ابن زیاد نے شاید یہ سمجھا کہ حضرت حسینؓ کو قتل کر کے وہ فتنے کی جڑ اکھاڑ دے گا، اور شیعوں کو مایوس کر کے مجبور کر دے گا کہ وہ امیدوں اور آرزوں کی دنیا سے نکل کر ایک دوسرے یقین کے میدان میں آجائیں، جہاں آنے کے سوا چارہ نہیں،

لیکن اس کتاب کے تیسرے حصے میں آپ پڑھیں گے کہ ابن زیاد نے فتنے کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا، خرابی، خرابی کو دعوت دیتی ہے اور خون کو خون بلاتا ہے، پھر قتل و خوں ریزی کی بے انتہا مقتولوں اور پسماندہ بچوں اور عورتوں کو اس طرح کی اذیت اور ایسا عذاب، اندازہ کیجئے پڑی ہوئی لاشوں کو لوٹا گیا، جس میں فاطمہؓ کا بیٹا اور ان کے پوتے تھے، حضرت علیؓ کے لڑکوں اور حسینؓ کے ساتھیوں کو لوٹا گیا، عورتوں سے ان کے زیور، کپڑے اور دوسرے سامان چھینے گئے، یزید مجبور ہو گیا کہ جو کچھ ان سے چھینا گیا ہے اس کا عوض دیدے،

حضرت علیؓ خدا کی ان پر رحمت ہو اپنی لڑائیوں میں اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ بھاگنے والے کا تعاقب اور زخمیوں پر حملہ نہ کیا جائے، شکست خوردہ لوگوں سے ان کے ہتھیار اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہ لیا جائے، صفین کے معرکے میں انہیں ہدایتوں پر عمل ہوا،

پس ابن زیاد کی یہ روش جو اس نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے روا رکھی بدترین گمراہی کا عمل تھا، جس سے مسلمان اپنے رسوا کن فتنے کے زمانے میں بھی آشنا نہ تھے، پھر ان کاموں پر ابن زیاد، یزید سے کوئی سزا یا سرزنش نہ پا سکا، بلکہ اور زیادہ اس کا محبوب اور مقرب بن گیا،

بیٹوں کے بارے میں حضرت علیؓ کی آزمائش کا سلسلہ اس سانحے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، ایسی آزمائش آج سے قبل کسی مسلمان سے نہیں لی گئی اس میں آپ کے لڑکوں میں سے حسین ابن فاطمہؓ کو عباس اور جعفر کو عبداللہ اور عثمان کو محمد اور ابوبکر کو قتل کر دیا گیا یہ ساتوں آپ کے بیٹے تھے ایک ہی دن ایک ساتھ مارے گئے اور حسینؓ کے بڑے لڑکے علیؓ اور ان کے بھائی عبداللہ قتل کر دیئے گئے پھر حسنؓ کے لڑکے عبداللہ اور ان کے دونوں بھائی ابوبکر اور قاسم بھی قتل کر دیئے گئے یہ پانچوں حضرت فاطمہؓ کے پوتے تھے، عبداللہ ابن جعفر طیار کے لڑکوں میں سے محمد اور عون قتل کر دیئے گئے عقیل ابن ابی طالب کے لڑکوں میں سے بھی بعض معرکے میں کام آئے اور مسلم بن عقیل تو جیسا کہ آپ نے پڑھا کوفہ میں مارے گئے۔

ان لوگوں کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ساتھ جتنے بھی ساتھی تھے عربی عجمی سب کے سب مارے گئے پس طالبیوں کے لئے عموماً اور فاطمہؓ کے بیٹوں کے لئے خصوصاً یہ مصیبت کیسی دلدوز مصیبت تھی اور خود اسلام کے لئے یہ کتنا بڑا سانحہ تھا جس میں رواداری خیر خواہی اور خون کی حفاظت

کے مقررہ اور مشہور اصولوں سے روگردانی کی گئی جس میں اس آبرو کا خیال نہیں رکھا گیا جو رعایت کی سب سے زیادہ مستحق تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو جو مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے کہ و حد سے زیادہ احتیاط برتیں اور اہل بیت میں سے کسی پر بھی لب کشائی سے پہلے گناہ سے بچیں،

یہ سب کچھ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی صرف پچاس سال گذرے تھے پھر اگر یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور اصرار کے ساتھ کہتے تھے کہ حضرت حسنؓ کو زہر دیکر مارا گیا ہے تاکہ یزید کی ولی عہدی کا راستہ صاف ہو جائے تو کو اندازہ ہوگا کہ امیر معاویہؓ اور ان کے لڑکے یزید کے عہد میں مسلمانوں کے معاملات خرابی کی انتہا تک پہنچ گئے تھے،



حسینؓ کے بعد

(۲)

اس مذموم حرکت کے برُے نتائج بہت جلد اپنے اثرات دکھانے لگے، اس سانحے کی اطلاع جب حجاز پہنچی وہاں کے لوگوں کو اور خصوصًا صالحین کو سخت صدمہ ہوا عام طور پر لوگ اس کا چرچا کرنے لگے اور واقعے کی اہمیت بڑھنے لگی، دلوں میں تاثرات پیدا ہوئے، لوگ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یزید کا اقتدار اب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں حد سے بڑھ گیا ہے اس کی اطاعت اب ہم پر ضروری نہیں بلکہ موقع تو اس سے بغاوت کرنا ہمارا فرض ہے،

حجاز میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی طاقت بڑھ چکی تھی، ان کے ہمدردوں اور حامیوں کی جماعت میں کافی لوگ شریک ہوگئے تھے، یزید اس فکر میں تھا کہ حسینؓ کی طرح عبداللہ ابن زبیرؓ سے بھی فرصت پالے اور جب اس کو معلوم ہوا کہ مدینہ کی فضا بہت خراب ہے، وہاں کے لوگ علانیہ اُس کی مذمت کرتے ہیں تو اس نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مدینے سے ایک وفد بھیجے اس نے حکم کی تعمیل کی اور ایک وفد بھیجا، یزید نے اس وفد سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کی اور وفد کے ہر رکن کو پچاس پچاس سے نوازا اور بزعم خود سمجھا کہ ایک ہاتھ سے اس نے جو زخم پہنچایا تھا دوسرے ہاتھ سے اس کو بھر دیا، لیکن وفد کے لوگ جب واپس آتے ہیں تو مدینہ والوں سے علانیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک فاسق کے پاس سے آرہے ہیں جو شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا نفسانی خواہشوں کا غلام ہے، طنبور بجاتا ہے اور مغنّی عورتوں کے گانے سنتا ہے،

یہ باتیں مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ تک پہونچتی ہیں اور وہ بہت کچھ اسمیں اپنی طرف سے بڑھا کر یزید کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں اس کے بعد مدینہ کے لوگ بغاوت کرتے ہیں اور یزید کے گورنر کو اپنے یہاں سے نکال دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبداللہ بن حنظلہ غسیل کو اپنا حاکم مقرر کرتے ہیں اور بنی امیہ کا محاصرہ کر لیتے ہیں بالآخر مجبور ہو کر یزید نعمان بن بشیر انصاری کو بھیجتا ہے کہ باہم صلح وصفائی ہو جائے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوتی، پھر یزید نے ایک فوج بھیجی جس میں بارہ ہزار شامی تھے، اس فوج کا افسر مسلم بن عقبہ مری

بنایا اور یہ حکم دیا جس کا ابتدائی حصہ صحیح تھا اور آخری حصہ غلط، حکم یہ تھا کہ وہ مدینہ جا کر
ان سے لوگوں کو اطاعت کی دعوت دے اور اظہار معذرت کے بعد تین دن کی مہلت، اگر اس میں
اطاعت کر لیں تو ٹھیک ورنہ بزن بول دے،

یہاں تک یزید حد کے اندر تھا، اس کو حق تھا کہ اپنے باغیوں کو اپنی اطاعت کی از سر نو
دعوت دے لیکن وہ اسی حد پر رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا اور باطل کی حد میں قدم رکھ دیا، چنانچہ مسلم
کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ مدنی باغیوں پر غالب آجائے تو تین دن تک مدینہ شامی فوجیوں کے
حوالے کر دے کہ ان کا جو جی چاہے کریں، جس طرح چاہیں لوٹیں، ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہو،

چنانچہ مسلم مدینہ آتا ہے اور معذرت پیش کرنے کے بعد مدینہ والوں سے مقابلہ کرتا ہے اور
بہت سے لوگوں کو قتل کر دینے کے بعد مدینہ تین دن کے لئے اپنی فوج کے حوالے کر دیتا ہے جس نے
قتل و غارت کا بازار گرم رکھا لوگوں کی عزت و آبرو پر ہاتھ بڑھایا اس کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے
ان سے بیعت لی گئی، کتاب و سنت پر نہیں جیسا کہ مسلمانوں کا معمول تھا بلکہ اس بات پر کہ وہ سب
کے سب یزید کے غلام اور حاشیہ بردار ہیں، جو شخص بھی اس بیعت سے انکار کرتا، اس کی گردن اڑا
دی جاتی،

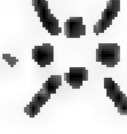
اس طرح مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علانیہ اللہ کے احکام کی نافرمانی اور دین سے سرتابی
کی گئی، اور یزید اور اس کے حامی یہ سمجھتے رہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے
لیا، اس کے بعد یہ فوج مدینہ چھوڑ کر مکہ گئی اور ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا، مسلم تو راستے ہی میں مر گیا،
اس کی جگہ حصین بن نمیر سکونی فوج کا افسر مقرر ہوا، شامیوں نے مکہ کے محاصرے میں شدت کر دی اس
سے بھی بڑھ کر یہ کہ منجنیق کا استعمال کیا اور کعبے میں آگ لگا دی اور ابھی محاصرہ باقی تھا کہ یزید کے
مرنے کی خبر پہنچی اور وہ سب کے سب شام واپس ہو گئے اور ابن زبیر محفوظ رہے،

ابن زبیرؓ کا مکہ میں محاصرہ کئے رہنا تا آنکہ وہ اطاعت قبول کرے یزید اور اس کے ساتھیوں کے لئے
کافی تھا لیکن یزید کی فوج بضد تھی کہ مدینہ کی طرح وہ مکہ کی حرمت بھی خاک میں ملائے گی اس طرح یزید
نے قتل حسینؓ کے بعد پھر ایک بار عام مسلمانوں کو اور خصوصاً حجاز والوں کو سخت ناراض کیا،

یہ غلو اور گناہ میں حد سے بڑھ جانا سخت مذموم اور قابل ملامت ہے، سیاست کا تقاضہ تھا کہ یزید

بغاوت کرنے والوں سے جنگ کی جائے، ان کو قتل کردیا جائے یا پھر وہ اطاعت قبول کرلیں، لیکن ان کے اعضاء کاٹ لینا ان کی بے حرمتی کرنا یہ تو ایسی شرمناک حرکتیں ہیں، جن سے نہ صرف ذہن بیزار ہے اور یہ سیاست کے لئے بھی ناگوار ہیں، نیز عربی طور طریقوں کے بھی خلاف، پھر یہی باتیں بعد میں سینوں اور دلوں میں بغض وکینہ بھردیتی ہیں، چنانچہ انھیں باتوں کی وجہ سے یزید نے شیعوں اور خارجیوں کے ساتھ اہل جماعت کے دلوں میں بھی اپنی طرف سے بغض اور عداوت پیدا کردی تھی،

انھیں باتوں کا انجام یہ نکلا کہ حکومت ابوسفیان کی اولاد میں باقی نہ رہ سکی اور نکل کر دوسرے کے ہاتھوں میں چلی گئی اور یزید ابھی چار ہی سال حکومت کر پایا تھا، کہ لطف اندوزی کے ہاتھوں کی موت مرا، راویوں کا بیان ہے کہ وہ ایک بندر سے دوڑ میں مقابلہ کررہا تھا کہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور مرگیا،



فتنے کا خاتمہ

جس فتنے کی آگ حضرت عثمانؓ کے قتل سے مدینہ منورہ میں ۳۵ھ میں بھڑکی تقریباً تیس سال تک بہت سے مرحلوں سے گذرتا ہوا یہاں پہونچکر وہ فتنہ ختم ہوگیا، آپ نے پڑھا اس نے کیسے کیسے ہولناک مصائب نازل کئے کتنی خونریزیاں کیں کتنی جانیں لیں رسوائی اور بے عزتی کے کیسے کیسے سامان کئے اسی کی بدولت میں خلافت راشدہ برباد ہوئی مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ایک استبدادی شاہی کا قیام عمل میں آیا جس کی بنیاد دین پر نہ تھی بلکہ سیاست اور مفاد پرستی پر تھی، خیال کیا جاتا تھا کہ بیس سال تک جس بانی سلطنت کو حکومت کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھنے کا موقع ملا ہے وہ کم از کم ایک عرصہ کیلئے ابوسفیان کے خاندان میں حکومت کی جڑیں مضبوط کردے گا، لیکن ایسا نہیں ہوسکا حکومت نے بہت جلد اس خاندان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

لیکن یہ ساتھ بھی نرمی اور آسانی سے نہ چھوٹ سکا، اس لئے کہ فتنہ یزید کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا بلکہ ایک حد پر پہونچ کر اس نے پھر سر اٹھایا اور بڑی شدت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوا اس نے حکومت اور مسلمانوں کو ایسے مشکلات اور مصائب سے دوچار کردیا جو خرابی اور گہرائی کے اعتبار سے اس کتاب میں ذکر کردہ بعض واقعات سے کسی طرح کم نہیں،

اسلام نے جن بہت سے اعلیٰ نمونوں کی دعوت دی ہے انہیں میں کے ایک اعلیٰ نمونہ تک پہونچنے کیلئے یہ ساری کشمکش ہوئی مقصد تو حاصل نہ ہوسکا البتہ خونریزیاں ہوئیں جانیں گئیں رسوائیاں ہوئیں اور لوگوں کا دین خراب اور دنیا برباد ہوئی یہ اعلیٰ نمونہ وہ عدل و انصاف تھا جو دنیا کو امن و عافیت سے معمور کردیتا، جس کے حصول میں مسلمانوں کی گردنیں برسہا برس تک مسلسل کٹتی رہیں اور کامیابی نہیں ہوسکی یہاں تک کہ بعض شیعہ اس عدل کے آنے سے تو نہیں لیکن اس کے جلد آنے سے مایوس ہوگئے اور اپنا عقیدہ بنالیا کہ ان کے اماموں میں سے کوئی امام کسی دن آئے گا اور دنیا کو عدل انصاف سے بھردے گا جس طرح آج وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔

طٰہٰ حسین، قاہرہ
مئی ۱۹۵۳ء